ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

جلد ۱۱   جنوری سنہ ۱۹۶۰ء   شمارہ ۱

بانی: شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر

پروفیسر محمد مجیب

برکت علی فراق

رفیق شاستری

دفتر ماہنامہ تعلیم و ترقی، جامعہ ملیہ جامعہ نگر نئی دہلی

قیمت سالانہ: چار روپے   ٹیلیفون ۲۳۲۶۱/۷   فی پرچہ: ۳۷ نئے پیسے

ترتیب

دہلی کا ایک مُبارک قدم

اطلاع ملی ہے کہ دلّی کے سماجی بہبود کے محکمے نے ایک نئی اسکیم منظور کی ہے جس کے ماتحت آوارہ اور لاوارث بچوں کو تلاش کرکر کے ریمانڈ ہوم میں داخل کیا جائے گا اور وہاں اُن کی تربیت و اصلاح کے انتظامات کئے جائیں گے۔ بے وردی پولیس کے سپاہیوں کا ایک دستہ خاص اسی کام کے لئے متعین کیا گیا ہے جو مشتبہ چال چلن کے لڑکوں کو گرفتار کر کے ریمانڈ ہوم پہنچائے گا۔

اس سے پہلے اس قسم کے آوارہ اور لاوارث بچوں کو بھی اُسی جگہ رکھا جاتا تھا جہاں تفتیش و تحقیقات کی غرض سے اخلاقی ملزم رکھے جاتے تھے۔ ان میں جرائم پیشہ عادی مجرم بھی ہوتے تھے، اور قاتل اور چور ڈکیت بھی، ان لوگوں کے ساتھ رہ کر یہ بچے اور زیادہ بگڑ جاتے تھے جنھیں ان کی تربیت و اصلاح کی غرض سے پکڑا اور رکھا جاتا تھا۔ مگر اب بچوں کا ریمانڈ ہوم جو پہلے جیل خانے سے متعلق تھا، اس سے الگ کر لیا گیا ہے۔

اس وقت اس ریمانڈ ہوم میں تقریباً ۸۰ بچے ہیں۔ ان کو وہاں لکھنا پڑھنا، اور ایک ایک دستکاری سکھائی جاتی ہے جس کے انتخاب میں یہ خیال رکھا جاتا ہے کہ وہ آگے چل کر ان کے کام آئے گی۔ اس اسکیم پر عمل کرنے کے لئے طریقۂ کار یہ رکھا گیا ہے کہ جس وقت کوئی بچہ ہوم میں داخل ہو، تو سب سے پہلے اس کے والدین یا کسی قریب کے عزیز کا پتہ لگایا جائے اور اس کے ساتھ ہی وہ حالات بھی معلوم کئے جائیں جن کے زیرِ اثر وہ اس نوبت کو پہنچا ہے۔ اگر معلوم ہوتا ہے کہ بچہ کسی دوسری ریاست کا ہے تو اس ریاست کے متعلقہ لوگوں سے خط و کتابت کے ذریعے تحقیقات مکمل کی جاتی ہے۔ جب یہ معلوماتی تحقیق مکمل ہو جاتی ہے تو ہوم کی طرف سے ایک مفصل رپورٹ جو سماجی تحقیقات کے اصول پر مبنی ہوتی ہے، نابالغ ملزموں کی عدالت میں پیش کی جاتی ہے اس رپورٹ میں بچے کی نفسیاتی تحلیل کے ساتھ اس کی اصلاح و تربیت سے متعلق ٹھوس مشورے بھی شامل ہوتے ہیں۔ اس تمام عرصے میں کسی منزل پر بھی بچے کے لئے مجرم یا ملزم کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ اس کے بجائے "اُسے بگڑے ہوئے بچے" کے نام سے خطاب کیا جاتا ہے۔

بعض حالات میں بچوں کو ان کے والدین یا سرپرستوں کے پاس پہنچا دیا جاتا ہے ورنہ ہوم ہی میں رکھ کر ان کی

تربیت و اصلاح کی تدبیریں کی جاتی ہیں۔ ہوم کے اسّی بچوں میں زیادہ تعداد ۱۰ سے ۱۴ سال کی عمر کے بچوں کی ہے۔

دلّی کی حکومت نے یہ بڑا نیک کام شروع کیا ہے جو امید ہے پورے ملک کے لئے نمونہ ثابت ہوگا۔ اس سے پہلے غالباً بھارت سیوک سماج کے زیر اہتمام چند سال ہوئے "آوارہ اور لاوارث بچوں کی تربیت و اصلاح کا ایک مرکز "سہیوگ" کے نام سے نئی دلّی میں قائم ہوا تھا جو خالصتہً ایک غیر سرکاری ادارہ تھا۔ اس سنستھا نے بڑا اچھا کام کیا تھا۔ مذکورۂ بالا خبر سے معلوم ہوتا ہے کہ اب یہ کام حکومت نے اپنے ذمّے لیا ہے جو اُسے اب سے بہت پہلے لینا چاہئے تھا۔ غیر سرکاری سنستھائیں حکومت کے کرنے کے کام کا تجربہ بڑے پیمانے پر نہیں کر سکتیں، اور ہوشمند اور بیدار مغز حکومتوں کا فرض ہوتا ہے کہ جب کوئی غیر سرکاری سنستھا ان کے سامنے چھوٹے پیمانے پر تجربہ کرکے کام کی راہ دکھا دے تو وہ اُسے اپنے ذمّے لے لیں اور بڑے پیمانے پر کام شروع کردیں۔

مگر جہاں یہ کام کرنے کا ہے، وہاں بڑا نازک بھی ہے۔ آپ بچّے کو مجرم کہیں یا نہ کہیں، ریمانڈ ہوم میں جس ماحول میں اُسے یہاں رکھا جاتا ہے، وہ بچّے کے تحت شعور میں قید و بند کی زندگی کا نقشہ یقیناً جما دیتا ہے۔ پھر اس قسم کے مرکزوں کے کارکن ابھی اپنا ذہنی پس منظر ایسا نہیں بنا پائے ہیں جیسا ترقی یافتہ ملکوں کے کارکنوں کا ہوتا ہے۔ مرکزوں کے کارکن جب تک ان بچّوں کو ماں باپ کی محبّت و شفقت نہیں دے سکیں گے اور ان کو گھر میں اپنایت کا جو ماحول ہوتا ہے اس کا یقین نہ دلاویں گے اس وقت تک یہ مرکز جیل خانے ہی رہیں گے، بہت ہوا تو انھیں بچّوں کا جیل خانہ کہہ لیا جائے گا۔

ان حالات میں ضروری ہے کہ ریمانڈ ہوم کے انتظامی افسران بچّوں کی تربیت و اصلاح کے بارے میں صلاح مشورہ دینے کی غرض سے ایسے ماہروں کو اپنے ساتھ رکھیں جنھوں نے اسی فن کی ٹریننگ پائی ہے۔ اس مقصد کے لئے ہمارا خیال ہے کہ سوشل ورک کی ٹکنیک کے ماہرین بہت مفید ثابت ہوں گے، جن کی تعداد خدا کا شکر ہے، ہمارے ملک میں کافی ہے۔

سماجی بہبود کے محکمے کے سامنے اس سلسلے میں ہم ایک تجویز اور رکھنا چاہتے ہیں، موجودہ اصول علاج کا نظریہ ہے کہ بیماریوں اور وباؤں کا انسداد دواؤں سے نہیں ہو سکتا جب تک وہ حالات نہ ختم کردیئے جائیں جن کے نتیجے کے طور پر بیماری یا وبا پھیلتی ہے۔ اسی نظرئیے پر اس محکمے کو بھی کاربند ہونا چاہئے۔ اُسے چاہئے کہ بگڑے ہوئے بچّوں کے بارے میں والدین اور سرپرستوں کی رہنمائی کرنے کی غرض سے ریمانڈ ہوم سے ملحق ایک مشاورتی مرکز بھی قائم کرے اور کم سے کم دلّی کے لوگوں کو دعوت عام ہو کہ وہ اپنے بگڑے ہوئے بچّوں کو لے کر یہاں آئیں، بچوں کو بگاڑنے والے حالات و محرکات کی تحقیق کرائیں اور اس تحقیق کی بنا پر جو مشورے دیئے جائیں ان کے اوپر عمل کریں۔ اس مہم میں اتنا ہی کافی نہیں ہوگا کہ لوگ بچوں کو لے کر مرکز ہی میں آیا کریں بلکہ گھر پر بچّے کی زندگی کا بغور مطالعہ کرنے کی غرض سے اس فن کے ماہروں کو گھر گھر جانا اور بعض حالات میں مستقل مہمان بن کر رہنا ہوگا، اسی طرح بعض

(بقیہ صفحہ ۳۴ پر)

تعلیمی قانون کی ضرورت

دنیا کے قریب قریب ہر ترقی یافتہ ملک میں تعلیم کے لئے قانون بنے ہوئے ہیں۔ اس طرح کا قانون اگر نہیں ہے تو ہمارے ملک ہندوستان میں۔

زیرِ نظر مضمون میں تعلیمی قانون کی ضرورت اور اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس قانون کے نہ ہونے سے کیا کیا نقصانات ہو رہے ہیں اور قانون ہونے کی صورت میں کیا کیا فوائد ہوں گے۔ ان سطروں میں سرِ دست اسی طرح کے سوالات اٹھائے گئے ہیں اور اُن کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

اگر موقع ملا تو اگلی کسی اشاعت میں نمونے کا ایک قانون ترتیب دے کر پیش کیا جائے گا۔

موضوع کی اہمیت کے پیشِ نظر ہم ناظرین سے درخواست کریں گے کہ اس موضوع سے متعلق وہ بھی، اپنے خیالات لکھ کر ہمیں بھیجیں ہم انھیں نہایت خوشی سے شریک اشاعت کریں گے، چاہے وہ ہمارے نظریئے کی تائید میں ہوں یا اس کے مخالف۔

——— ایڈیٹر

تعلیم کی حالت

آزادی سے پہلے

ملک کے آزاد ہونے سے پہلے انگریزی حکومت سے منجملہ اور شکایتوں کے ایک شکایت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے ہی دعووں کے مطابق سہی۔ اگرچہ ملک کی بہی خواہی کی خواہشمند ہے، مگر پھر بھی تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہیں کرتی۔ یہ شکایت اپنی جگہ صحیح تھی لیکن اُس زمانے کے حالات اور انگریزی حکومت کی پالیسی کے پیشِ نظر بھینس کے آگے بین بجانے کے برابر تھی۔ یہ اس لئے کہ ملکیوں کو تعلیم کی دولت سے بہرہ مند کرنا انگریز حکمرانوں کے نزدیک اپنے پاؤں میں آپ کلہاڑی مارنے کے برابر تھا۔ دنیا کی نظروں میں سُرخرو ہونے کی نیت سے اور ظالمانہ سامراج کی بدنامی سے بچنے کی غرض سے انھوں نے اپنی گوں کی تعلیم کا تھوڑا بہت انتظام کیا تھا مگر وہ بھی اس طرح کہ انگریزی زبان کو ذریعہ تعلیم بنایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آبادی کا بڑا حصہ تعلیم سے محروم رہ گیا اور جن لوگوں کو تعلیم ملی وہ ہندوستان میں انگریز کے سائے کو ظلِّ الٰہی تصوّر کرنے لگے۔

آزادی کے بعد

ملک انگریزوں کے اقتدار سے آزاد ہوا تو منجملہ اور باتوں کے اس بات کی بھی آس بندھی کہ اب ملک میں تعلیم کا چرچا عام ہو جائے گا، اور جو تعلیم ملے گی وہ ہندوستانیوں کی ضرورت، مزاج اور زبان و تہذیب کے مطابق ہوگی۔

آزادی ملے اب کچھ اوپر بارہ سال ہو چکے ہیں۔ اعداد و شمار تو ہمارے سامنے ہیں نہیں لیکن عام خیال یہ ہے کہ آبادی کا اب بھی کچھ نہیں تو ۲۰ فی صدی حصہ ان پڑھ ہے۔ ملک کا دستور ترتیب دینے والوں نے ابتدائی تعلیم کو لازمی قرار دینے کے لئے ایک تاریخ مقرر کر دی تھی، وہ تاریخ آ بھی گئی مگر ابھی ملک میں لازمی ابتدائی تعلیم کا کہیں دور دور تک امکان نظر نہیں آتا۔

تعلیم عام نہ ہونے کا ایک سبب تعلیمی قانون کی غیر موجودگی

تعلیم کے میدان میں آزاد ہندوستان کو حسبِ منشا کامیابی کیوں نہیں ہوئی؟ اس کے بہت سے اسباب ہیں۔

ملک کی تقسیم کے بعد کے افسوس ناک واقعات تے اس میں شک نہیں ہمارے تمام حوصلوں کو خاک

میں ملا دیا تھا۔ ہماری غذائی صورت حالات نے ہمارے ہاتھ پر باندھ دیئے تھے یہاں تک کہ ہمارے ذمے دار رہنما کہنے لگے تھے کہ پیٹ ہی خالی ہوگا تو کوئی بانسری کیا بجائے گا۔ ان مسائل نے اتنی شدت اختیار کرلی تھی کہ ان سب کا مقابلہ کرنے میں ہماری جیب کا ایک ایک پیسہ خرچ ہوتا چلا گیا، اور ان میں ہم ایسے اُلجھے کہ یہ واقعہ ہے کہ ہمیں نہ کتاب اٹھانے کی فرصت ملی نہ بانسری بجانے کی۔

مگر اسی افراتفری کی کیفیت میں یہ بھی واقعہ ہے کہ ہم آزادی کے پانچ سال گذرنے پر اپنی ترقی و تعمیر کے پنج سالہ منصوبے بھی ترتیب دینے لگے اور منصوبے صرف ترتیب ہی نہیں دیئے، منصوبہ بند زندگی کے اب تک سات آٹھ سال گذار بھی چکے ہیں ان منصوبوں کی دفعات میں ظاہر ہے تعلیم کی نئی تنظیم بھی ہے۔

یہ تو صحیح ہے کہ ان پلانوں میں ہم نے جتنے منصوبے باندھے، وہ بھی سب کے سب سو فیصدی پورے نہیں ہوئے مگر ہمارا خیال ہے کہ ان منصوبوں میں سب سے زیادہ پسماندہ حالت میں جو منصوبہ رہا ہے اور اب تک ہے وہ تعلیم ہے۔

اس پس ماندگی کا سبب کیا ہے؟

آزاد ہونے کے بعد جب کہ ہم اپنی ضرورتوں کا احساس ہونے پر انھیں پورا کرنے کا اختیار بھی رکھتے ہیں تعلیم کے پس ماندگی کی حالت میں پڑے رہنے کا کیا سبب ہے؟ ہمارے خیال میں یہ سبب ہے کہ ریاستوں میں تعلیمی قانون کے نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ تعلیم اور اس سے متعلق تمام امور محکمہ جات کی سنک کے پابند ہوگئے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ہر ریاست میں تعلیم کا ایک ایک وزیر ہوتا ہے لیکن وزیر خود تو کام نہیں کرتا۔ اُسے تو حکومت کی پالیسی کے ساتھ ساتھ اُن لوگوں کے تیوروں کا بھی خیال رکھنا پڑتا ہے جنھیں کام سپرد ہوتا ہے۔ پھر وزیر کی بھی اپنی انفرادیت اور شخصی تصورات و نظریات ہوتے ہیں قانون کے نہ ہونے کی صورت میں اس کی کیا ضمانت ہے کہ وہ ریاست کی ضرورتوں اور تمناؤں کے اوپر اپنے شخصی تصورات اور اپنی انفرادیت کو قربان کردے گا۔ اور اگر یہ کہیے کہ وزیر تو عوام ہی کا چُنا ہوا نمائندہ ہوتا ہے تو اس نمائندگی کی اصلیت اور پارلیمانی جمہوریت کے نظریاتی اختلافات کو چھوڑ دیجیے ایک سیدھی سی بات یہ سمجھ میں آتی ہے کہ جب یہی بات ہے تو آئے دن یہ نئے نئے قانون کیوں بنتے رہتے ہیں؟ کیا اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ وزراء جو کچھ ان کی سمجھ میں آئے کارروائی کرتے رہیں اور ودھان سبھا کو اس کی صرف اطلاع دے دیا کریں؟

واقعہ یہ ہے کہ جمہوری طرزِ حکومت میں وزیر بھی عوام کا نمائندہ ہونے کے زور پر آزاد نہیں ہوتا۔ آزاد جمہوری ریاست میں اور وہ بھی جب حکومت کا قیام پارٹی بندی

کی سیاست پر منحصر ہو، اصل چیز قانون ہوتی ہے جسے ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا قانون بنانے کے لئے بہت بڑی طاقت کی ضرورت ہوتی ہے۔ حکومتیں قائم ہوتی ہیں اور ختم ہو جاتی ہیں آج جس پارٹی کو اقتدار حاصل ہے، کل وہی اقلیت میں آسکتی ہے، اس لئے ملک کا کام کاج چلانے کے لئے کسی دائمی حاکم کی ضرورت ہوتی ہے، اور وہ دائمی حاکم بھی قانون ہوتا ہے۔

پنک پر کام کرنے کی ایک مثال

وزیروں اور ان کے محکمہ جات تعلیم کی پنک کے زیر اثر جس طرح کا کام ہوتا ہے، اس کی سب سے اچھی مثال تعلیم کے اسی میدان میں موجود ہے جو ریاستوں کی اولین ذمہ داریوں میں سے ایک ہے یعنی ابتدائی تعلیم بیسک ایجوکیشن کا چرچا ملک کے آزاد ہونے سے پہلے ہی عام تھا آزادی کے بعد مرکزی حکومت نے بڑے غور و خوض کے بعد طے کیا کہ ابتدائی تعلیم بیسک ایجوکیشن کے نظریئے اور نمونے کے مطابق ہونی چاہیئے۔ اس نے اس مقصد کے لئے ریاستوں کو ہدایات جاری کیں ہیں لیکن اگر ہمارا اندازہ غلط نہیں ہے، تو کچھ ریاستیں اب بھی ایسی ہیں جہاں اس ہدایت پر عمل شروع نہیں ہوا، جہاں کہیں عمل بھی شروع ہوا، وہاں کے بارے میں سننے میں آتا ہے کہ نام تو ریاست کے تمام کے تمام ابتدائی اسکولوں کا بیسک اسکول پڑ گیا ہے، مگر واقعے کے اعتبار سے یہ اور تو چاہے جو کچھ بھی ہوں، مگر بیسک ایجوکیشن کے اسکول نہیں ہیں۔

یہ تو مثال ہے ایک ایسے تصور تعلیم کی جس کے باب میں ملک کے بڑے بڑے اور مانے ہوئے ماہرین تعلیم ایک عرصے تک دماغ کھپاتے رہے ہیں اور جس کی ایک عرصے کے تجربے کے بعد ایک متعین شکل ابھر چکی ہے۔ اب اگر کوئی سوشل ایجوکیشن کا ماتم کرے تو کس بلیا در پکرے کہ اس کی ابھی تک شکل و صورت ہی نہیں ابھری، اور جن ریاستوں میں سوشل ایجوکیشن کے نام سے کوئی محکمہ قائم نہیں ہوا ہے وہاں کے لوگ بڑی آسانی سے کہہ سکتے ہیں (اور کہتے بھی ہیں) کہ سوشل ایجوکیشن بھی کوئی تعلیمی نظریہ ہے کہ اس کے لئے انتظام کیا جائے! یہ تو خیر سوشل ایجوکیشن کی بات ہے کہنے والوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ کسی ملک کے ڈیولیپ منٹ کے لئے تعلیم کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے — اور یہ کہنے والے معمولی لوگ بھی نہیں ہیں بلکہ ان لوگوں میں ہیں جن کے اوپر ملک کی ترقی و تعمیر کے سلسلے میں سوچ بچار کرنے کی ذمے داری ڈالی گئی ہے۔

ان مثالوں سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ چونکہ کوئی تعلیمی قانون موجود نہیں ہے اس لئے لوگوں کو چاہے وہ وزیر موصوف ہوں یا محکمہ تعلیم کے ڈائرکٹر صاحب! اپنی مرضی، پنک اور نظریات کے مطابق اس قسم کی تاویلوں کا موقع مل جاتا ہے اور عوام اور اُن کے نمائندے جو وہاں سبھاؤں میں بیٹھے ہوتے ہیں ان کا منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔

بنیادی تعلیم عوام کی اپنی ضرورت

کسی آزاد ترقی پسند ملک کے لئے اس کے باشندوں کی بنیادی تعلیم وہی حیثیت رکھتی ہے جو غذا کی ہے۔ جس طرح غذا کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا اسی طرح تعلیم کے بغیر وہ ترقی نہیں کر سکتا۔ اس تعلیم سے مراد یونیورسٹیوں اور کالجوں کی اونچی تعلیم نہیں ہے۔ بلکہ تعلیم کی وہ مقدار ہے جو قوم کے ہر بچے کو لازماً دی جاتی ہے اور اسی کے ساتھ وہ تعلیم جو بالغوں کو ان کی تعلیمی کمی پورا کرنے کے لئے بہم پہنچائی جاتی ہے۔ یہی وہ پیمانہ ہے جس کے مطابق تعلیم کی تنظیم کرنا ملک کی حکومت کے فرائض اولین میں شامل ہوتا ہے

اس پیمانے تک کی تعلیم عوام کی زندگی سے بہت زیادہ قریب ہوتی ہے۔ اس لئے اس کی تنظیم و انتظام میں ان ہی کو براہ راست حصہ لینا چاہیئے۔ عوام کو اختیار سونپنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حکومت اس فرض سے بری الذمہ ہو جاتی ہے۔ نہیں، جس طرح غذا کی فراہمی کی ذمے داری اور افراد کی با اختیار جماعتوں (سہکاری سوسائٹیوں) کے اوپر چھوڑ دینے کے باوجود حکومت غذا کی بہم رسانی کی ذمے داری سے الگ نہیں ہو جاتی، اسی طرح بنیادی تعلیم کا انتظام عوام اور ان کے با اختیار مقامی نمائندوں کے اوپر ڈال دینے سے بھی وہ اس سے بری الذمہ نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کے برعکس اختیار کی لامرکزی تنظیم جمہوری طرز ریاست کی ایک بنیادی خصوصیت ہے، اور یہ خصوصیت جب تک مستحکم نہیں ہوتی اُس وقت تک جمہوری طرز حکومت کو پورے طور پر کامیاب نہیں کہا جا سکتا۔

اس اصول کو تسلیم کر لینے کے بعد تعلیمی قانون کی ضرورت خود بخود واضح ہو جاتی ہے۔ جب تک قانون کے ذریعے عوام کے نمائندوں کو اپنی اور اپنے بچوں کی بنیادی تعلیم کا اختیار نہ دیا جائے، اُس وقت تک وہ آخر کس بنیاد اور بوتے پر اس تعلیم کا انتظام کریں گے۔

تفصیلات اور طریقہ کار کا سوال

اگر بنیادی تعلیم کو با اختیار مقامی انجمنوں کی سپردگی میں دینے اور اس مقصد کے لئے قانون بنانے کا اصول مان لیا جائے تو پھر سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اس سلسلے میں ان انجمنوں کو کس حد تک اختیار دیا جائے کیا استادوں کی ٹریننگ، خرچ پورا کرنے کے لئے تعلیمی ٹیکس لگانے کا اختیار اسکولوں کی جانچ، نصاب ترتیب دینے کا حق، طریقۂ تعلیم متعین کرنے کا اختیار وغیرہ بھی ان انجمنوں کو دیا جانا چاہیئے؟ یہ باتیں فروعی اور تفصیلات سے متعلق ہیں جن میں حالات کے اعتبار سے وقتاً فوقتاً تبدیلی کی جا سکتی ہے۔ اصل سوال ہے مقامی انجمنوں کو اختیار دینے کی بات اس باب میں وہی نظریۂ صادق آتا ہے جس پر ہم جنگ آزادی کے زمانہ میں کاربند تھے کہ "ہم کیا کریں گے، یا ہمارا

کیا انجام ہوگا، اس سے آپ کو کوئی بحث نہیں، آپ
تو بس ہمارا ملک ہمارے حوالے کر دیجئے"۔

انگریزوں نے ہندوستان میں بعض معاملات میں
اپنے ملک کے طریقے اور نمونے رائج کئے تھے۔ اُن کے
یہاں ایک عرصے سے لوکل ایجوکیشن اتھارٹیاں بنیادی
اور ٹیکنیکل تعلیم (Further Education) کا کام انجام
دیتی ہیں غالباً اسی نمونے پر انھوں نے یہاں بھی ہر ضلع میں
ڈسٹرکٹ بورڈ قائم کئے تھے اور ہر ڈسٹرکٹ بورڈ میں
ایک نیم آزاد ایجوکیشن کمیٹی بنا رکھی تھی جو ورنیکولر فائنل
تک کی تعلیم کا انتظام کرتی تھی

اس انتظام میں خامیاں رہی ہوں گی، اس میں شبہ
نہیں، مگر اسی کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ کام کی تقسیم
کا یہ نمونہ اچھا تھا، اور معلوم نہیں کیا بات ہوئی کہ ملک
کے آزاد ہونے کے بعد مقامی بورڈوں کو اختیار دینے کا
یہ نظام یکایک ختم ہوگیا، ہونا یہ چاہیئے تھا (جیسے بہت
سے معاملات میں ہوا اور اب تک ہو رہا ہے) کہ اس نظام
کو قائم رہنے دیا جاتا اور اس میں آزادی اور جمہوریت
کے تقاضوں کے حسب منشا صحت مند تبدیلیاں
کرلی جاتیں۔

لیکن بہرحال خوشی کی بات ہے کہ ملکی انتظام کے
ماہرین اب اسی سمت کو آگئے ہیں اور کم سے کم ڈیولپ
منٹ کے معاملے میں اختیار کی لامرکزی تنظیم کا اصول
مان لیا گیا ہے اب یہ نیا تجربہ کہاں تک کامیاب ہوتا ہے
یہ اس بات پر منحصر ہے کہ اس مقصد کے لئے قانون کیسے بنتے
ہیں اور اُن کے ذریعے مقامی انجمنوں کو کہاں تک اختیار دیا
جاتا ہے۔

تعلیم کیلئے مقامی بورڈ الگ ہوں

ادھر کچھ عرصے سے جمہوری لامرکزیت کا اصول تسلیم
کیا جارہا ہے اور اس کے مطابق بعض ریاستوں میں قانون
بھی بن گئے ہیں۔ اس سے اس بحث کے سلسلے میں یہ خیال
ہوتا ہے کہ جب ڈیولپ منٹ کے لئے مقامی انجمنوں
کو اختیار سونپنے کا اصول مان لیا گیا ہے تو اس کے بعد اب
تعلیمی قانون کی کیا ضرورت ہے اس لئے کہ ابتدائی بنیادی
تعلیم کے انتظام کا کچھ حصہ اور سماجی تعلیم کا پورا انتظام
ڈیولپ منٹ کی اسکیم میں شامل ہے۔ ڈیولپ منٹ کا
کام کرنے والے مقامی بورڈ جیسے ڈیولپ منٹ کے
دوسرے کام کریں گے ویسے ہی وہ ابتدائی بنیادی تعلیم اور
سوشل ایجوکیشن کی تنظیم و انتظام کا کام بھی کریں گے۔

اس موضوع پر مفصل بحث کرنا تو دیر طلب ہے،
بعض بنیادی باتوں کی طرف صرف اشارہ کیا جاسکتا ہے
یہ درست سہی کہ تعلیم بھی ہمہ گیر ترقی کا ایک پہلو ہے لیکن
پہلی بات تو یہ ہے کہ تعلیم بذات خود ایک مکمل کام
ہے۔ اُسے اگر دوسرے کاموں سے ملا دیا جائے تو یہ خطرہ
ہر وقت رہے گا کہ تقدیم و تاخیر کا فیصلہ کرتے وقت اسے
پیچھے ڈال جائے جیسا کہ پنج سالہ پلانوں کی منصوبہ بندی

کرتے وقت ہوتا ہے کہ فلاں کام پہلے کرنے کا ہے، فلاں کام کے اوپر پہلے اور زیادہ زور دیا جائے، وغیرہ۔ ابتدائی بنیادی تعلیم کے بارے میں تو ہمارے سامنے مفصل معلومات اس وقت نہیں ہے لیکن سماجی تعلیم کے باب میں تو یہ بات روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ ڈیولپمنٹ کے دوسرے کاموں کے مقابلے میں اُسے نظر انداز کیا گیا ہے اور اب تک نظر انداز کیا جا رہا ہے۔

دوسری بات جس پر اس سلسلے میں غور کرنے کی ضرورت ہے یہ ہے کہ مختلف کاموں کے مختلف فیلڈ مختلف طریقۂ کار اور مختلف تصورات ہوتے ہیں، اور اگر صرف مقصد میں تھوڑے سے اشتراک اور مشابہت کی وجہ سے اُن سب کو ایک ساتھ ملا دیا جائے تو کام کرنے والوں کے دماغ اُلجھ جاتے ہیں اور آخر کار کنفیوژن اور انتشار کی شکایت ہونے لگتی ہے۔ مثال کے طور پر سوشل ویلفیر اور سوشل ایجوکیشن کو لیجئے۔ یہ دونوں چیزیں ایک دوسرے سے بالکل الگ ہیں، اور جن ملکوں سے یہ خیالات درآمد کئے گئے ہیں، وہاں ان دونوں کے لئے الگ الگ محکمے قائم ہیں۔ تو جب ان دو کاموں کو ملا دینے سے جن کی سرگرمیاں اور پروگرام ایک حد تک ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، انتشار اور غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے تو ڈیولپمنٹ کے ساتھ تعلیم کو ملانے سے کیا کچھ خلفشار نہ پیدا ہوگا بالخصوص ایسی صورت میں جبکہ ڈیولپمنٹ کا کام نہ صرف مخلص ضرور ہے، زرعی پیداوار میں اضافہ۔

اب رہا سماج کی چوطرفہ ترقی کا نظریہ تو چوطرفہ ترقی کا ایک پہلو تو امن وامان کا قیام اور تحفظ بھی ہے، پھر پولیس کے محکمے کو بھی سوشل ایجوکیشن یا ڈیولپمنٹ کے محکمہ سے کیوں نہ ملا دیا جائے!! واقعہ یہ ہے کہ چوطرفہ ترقی کا مفہوم یہ ہوتا ہے کہ سماج کو اوپر اٹھانے کے سلسلے میں مختلف قسم کے کام کرنے والے ایک دوسرے سے اشتراک و تعاون کے جذبے کے ماتحت کام کریں۔ چوطرفہ ترقی کا مقصد نہ سب طرح کے کاموں کو ایک جگہ ملا دینے سے پورا ہو سکتا ہے نہ مختلف محکموں کی آپس کی رقابت سے پورا ہو سکتا ہے۔

سوشل ایجوکیشن اور تعلیمی قانون

سوشل ایجوکیشن کے فروغ کے لئے تعلیمی قانون کی خاص طور پر اہمیت ہے۔ سوشل ایجوکیشن، جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، تعلیم کے میدان میں (ہندستان کے لئے) ایک نیا تصور ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ تعلیم کا کام کرنے والے بہت سے ذمہ دار حضرات اس کی اہمیت سے انکار کر دیتے ہیں ....

.... اور جب اس کی اہمیت ہی سے انکار ہو تو اس کا ترقی پذیر ہونا کیا معنی رکھتا ہے۔ اس صورتِ حال کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض ریاستوں میں سوشل ایجوکیشن کے نام سے سرے سے کوئی کام ہی نہیں ہوتا۔

اور جہاں ہوتا بھی ہے، بد دلی کے ساتھ ہوتا ہے سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب ملک کی ترقی کی منصوبہ بندی کرنے والے مفکروں نے سوشل ایجوکیشن کی ضرورت اور اہمیت کو تسلیم کر لیا ہے تو اس کام کے نہ ہونے یا بد دلی کے ساتھ ہونے کا سبب کیا ہے ؟ ممکن ہے اس سوال کا کوئی اور جواب بھی ہو، مگر ہماری سمجھ میں تو ایک نئی بات آتی ہے اور وہ یہ کہ تعلیم کا کام کرنے والوں پر اس سلسلے میں فیلڈ یا ریسرچ کا کام کرنے کی کوئی پابندی نہیں ہے ـــــ کہ اگر وہ کام نہ کریں تو ان سے یا ان کے اوپر بیٹھنے والے متعلقہ وزیر صاحب سے جواب طلب ہو جائے ـــ اس لئے وہ اپنے شخصی نظریات کی بنیاد پر فیصلے کر لیتے ہیں اور پوری جنتا کو ایک مفید کام سے محروم کر دیتے ہیں۔

ملک کے لئے سوشل ایجوکیشن کی کتنی اہمیت ہے، اس سوال پر اتنی بحث اور اتنا سوچ بچار ہو چکا ہے کہ اُسے یہاں دُہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس سوال پر سوچ بچار کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ آیا سوشل ایجوکیشن کی تحریک کو مرکزی اور ریاستی حکومتوں کے صدر مقامات پر بیٹھ کر حکم چلانے والے افسران اور اُن کے ماتحتوں کی فوج کامیاب بنا سکتی ہے ؟ اس موضوع پر بھی سوچتے سوچتے لوگ آہستہ آہستہ اُسی مقام پر آ رہے ہیں جہاں انھیں اب سے بہت پہلے آ جانا چاہیئے تھا یعنی یہ کہ اس کام کو بھی جمہوری لامرکزیت کی اسکیم کے ماتحت چلنا چاہیئے۔ اسی موضوع پر گذشتہ سال نومبر کے مہینے میں شری مونی دتیا پٹھ گارگوٹی ضلع کولہاپور میں انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کا نیشنل سمینار بھی منعقد ہوا تھا۔

سمینار نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا ہے کہ سوشل ایجوکیشن کا کام مقامی بورڈوں ہی کے توسّط سے چلنا چاہیئے۔ مگر اس کے لئے جب انتظامی مشینری کے مسئلے پر غور ہونے لگا تو ہمارے افسران جو سمینار میں نمائندے بن کر آئے تھے، مقامیت کا سارا اصول بھول بھال گئے اور وہی افسرشاہی جس سے سوشل ایجوکیشن کی تحریک کو نکالنا ہے، تجویز کر دی۔

سمینار نے (غالباً اصول کی صحت مندی سے مرعوب ہو کر) یہ تو مان لیا کہ تحریک کے مقامی بورڈوں کے انتظام میں چلنے کے باوجود یہ مناسب ہو گا کہ ان مقامی بورڈوں کی توسرپرستی رہے، اصل کام کریں غیر سرکاری مقامی ادارے اور سنتھائیں جن سے عوام کا بلاواسطہ تعلق ہوتا ہے لیکن جب یہ گفتگو آئی کہ گاؤں اور چھوٹی چھوٹی بستیوں میں تو غیر سرکاری مقامی سنتھائیں ہیں ہی نہیں، ان کے نام سے یہ کام ہاتھ میں لے گا کون ؟ تو اس سوال کا جواب کسی سے نہیں بن پڑا چنانچہ اُسے جوں کا توں چھوڑ دیا گیا اور زیادہ سے زیادہ یہ کہا گیا کہ غیر سرکاری مقامی سنتھاؤں کو ابھارنا چاہیئے۔ کون ابھارے اور کس طرح ابھارے، اس کا جواب دینے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔

اس موقع پر اس مسئلے سے متعلق جس بات پر بطور خاص توجہ دینے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ گاؤں کے موجودہ حالات کے پیش نظر سرکاری مقامی بورڈ بھی عوام کی غیر سرکاری سنتھاؤں سے کم نہیں ہیں پہلی ضرورت یہ ہے کہ مقامی بورڈوں کو تو کام کرنے کا موقع اور اختیار دیا جائے!! اور اختیار اس طرح دیا جائے کہ بورڈ کا انتظامی افسر اپنے غیر معمولی اختیارات کی زنجیر میں اُن کے ہاتھ پاؤں نہ باندھنے پائے۔ جب عوام اپنے ان قریب کے "سرکاری" نمائندوں کو کام کرتے دیکھیں گے تو انھیں بھی کام کا شوق ہوگا اور اسی ذوق و شوق میں وہ اپنی نجی غیر سرکاری سنتھائیں بنائیں گے اور آگے بڑھیں گے۔

مقامی بورڈوں سے تعلیم کی تنظیم کا کام لینے کے لئے جب تعلیمی قانون بنے گا اور سوشل ایجوکیشن (آپ اپنی سہولت کے لئے اُسے برطانیہ کی اصطلاح میں فردر ایجوکیشن یا عملی تعلیم کہہ لیجئے) اس قانون کے دائرہ عمل میں آئے گا تو ظاہر ہے اس کی تعریف و تشریح بھی تفصیل سے کی جائے گی، یہ بھی ہدایت دی جائے گی کہ مقامی بورڈ یہ کام خود بھی کریں اور عوام کی رضاکار سنتھاؤں کو اس مقصد کے لئے گرانٹ بھی دیں اور قدرتی بات ہے کہ اس گرانٹ کے اوپر شرطیں لگانے کے لئے قاعدے اور ضابطے بھی ترتیب دیئے جائیں گے۔

کام کرنے کا کسے شوق نہیں ہوتا! انسان بنا ہی عمل کرنے کے لئے ہے۔ کام کا یہ قدرتی شوق اور حوصلہ بڑھایا بھی جا سکتا ہے اور دبا کر ختم بھی کیا جا سکتا ہے۔ محکومیت کی سب سے بڑی لعنت جو ہندوستان کے سر پڑی یہی تھی کہ کام کا شوق اور ولولہ پروان چڑھانے کے بجائے دبا کر فنا کر دیا گیا تھا۔ تعلیمی قانون کے قواعد و ضوابط کی رو سے لوگ اپنے شوق کے کاموں میں مدد ملتی ہوئی دیکھیں گے تو ان کا شوق دوچند ہو جائے گا اور عوام کی غیر سرکاری مقامی سنتھائیں اپنے آپ اُبھر آئیں گی۔ اور اُن کی اتنی تعداد ہو جائے گی کہ ایک منزل پر چھنٹائی کی نوبت آ جائے گی اور یہ سوال کہ غیر سرکاری مقامی سنتھائیں کیسے وجود میں آئیں، اس کے لئے کون کام کرے؟! ــــ جس کا جواب گارگوٹی منشیل سیمینار نہیں پیش کر سکا تھا ــــ اس کا حل اس تعلیمی قانون کے ذریعے بہت آسانی سے نکل آئے گا۔

بدلتے ہوئے سماج میں ایڈلٹ ایجوکیشن کا منصب

ایک تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں تعلیم بالغاں کا منصب اور اسکے موضوعات کیا ہوں، اس بات پر غور کرنے وقت اگر اس بات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ ہو کہ یہ جو تبدیلیاں کس سمت میں اور کس رفتار سے ہونے جا رہی ہیں، تو ہمیں اس سے بڑی مدد ملے گی۔

ہندوستان کے گاؤں نے پشتہا پشت سے اپنی تہذیبی روایات کو جوں کا توں برقرار رکھنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں جو تبدیلیاں آئی بھی ہیں تو وہ بہت دھیرے دھیرے، آہستہ آہستہ اور سست رفتار سے آئی ہیں۔ مگر بڑھتی ہوئی آبادی کے دباؤ اور اس نسبت میں غذائی پیداوار میں اضافہ نہ ہونے کی صورت نے اس کیفیت کو بدلنے میں مدد دی ہے، اور حصول آزادی نے قومی تعمیر و ترقی کے کاموں کے ذریعہ زندگی کے معیار کو اونچا اٹھانے کی کوششوں کو ایک نئی جان بخش دی ہے۔

ایک جامد سماج میں تبدیلیاں آسانی سے نہیں آجاتی ہیں ہم ان گاؤں کا مقابلہ سامانوں سے لدی ہوئی ایک مال گاڑی سے کر سکتے ہیں۔ جس کے چلانے میں اگر تھوڑی سی قوت صرف کی جائے تو یہ اپنی جگہ سے جنبش کر سکتی ہے۔ یہ پہلے آہستہ آہستہ چلے گی اور جوں جوں اسٹیم کی طاقت بڑھائی جائے گی، یہ تیز سے تیز تر ہوتی جائے گی، حتیٰ کہ یہ کافی تیز رفتار سے چلنے لگ جائیگی۔

یہی وہ صورت حال ہے جسے ہم کمیونٹی ڈیولپ منٹ پروگرام کے تحت دیکھ سکتے ہیں۔ یہ کام بنیادی طور پر ایڈلٹ ایجوکیشن کا ہی ایک وسیع پروگرام ہے۔ یہ پروگرام حکومت کی طرف سے ۱۹۵۲ء میں شروع کیا گیا۔ مگر اس کے لئے مختلف مرحلوں پر پوری طرح تربیت یافتہ کارکنوں کی فراہمی

۱۹۶۲ء سے پہلے نہیں ہو سکے گی۔ ظاہر ہے شروع شروع میں اس ترقی کی رفتار بہت سست ہی رہے گی مگر ہمارا قیاس ہے کہ بعد میں اس تبدیلی کی رفتار خود اس ملک میں رہنے والے بیشتر لوگوں کے اندازوں سے کہیں زیادہ ہو گی اور یہ زندگی کے ان بہت سے شعبوں کو اپنے احاطے میں لے لیگی، جن کے بارے میں ہم اور آپ آج سوچ بھی نہیں سکتے۔

آپ چاہیں تو ہم اس کی وضاحت اپنی زندگی کے اپنے ذاتی تجربات کی بنیاد پر بھی کر سکتے ہیں۔ دراصل یہ میری ماں اور میری بیوی کی زندگی کے اس فرق کی کہانی ہے جو صرف ایک پشت کے بعد کی عورتوں کی زندگی میں آگیا ہے۔ یہاں یہ مثال سامنے رکھنے سے میری مراد ہرگز یہ نہیں ہے کہ ہندوستان میں بھی یہ تبدیلیاں اسی انداز سے آنے والی ہیں اور نہ یہ کہ یہاں جو تبدیلیاں آئیں گی وہ اس سے زیادہ تیز یا سست ہوں گی۔ یہاں جو بھی تبدیلی رونما ہو گی وہ یہاں کی موجودہ تہذیبی زندگی ڈھانچے سے الگ ہو کر نہیں ہو گی۔ یہاں میں صرف یہ دکھانا چاہوں گا کہ ہمارے یہاں یہ تبدیلیاں کن سمتوں میں ہو ئی ہیں تاکہ ان کے اوپر اسی ڈھنگ سے سوچ بچار کیا جا سکے۔

میری ماں روزانہ سورج نکلنے سے پہلے سو کر اٹھ جایا کرتی تھی۔ پہلا کام وہ یہ کرتی کہ چولہے میں لکڑیاں جلاتی، پھر باہر کے کنوئیں سے پانی لاتی۔ کوئی آدھ گھنٹے اسے ناشتہ تیار کرنے میں لگتے۔ پھر کھانے والے کی بچی کچی اور فاضل چیزیں وہ مرغیوں کے آگے ڈال دیتی۔

مگر آج ناشتہ تیار کرنے میں ۵ امنٹ بھی نہیں لگتے۔ ریفریجریٹر سے تازے انڈے آجاتے ہیں۔ نلوں میں پانی موجود رہتا ہے۔ چولہے میں آگ سلگانے کا کام آج صرف برقی چولہے کا بٹن دبا دینے تک رہ گیا ہے۔ دکانوں سے کٹی کٹائی روٹیاں آجاتی ہیں۔ بیشتر لوگ اب مرغیاں نہیں پالتے۔ فاضل اور بچی کچی چیزیں ایک خاص طرح کی برقی مشین میں پہونچ جاتی ہیں۔

مگر یہ تبدیلیاں صرف اس بات کا نتیجہ نہیں ہیں کہ آج نئے نئے ساز و سامان موجود ہیں اور ان کی مدد سے یہ سہولتیں میسر آگئی ہیں۔ بلکہ گھر گرہستی کے کاموں کو آسان اور آرام دہ بنانے کے لئے باقاعدہ تحقیق بھی کی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ اس میں اُس بھروسے کو بھی دخل ہے جو لوگوں کے اندر پیدا ہو گیا ہے کہ روٹی وغیرہ کے قسم کی جو تیار چیزیں ہم بازار سے خریدتے ہیں، وہ صاف ستھرے طریقے پر تیار کی جاتی ہیں، اسلئے ان کے استعمال میں ہم کسی قسم کی ہچک محسوس نہیں کرتے۔

ہماری ماں کو گھر صاف ستھرا رکھنے میں بڑی جان کھپانی پڑتی تھی وہ ہر وقت برش اور کپڑے لئے فرش صاف کیا کرتی۔

مگر آج تمام سڑکیں پختہ اور صاف ستھری ہیں، میدانوں میں چمن بن چکے ہیں، اس لئے دھول مٹی اور گرد و غبار اب اتنا نہیں پھیلتا۔ عمارتیں بھی اسطرح کے سامانوں سے تیار کی جاتی ہیں کہ ان کا صاف ستھرا رکھنا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ پھر طرح طرح کی مشینیں ہیں جس کی مدد سے ہمارا فرنیچر، فرش اور در و دیوار آسانی سے صاف کئے جا سکتے ہیں۔

ہفتے میں ایک دن ہماری ماں کو گھر کے کپڑے دھونے میں لگتا اور دوسرے دن پھر وہ استری کرتی۔

آج مشین ہمارے کپڑے دھو دیتی ہے، وہ اسے نچوڑ اور سکھا بھی دیتی ہے۔ پھر آج جس طرح کے دھاگوں سے کپڑے تیار کئے جاتے ہیں ان پر دھلنے کے بعد استری کرنے کی ضرورت بھی نہیں رہتی ہے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ ہماری ماں کو جیسا کہ آج بھی ہندوستان کے گھروں میں ہوتا ہے، چراغ صاف کر کے جلانے میں روزانہ پندرہ بیس منٹ صرف کرنے پڑتے تھے، مگر آج گاؤں کے ۹۵ فیصدی گھروں میں بجلیاں لگ چکی ہیں۔

میری ماں کو ۵ آدمیوں کے گھرانے کو ٹھیک ٹھاک رکھنے کے لئے دن رات جان کھپانی پڑتی تھی۔ اپنے پہلے کی پشتوں کی عورتوں کی طرح اس نے بھی گھر سے باہر کوئی کام نہیں کیا۔ جب ہم لوگ امریکہ میں تھے اس وقت بھی میری بیوی کو گھر کے سارے کاموں کی دیکھ بھال کرنی ہوتی تھی ہفتے میں چودہ گھنٹے اور کبھی کبھی اس سے بھی زیادہ وقت کی وہ ملازمت کرتی تھی اور اس کے بعد بھی وہ بستی کی اجتماعی سرگرمیوں کے لئے کافی وقت نکال لیتی۔ آج ہمارے یہاں شادی شدہ عورتوں میں سے نصف سے زیادہ عورتیں ملازمت کرتی ہیں۔

امور خانہ داری میں سائنس اور مشین سے مدد لے کر عورتوں کے منصبی کاموں میں مادّی تبدیلیاں کا پیدا کرنا، ایسی باتیں ہیں جنہیں سمجھ کر آسانی سے اپنایا بھی جا سکتا ہے۔ مگر ان تبدیلیوں کو دیکھ پانا، اور انہیں سمجھ کر اختیار کرنا نسبتاً مشکل ہے، جو سائنس اور مشین کی ترقی نے انسان انسان کے آپسی رشتوں میں پیدا کر دی ہیں۔ ان عورتوں کے منصبی کام اور ان کی حیثیت میں یہ تبدیلیاں، کیسے آئیں؟

آج عورتوں کے پاس بہت وقت ہے۔ وہ گھروں سے باہر نکل کر ملازمتیں کرتی ہیں اور بستی کی اجتماعی سرگرمیوں میں حصہ لیتی ہیں۔ آج لڑکیوں کو اپنے مستقبل کے بارے میں فیصلہ کرنے کی پوری آزادی

ہے، وہ چاہیں تو شادی کرکے گھر گرہستی کی زندگی گذار سکتی ہیں یا پسند کریں تو کوئی ملازمت اختیار کرکے آزادی کے ساتھ زندگی بسر کر سکتی ہیں یا حسب منشاء وہ ازدواجی زندگی میں رہتے ہوئے بھی ملازمت کر سکتی ہیں۔ آج انہیں تعلیم اور روزگار کے مواقع زیادہ حاصل ہیں۔ میری ماں ایک اسکول میں مدرس ہو گئی تھی۔ اس وقت بھی چند ایسے گنے کام تھے جن کے دروازے عورتوں کے لئے کھلے ہوئے تھے۔ عورتوں کی تنخواہیں مردوں سے نسبتاً کم ہوا کرتی تھیں۔ آج ان کی تنخواہوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

آج بچوں کی نگہداشت کی ذمہ داری عورتوں کے اوپر پہلے سے زیادہ ہے۔ دیہی علاقوں میں مرد اپنے بال بچوں کے ساتھ گھروں میں ہی یا زیادہ سے زیادہ آس پاس کے علاقوں میں رہتے ہیں۔ اب ہماری آبادی کا ۸۵ فیصدی حصہ شہروں میں آباد ہے جہاں مرد عموماً گھروں سے دور رہتے ہیں۔ بچوں کی نگہداشت اور پرورش کی زیادہ تر ذمہ داری ماؤوں کے اوپر آ جاتی ہے اس وقت سے جبکہ پہلا بچہ پیدا ہوتا ہے اور سب سے چھوٹا اس عمر کو پہونچ جاتا ہے جب وہ سیکنڈری اسکول میں جانے لگتا ہے، بیشتر عورتیں گھر سے دور نکل کر کوئی کام نہیں کرتیں۔

یہاں ہم یہ کہنا چاہیں گے کہ عورتوں کی حیثیت اور ان کے منصب میں یہ جو تبدیلی آئی ہے وہ کسی خاص طرح کے نظریے کے رائج ہو جانے کا نتیجہ نہیں رہا ہے بلکہ یہ نتیجہ ہے سائنس اور مشین کی گوناگوں ترقی کا جو ہماری ساری زندگی پر اثر انداز ہوئی ہے۔ ان میں کچھ تبدیلیاں ایسی تھیں جن کی نشان دہی آسانی سے کی جاتی ہیں انہیں ہم منصوبہ بند تبدیلی کہہ سکتے ہیں، جیسے باورچی خانوں کی ٹھیک ڈھنگ سے متعلق تحقیق و جستجو کے کام ہوتے ہیں مگر بہت سی ایسی تبدیلیاں بھی رونما ہوئی ہیں جنکی نشان دہی آسانی سے نہیں کی جا سکتی اور ان کی سمتیں ہی پہلے سے متعین رہی ہیں۔

اب ہمیں دیکھنا ہوگا کہ ان تبدیلیوں کا تعلیم پر کیا اثر ہوا ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ بھی تبدیلی کے اس رجحان پر غور کریں۔

جہاں تک ہماری نظر جاتی ہے اور تاریخ ہماری رہنمائی کرتی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ زمانہ قدیم سے دنیا میں نئی نئی دریافتوں اور نئی چیزوں اور نئے خیالوں کی ایجاد کی رفتار بہت سست رہی ہے۔ نشاۃ ثانیہ کے بعد کی صدی میں نئے نئے خیالوں اور نئی نئی چیزوں کی تحقیق و جستجو کی رفتار تیز سے تیز تر ہونی گئی۔ نئی نئی ایجادات اور نئی نئی مشین تیزی سے سامنے آتی گئیں۔ دو خانی انجن نے صنعتی انقلاب کے پہیے کو حرکت دی۔ آج یہ انقلاب ایک مستقل اور ہمہ گیر شکل

اختیار کر چکا ہے۔ اور ساری دنیا کو اپنے زیر سایہ لے لیا ہے۔ اس نئے موڑ پر ہم نے اہم باتوں میں سے صرف چند ہی باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ موجودہ نسل (یعنی ہماری اور آپکی نسل) کی زندگی میں بہت سی ایجادیں اور دریافتیں ہوئی ہیں۔

سائنس انسان کے معلوماتی خزانے میں جس رفتار سے اضافہ کرتی ہے، انسانی زندگی میں تبدیلی کی رفتار اُس سے تیز تر ہوتی ہے۔ ہر نئی دریافت کئی نئی دریافتوں کے لئے راستہ ہموار کرتی ہے۔ اور ہر نئی دریافت انسانی زندگی میں تبدیلی کی رفتار کو بڑھاتی رہتی ہے۔

ہم نے اس پہلو پر جو اس قدر زور دیا ہے وہ محض اسلئے کہ انسانی زندگی میں تبدیلی کی اسی نوعیت کے اعتبار سے ہی ایڈلٹ ایجوکیشن کے دائرۂ عمل اور اس کے منصب کا تعین ہوتا ہے۔

ایک ٹھہری ہوئی اور سست، لگام سوسائٹی کے اندر پرورش پانے والے بچوں اور بالغوں کے لئے کسی باقاعدہ تعلیم کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہوتی ہے وہ خاندان اور وہ قبیلہ جس میں وہ آنکھ کھولتے ہیں، انہیں وہ سب کچھ سکھا دیتا ہے جس کی انہیں ایک کامیاب زندگی بسر کرنے میں ضرورت ہوتی ہے۔

اس معاشرے میں جوں جوں پیچیدگیاں بڑھتی ہیں، باقاعدہ تعلیم کی اتنی ہی ضرورت محسوس ہونے لگتی ہے۔ غیر رسمی تعلیم ناکافی ہونے لگتی ہے۔ اسکول قائم ہوتے ہیں جو انہیں اپنے انفرادی علم میں اضافہ کرنے کے گر سکھاتے ہیں ـــــ یعنی لکھنا پڑھنا اور حساب کتاب کرنے کا طریقہ ـــــ اور اسی کے ساتھ وہ ان کچھ ضروری علوم اور مہارتوں کی تعلیم دیتے ہیں جو تہذیبی ورثہ کی شکل میں حاصل ہوتے ہیں۔

اس مرحلے پر ایڈلٹ ایجوکیشن کی ضرورت اگر ہوتی ہے تو صرف ان لوگوں کے لئے، جو بچپن میں تعلیم کے مواقع سے محروم رہے ہیں۔ یہ تعلیم اس خلا کو پورا کر دیتی ہے جو بچپن میں تعلیم حاصل نہ کرنے کی صورت میں ان کی زندگی میں رہ گئی ہوتی ہے۔ اس حد تک تعلیم اپنے منصب و مقصد کے اعتبار سے ـــــ چاہے وہ بچوں کی تعلیم ہو یا بالغوں کی تعلیم ـــــ علوم و فنون کے خزانے کو ایک پشت سے دوسرے پشت کے لوگوں میں منتقل کرنے کی حد تک محدود رہتی ہے۔

مگر جب معاشرے میں تیزی کے ساتھ تبدیلیاں رونما ہو رہی ہوں، اس وقت کوئی یہ نہیں بتا سکتا کہ یہ تبدیلی کس ڈھنگ پر ہوگی اور اس کی کیا سمت ہوگی، اور اس کے لئے کس طرح کی تعلیم ضروری ہوگی

آج جو بالغ ہیں انہیں اوائل عمری میں اسطرح کی تعلیم حاصل کرنے کے مواقع حاصل نہیں رہے ہیں جیسے علوم کی انہیں آج ضرورت ہے۔ کل کے لوہار کو آج موٹر کی مرمت کا کام جاننے کی ضرورت پیش آسکتی ہے یہ کام وہ کیسے سیکھے۔

نئے علم کی ضرورت صرف پیشوں ہی میں نہیں ہے۔ گاؤں کے لوگ شہروں میں رہنے پر مجبور ہیں اور اس صورت میں انہیں اپنے خاندان سے دور الگ رہنا ہوگا۔ اس لئے انہیں اپنی صحت کو بحال رکھنے کے نئے طریقے سیکھنا ہوں گے، ایک ایسی زندگی کے آداب و اطوار سیکھنا ہوں گے جس میں زندگی کا تمام کاروبار پیسے سے چلتا ہے، اجنبی اور بے جانے پہچانے لوگوں کے ساتھ گذر کرنے کے انداز و آداب سیکھنا ہوں گے اور ان طریقوں سے واقفیت حاصل کرنی ہوگی جن سے وہ اپنی شہری ذمہ داریوں کو پورا کرسکیں

ان حالات میں تعلیم عمر بھر کی ایک ضرورت بن جاتی ہے۔ لوگوں کو زمانۂ ماضی کے علوم ہی سکھانا اب کافی نہیں ہے۔ ان میں نئے نئے علوم و فنون سے واقفیت حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ غرض علوم سکھاتے وقت ناک کی سیدھ میں پیٹھ کی طرف دیکھنا صحیح نہیں ہے بلکہ یہ بھی دیکھنا ضروری ہے کہ دائیں بائیں کیا کچھ ہے اور یہ چیز اڈلٹ ایجوکیشن کا ایسا منصب ہے کہ ایسا پہلے کبھی نہیں تھا۔ اڈلٹ ایجوکیشن کی یہ نئی ذمہ داری اور منصب تبدیلی کی غیر معمولی تیز رفتاری" کا براہ راست نتیجہ ہے۔

اڈلٹ ایجوکیشن کی نئی ذمہ داری کا ایک اور سبب یہ ہے کہ علوم کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے۔ تعلیم کا کام کرنے والوں کے سامنے جب مضمون کے انتخاب کا مسئلہ آتا ہے تو وہ مروجہ ذخیرۂ علوم میں سے وہ مضمون انتخاب کرلیتے ہیں جس کے بارے میں سمجھتے ہیں کہ وہ مستقبل میں کام آئے گا۔ اسی طرح جب اس مضمون کا نصاب مرتب کرنے کا کام اس کے ماہرین کے سپرد کیا جاتا ہے تو یہ ماہرین مواد کا انتخاب اسی میدان سے کرتے ہیں جس کے وہ مرد میداں ہوتے ہیں اور مضمون کا وہ پہلو قریب قریب نظرانداز کردیتے ہیں جو زندگی کے مسائل کو حل کرنے میں کارآمد ثابت ہوتے ہیں۔

مضمون اور اس کے نصاب کا اچھا یا ناقص ہونا سماج کو متاثر کئے بغیر نہیں رہتا۔ مثال کے لئے آج کے کالجوں سے نکلے ہوئے گریجویٹوں کو لے لیجئے۔ اگر ان میں ان چیزوں کی تعلیم ملی ہوتی جن کی آج کے ہندوستان کو ضرورت ہے تو آج "پڑھے لکھے بیکاروں" کا مسئلہ سامنے نہ آتا۔ ان کی خدمات کی آج ضرورت اور وہ اپنا کام اس نقطۂ نظر کے زیر اثر انجام دیتے

جس کے ماتحت کام کرنے کی آج ہندوستان کو ضرورت ہے۔

نصاب مرتب کرنے والوں کی توجہ اس بات کی طرف مبذول کرانا چاہیں گے کہ مواد کا انتخاب کرتے وقت یہ بات ذہن میں رہنی چاہیئے کہ طالب علم کو ایک نامعلوم مستقبل کے لئے تیار کرنا ہے اور انہیں ماضی سے حاصل کی ہوئی قدروں کے رنگ میں رنگنا ہے ـــ وہ قدریں جن میں تبدیلی بہت تیزی کے ساتھ رونما نہیں ہوتی۔

جیسے جیسے علوم کا ذخیرہ بڑھتا جاتا ہے، اسی نسبت سے درسیات کے انتخاب میں دشواری اور پیچیدگی بھی بڑھتی جاتی ہے۔ اس صورت حال سے عہدہ برا ہونے کیلئے اسکولوں کا عام طور پر رجحان یہ ہے کہ درسیات میں زیادہ سے زیادہ مضامین رکھ دئے جائیں اور اسکول کی تعلیم کی مدت زیادہ طویل کر دی جائے۔ میری والدہ کے زمانے میں آٹھ سال کی تعلیم اس عہد کی ضرورتوں کو پورا کرنے کیلئے کافی ہوتی تھی۔ آج یہ حال ہے کہ ہر شخص سے امید کی جاتی ہے کہ وہ بارہ سال تک اسکول میں تعلیم حاصل کرے، اور بعض ریاستوں میں تو یہ مدت چودہ سال ہے۔ ہمارے معاشرتی حالات اسقدر پیچیدہ ہو گئے ہیں کہ کوئی نوجوان شخص ہائی اسکول کی سند کے بغیر مشکل ہی سے روزگار حاصل کر سکتا ہے۔ اور جس شخص کو کوئی ٹریننگ نہ ملی ہو اس کے لئے تو شاید کوئی جگہ ہی نہیں ہے۔

اسکول میں تعلیم حاصل کرنے کی یہ طویل مدت اس نیت سے رکھی جاتی ہے کہ طالب علم کو ہمارے تہذیبی ذخیرے کی زیادہ سے زیادہ باتیں معلوم ہو جائیں۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ ذخیرۂ علوم میں اضافے کی رفتار اتنی تیز ہے کہ اگر کوئی شخص عمر بھر اسکول جاتا رہا ہے تب بھی وہ ان سب علوم کو حاصل نہیں کر سکتا۔ نصاب میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں مضامین شامل کر دینے اور ایک دو مضامین میں مہارت خصوصی حاصل کر لینے سے اس مسئلہ کا پورا پورا حل نہیں ہو سکتا۔

ان حالات میں اس بنیادی مسئلے کا حل اس طرح ہو سکتا ہے کہ تعلیم کی ایک ہی راہ نکالی جائے۔ بالغ کو اس کی مرضی و منشا کے مطابق تمام علوم و فنون سکھانے کی بجائے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ تعلیم مضامین پڑھا دینے کا نام ہرگز نہیں ہے۔ اس کے بجائے ہم سمجھتے ہیں کہ تعلیم ایک "عمل" ہے۔ اس نظریے کے مطابق نئی تعلیم خصوصًا تعلیم بالغاں کا منشا ہونا چاہیئے کہ اس کی مدد سے لوگ اپنے مسائل کو اپنے آپ

حل کرنے کی غرض سے علوم سے کام لینے کے ٹھیک
ٹھیک گر سیکھ جائیں اس اعتبار سے اڈلٹ ایجوکیشن
کا اصل زور اس بات پر ہونا چاہیئے کہ لوگ مرتب
طریقے پر اپنے مسائل کو حل کرنے کے عمل سے واقف
ہو جائیں۔ یہ ایک مشہور و معروف عمل ہے جسے مختلف
ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے: کہیں اسے 'تعلیمی عمل'
کہا جاتا ہے، کہیں 'سائنٹفک طریقہ' اور کہیں 'عقلمندی
کے ساتھ سوچنے کا ڈھنگ'۔

ہمیں معلوم ہے کہ اپنی زندگی کے مسائل کو
حل کرتے ہیں کسی معلم کی خدمات حاصل نہیں ہوں
گی جن سے وہ پوچھے کہ 'صاحب اس صورت میں
مجھے کیا کرنا چاہیئے'۔ اس کے علاوہ یہ بھی واقعہ
ہے کہ بہت سے مسائل ایسے ہوتے ہیں کہ ان کا
حل کوئی اپنے تہذیبی ذخیرے میں ڈھونڈھنے
جائے تو اسے مایوسی ہوگی۔ ہونا یہ چاہیئے کہ حل کی
تدابیر خود وہی شخص کرے جو مسائل سے دوچار
ہو رہا ہے۔ مسائل کا حل سوچتے وقت تیار کئے کرائے
حلوں کی الماری کھنگالنے کے بجائے ضرورت
اس بات کی ہے کہ لوگوں کو تیار کیا جائے کہ نیا
زمانہ جو ذمہ داریاں عائد کرتا ہے، اسے فرد
آپ اپنے اوپر لے اپنے مسائل کا ہر وقت اپنے
آپ حل سوچے، خود اپنی سوجھ بوجھ پر فیصلے کرے،
اور جس وقت جو چیز سیکھنے کی ضرورت محسوس
کرے، اسے سیکھ لے۔

اوپر کے دونوں تعلیمی نظریوں کا فرق ایک
نقشے سے اچھی طرح ظاہر ہو جائے گا۔ ایک مربع یا
چوکور بنا لیجیے۔ یہ مضامین کا میدان ہوا۔ ایک
دائرہ بنا لیجیے۔ یہ وہ شخص ہوا جو ایک مسئلے سے
دوچار ہے۔ قدیم طریقے کے مطابق جس میں مضامین
کی پڑھائی پر زور تھا، اس شخص کو ان مضامین کی
باضابطہ تعلیم حاصل کرنی چاہیئے اور یہ امید رکھنی چاہیئے
کہ کسی نہ کسی دن یہ مفید ثابت ہوں گے۔ نئے نظریے
کے مطابق یہ شخص یہ سیکھتا ہے کہ ضرورت کے وقت
جس قسم کی معلومات درکار ہے، وہ اسے حاصل
کرنے کیلئے کس طرح جدوجہد کرنی چاہیئے اور مختلف
مضامین کے میدانوں کو اس مقصد کیلئے کس طرح
اپنے پاس کھینچ بلانا چاہیئے۔

مسائل کو حل کرنے کا گر سیکھنے کا بہترین طریقہ
یہ ہے کہ لوگ اپنے حقیقی مسائل کو حل کرنے کیلئے
خود کام کریں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اڈلٹ ایجوکیشن
کے کام کا بڑا حصہ پڑھائی کے کمروں سے نکل
کر زندگی کے کارزار عمل میں آجاتا ہے۔

اس عمل کو سکھانے کیلئے نصاب اور تعلیم
کا مواد اہمیت نہیں رکھتا۔ اس تعلیم کی ابتدا بھی

مسائل ہی سے ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں جس چیز کی اہمیت ہے وہ یہ ہے کہ جس وقت مسئلے کا حل کیا جا رہا ہو اس وقت اس پورے دوران عمل میں متعلقہ اشخاص کے ساتھ رہا جائے تاکہ وہ بخوبی سمجھ سکیں کہ اس عمل میں کس ترتیب سے چلنا چاہئے اور اس سلسلے میں جن ماہرین اور معلومات کے جن ذخیروں سے کام لینا ہے، انہیں کس طرح استعمال کیا جائے کہ وہ نتیجہ بخش ثابت ہوں۔

کچھ عرصہ پہلے سمجھا جاتا تھا کہ مسائل کو حل کرنے کا عمل افراد سے متعلق ایک کام ہے۔ لیکن آج کی تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا میں بہت سے مسائل ایسے ہوتے ہیں جنھیں جماعتی مسائل سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اور انھیں حل کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ جماعت ہی انھیں حل کرے۔ اس اعتبار سے مسائل کو حل کرنے کے ڈھنگ کی سب سے اچھی ٹریننگ وہ ہوگی جو جماعتی مسائل کو پیش نظر رکھ کر دی جائے۔

تعلیم کے معاملے میں سوچنے کا ڈھنگ بالکل نیا ہے۔ حکومت ہند کی طرف سے سوشل ایجوکیشن مینول کے نام سے چار سال ہوئے ایک کتاب شائع ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر ہمیں بڑی مسرت ہوئی۔ اس لئے کہ اس میں مذکورہ بالا نقطۂ نظر بنیادی طور پر آگیا ہے یہی وجہ ہے کہ سوشل ایجوکیشن کا تصور جس کی نشو و نما ہندوستان میں ہو رہی ہے۔ دنیا کے جدید ترین تصورات میں سب سے نیا ہے۔ اس میں بنیادی تعلیم کا تصور بھی ہے۔ جیسے خواندگی اور اس تعلیم کا تصور بھی جو برائیوں کو دور کرنے کے لئے ضروری ہوتی ہے جیسے ضروری ضروری معلومات کا حاصل کرنا۔ اور اسی کے ساتھ مسائل کا حل سکھانے والے نظریۂ تعلیم کے نہایت صحت مند عناصر بھی۔

اس بحث سے ہمارے سامنے اڈلٹ ایجوکیشن کے منصب کے تین پہلو ابھر آئے ہیں (۱) برائیوں کو دور کرنے والی تعلیم (۲) ایسے علوم کی تعلیم جو ماضی کے علوم اور اپنی پسند کے علوم کے علاوہ ہوتے ہیں۔ اور جن سے پڑھے لکھے لوگ بھی عام طور پر نا واقف ہوتے ہیں اور (۳) اس تیزی سے بدلتی ہوئی دنیا سے ہم آہنگ کرنے کے لئے مسائل حل کرنے والے نظریۂ تعلیم کے مطابق کام کرنا۔

سردار اور پیرو اور حاکم اور محکوم والا طریقہ کار جو ایک سست رو تہذیب میں کبھی کار آمد تھا، آج کے تیزی سے بدلتے ہوئے سماج کے لئے بالکل ناموزوں ہے۔ ایسی حالت میں کہ مہارت خصوصی کا دور دورہ ہے۔ مسائل کو حل کرنے کے لئے جماعتی طریقہ بہت ضروری ہو گیا ہے جب کبھی مسائل کا حل کرنا ہو اس وقت مختلف

علوم کے ماہرینِ خصوصی کو سر جوڑ کر کام کرنا ہوگا اس جماعتی طریقے میں انسانوں کے درمیان جس قسم کے تعلقات کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان کی نوعیت ان تعلقات سے بالکل مختلف ہے جو قدیم طریقوں کے تحت آپس میں قائم ہوتے تھے سرداری اب ایک ادارہ، ایک منصب کا نام ہے۔ کسی شخصیت سے سرداری متعلق نہیں ہوتی پہلے حکم سے کام چلتا تھا اب آپس کے میل جول اور تال میل سے چلتا ہے۔ لوگوں کو اب اپنی کہنے کے ساتھ ساتھ دوسروں کی سننے کا بھی طور طریقہ سیکھنا چاہیئے۔ اب دوسروں کے علم سے اپنے علم کو تازہ اور مربوط کرنے کا زمانہ ہے۔

مشورہ دینے والے صلاح کار کی اب بہت اہمیت ہے۔ مگر اس کا منصب پرانے زمانے کے "حاکم مشیر" سے قطعاً مختلف ہے۔ جو جماعت کسی مشیر کی خدمات حاصل کرے اسے معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ اپنے آپ فیصلے کرنے کے اختیار سے دست بردار ہوئے بغیر مشیر کے علم سے کس طرح فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اسی طرح مشیر کے لئے بھی ضروری ہے کہ جو جماعت اس سے مشورہ لے رہی ہے۔ اس کے مسائل کو اچھی طرح سمجھنے کا ڈھب جانتا ہو اور وہ معلومات بھی فراہم کر سکے جس کی جماعت کو ضرورت ہے۔ جیسے جیسے تبدیلی رونما ہوتی جاتی ہے۔ اور پرانے رسم و رواج اور قدریں ختم ہوتی ہیں۔ اسی نسبت سے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ لوگ نئی قدروں، سوچ بچار اور کام کے نئے آداب و اطوار سے واقفیت حاصل کریں۔ اور ایک نیا نقطۂ نگاہ پیدا کریں۔ اسی طرح وہ اس کے لئے بھی مجبور ہیں۔ کہ نئے نئے رسم و رواج اور آداب و اطوار کی نشو و نما کریں۔ تاکہ سماج میں انتشار نہ پیدا ہونے پائے۔

اس زمانے میں جبکہ تبدیلی بڑی تیزی سے رونما ہو رہی ہے۔ سوشل ایجوکیشن کا اولین مقصد ہمارے خیال میں یہ ہے کہ لوگوں کو مادّی اور سماجی دونوں طرح کی تبدیلیوں کے اسباب اور ان کے اثرات کا مطالعہ کرنے کے لئے آمادہ کیا جائے تاکہ وہ سمجھیں کہ آخر وہ کیا بات ہے۔ جس کی بنا پر پرانے رسم و رواج اب بے معنی اور ناموزوں ہو گئے ہیں۔ اور اسی کے ساتھ اس کے لئے بھی تیار ہوں کہ اب نئے رسم و رواج اور آداب و اطوار تخلیق کئے جائیں۔ جب تک سماج کے افراد موجودہ رسم و رواج کو بدلنے اور نئے حالات سے ہم آہنگ نہیں کرتے۔ اور جن رسموں اور قدروں کو سائنس اور مشین کی قوتوں نے توڑ پھوڑ کے رکھ دیا ہے۔ ان کی جگہ دوسرے

رسم و رواج جاری نہیں کرتے اس تیزی سے بدلنے والے دور میں وہ سماج آپ اپنے بوجھ سے دب کر ختم ہو جائے گا۔

تبدیلی کی نوعیت اور رفتار کا اثر اڈلٹ ایجوکیشن کے مقاصد اور رنگ روپ پر پڑنا لازمی ہے۔ تبدیلیوں کے اس لیل ونہار میں ایک خاص حد سے آگے ہمہ گیر تعلیم کے بغیر کوئی تہذیب اپنے آپ کو سنبھال نہیں سکتی۔ اسی طرح ایک خاص حد سے آگے اڈلٹ ایجوکیشن کے بغیر اس کا پنپنا مشکل ہے۔ جوں جوں زندگی گذارنے کا ڈھرہ پیچیدہ ہوتا جاتا ہے۔ اور تبدیلیاں تیزی سے رونما ہوتی جاتی ہیں۔ اسی نسبت سے اڈلٹ ایجوکیشن کا رنگ روپ بھی بدلنا چاہیئے۔ اس کا روپ اب برائیوں کو دور کرنے والی تعلیم کا نہیں رہ سکتا۔ اس کا منصب یہ ہونا چاہیئے۔ کہ وہ لوگوں کو تبدیلیوں سے اپنے آپ کو ہم آہنگ کرنا اور ان کے اوپر قابو حاصل کرنا سکھائے۔

حضرات آپ کی اس وقت جو حیثیت ہے اس کا تقاضا ہے کہ آپ غور کریں کہ تعلیم ہندوستان کو کیا کچھ انعام دے سکتی ہے۔ اور اس بات کا اہتمام کریں کہ سوشل ایجوکیشن آپ کی جنتا کو موجودہ جدید دنیا کے دوش بدوش لانے میں اہم ترین کردار ادا کرنے کے قابل ہو جائے۔ ہو سکتا ہے کہ اس کوشش میں آپ بے صبر ہو جائیں۔ اور غلطیاں کر بیٹھیں۔ مگر آپ کو یاد رکھنا چاہیئے کہ آپ کسی کو بزور آمادہ نہیں کر سکتے۔ البتہ اگر کہیں لوگوں کو کسی بات کے لئے آمادہ پائیں۔ تو انکی تعلیم میں اس آمادگی سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ نئے خیالات کو اختیار کرنے میں وقت لگتا ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جب بھی اور جہاں کہیں بھی کسی بات کے لئے آمادگی کا احساس ہو اسوقت کے لئے آپ کے پاس کارکن موجود رہنے چاہئیں اور کارکن ایسے جو اس قسم کے حالات میں کام کرنے کے لئے پوری طرح تیار ہوں۔ آپ کو اس صورت حال کہ ابھی آمادگی اور کام کے مطالبے کے زوردار ہونے میں دیر ہے۔ ممنون ہونا چاہیئے۔ اس لئے کہ اس طرح آپ کو کارکنوں کی تیاری کا موقع مل رہا ہے اور سب سے زیادہ تو ان کارکنوں کو خوش ہونا چاہیئے کہ فرصت کے زمانے میں انھیں تجربے حاصل کرنے کا موقع ہے۔ جس سے وہ اس قابل ہو سکیں گے کہ ان کا عمل اڈلٹ ایجوکیشن کے نئے منصب اور نئی ذمہ داریوں کے حسب حال ہو۔

THE 10th NATIONAL SEMINAR

HELD AT SHRI MOUNI VIDYAPEETH

Shri J. P. Naik
Director

Acharya S. J. Bhagwat
Kulpati Vidyapeeth

Dr. Mrs. Chitra Naik
Secretary General
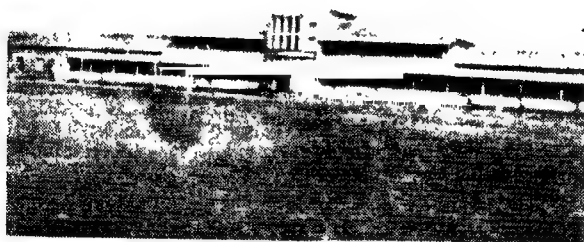
The Vidyapeeth

تعارف

شری مونی وِدیا پیٹھ۔ گارگوٹی

ضلع کولھاپور

بمبئی سے کچھ اوپر ڈھائی سو میل دکھن مغربی گھاٹ کے پہاڑی سلسلے کی دو ڈھائی ہزار فٹ بلند پہاڑیوں کی شہرنا کے درمیان واقع گارگوٹی کی بستی اور شری مونی ودیا پیٹھ کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ماں کی شفقت آمیز باہوں کے حلقے میں اس کا معصوم سُکھ کی نیند سو رہا ہو بستی کے ایک طرف دریائے ویدگنگا بہتا ہے۔ اس کے دُودھیالے نرمل پانی کو دیکھئے تو زبان پر بے ساختہ یہ استعارہ رواں ہو جاتا ہے کہ مادر فطرت نے اپنے معصوم کے لئے اپنی چھاتیوں سے دودھ کی نہر جاری کر دی ہے۔ پھر موسم کا بارہ مہینے اعتدال پر رہنا سونے پر سہاگے کا کام کرتا ہے۔ مناظر قدرت کی یہ دلکشی اور بارہ مہینے ہندوستان کے پل میں تولہ پل میں ماشہ موسم کی یہ رعایت خصوصی، کوئی تعجب ہے جو کام کے متوالے شری مونی وِدیا پیٹھ کی شکل میں ملک کو اس کے مزاج کے مطابق تعلیم کا مژدۂ جانفزا سنانے میں کامیاب نظر آتے ہیں۔

۱۹۵۲ء میں قائم ہونے والے اس جواں سال ادارے (شری مونی وِدیا پیٹھ) نے اس قلیل مدت میں جو وسعت حاصل کرلی ہے اُسے دیکھتے ہوئے یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ اسے عنقریب رورل یونیورسٹی کی حیثیت حاصل ہو جائے گی اور وہ خواب بہت جلد شرمندہ تعبیر ہوگا جو اس کے بانیوں نے ۱۹۵۲ء میں دیکھا تھا۔ اس وسعت وارتقا کا راز تعلیم کے اس تصور میں پنہاں ہے کہ جو رشتہ عقل اور عشق میں ہے وہی منطق اور تعلیم میں ہے' اور جسے اس ادارے کے بزرگ (کُل پتی) آچاریہ ایس۔ جے۔ بھاگوت جی نے اپنی ایک تقریر میں کم وبیش ان الفاظ میں بیان کیا تھا کہ "تعلیم منطق کی پابند نہیں ہوتی اسی طرح جیسے زندگی منطق کی قید کو برداشت نہیں کرتی"۔

آیئے آج کی صحبت میں اس نوخیز اور ہونہار تعلیمی ادارے کا کسی قدر تفصیل سے مطالعہ کریں۔

ابتداء اور بنیادی خیال

اس ادارے کا خواب دراصل بمبئی کے انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن کے چند ماہرین تعلیم نے دیکھا تھا. ہندوستان کے تعلیمی نظام کے بارے میں ان ماہرین کے سوچنے کا طریقہ کچھ اس طرح پر تھا:۔

"یہ بات ہر شخص تسلیم کرتا ہے کہ اصلی ہندوستان گاؤوں میں بستا ہے۔ اس اعتبار سے ہندوستانی تعلیم کا مسئلہ دراصل دیہی تعلیم کا مسئلہ ہے۔ مگر اس حقیقت کے باوجود حیرت کی بات ہے کہ اب تک دیہی تعلیم کے باب میں تجربے اور تحقیق کی شاید ہی کوئی کوشش کبھی کی گئی ہو گی، کچھ تھوڑا سا کام بنیادی تعلیم کی اسکیم کے ماتحت ابھی بہت دن نہیں ہوئے ہوا تھا۔ اس کو چھوڑ کر بات یہاں تک کہی جا سکتی ہے کہ ہندوستان میں تعلیم کا جو کچھ بھی تھوڑا بہت انتظام ہے اس میں بھی دیہی تعلیم کا میدان سب سے زیادہ نظر انداز کیا جاتا رہا ہے۔

اس صورت حال کے ملک کی غلامی اور اسی طرح کے اور بہت سے اسباب ہیں مگر سب سے بڑی اور اہم بات جو دیہی تعلیم کے حوصلہ شکن مسئلے کو حل کرنے میں ناکامی کا سبب بنی ہے یہ رہی ہے کہ اس باب میں تجربے اور تحقیق کا کام کرنے والے ادارے جو خالصتہً دیہی علاقوں میں ہوں سرے سے قائم ہی نہیں کئے گئے۔ اگر ریاستی حکومتوں یا یونیورسٹیوں نے گاؤوں میں تجرباتی ادارے قائم کئے ہوتے، ان میں تحقیق کا کام کرنے والے لائق کارکن مقرر کئے گئے ہوتے، اور دیہی اسکولوں کے اُستادوں کے سامنے جس قسم کے مسائل آتے رہتے ہیں، ان کا حل ڈھونڈنے کی کوشش کی گئی ہوتی تو بہت جلد ایک نیا طریقۂ تعلیم اُبھر آیا ہوتا اور دیہی عوام میں تعلیم کو عام کرنے کا کام اب سے بہت پہلے پورا ہو گیا ہوتا۔"

(پہلی سالانہ رپورٹ)

انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن نے اسی ضرورت کے ماتحت دیہی تعلیم میں تحقیق و تجربہ کرنے کی غرض سے ایک منصوبہ بنایا اور اس پر عمل کرنے کے لئے ضلع کولہاپور کے ایک دیہی قصبے گارگوٹی کو منتخب کیا۔

محلِّ وقوع

یہ نام گارگوٹی "گاریہ کٹی" کی بگڑی ہوئی شکل ہے کہتے ہیں کہ قدیم ویدک عہد میں ایک رشی گارگیہ منی نے دریا کے کنارے اپنا آشرم بنا رکھا تھا جہاں وہ لوگوں کو ویدکی تعلیم دیا کرتے تھے اس قصبے سے جو ایک چھوٹی سی ندی گذرتی ہے اس کا نام ویدگنگا ہے جو غالباً اسی وجہ سے مشہور ہو گیا کہ اس کے کنارے وید کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہی نام گاریہ کٹی ہوتے

ہوتے گارگوٹی ہوگیا۔

گارگوٹی اگرچہ کولہاپور کی ایک تحصیل (تعلقہ) کا صدر مقام ہے تاہم یہ خالصتہً دیہی علاقے میں واقع ہے اس کے ایک طرف کولہاپور کا شہر ہے جو یہاں سے ۳۰ میل کے فاصلے پر ہے اور اس کے نیم شہری مضافات کی حد اس سے آگے ۱۰ میل پر ختم ہوجاتی ہے۔ دوسری طرف نپانی کا قصبہ ہے جو گارگوٹی سے ۲۵ میل کے فاصلے پر پڑتا ہے اور اس قصبے کی نیم شہری آبادی کی حد ۶ میل پر ختم ہوتی ہے۔ اس طرح مذکورۂ بالا دیہی تعلیمی اسکیم کے تجربے کے لئے یہ نہایت مناسب جگہ ہے۔ اس لئے کہ یہاں تک شہر کی بوباس پہنچنے کا سرے سے کوئی امکان نہیں ہے۔

اس خصوصیت کے علاوہ گارگوٹی دو اور حیثیتوں سے اس تجرباتی تعلیمی اسکیم کے لئے مناسب جگہ ہے ایک یہ کہ یہ خالصتہً زراعتی علاقہ ہے اور ودیا پیٹھ کے لوگوں کا کہنا ہے کہ آئندہ شاید کبھی یہ علاقہ صنعتی مرکز نہ بن سکے گا۔ دوسرے یہ کہ اس کے آس پاس چھ سات میل کے گھیرے میں ۴۲ گاؤں آباد ہیں؛ ان گاؤوں تک پہنچ کر کام کرنے کی جو آسانی گارگوٹی کو مرکز بنانے میں ہے، وہ کہیں اور ممکن نہیں ہے۔ یہ خصوصیت اس لئے ضروری ہے کہ اس تعلیمی اسکیم پر کسی ایک گاؤں کو تجربہ گاہ قرار دے کر تجربہ کرنا فضول ہے۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ گاؤں کا ایک خاصہ بڑا احاطہ بند مجموعہ ہو تاکہ مختلف گاؤوں کے مختلف مسائل کو سامنے رکھ کر تجربہ کیا جائے اور اس کی بنیاد پر دیہی تعلیم کے بارے میں پورے ملک کے لئے کوئی بھروسے کی بات کہی جاسکے۔

کام کی بسم اللہ

انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن نے اس تعلیمی منصوبے کے لئے دو کارکن بھیجے تھے۔ ان میں ایک صاحب تعلیمات کے ایم۔ اے تھے اور ایک خاتون تھیں جن کے پاس تعلیمات کے مضمون میں ڈاکٹر کی ڈگری تھی (اگر میرا اندازہ غلط نہیں ہے تو ایک محترم شری جے۔ پی نائک تھے اور ایک محترمہ ڈاکٹر چترا نائک تھیں) جس دن یہ کارکن گارگوٹی میں پہنچے ہیں (یعنی ۴ اپریل ۱۹۵۱ء) وہی اب شری مونی ودیا پیٹھ کا یوم تاسیس ہوگیا ہے اور ہر سال اسی تاریخ کو ودیا پیٹھ کی رسم سالگرہ منائی جاتی ہے۔

ان کارکنوں کے پہنچنے سے پہلے یہاں صرف ایک مڈل اسکول شری مونی ودیا مندر کے نام سے قائم تھا، جو ۱۹۴۸ء میں قائم ہوا تھا اور پرنس شیواجی ایجوکیشن سوسائٹی کے ماتحت جوں توں چل رہا تھا۔ اس زمانے کی ریاست کولہاپور نے اس اسکول کے لئے ۲۵ ایکڑ زمین اور ۵۰ ہزار روپے گرانٹ دی تھی۔ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن

کے ان کارکنوں نے کام کی بسم اللہ کے طور پر اس اسکول کو اپنے اہتمام میں لے لیا اور اپنے اس نئے ادارے کا نام شری مونی ودیا پیٹھ رکھا۔ سرمائے کے نام سے پرنس شیواجی ایجوکیشن سوسائٹی کے ذرائع کے علاوہ شہر کولہاپور کے ایک تعلیمی مشہور ٹرسٹ شری گورگاؤں کر ٹرسٹ کے عطیے تھے۔ ادارے نے نئے ایک خود مختار انجمن بنائی گئی جس کی انتظامی مجلس میں انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشن پرنس شیواجی ایجوکیشن سوسائٹی اور گورگاؤں کر ٹرسٹ کے نمائندے شامل تھے۔

وجہہ تسمیہ

اگرچہ لفظ شری مونی ودیا پیٹھ بہت مشہور ہوگیا ہے تاہم میرا خیال ہے کہ تعلیم و ترقی کے ناظرین اس نام کے پیچھے جو تلمیح ہے، اس سے اچھی طرح واقف نہیں ہوں گے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تلمیح کی بھی مختصراً تشریح کردی جائے۔

اس علاقے میں شری شواجی کے زمانے میں ایک بزرگ رہتے تھے جن کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ شواجی کے گرو بھی تھے وہ آس پاس کے لوگوں کو تعلیم دیا کرتے تھے مگر ان کی تعلیم غالباً اس زمانے کے کٹر عقیدے کے لوگوں کے خلاف پڑتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ یہ کٹر لوگ اُن کے بہت خلاف ہوگئے تھے اور اُنھیں طرح طرح ستاتے تھے۔ یہ بات یہاں تک بڑھی کہ لوگوں نے طے کرلیا کہ ان کی زبان کاٹ لی جائے۔ ان اذیتوں سے تنگ آکر انھوں نے عہد کرلیا کہ اب کبھی بولیں گے ہی نہیں چنانچہ انھوں نے مستقل چپ سادھ لی۔ خاموش رہنے کے لئے سنسکرت میں لفظ ہے "موتم"۔ گاندھی جی کے پیر کے دن والا مون برت اسی لفظ "موتم" سے بنا ہے۔ جب ان بزرگ نے مستقل مون یعنی چپ رہنا اپنا شعار بنالیا، تو لوگ اُنھیں "مونی مہاراج" کہنے لگے۔ ان مونی مہاراج کی اس علاقے میں بڑی عزت اور شہرت اور ان کا نام بچہ بچہ جانتا ہے۔ گارگوٹی میں اس ودیا پیٹھ کے قیام سے پہلے جو مڈل اسکول قائم تھا، اس کا نام بھی انھی بزرگ کے نام پر "شری مونی ودیا مندر" تھا۔

جب اس اسکول کو ودیا پیٹھ کی اسکیم کا تجزیہ کرنے والے کارکنوں نے اپنے اہتمام میں لیا اور ودیا پیٹھ قائم کی تو انھوں نے بھی اپنے نئے ادارے کو انھی کے نام سے منسوب کیا اور اس طرح اس کا نام شری مونی ودیا پیٹھ پڑا۔

اغراض و مقاصد

یہ تعلیمی ادارہ جس بنیادی خیال کے ماتحت وجود میں آیا ہے اور جس کی طرف اوپر کی سطروں میں اشارہ کیا جاچکا ہے اُسے تو بنیادی مقصد کی حیثیت حاصل ہے مگر اس کی نوعیت ایک نظریے اور تصور کی ہے اس لئے ودیا پیٹھ نے اپنے سامنے حسب ذیل چار مقاصد اور رکھے ہیں جنھیں اس نظریے کے مطابق عمل کرنے کے لئے ہدایاتی اصول کہا جاسکتا ہے

یہ چار مقاصد یہ ہیں:۔

۱۔ ایک خالصتہً دیہی علاقے میں ایک ہمہ گیر تعلیمی مرکز قائم کرنا جو دیہی عوام کی زندگی میں نئی روح پھونکنے کا کام کرے گا اور اس کام کے لئے اس کا طریقۂ عمل ہوگا "تعمیر نو کا ذریعہ تعلیم اور تعلیم کا ذریعہ تعمیر نو"

۲۔ ودیا پیٹھ کے احاطے میں تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک بستی بسانا جو "استادوں اور شاگردوں کی ایک سہکاری نو آبادی" ہوگی اور دونوں مذکورہ بالا مقصد کو حاصل کرنے کی غرض سے ایک دوسرے سے مل کر کام کریں گے۔

۳۔ مثال قائم کرکے اور بشرط ضرورت حکماً بھی ودیا پیٹھ کی نو آبادی اور اس کے زیر عمل پورے علاقے سے اُن تمام مصنوعی امتیازات کو مٹانا جو ایک انسان اور دوسرے انسان کے درمیان رائج ہیں ان کی بنیاد ذات پات کے اوپر ہو یا عقیدے کے اوپر، وہ معیار زندگی کے فرق کی بنا پر ہوں یا تعلیمی معیار کی بلندی و پستی پر، کام کی نوعیت اور معیار کی بنا پر ہوں یا اسی طرح کی دوسری ناہمواریوں کی وجہ سے ہوں، اس لئے کہ یہ امتیازات ایسے ہیں کہ اُن سے انسانیت کے وقار اور انسان کے دل و دماغ کی صلاحیتوں میں نہ تو کوئی اضافہ ہوتا ہے اور نہ کوئی کمی واقع ہوتی ہے۔

۴۔ مہذب اور روشن خیال انسانی زندگی کا جو بنیادی اصول ہے یعنی "فرد سماج کے لئے اور سماج فرد کے لئے"، اس کا فکر اور عمل، ہر طریقے سے نمونہ پیش کرنا اور پوری قوت سے اس کا تحفظ کرنا۔

گاؤں کے اسکول کا تصوّر

دیہی زندگی کی تعمیر اور نشو و نما کے لئے سب سے اہم مرکز عمل ودیا پیٹھ کے نزدیک اسکول ہے۔ اس تصوّر کا مقصود یہ نہیں ہے کہ اسکول کسی قسم کا "تعمیر" کے سلسلے کا کام کرے۔ اس کے برخلاف اس کا مطلب یہ ہے کہ خود اسکول کی زندگی کے حدود میں وسعت پیدا کی جائے۔ اسکول کو کوشش کرنا چاہئے کہ وہ ایک نہایت با اثر اور کارگر قسم کا کمیونٹی سنٹر (بستی کا مرکز) بن جائے۔ اس کے حدودِ فیض صرف اسکول میں پڑھنے والے بچّوں ہی تک محدود نہ رہیں بلکہ اس کی آغوش فیض میں اس کے مختلف پروگراموں (مثلاً نوجوانوں کی بہبودی، سماجی تعلیم اور مختلف اقسام کی معلومات بہم پہنچانے والی خدمات) کی برکت سے بستی کے عنقریب بالغ ہونے والے نوجوان اور بالغ بھی سما سکیں۔ در اصل تجربے اور تحقیق کا سب سے وسیع اور نتیجہ خیز میدان یہی اسکول کی زندگی کو وسعت دینے اور اُسے بستی کی زندگی سے زیادہ سے زیادہ قریب لانے کا کام ہے۔

"گاؤں کے اسکول کے علاوہ دو اور ادارے ہیں جو گاؤوں میں عام طور پر پائے جاتے ہیں۔ اسکول کے کام اور اُس کی سرگرمیوں میں جو کمی رہ جائے اُسے پورا کرنے کے لئے ان دو اداروں کو بھی اُسی حد تک فروغ دینا ضروری ہے۔ یہ دو ادارے گاؤں کی پنچایت اور کوآپریٹو سوسائٹی ہے جسے ملٹی پرپز ہونا چاہئے ودّیا پیٹھ کا منصب ہونا چاہئے کہ اپنے حدودِ عمل میں آنے والے تمام گاؤوں میں یہ دونوں ادارے منظم کرے، انھیں کامیابی اور مستعدی سے چلانے کی غرض سے گاؤں والوں کی مدد کرے اور اس مقصد کے لئے جتنے اور جیسے کارکنوں کی ضرورت ہو، انھیں ٹریننگ دے"۔

کام کے میدان اور ادارے

دیہی تعلیم کی تحقیق کے اس نصب العین کو مدنظر رکھتے ہوئے شری مونی ودّیا پیٹھ تحصیل (تعلقہ) بھوورگڈھ اور تحصیل راد ھانگری کے سو سے اوپر گاؤوں کے علاقے میں کام کر رہی ہے۔ دیہی عوام کی تعلیم کے باب میں ودّیا پیٹھ کا نظریہ یہ ہے کہ اُسے فرد کی پوری زندگی، مہد سے لے کر لحد تک محیط ہونا چاہئے چنانچہ اس وقت اس کے اداروں میں نرسری اسکول سے لے کر بی۔ اے کے بعد کی تعلیم تک، ہر قسم کے ادارے شامل ہیں۔ ودیا پیٹھ کے احاطے کے اندر کی سرگرمیوں کے علاوہ اس کے اہتمام میں کچھ نرسری اسکول، ۳۱ ابتدائی اسکول اور دو مڈل اسکول چلتے ہیں۔

ان خالصتہً تعلیمی سرگرمیوں کے علاوہ ودیا پیٹھ اس علاقے میں مختلف قسم کی ترقیاتی خدمات بھی انجام دیتی ہے۔ مثلاً طبی امداد، دودھ کی تقسیم، اپنے مرغی خانے سے اچھی نسل کے پرندوں کی سپلائی، کھیتی باڑی کے سلسلے میں ماہرانہ مشورہ سہکاری سوسائیٹیوں کے قیام میں امداد، اور تہذیبی سرگرمیوں کی ترویج و اشاعت اور اصلاح وغیرہ۔

ودیا پیٹھ کا احاطہ ۶۵ ایکڑ زمین کے رقبے میں پھیلا ہوا ہے۔ اس کے عملے میں اُستاد اور دوسرے کارکن ملا کر ایک سو سے زیادہ اشخاص شامل ہیں اور طالب علموں کی تعداد اقامتی اور غیر اقامتی سب ملا کر ڈیڑھ ہزار کے قریب ہے۔

احاطے کے اندر کے ادارے

ودیا پیٹھ کے خاص احاطے کے اندر جو ادارے کام کرتے ہیں، ان کی فہرست مع مختصر تعارف کے حسب ذیل ہے:

۱۔ نرسری اسکول۔ یہ ودّیا پیٹھ کی نوآبادی کا نرسری اسکول ہے۔ اس کے لئے الگ ایک عمارت ہے جو نرسری اسکول کی مخصوص ضرورتوں کو سامنے رکھ کر بنائی گئی ہے۔ یہ ابھی تو نرسری اسکول ہی ہے مگر منصوبہ یہ ہے کہ نرسری اسکولوں کے

اُستادوں کی ٹریننگ کے لئے اسے شفقی مرکز بنادیا جائے اور یہیں دیہی بچوں کے سلسلے میں والدین کو صلاح مشورہ دینے کا مرکز بھی قائم کر دیا جائے۔

۲۔ پرائمری اسکول پہلے یہ ڈسٹرکٹ بورڈ کا اسکول تھا جسے ۱۹۵۲ء میں وِدیا پیٹھ نے اپنے اہتمام میں لے لیا۔ یہ پانچویں سے ساتویں جماعت تک کا اسکول ہے جس کے آخر میں پرائمری اسکول سرٹیفکیٹ کا امتحان ہوتا ہے۔ اسی اسکول سے متعلق ایک تجرباتی اسکول ہے جہاں پہلی سے چوتھی جماعت تک کی تعلیم کا انتظام ہے اور صرف ایک استاد تعلیم دیتا ہے۔

۳۔ ہائی اسکول۔ یہ ملٹی پرپز (بہت سے مضامین کی تعلیم دینے والا) ہائی اسکول ہے جہاں خالص علمی مضامین کے علاوہ زراعتی اور ٹکنیکل مضمونوں میں بھی تعلیم دی جاتی ہے اور آخر میں سکنڈری اسکول سرٹیفکیٹ کا امتحان ہوتا ہے۔

۴۔ پرائمری ٹیچر ٹریننگ کالج۔ اس کالج میں دو نصاب پڑھائے جاتے ہیں۔ ایک جونیر سرٹیفکیٹ کورس اور ایک سینیر سرٹیفکیٹ کورس۔ آخرالذکر کورس کے طلبا سب کے سب بورڈنگ میں رہتے ہیں۔

۵۔ مَونی وِدیا پیٹھ رؤرل انسٹی ٹیوٹ۔ یہ وِدیا پیٹھ کا سب سے اہم ادارہ ہے۔ اس کے ابھی تک دو ڈپارٹمنٹ ہیں۔ ایک میں رؤرل سروسیز (دیہی خدمات) کا ڈپلوما کورس پڑھایا جاتا ہے اور دوسرے میں سِول اور رؤرل انجنیری کا ڈپلوما کورس پڑھایا جاتا ہے۔ ان دونوں ڈپلوموں کو حکومت ہند یونیورسٹیوں کے بی۔ اے کے مساوی تسلیم کرتی ہے۔

۶۔ گریجوایٹ ٹیچر ٹریننگ کالج۔ یہ کالج دو طرح کے اُستاد تیار کرتا ہے۔ ایک وہ جو سینیر بیسک اسکولوں میں پڑھائیں گے اور ایک وہ جو پرائمری ٹیچر ٹریننگ کالجوں میں تعلیم دیں گے۔ حکومت بمبئی نے اس کالج کے ڈپلوما کو یونیورسٹیوں کی بی۔ ایڈ یا بی۔ ٹی ڈگریوں کے مساوی تسلیم کرتی ہے۔

۷۔ ادارۂ تعلیم دیہی۔ یہ وِدیا پیٹھ کا بی۔ اے کے بعد کی تعلیمی منزل میں تحقیقی ادارہ ہے یہاں طالب علموں کو دیہی تعلیم میں ایم۔ ایڈ اور پی ایچ ڈی کی ڈگریوں کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ اس ادارے کے طالب علموں کے لئے خاص طور پر ایک ہوسٹل تعمیر کیا گیا ہے۔

۸۔ سوشل ایجوکیشن آرگنائزروں کا ٹریننگ سنٹر۔ یہ سنٹر کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور سہکار کی وزارت کی طرف سے چلتا ہے۔ سوشل ایجوکیشن آرگنائزروں اور سنٹرل سوشل ویلفیر بورڈ کے ماتحت کام کرنے والی مکھیہ سیوکاؤں دونوں کی ٹریننگ کا انتظام ہے۔ اس سنٹر کے طلبا سب کے سب بورڈنگ میں رہتے ہیں۔

۹۔ گرام پنچایتوں کے سکریٹریوں کی ٹریننگ کا سنٹر۔ یہ سنٹر حکومت بمبئی کی طرف سے چلتا ہے۔ سب کے سب

طالب علم بورڈنگ میں رہتے ہیں۔

۱۰۔ بالغ عورتوں کے لئے ابتدائی کی تعلیم کا مرکز: اس مرکز میں گاؤں کی عورتوں کو دو سال کی مدت تک ابتدائی منزل تک کی تعلیم دی جاتی ہے اور انھیں پرائمری اسکول سرٹیفکیٹ کے امتحان کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔ کچھ طالبات بورڈنگ میں رہتی ہیں اور کچھ اسکول کے بعد گھر چلی جاتی ہیں۔

ایک خصوصیت

شری مونی ودیا پٹھ کے کام کے پھیلاؤ کا اندازہ اس کے ان اداروں سے لگایا جاسکتا ہے تاہم ودّیا پٹھ نے اپنے اوپر ایک پابندی لگائی ہے کہ وہ سوائے ایم۔ ایڈ اور پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگریوں کے طلباء کے اپنے زیر عمل علاقے کے طالب علموں کے علاوہ باہر کے طالب علموں کو داخل نہیں کرے گی۔ ودیا پٹھ کے کارکنوں کا دعویٰ ہے کہ ۲۵ سال کی مدت کے بعد اس علاقے میں رہنے والوں میں ہر تین میں سے دو آدمی پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ ہوں گے۔ (صحیح اعداد ذہن میں نہیں ہیں ممکن ہے یہ اوسط "ہر چار میں سے تین آدمی" ہو)

ودّیا پٹھ برادری

ودّیا پٹھ کے کارکن بیشتر اس کے احاطے ہی میں قیام کرتے ہیں اور ان کا طرز زندگی صحیح معنی میں ایک بڑے خاندان کی زندگی کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ اس مقصد کو اتنی اہمیت حاصل ہے کہ احاطے (کیمپس) کے تعمیری پلان میں بھی اس کا لحاظ خاص طور سے رکھا گیا ہے۔ عمارتوں کا نقشہ اس طرح کا ہے کہ ان کے بیچوں بیچ تقریباً نصف فرلانگ (۱۱۰ گز) کے قطر کا ایک دائرہ نما میدان خالی چھوڑ دیا گیا ہے۔ یہی میدان طلباء کے لئے کھیل کے میدان کا کام بھی دیتا ہے اور ان کے مجموعی اجتماعات کا بھی۔ فرصت کے وقت میں کارکن اور اساتذہ چہل قدمی بھی کرتے ہیں اور ان کی سماجی بیٹھکیں بھی ہوتی ہیں چاروں طرف کی عمارتیں اس کے لئے چار دیواری کا کام کرتی ہیں۔ یہ میدان عمارتوں کی کرسیوں سے کسی قدر بلند رکھا گیا ہے۔

عمارتوں میں سیمنٹ اور کانکریٹ کا استعمال بس برائے نام ہوتا ہے۔ اینٹ کا استعمال شاذ و نادر ہی نظر آئے گا۔ پاس کی پہاڑیوں سے بہت بڑی مقدار میں اچھا پتھر ہاتھ آجاتا ہے اور جہاں سے یہ پتھر نکلتے ہیں، وہیں ایک خاص قسم کی مٹی بھی ملتی ہے جو قریب قریب سیمنٹ ہی کا کام کرتی ہے۔ چھتیں تمام کی تمام ٹائل کی ہیں۔ لنٹر کی چھت صرف ایک عمارت میں ہے جو غالباً اس کے دو منزلہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ اوپر کے کمروں کی چھتیں اس عمارت میں بھی ٹائل

ہی گئی ہیں۔ اس عمارت کو چھوڑ کر باقی تمام عمارتیں جن کی تعداد کچھ نہیں تو دو درجن ہوگی، یک منزلہ ہیں۔

درس گاہوں کی عمارتیں چونکہ کھلے ہوئے گول میدان کے کنارے کنارے واقع ہیں، اور اس میدان کو لان میں تبدیل نہیں کیا گیا ہے اس لئے ان عمارتوں میں چمن بندی عام طور پر نہیں ہے لیکن رہائشی عمارتیں چونکہ ان درسی عمارتوں کے بالعموم پیچھے کی طرف واقع ہیں، اس لئے قریب قریب ہر کوارٹر سرسبز و شاداب ہے اور رنگارنگ گل بوٹوں سے آراستہ۔

زندگی کی سہولتیں

ودیا پٹھ، جیساکہ اوپر بیان کیا گیا، ایک بڑے خاندان کی زندگی کا نقشہ پیش کرتی ہے۔ اپنی سات سال کی زندگی میں اُس نے اس برادری کے لئے زندگی کی قریب قریب تمام سہولتیں بہم پہنچا دی ہیں۔ ان سہولتوں کا مختصر تعارف بے محل نہ ہوگا۔

۱۔ ودیا پٹھ گرام پنچایت۔ اس تعلیم یافتہ اور روشن خیال پنچایت کا خاص کام برادری کے لئے پانی کی بہم رسانی، روشنی، اور عام صفائی وغیرہ کا انتظام ہے۔

۲۔ کوآپریٹیو اسٹور۔ یہ کوآپریٹیو اسٹور عورتوں کا ہے اور بستی کے لئے روزانہ کے استعمال کی عام اشیاء کی بہم رسانی کا انتظام کرتا ہے۔

۳۔ میری دکان۔ یہ کتب واسٹیشنری کی دکان ہے جو ودیا پٹھ برادری کے لئے اور درسگاہوں کی لکھنے پڑھنے کی ضرورتیں پوری کرتی ہے۔

۴۔ تنخواہ داروں کی کوآپریٹیو سوسائٹی۔ یہ ایک طرح قرضہ دینے والی سوسائٹی ہے جو ضرورت کے وقت اپنے ممبروں کو قرض دیتی ہے۔ ودیا پٹھ کے لئے یہ سوسائٹی بڑی مفید ثابت ہوئی ہے۔

۵۔ چائے خانہ۔ اس چائے خانے میں چائے، کافی اور ان کے ساتھ کھانے کے لئے چیزیں مناسب دام پر ملتی ہیں۔

۶۔ پوسٹ آفس۔ ابھی کوئی دو سال پہلے گارگوٹی میں صرف ایک برانچ آفس تھا۔ مگر ودیا پٹھ نے جب سے اسی مقصد کے لئے ایک عمارت بنادی، اُس وقت سے اب یہ سب پوسٹ آفس ہوگیا ہے جہاں تار گھر اور ٹیلیفون کا انتظام بھی ہے۔

۷۔ کوآپریٹیو بینک۔ اس کے لئے بھی ودیا پٹھ نے ایک عمارت بنوادی ہے اور اب گارگوٹی میں بمبئی ریاستی کوآپریٹیو بینک کی شاخ کھل گئی ہے۔

۸۔ کتب خانہ۔ ودیا پٹھ کا یہ مرکزی کتب خانہ ہے جس میں کم و بیش پندرہ ہزار کتابیں ہیں۔ یہ کتب خانہ ۸ بجے صبح سے ۱۰

بجے رات تک مستقل کھلا رہتا ہے۔

۹۔ باورچی خانہ۔ عملے کے جو ارکین اپنے گھر کھانا پکانے کا انتظام نہیں کرنا چاہتے، وہ اس باورچی خانے سے کھانا لیتے ہیں۔

۱۰۔ اسٹاف کلب۔ ودیا پیٹھ کا بڑے سے بڑا انتظامی افسر ہو، پروفیسر ہو، معمولی اُستاد ہو، کلرک ہو یا چپراسی ہو، یہ اسٹاف کلب ان سب کے لئے عام ہے اور ان کے لئے تفریحی مواقع بہم پہنچاتا ہے۔

۱۱۔ طالب علموں کے لئے امدادی فنڈ۔ اس فنڈ سے طالب علموں کو وظیفے اور قرضے دیئے جاتے ہیں۔ کھیتی باڑی سے، چائے خانے سے، اور اس طرح کے اور جتنے ذرائع ہیں، ان کی پوری منافعے کی آمدنی اس فنڈ میں آتی ہے۔ پوسٹ آفس اور بینک سے عمارت کا جو کرایہ ملتا ہے، وہ بھی اسی فنڈ میں دیا جاتا ہے۔

۱۲۔ شفاخانہ۔ اس طبی مرکز سے طالب علموں کو ۵ نئے پیسے میں دو دن کے لئے دوا ملتی ہے۔ عملے کے ارکین کو دوائیں قیمت خرید پر ملتی ہیں۔

۱۳۔ اسٹاف کوارٹر اور ہوسٹل ودیا پیٹھ نے طالب علموں کے لئے ہوسٹل اور ارکین عملہ کے لئے اسٹاف کوارٹر اس انداز سے بنائے ہیں کہ اس سے لوگوں کو اطمینان بخش طور پر زندگی گذارنے میں مدد ملتی ہے۔ ودیا پیٹھ کی پنچایت ان کوارٹروں کی چمن بندی میں صاحب خانہ کو صلاح مشورے سے، اور پودے اور بیج مفت بہم پہنچا کر مدد کرتی ہے۔

۱۴۔ اہل برادری کا ہفتہ وار اجتماع۔ ہر ہفتے پیر کی شام کو ودیا پیٹھ برادری کے سب لوگ، کارکن، ان کے بال بچے اور طالب علم ایک جگہ جمع ہوتے ہیں جہاں پہلے مختصر سی پرارتھنا ہوتی ہے اور اس کے بعد ودیا پیٹھ برادری کے ہفتہ کے حالات سنائے جاتے ہیں۔ ان حالات میں ولادتیں، شادیاں، جلسے جلوس، مہمانوں کی آمد اور ان کا تعارف، مرغی خانے اور کھیت کی فصل کی کیفیت، غرض سبھی کچھ شامل ہوتا ہے۔ اس اجتماعی بیٹھک کے اثر سے ودیا پیٹھ برادری کے اندر ایک خاندان کے طرز پر رہنے سہنے کے جذبات کو روز افزوں تقویت پہنچتی رہتی ہے۔

مالیات

ودیا پیٹھ کے بیشتر اداروں کو حکومت ہند یا ریاستی حکومت سے گرانٹ ملتی ہے۔ مگر اخراجات کا ایک بڑا حصہ باہر کے عطیات سے اور ارکین عملہ کی ایک معقول تعداد، خصوصاً حیاتی کارکنوں کی مالی قربانیوں کی بدولت پورا ہوتا ہے۔

رورل یونیورسٹی: آخری منزل

شری مونی ودیا پیٹھ نے اپنے سامنے جو آخری منزل رکھی ہے وہ انہی بنیادوں پر ایک رورل یونیورسٹی کی تعمیر ہے۔

۵۳-۱۹۵۲ء کی پہلی سالانہ رپورٹ میں تعارف کے باب میں ایک جگہ کہا گیا ہے کہ

"یہ تو صحیح ہے کہ مونی ودیاپیٹھ رورل یونیورسٹی نہیں ہے۔ لیکن رورل یونیورسٹی بننے کی اس کی تمنا ضرور ہے۔ موجودہ حالات میں اُسے بجا طور پر رورل یونیورسٹی کا ہراول منصوبہ کہا جاسکتا ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر اس کے سامنے پہلا کام اُن اداروں کی صفائی کے ساتھ خاکہ بندی کرنی تھی جو اس علاقہ کی رورل یونیورسٹی کے لئے ضروری ہو سکتے ہیں، اور پھر اُن منزلوں کا تعین کرنا جنھیں پار کر کے اس مقصد کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔"

شکریہ

یہ تھا شری مونی ودیاپیٹھ کا وہ شاعرانہ اور سبق آموز ماحول جس میں انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کا دسواں نیشنل سیمینار منعقد ہوا تھا قطع نظر اس کے کہ سیمینار کی اپنی بحث و گفتگو کا کیا نتیجہ نکلا، اس بات میں بال برابر بھی شبہ نہیں ہے کہ ڈائرکٹر شری جے۔ پی نائک کی علمی رہنمائی اور ان کی رفیقۂ حیات شریمتی ڈاکٹر چترا نائک (سیمینار کی سکریٹری جنرل) کے حسنِ انتظام کی بدولت سیمینار کے نمایندوں نے اپنے آپ کو اپنے گھروں میں پایا جس جانفشانی اور والہانہ عقیدتمندی اور وفاداری کے جذبے کے ساتھ ان کے رفقاء نمایندوں کو آرام و راحت بہم پہنچانے کے کام میں دن رات مصروف رہے، وہ اس ادارے کی خوش نصیبی کی پہچان ہے۔

(بقیہ صفحہ ۴)

حالات میں کچھ عرصہ کے لئے بچے کو مرکز میں بھی رکھنا ہوگا۔ اتنی بڑی مہم کے لئے بڑی ہمت اور بڑے سرمائے کی ضرورت ہے۔ کام کرنے والے تو، سوشل ورک کے کالجوں سے امید ہے، کافی تعداد میں مل جائیں گے۔ ضرورت ہے دلی کی حکومت کی حوصلہ مندی کی، جو ہمیں امید ہے، وہ دکھائے گی اور اس طرح پورے ملک کے لئے "راجدھانی کا نمونہ" قائم کرے گی۔

Feb.
1960.

ادارۂ تعلیم و ترقی، جامعہ نگر، نئی دہلی

ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

جلد ۱۱ فروری سنہ ۱۹۶۰ء شمارہ ۲

بانی:- شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر

پروفیسر محمد مجیب

برکت علی فراق

رفیق محمد شاستری

دفتر ماہنامہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ جامعہ نگر نئی دہلی

قیمت سالانہ: چار روپے ٹیلیفون نمبر ۴۲۲۳۶۱ فی پرچہ: ۳۷ نئے پیسے

ترتیب

اشارات

اصول اور طریقے

تعارف

بیداری کی جھلک

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

پرنٹر و پبلشر برکت علی فراق نے کوہ نور پرنٹنگ پریس لال کنواں دہلی میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ "تعلیم و ترقی" جامعہ ملیہ جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا۔

سماج کا اونچا طبقہ اور سوشل ایجوکیشن

سوشل ایجوکیشن کی اسکیم کے سرکاری اہتمام میں انجام پذیر ہونے اور اس حقیقت کے باوجود کہ اس کے اوپر سرمایہ بھی دل کھول کے لگایا جا رہا ہے اور اوپر سے نیچے تک کام کرنے والوں کی ایک فوج کی فوج بھی مصروفِ کار ہے، اس کی کامیابی کا گراف اطمینان بخش حد تک نہیں پہنچا ہے۔ یہ بیان سوشل ایجوکیشن کی تحریک سے دلچسپی رکھنے والوں میں قریب قریب ہر غیر جانب دار اور مخلص انسان کی زبان پر کسی نہ کسی موقعے پر آیا ہے اور آتا جا رہا ہے۔ اس کے اسباب بھی بیان کیے گئے ہیں اور بیان کیے جا رہے ہیں، لیکن اس سلسلے میں تحریک کے ایک قابلِ احترام بزرگ ڈاکٹر ایس آر۔ رنگا ناتھن کا تجزیہ خاص طور سے قابلِ غور ہے۔

موصوف نے آل انڈیا اڈلٹ ایجوکیشن کانفرنس کے بیسویں اجلاس کی بزمِ مقالات (سمپوزیم) میں ایک فاضلانہ مقالہ پیش کیا تھا جس میں سب سے پہلے تو انھوں نے مقالوں کے عنوان ہی سے اختلاف کیا اور اپنے مقالے کا عنوان بجائے "تیزی سے بدلتی ہوئی سوسائٹی میں سوشل ایجوکیشن کا منصب" قرار دینے کے "تیزی سے ترقی کرتی ہوئی سوسائٹی" عنوان طے کیا اور اس کے جواز میں خالصتہً سماجیاتی نقطۂ نظر سے بحث کی۔ اس کے بعد اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک کے تاریخی پس منظر میں اس کے مختلف روپ پر تنقید کرتے ہوئے سوشل ایجوکیشن کے تصور سے ـــــ جسے وہ تعلیم کی کوئی نئی شکل نہیں مانتے بلکہ اسے اڈلٹ ایجوکیشن کا ایک نیا اور جامع منصب قرار دیتے ہیں ـــــ اظہار اطمینان کیا ہے۔

مگر سوشل ایجوکیشن کی تحریک سے متعلق بھی موصوف نے آگے چل کر وہی بیان دیا ہے جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے پھر اس کا سبب بیان کرتے ہوئے موصوف نے کہا ہے کہ

> "اس سلسلے میں میرا خیال یہ ہے کہ سوشل ایجوکیشن کی تحریک میں اوپر سے نیچے تک سماج کے بلند معیار طبقے کے لوگ شریک ہیں جن کی زندگی کے رنگ ڈھنگ اور سوچنے کے طریقے سوشل ایجوکیشن کے تقاضوں سے میل نہیں کھاتے۔ اُن کے طرزِ زندگی اور طریقِ فکر کے دباؤ کا نتیجہ یہ ہے کہ اُن سے وہ کام نہیں ہو پاتا جس کی یہ تحریک متقاضی ہے۔ اس تحریک سے براہِ راست یا بالواسطہ سماج کے بلند معیار طبقے کے جن لوگوں کا تعلق ہے، ان کی زندگی کی نشو و نما میں بڑی تیزی کے سبب عدمِ توازن کی

کیفیت پیدا ہو رہی ہے لہذا اڈلٹ ایجوکیشن کو سب سے پہلے اپنے انہی خادموں کی خبر لینی چاہیئے۔ یہی دراصل سوشل ایجوکیشن کے عمل ارتقار کی گمشدہ کڑی ہے جسے جوڑنا ضروری ہے۔"

ڈاکٹر زنگا ناتھن صاحب بڑے بیدار مغز مفکر ہیں اور چونکہ وہ اس تحریک سے اُس زمانے سے متعلق ہیں جب وہ خالصتہً غیر سرکاری تحریک تھی۔ اِس لئے ان کی نظر اس کے ہر پہلو پر ہے۔ اِس اعتبار سے ڈاکٹر صاحب موصوف کا یہ تجزیہ بڑی اہم حیثیت رکھتا ہے، اور اس پر ان لوگوں کو جن کے ہاتھ میں آج کل تحریک کے سفید و سیاہ کا فیصلہ ہے، بڑی گہرائی سے سوچ بچار کرنا چاہیئے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس اجمال کی تفصیل بیان نہیں کی ہے۔ ہمارے خیال میں ان کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جو پڑھے لکھے لوگ سوشل ایجوکیشن کے انتظامی پہلو سے تعلق رکھتے ہیں اور بڑے بڑے عہدوں پر مامور ہیں، وہ افسر شاہی اور دفتریت کے چکر میں پھنسے رہتے ہیں اور سوشل ایجوکیشن کی تحریک کو بھی دفتری معمولات (رُٹین) ایک جزو سمجھتے ہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر نہ وہ کوئی پہل کرنے کا حوصلہ کرسکتے ہیں نہ اپنی دانش و بینش کے بھروسے پر کوئی نئی راہ نکال سکتے ہیں اس لئے کہ اگر وہ ایسا کوئی قدم اٹھاتے ہیں تو ان کے آرام و آسائش میں خلل پڑتا ہے جس کے لئے وہ تیار نہیں ہیں۔

دوسری طرف وہ پڑھے لکھے لوگ ہیں جنھیں محاذ پر کام دیا گیا ہے۔ ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ پڑھے لکھے ہونے کی وجہ سے گاؤوں کی دھول مٹی کی زندگی گذارنا انھیں اپنی سفید پوشی کے خلاف محسوس ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اگر وہ گاؤوں میں جاتے بھی ہیں تو بد دلی کے ساتھ اور اس مجبوری سے کہ نہ جائیں گے تو روزی کا یہ وسیلہ بھی اِس بے روزگاری کے زمانے میں ہاتھ سے چلا جائے گا۔ اِس بد دلی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انھیں اِس کام سے رغبت نہیں پیدا ہوتی اور وہ اچھے وقتوں کے انتظار میں طوعاً و کرہاً اپنا وقت گذارتے ہیں۔

پھر محاذ پر کام کرنے والے عام کارکنوں کو تو چھوڑ دیئے، جو لوگ اپنے دل میں اپنے روزگار کے ساتھ ساتھ ہندوستان اور اس کے عوام کی اصلاح کا کچھ درد بھی رکھتے ہیں، وہ بیشتر اوقات شکستِ طلسمات کی کیفیت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کام پر جانے سے پہلے اُن کے دماغوں میں گاؤوں کی اصلاح و ترقی کے کچھ نقشے ہوتے ہیں جن پر وہ جاتے ہی کاربند ہو جاتے ہیں، اور بڑی وابستگی کے ساتھ گاؤں والوں سے ملتے جلتے اور انھیں سکھانے پڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر کچھ عرصے کے بعد جب انھیں وہی ڈھاک کے تین پات نظر آتے ہیں تو اپنی ناکامی کا الزام گاؤں والوں کی جہالت، قدامت پرستی، اور مردہ دلی پر تھوپ دیتے ہیں اور پھر ان سے پیٹھ دکھا کر بھاگنے کی تدبیریں سوچنے لگتے ہیں۔

یہ اور اسی طرح کی اور بہت سی باتیں ہیں جو ڈاکٹر زنگا ناتھن صاحب کے تجزیے کی تائید کرتی ہیں لیکن خود ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں ہم ایک بات عرض کریں گے کہ اس صورتِ حالات کا تجزیہ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتا۔ ایک سوال اور پیدا ہوتا ہے کہ کارکنوں

کے اندر یہ ذہنیت اُن کی زندگی میں صرف عدم توازن کی کیفیت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ اس کا ایک سبب اور بڑا سبب تحریک کا تمام کا تمام سرکاری ہاتھوں میں چلایا جانا ہے۔ سرکاری محکمے اگر ڈاکٹر صاحب کے بقول اس بات کا انتظار کریں کہ تعلیم بالغان پہلے اپنے کارکنوں کی اصلاح کرلے تو یہ طے ہے کہ ایک عرصے تک اُسے عالمگیر پیمانے پر شروع ہی نہیں کیا جا سکتا اور اگر وہ ایسے لوگ تلاش کرنے لگیں جن کی زندگیوں میں عدم توازن کی کیفیت نہیں ہے تو شاید انگلیوں پر گنے جانے قابل بھی ایسے لوگ نہ ملیں گے۔

ہماری رائے ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں یہ ہے کہ عوام کی زندگیوں کو سنوارنے کی تحریکیں ہمیشہ اور ہر جگہ خود عوام کے اندر سے ابھری اور پھیلی ہیں۔ سوشل ایجوکیشن کی تحریک جو ترقی نہیں کر رہی ہے اس کا سبب یہ نہیں ہے کہ روپے کی کمی ہے یا کام کرنے والے ناپید ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کا سبب یہ ہے کہ اس تحریک کو عوام کی تحریک بننے نہیں دیا جا رہا ہے۔ حکومت اس کے اوپر روپیہ ضرور خرچ کر رہی ہے مگر خرچ کر رہی ہے خود اپنے اہتمام و انصرام میں۔ اگر یہی روپیہ عوام کی تنظیموں کو قانونی اختیار دے کر ان کے توسط سے خرچ کیا جائے تو یہ تحریک عوام کے ہاتھ میں آجائے گی اور آگے بڑھے گی۔

سوشل ایجوکیشن کے لئے تحقیقاتی کمیشن

معاصر انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن کے فروری ۱۹۶۰ء کے شمارے میں ایک جگہ بیان کیا گیا ہے کہ سوشل ایجوکیشن کی مرکزی اسٹنڈنگ کمیٹی نے حکومت سے سفارش کی ہے کہ سوشل ایجوکیشن کی تحقیقات کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا جائے۔ معاصر موصوف نے اسٹنڈنگ کمیٹی کے اس فیصلے کا خیر مقدم کیا ہے اور حکومت سے اپیل کی ہے کہ وہ اس سفارش پر جلد از جلد عمل کرے۔

اسٹنڈنگ کمیٹی کے اس فیصلے کا خیر مقدم کرنے میں ہم معاصر مذکور کے ساتھ ہیں۔ جیسا کہ جرنل میں بھی کہا گیا ہے، اس تحقیقاتی کمیشن کی تجویز گجرات یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور آل انڈیا اڈلٹ ایجوکیشن کانفرنس کے بیسویں اجلاس کے صدر شری مگن بھائی ڈیسائی نے اپنے خطبۂ صدارت میں کی تھی، اور اس بات پر حیرت کا اظہار کیا تھا کہ یونیورسٹی اور ثانوی تعلیم کے بارے میں تو ــــ جو قوم کی بنیادی تعلیم کے ادارے نہیں کہے جا سکتے ــ تحقیقاتی کمیشن بٹھائے گئے مگر اتنا زمانہ گذر جانے کے باوجود تعجب ہے کہ بیسک اور سوشل ایجوکیشن جنھیں کسی قوم کی بنیادی تعلیم کا سنگِ بنیاد کہا جاتا ہے، ان پر تحقیقات کرنے اور رائے دینے کے لئے اب تک کوئی کمیشن نہیں مقرر کیا گیا۔

لیکن اب جب کہ حکومت ہی کی قائم کی ہوئی سوشل ایجوکیشن کی اسٹنڈنگ کمیٹی نے حکومت سے اس کے لئے سفارش کی ہے تو امید ہوتی ہے کہ حکومت بہت جلد اس سلسلے میں قدم اٹھائے گی۔

اس موقعے پر ہم کمیشن کی تشکیل کے باب میں اپنا نظریہ پیش کر دینا مناسب سمجھتے ہیں یعنی یہ سمجھ کر کہ سوشل ایجوکیشن فن تعلیم ہی کا

ایک جزو ہے، کمیشن کی رکنیت صرف ماہرین تعلیم تک محدود نہ رکھنی چاہیئے۔ سوشل ایجوکیشن کی حیثیت کم سے کم ہندوستان میں سماجی تحریک کی بھی ہے لہذا کمیشن میں ایسے اشخاص بھی ہونے چاہئیں جنھیں سماجی تحریکوں کا تجربہ ہے۔

اسی طرح کمیشن سے صرف یہی فرمائش نہیں کی جانی چاہیئے کہ وہ سوشل ایجوکیشن کی کامیابی یا ناکامی اور ان کے نتائج کا اندازہ کرے اور ان کے اسباب کی کھوج لگائے بلکہ اس کے حدودِ اختیار میں یہ بات بھی ہونی چاہیئے کہ وہ نعم البدل بھی پیش کرے اور اگر ہو سکے تو اس کی مفصل اور مرتب ایک شکل بھی پیش کرے۔

سوشل ایجوکیشن کے لئے خود مختار بورڈ

انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن ہی کا بیان ہے کہ سوشل ایجوکیشن کی اسٹینڈنگ کمیٹی نے سوشل ایجوکیشن کے لئے خود مختار بورڈ قائم کرنے کی بھی حکومت سے سفارش کی ہے۔ کمیٹی کو ہم اس سفارش کے لئے بھی مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

لیکن انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن کے بیان سے یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ اس قسم کے خود مختار بورڈ کون قائم کرے: حکومتِ ہند یا ریاستی سرکاریں۔ اگر حکومتِ ہند اپنی طرف سے سوشل ایجوکیشن بورڈ قائم کرتی ہے تو کیا اس کی شکل وہ ہوگی جو سینٹرل سوشل ویلفیر بورڈ کی ہے؟ جس کے قائم ہونے کے بعد ریاستی حکومتوں سے یہ کام لے کر اس بورڈ کو دے دیا جائے گا مرکزی حکومت کے ماتحت خود مختار بورڈ قائم ہونے کی صورت میں ہونا بھی قدرتاً یہی چاہیئے ورنہ مرکزی حکومت جب براہِ راست تعلیم کا کام ہی نہیں کرتی تو وہ بورڈ کس مقصد کے لئے قائم کرے گی؟

ہمارے خیال میں یہ سفارش اس انداز میں کی جانی چاہیئے اور کی گئی ہوگی کہ حکومت ہند ریاستی سرکاروں سے اپنے اپنے یہاں سوشل ایجوکیشن کے خود مختار بورڈ قائم کرنے کی فرمائش کرے۔ خود مختار بورڈ دراصل ریاستی سطح ہی پر مؤثر اور کارآمد ثابت ہو سکے ورنہ مرکزی سطح پر وزارتِ تعلیم اور خود مختار بورڈ میں کون سا بنیادی فرق پڑ جائے گا؟ مرکزی سطح پر تو ان ریاستی بورڈوں کا وفاق ہی سمجھ میں آتا ہے اور وہ مفید بھی رہے گا۔

ایک اور بات جو اس بیان سے واضح نہیں ہوتی یہ ہے کہ آیا یہ بورڈ پارلیمنٹ یا ریاستی اسمبلیوں کے ایکٹ کے ذریعے قائم ہوں گے یا وزارت تعلیم اور ریاستی تعلیمی محکموں کے ذاتی فیصلے کی بنیاد پر۔ موخرالذکر صورت سے متعلق ہم یہاں گارگوٹی نیشنل سیمنار میں کہی ہوئی اس بات کو دہرانا چاہتے ہیں کہ "خود مختار بورڈوں کی کیا حیثیت! جو لوگ انھیں قائم کرتے ہیں وہی انھیں توڑ بھی سکتے ہیں اور اسی آسانی سے جس آسانی سے قائم کیا تھا" اور اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے تجویز کی شکل میں یہ بات آئی تھی کہ "خود مختار بورڈ کی دو شکلیں ہوتی ہیں، ایک قانونی اور ایک مصلحتی، مصلحتی خود مختار بورڈ کے بارے میں یہ شبہہ بجا طور پر کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر سالانہ

(باقی صفحہ ۳۴ پر)

تیزی سے ترقی کرتے ہوئے سماج میں

اڈلٹ ایجوکیشن کا منصب

نئے سرے سے سوچنے کی ضرورت

۱۔ نیم ترقی یافتہ یا تیزی سے ترقی کرتا ہوا؟

(۱)

ستمبر ۱۹۵۶ء کی بات ہے جب میونیخ (جرمنی) میں لائبریری ایسوسی ایشنوں کے بین الاقوامی وفاق کی سالانہ کانفرنس ہو رہی تھی۔ ایک کے بعد ایک، جتنی بھی تقریریں ہو رہی تھیں، سب میں نہایت روانی کے ساتھ "نیم ترقی یافتہ" ملکوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ اس لفظ نے نعرے کی حیثیت اختیار کر لی ہے جو متحدہ اقوام کی انجمن کے ساتھ ساتھ وجود میں آیا ہے۔ میں نے تجویز پیش کی کہ اس نعرے کو بدل کر جو محض زبان پر چڑھنے کی وجہ سے رواں ہو گیا ہے کوئی اور اصطلاح وضع کرنی چاہیئے جو حقیقت حال کی ترجمانی کرے اور بامعنی ہو۔ میرے کہنے پر بہرحال اس کے لئے "تیزی سے ترقی کرتا ہوا" کی اصطلاح تسلیم کر لی گئی اور طے پایا کہ یہ لفظ صحیح معنی میں صورتِ حال کی ترجمانی کرتا ہے۔ دراصل سماج کا ایک حال پر ہمیشہ قائم رہنا ناممکن بات ہے۔ ہر سماج ہمہ وقت، ہر زمانے میں تبدیلی کے عمل سے گذرتا رہتا ہے، چاہے اس تبدیلی کا رُخ ترقی کی طرف ہو یا زوال کی طرف۔ اس بزم معالات میں ہمارا تعلق تبدیلی کے موخر الذکر شکل سے نہیں ہے۔ سن رسیدگی کی منزل میں سماج کی ترقی کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔ اور اس کا رجحان یا تو ایک عارضی ٹھہراؤ کی طرف ہوتا ہے یا زوال کی طرف۔ ہمیں اس صورتِ حال سے بھی واسطہ نہیں ہے۔ تبدیلی کا ایک پہلو اور ہوتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ سماج جب ایک تہذیبی چکر کو پورا کر کے اگلے چکر میں قدم رکھتا ہے ـــ جسے ہم اس کی نشاۃِ ثانیہ کہہ سکتے ہیں ـــ تو اس کی ترقی کی رفتار تیز ہو جاتی ہے۔ ہمیں آج اپنی اس بزم میں اسی صورت حال سے واسطہ ہے۔ ہندوستانی سماج نے ٹھہراؤ کی ایک طویل مدت گذارنے کے بعد اسی تیزی سے ترقی پذیر دور میں قدم رکھا ہے۔

۲۔ غیر متوازن ترقی

کسی سماج کی زندگی کے بڑے بڑے ۹ پہلو ہو سکتے ہیں۔

۱۔ مادی	۴۔ ذہنی	۷۔ سیاسی
۲۔ جسمانی	۵۔ اخلاقی	۸۔ معاشی
۳۔ جذباتی	۶۔ جمالیاتی	۹۔ روحانی

ان تمام پہلوؤں کی ترقی میں توازن قائم رکھنا کسی سماج کے تعلیمی نظام کا مقصد اولین ہوتا ہے۔ اگر ان کی باڑھ میں ترتیب قائم نہ رکھی جائے اور انھیں آزاد چھوڑ دیا جائے تو سماج کا توازن بگڑ جاتا ہے تاریخ اس قسم کے عدم توازن کی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

۳۔ اوتار یا انسان کے روپ میں خدا کے جلوہ گر ہونے کا نظام

عدم توازن جب ایک حد سے آگے بڑھ جاتا ہے تو اس کی اصلاح کی ضرورت پیش آتی ہے۔ اصلاح کا یہ عمل کسی نہ کسی طوفانی شکل میں واقع ہوتا ہے، جیسے جنگ یا عالمگیر وبا یا انقلاب۔ گیتا کی اصطلاح میں جب اس عدم توازن کی کیفیت شدت اختیار کر لیتی ہے تو اصلاح کا عمل کسی مافوق البشر شخصیت کے ظہور کی شکل میں واقع ہوتا ہے۔ ہماری رزمیہ داستانوں رامائن اور مہابھارت اور پرانوں میں "اوتار" کا تصور اسی حقیقت پر زور دیتا ہے کہ جب سماج کا توازن بگڑ کر شدت اختیار کر جاتا ہے ـــــ اور جو نتیجہ ہوتا ہے روحانی عنصر کے زوال اور دوسرے بشر عناصر کی بے لگام ترقی کا، تو اس وقت اس کی اصلاح کے لئے ضرورت ہوتی ہے ایک متوازن اور طاقتور مافوق البشر شخصیت کی۔

۴۔ تعلیم کا نظام

جب یہ اصلاح کرنے والی مافوق البشر شخصیت اپنا کام کر کے پیچھے ہٹ جاتی ہے تو سوسائٹی کو اس غرض سے کہ اصلاح کے ذریعے جو توازن پیدا ہو گیا ہے، وہ پھر نہ بگڑ جائے، اور اس مقصد سے کہ سماج کی زندگی کے تمام پہلوؤں میں ہم آہنگی قائم رہے، تعلیمی نظام کی مشینری کو استعمال کرنا ہوتا ہے۔ مستقبل کی مصلحتوں کا اثر بچوں اور نوجوانوں کی تعلیم کے موضوع اور مواد پر پڑتا ہے اور حال کی فوری مصلحتوں کا اثر بالغوں کی تعلیم کے موضوع اور مواد پر۔ لیکن بالغوں کی تعلیم کا اثر در اصل بہت دور رس ہوتا ہے۔ بچوں اور نوجوانوں کی تعلیم کے پیچھے جو مقاصد ہوتے ہیں، ان کے حصول میں بالغوں کی تعلیم کا بہت زیادہ دخل ہوتا ہے، اس لئے کہ بچوں اور نوجوانوں کی تعلیم نتیجہ بخش طور پر ہوا میں پوری نہیں ہو سکتی۔ روسو کا ایمیل تو ایک ذہنی تجربے کی تخلیق ہے جس کے ذریعے یہ دیکھنا مقصود تھا کہ آیا ایک نابالغ کی تعلیم کے ذریعے انسان کی

زندگی میں توازن پیدا کیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ یہی حیثیت ہندوستانی رزمیہ داستانوں کے کردار "رشیا شرنگا" کی ہے، اور اگرچہ نسبتاً کم درجے پر، یہی کیفیت "شکنتلا" کی بھی ہے۔ نابالغوں کی تعلیم اس پہلو سے بچ کر نہیں رہ سکتی جو اُن کے زمانے کے بالغوں کے افکار اور اطوار زندگی کا نتیجہ ہوتا ہے۔

۱ء۴۔ موجودہ ہندوستان میں بالغوں کی زندگی کے دباؤ کی کیفیت

بالغوں کے افکار اور اطوار زندگی کا یہ دباؤ جو آجکل نابالغوں کی تعلیم کے اوپر پڑ رہا ہے وہ ایک تیزی سے ترقی کی طرف بڑھنے والی سوسائیٹی کے حق میں بہت بڑی حد تک ناموافق ہے، اور ادھر موجودہ ہندوستانی سماج کی ترقی کی رفتار جو ٹھہراؤ کی ایک لمبی مدت سے ابھی ابھی نکلا ہے، اس صورتِ حال میں پرانی نسل کا دباؤ ـــ جو ٹھہراؤ کی مدت میں پلی بڑھی تھی ـــ نہ صرف ناخوشگوار رہی ہے، بلکہ طاقتور بھی ہے۔ اس سے سماجی ارتقاء کو نقصان تک پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ سیاسی آزادی کے بعد ایک طرف تو یہ ہوا کہ سیاست کے میدان میں ہمیں بیشتر معاملات میں نئی نئی برتری حاصل ہوئی، ہماری ذہنی قوتیں جو اب تک ایک طرح سے قید تھیں آزاد ہوکر سامنے آگئیں اور ہمیں مادّی آسائشیں حاصل ہوئیں، مگر دوسری طرف زندگی کے دوسرے پہلوؤں خصوصاً جذباتی، اخلاقی اور روحانی پہلوؤں کی نشوونما میں ہم بہت پیچھے رہ گئے۔ یہ تخریبی قوت جس کی طرف سے سماج کے ارتقا کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہے، اسی عدم توازن کی بدولت پیدا ہوئی ہے۔ تعلیمی نظام سے مستقبل میں جو فوائد حاصل ہوتے ہیں، ان سے فیضیاب ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اس دباؤ کو کم سے کم کردیا جائے جو بالغوں کی نشوونما کے اس طرح کے عدم توازن کی وجہ سے پیدا ہوگیا ہے۔ اس ضرورت کا تقاضا ہے کہ تعلیم بالغان کے منشاء اور مواد پر نئے سرے سے غور و فکر کیا جائے۔

۵۔ تعلیمِ بالغان کا منشاء اور مواد

اب سے پہلے تعلیم بالغان کے منشاء کے نام سے ایک کے بعد ایک طرح طرح کا تصور قائم کیا جاتا رہا ہے۔ اسی طرح اس کے مواد کا تعین بھی کیا جاتا تھا تاکہ وہ اس کے طرح طرح منشاء سے ہم آہنگ رہے۔ مگر اس کے منشاء کے بارے میں ایسی بات جو تیزی سے ترقی کی طرف بڑھتی ہوئی سوسائیٹی کے حسب حال ہو آج تک نہ سوچی گئی اور نہ کہی گئی۔ تعلیم بالغان کے بارے میں نئے سرے سے غور و فکر کی جس ضرورت کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے وہ اس سمت میں ہماری رہنمائی کرے گی۔

۱ء۵۔ مواقع سے محرومی کی بات

انیسویں صدی میں مغربی ممالک میں آبادی کے دباؤ اور اس کے نتیجے کے طور پر معاشی دباؤ کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کا رجحان دوسرے

ملکوں میں پھیل کر انھیں لوٹنے کھسوٹنے یا ان کے اوپر قبضہ کرنے کی طرف ہو گیا تھا۔ اس طرح کے سماج میں تعلیم بالغان کا منشاء اور موضوع بیشتر جمہوریت کے عقیدے سے اخذ کیا گیا تھا۔ اُس وقت اس کا منشاء یہ تھا کہ وہ لوگ جو اپنے بچپن ہی سے کام پر لگنے کے لئے مجبور تھے اور اس سبب سے تعلیم سے پورا پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتے تھے، ان کو عام علوم کی تعلیم بہم پہنچائی جائے۔ اس منشاء کے مطابق تعلیم بالغان کا مفہوم قریب قریب وہ تھا جو "مزدوروں کی تعلیم" کا ہوتا ہے۔ اس منشاء کو پورا کرنے کے لئے ضروری تھا کہ تعلیم کا مواد بھی متعین کیا جائے۔ وہ متعین تو کیا گیا، مگر منشاء کے اعتبار سے کافی نہیں تھا۔ برطانیہ میں جو ادارہ تعلیم کا یہ مواد فراہم کر رہا تھا، اس کی حیثیت سرپرستانہ رنگ لئے ہوئے تھی، یہ کام "یونیورسٹی ایکس ٹینشن ورک" (یونیورسٹیوں کی تعلیمی تبلیغ) کی شکل میں نمودار ہوا تھا۔ مگر اس مقصد کے لئے یونیورسٹیوں کو علیحدہ سے ایک عملہ مقرر کرنا پڑا تھا جس کے ممبر عموماً وہ لوگ ہوتے تھے جو یونیورسٹی کے کام کے اہل نہیں سمجھے جاتے تھے۔ مگر اس کے برخلاف ہندوستان میں ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے، ایک یونیورسٹی نے اڈلٹ ایجوکیشن کی ضرورت واہمیت سے کسی قدر متاثر ہو کر اس کام پر ایسے پروفیسروں کو بھی لگا دیا جو اپنے تحقیق اور ریسرچ کے کاموں میں ڈوبے ہوئے تھے۔ اسی واقعے سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ نئے طرز کی اڈلٹ ایجوکیشن کو ان معمول سے اونچے بالغوں کی اصلاح بھی کرنی ہے جن کے ہاتھ میں یونیورسٹیوں کے معاملات کی لگام ہوتی ہے۔

۲ء۵ - خاتمۂ ناخواندگی کا نظریہ

ہندوستان میں ابھی چند سال پہلے تک اڈلٹ ایجوکیشن کا جو تنگ اور محدود منصب متعین کیا جاتا تھا، وہ تھا ناخواندگی کی بیخ کنی۔ اس منصب کو پورا کرنے کے لئے تعلیم کے مواد کی حیثیت قریب قریب صفر کے تھی۔ اس لئے کہ خواندگی تو محض ایک ذریعہ ہے نجی مطالعے کا، اپنی ذاتی محنت سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ اپنی محنت سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لئے خواندگی نہ ضروری ہی ہے، نہ کافی ہی ہوتی ہے۔ ایک ان پڑھ بالغ جس کے عادات واطوار پختہ ہو چکے ہوتے ہیں اور رگ پٹھے ایک حالت پر قائم ہو چکے ہوتے ہیں، اس قابل نہیں رہ جاتا کہ وہ خواندگی کی صلاحیت الف۔ ب۔ سے شروع کر کے حاصل کرے۔ مزہ تماشا یہ ہوا کہ ایک نظریہ بڑے شد ومد سے یہ قائم کر لیا گیا کہ نئے نئے تعلیم پائے ہوئے نوجوان بالغوں کو پڑھا سکتے ہیں۔ اس عقیدے کی شدت مرض کی حد تک بڑھ گئی تھی چنانچہ اس مہم کے لئے "ہر شخص ایک ایک بالغ کو پڑھا دے" کا نعرہ بھی اختیار کیا گیا اور اس کے جواز کے لئے مغرب کے ماہرین تعلیم بالغان کی سندیں پیش کی گئیں۔ وزرا بھی اپنی اپنی تقریروں میں یہی نعرہ لگانے لگے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ایک مقررہ مدت تک اس قسم کے کام کو یونیورسٹی کی سندیں حاصل کرنے کے لئے شرط قرار دے دیا گیا۔ حکومت ہند کی وزارت تعلیم نے اس مقصد کے لئے ایک کمیٹی بنا دی جسے یہ کام تفویض ہوا کہ وہ انڈر گریجوایٹوں کی مدد سے اڈلٹ ایجوکیشن کا کام انجام دے۔ میں بھی اس کمیٹی کا ایک رکن تھا۔ جب میں نے اس طریقۂ کار کی مخالفت میں آواز اٹھائی تو مجھے ترقی دشمن اور قدامت پرست کا لقب دے کر خاموش کر دیا گیا۔ لیکن بہر حال بہت زمانہ نہیں گذرا کہ خواندگی کو اڈلٹ ایجوکیشن کا منشاء اور موضوع ٹھہرا کر کام کرنے کی

بے اثری کا سب کو احساس ہو گیا۔

۳.۴ سوشل ایجوکیشن کا نظریہ

خانہ خواندگی کا عقیدہ اُسی وقت اپنی جگہ سے ہٹایا جاسکتا تھا جب اڈلٹ ایجوکیشن سے متعلق دوسرا کوئی اصول اُس کی جگہ لینے کے لئے موجود ہوتا۔ مذکورہ بالا نئے عقیدے کے ماتحت اڈلٹ ایجوکیشن کے نئے منصب کی تشریح و توضیح کی غرض سے "سوشل ایجوکیشن" کی نئی اصطلاح وضع کی گئی۔ اس نئے روپ میں اڈلٹ ایجوکیشن کا منصب یہ قرار دیا گیا کہ سماج میں جو لوگ معیار سے نیچے گرے ہوئے ہیں انھیں اُبھار کر معیار کی سطح پر لانا ہے۔ پھر اس پست معیاری کا دائرہ جسے اونچا اٹھا کر معیار کی سطح پر لانا ہے صرف ناخواندگی، یا نیم خواندگی ہی تک محدود نہیں رکھا گیا بلکہ معلومات کی پست معیاری، علم کی پست معیاری، جسمانی صحت اور شخصیت کی نشوونما کے لئے جن باتوں کی ضرورت ہوتی ہے، ان سے ناواقفیت سیاسی بیداری کی کمی، معاشی پست حالی، اور سماجی یک جہتی غرض سماجی زندگی کے تمام پہلوؤں کو اس میں لے لیا گیا۔ اس طرح سوشل ایجوکیشن کے تصور کی رو سے اڈلٹ ایجوکیشن کا منصب بہت وسیع اور جامع بنا دیا گیا، اور سچ تو یہ ہے کہ اس میں دنیا بھر کی ہر چیز سما گئی، اور گاندھی جی کے گاؤں کی ترقی کے عقیدے اور کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی نئی اسکیم سے اس کے لئے سند لائی گئی۔ اس وسیع منصب اور جامع موادِ تعلیم کی بنیاد پر اگر اڈلٹ ایجوکیشن کے منصوبے کی تکمیل ہو گئی تو یہ طے ہے کہ سماج کے پست معیار بالغوں کی تعمیر و ترقی میں جو عدم توازن اور بے ہنگم پن موجود ہے، اُسے دُور کیا جا سکے گا۔

۴.۵ گمشدہ کڑی

سوشل ایجوکیشن کی اس اسکیم میں تو حکومت اور غیر ممالک سب کی پوری پوری حمایت اور پشت پناہی حاصل ہے، اور اس کے لئے اچھی خاصی مقدار میں سرمایہ فراہم کیا جا رہا ہے۔ یہی نہیں بلکہ اس مقصد کے لئے ایک عظیم الشان عملہ تیار کیا جا رہا ہے جس کا سلسلہ مرکزی حکومت سے لے کر ریاستی سرکاروں سے گزرتا ہوا لا تعداد مقامی اداروں تک پھیلا ہوا ہے۔ نیچے کے عملے کے لوگوں کو اس مقصد سے متعارف اور اس کام سے وابستگی پیدا کرنے کی غرض سے ایک یکھوارے کی کراماتی ٹریننگ کا انتظام ہے۔ اس تمام طریقۂ نظام میں نیت بہر حال مخلصانہ اور نیک رہی ہے۔ مگر اس تمام کوشش کا حاصل کیا ہے؟ اس سوال کے سلسلے میں اس ہنگامی مہم کا، جو پچھلے دس سال سے جاری ہے، ایک بے لاگ اور غیر جانب دارانہ جائزہ ولینا ضروری ہے۔ میرا گمان یہ ہے کہ اس کام پر جتنا روپیہ لگایا گیا ہے اور لگایا جا رہا ہے اور جتنے سرکاری اور غیر سرکاری تنخواہ دار اور رضاکار کارکن اس کے لئے محنت صرف کر رہے ہیں، اس کے اعتبار سے دیکھا جائے تو کامیابی بہت کم ہوئی ہے۔ کامیابی میں یہ کمی اس سبب سے ہے کہ تنخواہ دار یا رضاکار جو لوگ اس کام میں لگے ہوئے ہیں، وہ سماج کے اس طبقے سے

تعلق رکھتے ہیں جو ذہنی تعلیمی اور معاشی ہر اعتبار سے بلند معیار ہے اور ان کی زندگی کا رنگ ڈھنگ اور سوچنے کا طریقہ اس کام سے میل نہیں کھاتا۔ جو بلند معیار لوگ اس کام سے براہ راست یا بالواسطہ کسی حیثیت سے متعلق ہیں، ان کی شخصیت کی نشو ونما میں بڑی تیزی سے عدم توازن کی کیفیت پیدا ہو رہی ہے اور سوشل ایجوکیشن کے منصب کی تکمیل میں اڈلٹ ایجوکیشن کی اسکیم میں جو کامیابی نہیں ہو رہی ہے اُس کا سراغ اسی بات میں ملتا ہے کہ اس اعتبار سے اڈلٹ ایجوکیشن کو سب سے پہلے انہی لوگوں کی خبر لینی چاہیئے اور ان کی نشو ونما میں توازن پیدا کرنے کی فکر کرنی چاہیے۔ اڈلٹ ایجوکیشن کے فروغ میں یہی وہ گمشدہ کڑی ہے جسے جوڑنا ضروری ہے۔

۵۵ء۔ بلند معیار بالغوں کا مسئلہ

جن جانی بوجھی باتوں کی وجہ سے اڈلٹ ایجوکیشن کی رفتار میں کمی آتی ہے اس کا تقاضا ہے کہ اڈلٹ ایجوکیشن اپنے لئے ایک اور اصول مرتب کرے۔ اس نئے اصول کی ذمے داری یہ ہوگی کہ وہ اس گمشدہ کڑی کو فراہم کرے جس کا باب نمبر ۲۵ میں ذکر کیا گیا ہے۔ اس نئے اصول کی بنیاد یہ، اڈلٹ ایجوکیشن کا منصب یہ ہونا چاہیئے کہ پروگرام سے متعلق پالیسی طے کرنے کی منزل سے لیکر اس کی انجام دہی تک جو لوگ اس میں لگے ہوئے ہیں، یا آیندہ لگیں، ان کی پوری تربیت ہو —— ان کے اخلاقی معیار میں بلندی پیدا ہو، ان کے اندر شہریت کے آداب کا شعور بیدار ہو، ان کے کام کی جو منزل متعین کی گئی ہے، وہاں تک پہنچنے کا عزم و ارادہ پیدا ہو، سب کچھ جاننے کے باوجود اتنا انکسار ہو کہ جیسے کچھ بھی نہیں جانتے، اور انھیں اچھی طرح معلوم ہو کہ عوامی کاموں کے لئے انتظام و انصرام کا کیا ڈھنگ کیا کرتا ہے۔ انگلیوں پر گننے کے قابل چند آدمیوں کو چھوڑ کر —— جن کی تعداد ہماری تیزی سے ترقی کرتی ہوئی سوسائٹی میں کام کی وسعت اور پھیلاؤ کو دیکھتے ہوئے بہت تھوڑی ہے —— سوچ بچار کی قوت، تعلیم اور معاشی خوشحالی کے اعتبار سے بہت کم بلند معیار افراد ایسے ہیں جو اپنی بلند اخلاقی، اولوالعزمی اور علمیت کو کام میں لا کر آج کے تیز رَو ترقی کے ماحول میں ہندوستانی سماج کی از سرِ نو تعمیر کر سکتے ہیں۔

(مسلسل)

ریڈیو کا دیہی حلقۂ مباحثہ ———————— بقیہ صفحہ ۱۵ کا

کے لئے کوئی فنڈ ہو تو اس کا ٹھیک ٹھیک انتظام کرنا۔

(۳) باہر کے جو مہمان ان حلقوں کو دیکھنا چاہیں انھیں حلقوں میں اپنے ساتھ لے جانا، خاص طور پر یہ دیکھنے کے لئے کہ یہ لوگ ان مباحثوں میں خود تو شریک نہیں ہو جاتے ہیں اور اگر ان میں حصہ لیتے بھی ہیں تو اس طرح کہ اپنی رائے اُن کے اُوپر لادنے کی کوشش نہیں کرتے۔

بیداری کی جھلک ———————— بقیہ صفحہ ۱۴۳

بھی ہو سکتی ہے نئے خیالات اور نئی زندگی کے راستے میں تعصب اور توہمات کی خلیجیں حائل ہو سکتی ہیں۔ مگر اپنے اوپر بھروسہ اور بستی کے بہبود کے کاموں کے لئے جو لگن ہم نے یہاں کے لوگوں میں دیکھی ہے اس سے صبح امید کی کرنیں پھوٹتی دکھائی دیتی ہیں"۔

تعارف

زیرِ نظر مضمون اُس اسکیم کا تعارف ہے جو آل انڈیا ریڈیو نے گاؤں میں اس مقصد سے چلائی ہے کہ ریڈیو کے وسیلے کو ان کے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بنایا جا سکے اور معلومات فراہم کرنے والی اس منظم ایجنسی کی خدمات کے فیض سے کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی اسکیم اور زیادہ آگے بڑھے۔

ہندوستان کی اڈلٹ ایجوکیشن کی تاریخ میں غالباً یہ پہلا موقع ہے کہ ریڈیو کی خدمات ایسے منظم طریقے پر اس تحریک کو حاصل ہوئی ہیں، یہ بڑا نیک شگون ہے اور آل انڈیا ریڈیو اس کے لئے مبارکباد کا مستحق ہے۔

اس موقعے پر ہم آل انڈیا ریڈیو سے ایک بات خاص طور پر کہنا چاہتے ہیں کہ جب انھوں نے گاؤں کی زندگی میں اس آمادگی اور وابستگی کے ساتھ قدم رکھا ہے تو اسی کے ساتھ اس اصول پر ہر وقت نظر رکھیں کہ زندگی خصوصاً گاؤں کی زندگی کسی معمول (رُٹین) کی پابند نہیں ہوتی اس لئے اگر انھوں نے اس پروگرام کو اپنے معمولات کا محض ایک جزو سمجھ کر چلایا تو (خدا نہ کرے) فلاح و بہبود کے بہت سے سرکاری محکموں کی طرح انھیں بھی ناکامی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

ایک بڑی بات جو اس پروگرام سے حاصل ہوگی یہ ہے کہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ والوں کو اپنے ایک "مدِّ فاضل" ساتھی ۔ سوشل ایجوکیشن آرگنائیزر کے سپرد کرنے کے لئے ایک ٹھوس کام ہاتھ آجائے گا جس کی انھیں ایک مدّت سے تلاش تھی۔ ———————— ایڈیٹر

ریڈیو کا دیہی حلقۂ مباحثہ گاؤں کی ایک مجلس کا نام ہے۔ اس مجلس کے عام طور پر پندرہ بیس ممبر ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ریڈیو کے منتخب پروگراموں کو دھیان سے سنتے ہیں اور پھر ان کی بنیاد پر آپس میں بحث کرتے ہیں۔ اس طرح یہ حلقۂ مباحثہ ایک وسیلہ ہے جس کے ذریعے یہ لوگ اپنی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں اور بشرطِ امکان ان سیکھی باتوں کو تجربے کی کسوٹی پر آزمانے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ اس بات سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یہ حلقہ بس ایک تفریحی کلب ہے، جو اپنے ممبروں کی تفریحِ طبع کی غرض سے بنتا ہے۔ اسی طرح یہ غلط فہمی بھی نہ ہونی چاہیئے کہ یہ حکومت کی کوئی باقاعدہ سنستھا ہے۔ یہ حلقے دراصل سماجی تعلیم کے مرکز ہیں جس میں لوگ بغیر کسی دباؤ یا قانونی پابندی کے خالصتاً اپنی مرضی سے شامل ہوتے ہیں۔ وہ اپنی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں اور ان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اچھے شہری نہیں بلکہ

روزمرہ کی زندگی کے مسائل کو ہر پہلو سے اچھی طرح سمجھ سکیں۔ غرض ریڈیو کا دیہی حلقۂ مباحثہ گاؤں کے لوگوں کی ایک ایسی تنظیم کا نام ہے جس کے افراد ریڈیو کے پروگراموں کو باقاعدہ طور پر سنتے ہیں، ان کے اوپر بحث مباحثہ کرتے ہیں اور معلومات کے اس وسیلے سے جو نئی بات انھیں معلوم ہوتی ہے اُسے آزماتے ہیں۔

اس کی تنظیم کی ذمے داری

گاؤں میں یہ حلقے قائم کرنے کی تمام تر ذمے داری بلاک ڈیولپ منٹ افسر کی ہوتی ہے۔ یہ افسران یہ کام سوشل ایجوکیشن آرگنائیزروں کے توسط سے انجام دیتے ہیں۔ حلقے کے قیام کے لئے گاؤں اور جگہ کا انتخاب کرتے وقت سوشل ایجوکیشن ارگنائیزروں کو مندرجہ ذیل شرطیں اپنے ذہن میں رکھنی ہوتی ہیں۔

(الف) جس گاؤں کو منتخب کیا جائے، وہاں کوئی ایسی جگہ موجود ہو جہاں ریڈیو سیٹ حفاظت سے رکھا جا سکے۔

(ب) سیٹ رکھنے کے لئے جو جگہ منتخب کی جائے وہاں اتنی گنجائش ہونی چاہئیے کہ حلقے کے ممبر ایک ساتھ بیٹھ کر پروگرام سن سکیں اور دوسرے لوگ آسانی سے جمع ہو سکیں۔

(ج) ریڈیو سیٹ ایک ایسے شخص کی نگرانی میں دیا جائے، جو اس کو اور اس سے متعلق تمام سامان مثلاً بیٹری کو حفاظت سے رکھ سکے، سلیقے سے چلا سکے اور اس میں اگر کسی قسم کی خرابی آجائے تو منسٹری کو اس کی بر وقت اطلاع دے سکے۔

(د) چونکہ حلقے کو اپنی سرگرمیوں کی رپورٹ بلاناغہ ریڈیو اسٹیشن کو بھیجنی ہوگی اور ریڈیو اور بلاک کے افسران ان حلقوں میں برابر آتے جاتے رہیں گے اس لئے حلقے کے لئے گاؤں کے انتخاب میں اس بات کا بھی لحاظ رکھنا ہوگا کہ جن گاؤں میں یہ حلقے قائم ہوں وہاں ڈاک تار اور ذرائع آمد و رفت کا معقول انتظام ہو۔

(ہ) گاؤں ایسا ہو جہاں کچھ ہم خیال لوگوں کا ایک نہ ایک گروپ موجود ہو اور جو کسی مشترک مفاد کے رشتے میں باہم منسلک ہوں۔ مگر یہ ضروری نہیں کہ ان کے کام، پیشے اور شخصی پس منظر ایک دوسرے سے مختلف نہ ہوں، ان میں تنوع اور رنگا رنگی بھی ہو سکتی ہے جس سے کوئی حرج واقع نہیں ہوگا۔

حلقہ کیسے قائم کیا جائے؟

سوشل ایجوکیشن آرگنائیزر کو چاہیئے کہ وہ پہلے گاؤں کے بااثر لوگوں کے بارے میں پوری پوری معلومات حاصل کرے اور اس سلسلے میں پنچایت، کواپریٹیو سوسائٹی، ڈیولپ منٹ کونسل کے ممبروں اور اسکول کے استادوں سے مدد لے۔ اسی طرح چودھریوں

اور سرغنہ لوگوں کی قیادت میں جو مختلف گٹ اور پارٹیاں بنی ہوئی ہیں ان سے واقفیت بہم پہنچائی جائے اور یہ پتہ لگایا جائے کہ ان لوگوں کی دلچسپیاں اور مفاد کیا ہیں۔ اس معلومات کی بنیاد پر ایسا منصوبہ بنایا جائے کہ یہ لوگ کسی وقت ان پروگراموں سے بدظن نہ ہونے پائیں۔ مگر ان باتوں کا مطلب یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیئے کہ گاؤں کے سبھی بااثر لوگ اس حلقے کے ممبر ہوں گے۔

ریڈیو کے ان دیہی حلقوں کو کامیاب بنانے کی غرض سے چیف آرگنائیزر مقرر کئے گئے ہیں۔ جن سے بلاک ڈیولپمنٹ افسروں اور سوشل ایجوکیشن آرگنائیزروں کو برابر ربط ضبط قائم رکھنا چاہیئے۔ چیف آرگنائیزر کے لئے ابتدا میں ضروری ہوگا کہ وہ بلاک کے علاقے میں گھوم گھوم کر ان حلقوں کی تنظیم میں لوگوں کی مدد کرے۔

ممبر کون لوگ ہوں؟

(۱) جہاں تک ممکن ہو بالغوں اور ادھیڑ عمر کے لوگوں کو جو کھیتی باڑی یا اسی طرح کے دوسرے کام کر رہے ہوں، اس حلقۂ مباحثہ کا ممبر بنانا چاہیئے۔ یہ بات تجربے سے ثابت ہو چکی ہے کہ جب کبھی بھی اس قسم کے حلقوں میں کم عمر یا بوڑھے لوگ شامل کئے گئے ہیں، بات چیت کے لئے ایسی فضا نہیں بن پائی کہ لوگ آزادی سے اور بے جھجک اپنی اپنی بات کہہ سکیں۔

(۲) اس حلقے کی تنظیم اس اصول پر ہونی چاہیئے کہ صحیح معنی میں گاؤں کی اقتصادی زندگی کی نمائندگی کر سکے۔ اس سلسلے میں کوئی قطعی اور آخری بات تو نہیں کہی جا سکتی کیونکہ یہ باتیں بیشتر مقامی حالات کی پابند ہوتی ہیں۔ مگر اس بات کا خیال رکھنے کی بہرحال ضرورت ہوگی کہ گاؤں کے مختلف اقتصادی طبقوں کی نمائندگی سے اس طرح کی فضا پیدا نہ ہو جس سے طبقاتی فرق و امتیاز کی بو آنے لگے۔

(۳) سب سے اہم بات جس کا اول و آخر خیال رکھنا ہوگا یہ ہے کہ تبادلۂ خیال کے دوران میں جمہوری مساوات کا ماحول قائم رہے۔ لوگ اپنی کہیں بھی اور دوسروں کی سنیں بھی۔ کچھ لوگ بہت بے صبر ہوتے ہیں۔ وہ صرف اپنی ہی بات کہنا چاہتے ہیں، دوسروں کی بات کو سننا نہ صرف یہ کہ انہیں آتا ہی نہیں بلکہ اسے وہ گوارا بھی نہیں کرتے۔ بات بات پر جھگڑتے اور خواہ مخواہ کی نکتہ چینی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ حلقے کی ممبری کے لئے موزوں نہیں ہوتے۔

(۴) جو لوگ اس حلقے کے ممبر بننا چاہیں انہیں یہ بات صاف صاف معلوم ہو جانی چاہیئے کہ یہ ممبری ان کی تعلیم اور ان کی معلومات بڑھانے کا ایک وسیلہ ہے۔ وہ لوگ اس غلط فہمی میں نہ رہیں کہ اس ممبری سے ان کی عزت و حیثیت میں کوئی اضافہ یا بلندی پیدا ہو جائے گی، سرکاری معاملوں میں ان کی پوچھ گچھ ہوا کرے گی اور ان کی شان اور دبدبے میں اضافہ ہوگا۔

یہ تو صحیح ہے کہ ریڈیو کے اس حلقۂ مباحثہ میں وہ اپنے جو خیالات پیش کریں گے وہ گاؤں کے ایک بڑے حلقے تک پہنچیں گے اور اس سے ان کی عزت افزائی ہوگی مگر اس سے کسی قسم کا سیاسی فائدہ اٹھانا یا اسے سرکار میں اثر و رسوخ بڑھانے کا ذریعہ سمجھنا بالکل بے معنی

سی بات ہوگی۔ جن لوگوں کو ہر کام میں عیب ہی عیب نظر آتا ہے اور جنھیں کام بگاڑ باتوں اور بے مقصد تنقید میں مزہ آتا ہے۔ وہ لوگ بھی
حلقے کی رکنیت کے اہل نہیں ہوتے۔ جو تعلیم یافتہ اور سنجیدہ فکر لوگ اس حلقے کے ممبر چنے جائیں انھیں بھی ان مباحثوں میں اپنی بات اس
طرح پیش کرنے سے پرہیز کرنا چاہیئے جس سے یہ محسوس ہو کہ وہ اپنی بات کے ذریعے دوسروں کے اوپر حاوی ہونا چاہتے ہیں۔ اگر ایسی صورت
پیش آجائے تو دوسرے اپنی بات کہنے میں تامل کرنے لگتے ہیں اور مباحثے سے ان کی دلچسپی باقی نہیں رہ جاتی۔ صرف پڑھا لکھا ہونا حلقے کے
ممبر کے لئے کسی قسم کی امتیازی شان کا باعث نہیں ہوتا۔ حلقے کے سبھی ممبر خواہ وہ خواندہ ہوں یا ناخواندہ برابر کی حیثیت کے ہوتے ہیں،
واقعہ یہ ہے کہ زندگی کا تجربہ، اظہار خیال کی صلاحیت اور نئے خیالات کو عمل میں لانے کا حوصلہ وہ بنیادی اوصاف ہیں جو ان حلقوں
کی رکنیت کے لئے شرط کی حیثیت رکھتے ہیں۔

یہ ہیں وہ بنیادی اصول اور باتیں جنھیں ذہن میں رکھ کر سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کو اپنی تحقیقات مکمل کرنی چاہیئے اور اُن لوگوں کی
ایک عارضی فہرست بنانی چاہیئے جو حلقے کے ممبر بنائے جاسکیں۔ مگر اس تمام عمل میں سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کو بہت پھونک پھونک کر قدم
رکھنا ہوگا۔ اس لئے کہ ایسا نہ ہو کہ لوگوں میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ سوشل ایجوکیشن آرگنائزر طرفداری سے کام لے رہا ہے۔ گاؤں کے لوگوں
میں باہم جو رنجشیں اور کشیدگیاں ہوتی ہیں، ان سے بھی حلقے کے ماحول کو بچانا چاہیئے۔ یہ چیز حلقے کے لئے بہت خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔ خاص
طور پر اس لئے کہ اس حلقے کے ممبر لوگ صرف اس رشتے سے ہوں گے کہ انھیں سماجی تعلیم سے دلچسپی ہے اور وہ بے تکلفی سے ایک جگہ جمع
ہونا چاہتے ہیں، ان کی رکنیت اس اعتبار سے قطعی نہیں ہوگی کہ انھیں کوئی اختیار یا عہدہ حاصل ہے۔

ممبروں کی فہرست مرتب ہو جانے کے بعد سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کو چاہیئے کہ وہ انھیں ایک جگہ جمع کر کے سیدھی سادی اور آسان
زبان میں سمجھا دے کہ اس حلقے کا مقصد کیا ہے، کس ڈھنگ سے اس کی کارروائی ہوگی اور اس سے انھیں کیا فائدے ہوں گے۔ اسی
موقع پر ممبروں کا ایک رجسٹر بھی بنا لینا چاہیئے اور چیرمین اور سکریٹری کا انتخاب بھی کر لینا چاہیئے۔ چیرمین اور سکریٹری کا انتخاب اس
ڈھنگ پر ہونا چاہیئے کہ اس سے گاؤں میں کسی قسم کی کشیدگی پیدا ہونے کا امکان نہ رہے۔

چیرمین اور سکریٹری

سکریٹری کا کام تمام مباحثوں کی رپورٹ تیار کرنا ہوگا، اس لئے اس کا پڑھا لکھا ہونا ضروری ہے۔ حلقے کے پاس آل انڈیا
ریڈیو کی طرف سے پروگراموں کی اطلاعات، اخبارات و رسائل اور خبرنامے اور دوسرے کاغذات آتے رہیں گے۔ ان سب کو
قرینے سے رکھنا بھی سکریٹری کی ذمہ داری ہوگی۔ مگر ان کاموں کا اسے کوئی معاوضہ یا تنخواہ نہیں ملے گی بلکہ یہ سب کام اسے رضاکارانہ
طور پر کرنے ہوں گے۔ البتہ اسٹیشنری اور ڈاک خرچ کے لئے ایک رقم اسے ملے گی جسے اس کا حساب رکھنا ہوگا۔ حلقے کے چیف آرگنائزر

سوشل ایجوکیشن آرگنائزرز اور آل انڈیا ریڈیو سے برابر رابطہ ضبط قائم رکھنا ہوگا۔

صدر

چیرمین کا کام مباحثے کو خوشگوار طور پر چلانا ہوگا اس لئے ضروری ہوگا کہ وہ طبعاً سنجیدہ اور بردبار ہو۔ اُسے صرف یہی امید نہیں رکھنی چاہیئے کہ لوگ اس کی باتیں سنیں گے بلکہ اس کے اندر اتنی سمائی ہونی چاہیئے کہ وہ دوسروں کو اپنی بات کہنے کا زیادہ سے زیادہ موقع دے۔ اُسے عمر اور تجربے کے اعتبار سے بزرگ ہونا چاہیئے مگر قدامت پسندانہ خیالات کا حامل نہیں۔ بلکہ ہونا یہ چاہیئے کہ گاؤں کی ترقی کے لئے اس کے دل میں خلوص اور حوصلہ ہو۔ چیرمین کے لئے پڑھا لکھا ہونا ضروری نہیں ہے۔ بس وہ ممبروں میں مقبول ہو اور لوگ اُس کی عزت کرتے ہوں تو اتنا ہی کافی ہے۔

حلقے کی بیٹھک

(۱) سکریٹری کو چاہیئے کہ وہ حلقے کی بیٹھک کے لئے لوگوں کو پہلے سے مطلع کر دے اور اس کے لئے ضروری انتظامات کر دے۔ ممبروں کو پہلے سے معلوم کرا دینا چاہیئے کہ حلقے کی بیٹھک معمولاً منگل کی شام کو ہوا کرے گی۔

(۲) یہ اہتمام عام طور سے کرنا چاہیئے کہ سب ممبر پروگرام سے دس منٹ پہلے اپنی اپنی جگہ پر آکر بیٹھ جائیں۔ سکریٹری ممبران کے آنے پر چاؤ سے ان کا استقبال کرے اور انھیں مناسب جگہ بٹھائے۔ ریڈیو کے پاس پہلے حلقے کے ممبر بیٹھیں گے اور ان کے بعد دوسرے لوگ۔ ان سرگرمیوں کو دیکھنے کے لئے گاؤں کے باہر سے آنے والے لوگوں کے لئے بھی مناسب انتظام کیا جا سکتا ہے مگر ان کے لئے کوئی خصوصی اہتمام نہیں کرنا چاہیئے۔ اس سے مباحثے کی اصل روح ختم ہو جاتی ہے۔ ریڈیو سیٹ سکریٹری کو خود چلانا چاہیئے اور اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ جب یہ پروگرام چل رہا ہو تو وہاں کسی قسم کا شور غل نہ ہو۔ حلقے کے ممبروں کو تمغہ یا ممبری کا کوئی نشان بھی دیا جا سکتا ہے، جسے لگا کر یہ مباحثے میں شریک ہوں۔

پروگرام شروع ہونے سے چند منٹ پہلے سکریٹری کو پروگرام کا خاکہ پڑھ کر سنا دینا چاہیئے تاکہ ممبروں کو یہ بات پہلے سے معلوم ہو جائے کہ کیا کیا پروگرام ہونے والا ہے۔ ریڈیو کا پروگرام ختم ہو جانے کے بعد صدر سکریٹری کی مدد سے اس دن کے پروگرام کا خلاصہ پیش کرے۔ اور سمجھا دے کہ اس میں کن مسائل کی بحث اٹھائی گئی ہے۔ پروگرام کے اطلاعی پرچے پر دو ایک سوال دیئے ہوئے ہوں گے، اُنھی کی بنیاد پر یہ بحث شروع کی جائے۔ صدر کو چاہیئے کہ وہ ان سوالوں کی طرف محض اشارہ کر دے۔ اِس موقع پر اُسے کوئی لمبی چوڑی تقریر نہیں کرنی چاہیئے۔

مباحثہ کس طرح ہو؟

مباحثے کے دوران میں ممبروں کو یکے بعد دیگرے بولنا چاہیئے۔ نہ یہ کہ سب ایک ہی ساتھ بولیں۔ بحث کس طرح آگے بڑھائی جائے یہ بات پہلے سے بتانا ذرا مشکل ہے۔ مگر طریقہ کچھ اس طرح کا ہونا چاہیئے کہ ممبر پہلے یہ بتائیں کہ اس پروگرام سے انھیں کیا کیا نئی باتیں معلوم ہوئیں۔ اسی کے ساتھ اپنے ذاتی تجربے کی روشنی میں وہ اس پر اپنی رائے کا اظہار بھی کردیں۔ پھر اس کے بعد وہ اس مسئلے پر بھی غور کر سکتے ہیں کہ ان باتوں پر کس حد تک عمل کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح یہ دیکھا جا سکے گا کہ ان مباحثوں سے (۱) ممبروں کی معلومات میں کتنا اضافہ ہوا ہے (۲) مختلف مسائل کے بارے میں ان کا اپنا کیا رویہ ہے اور (۳) ان پروگراموں اور مباحثوں کی بنیاد پر گاؤں میں کون کون سے کام شروع کئے جا سکتے ہیں۔

سکریٹری مندرجہ بالا نکات یا اور بھی جو نکات ہوں ان کے پیش نظر مباحثے کا خلاصہ رجسٹر میں درج کرے۔ ان کارروائیوں کو قلمبند کرتے وقت اُسے ان فیصلوں اور نتیجوں کی طرف خاص طور سے اشارہ کرنا چاہیئے جن کے اوپر مباحثے کے دوران میں لوگ متفق تھے مگر اسی کے ساتھ ان شکوک و شبہات کو بھی اس رپورٹ میں جگہ دینی چاہیئے جو مباحثے کے دوران میں لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوئے تھے اور ان باتوں کو بھی جن سے متعلق گاؤں والے حکومت کے محکمے سے ریڈیو کے ذریعہ مزید معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس رپورٹ کو مرتب کرتے وقت حلقے کے چیرمین سے مشورہ کر لینا مفید رہے گا۔ غرض یہ رپورٹ اس طرح تیار کی جائے کہ اس میں مباحثے کا صحیح رنگ سامنے آجائے ایسا نہ ہو کہ وہ محض سکریٹری کے اپنے خیالات کی ترجمانی ہو۔

سکریٹری کو اُسی رات یا دوسرے دن اِس رجسٹر سے خاص خاص باتوں کو لے کر رپورٹ تیار کرنی چاہیئے اور اسے آل انڈیا ریڈیو کے پاس بھیج دینا چاہیئے۔

مباحثے کے بعد کے کام

ان مباحثوں میں حصہ لینے کے بعد ممکن ہے کہ حلقے کے ممبر گاؤں میں کچھ ترقیاتی پروگرام شروع کرنے کی بات سوچیں۔ ان کاموں کے لئے وہ بلاک ڈیولپمنٹ افسر سے مدد لے سکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ گاؤں میں کوئی نئی مہم شروع کرنے کا منصوبہ بنے یا کوئی ایسی نمائش لگانے کی تجویز ہو جس میں ممبروں نے جو نئی باتیں سیکھی ہیں، ان کا عملی مظاہرہ کیا جانے والا ہو۔ اس قسم کے کاموں کے سلسلے میں ہونا یہ چاہیئے کہ سکریٹری اور چیرمین ان باتوں کو سوشل ایجوکیشن آرگنائیزر کے سامنے رکھیں۔ سوشل ایجوکیشن آرگنائیزر ان تجویزوں کو متعلقہ ایکس ٹنشن آفیسر کے توسط سے بلاک ڈیولپمنٹ افسر کے سامنے رکھے گا جو ان پر اپنی منظوری دے کر ممبروں کی ان تجاویز کی انجام دہی میں مدد کرے گا۔

مباحثے کے بعد کی اِس طرح کی جو کچھ سرگرمیاں عمل میں آئیں ان کی بھی رپورٹ آل انڈیا ریڈیو کے پاس ضرور بھیجی جانی چاہیئے تاکہ بعد کے پروگراموں میں ان عملی کاموں کا حوالہ دیا جا سکے اور اس طرح لوگوں میں کام کرنے کا حوصلہ پیدا کیا جا سکے۔

ریڈیو کے پروگراموں میں حلقے کے ممبروں اور گاؤں کے دوسرے لوگوں کی شرکت

آل انڈیا ریڈیو کے کارکنوں کا ایک دستہ گاؤوں میں جا جا کر حلقے کے کچھ ممبروں کے تاثرات اور مباحثے کے.. جلسوں کے رکارڈ بھی تیار کرے گا۔ یہ دستہ گاؤوں کے باکمال کلاروں کو بھی تلاش کرے گا جن کے پروگرام ریڈیو پر نشر کئے جا سکتے ہیں۔ اس کام میں وہ حلقے کے ممبروں سے بھی مدد لیں گے۔ گاؤں والوں کی طرف سے جو سوالات ریڈیو کو موصول ہوں گے ان میں سے بعض کے جوابات اس حلقے کے سلسلے کے پروگرام میں شامل کئے جائیں گے۔ اس طرح یہ پروگرام دو حصوں پر مشتمل ہوگا۔ پہلے حصے میں اُس دن کا مخصوص پروگرام پیش کیا جائے گا اور دوسرا حصہ جو نسبتاً کم وقت کا ہوگا، گذشتہ پروگرام سے متعلق ہوگا۔ اس سے ان مباحثوں میں ممبروں کی دلچسپی قائم رہے گی۔

سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کی ذمہ داریاں

مندرجہ بالا باتوں کے پیش نظر حلقے کے پروگرام سے متعلق سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کی ذمہ داریاں یہ ہوں گی۔

(الف) بلاک ڈیولپ منٹ افسر کی منظوری سے گاؤں میں حلقے قائم کرانا اور سکریٹری اور چیرمین کا انتخاب کرنا۔

(ب) ریڈیو سیٹ کی نگرانی کہ آیا وہ کسی ذمے دار شخص کے ہاتھ میں ہے یا نہیں اور ٹھیک کام کر رہا ہے یا نہیں۔

(ج) اپنے علاقے کے ہر حلقے کی سرگرمیوں پر نظر رکھنا اور ان سے متعلق اپنی رپورٹ تیار کرنا۔ سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کو ان مباحثوں میں خود شریک نہیں ہونا چاہیئے۔ سکریٹری اور چیرمین سے اس سلسلے میں بات چیت اُسے پروگرام سے پہلے یا بعد میں کرنی چاہیئے اپنی خفیہ رپورٹوں کے لئے مباحثے کے دوران میں اُسے الگ بیٹھ کر نوٹ کر لینا چاہیئے۔

(د) حلقے کے ممبروں کو اس بات کے لئے تیار کرنا کہ ان پروگراموں میں جو نئی باتیں انھوں نے سیکھی ہیں ان کے اوپر عمل بھی کر کے دیکھیں۔

(ہ) حلقے اور آل انڈیا ریڈیو کے درمیان تعلق قائم رکھنا تاکہ ریڈیو اسٹیشن کی ہدایات گاؤں تک اور گاؤں کی باتیں ریڈیو اسٹیشن تک پابندی سے پہنچتی رہیں۔

(و) حلقے کو ڈاک خرچ اور اسٹیشنری کے لئے جس سامان کی ضرورت ہو بروقت فراہمی کا انتظام کرنا۔ اور اگر اس مقصد

صبح امید کی کرنیں پھوٹ رہی ہیں

جب کوئی نیا تجربہ شروع ہوتا ہے تو راستے میں بہت سی رکاوٹوں اور الجھنوں کا احساس ہوتا ہے۔ بہت سے جوکھم حائل ہوتے ہیں اور طرح طرح کے اندیشے قدم کو روک دیتے ہیں۔ سوچ بچار ہوتا ہے، اور جو کچھ اندیشے سامنے آتے ہیں ان کو دور کرنے کی تدبیریں سوچی جاتی ہیں۔ غرض ہر نیا قدم نئے اندیشے پیدا کرتا ہے مگر ان اندیشوں سے نجات اسی وقت ملتی ہے جب ہم ان کی پرواہ نہ کر کے عمل کے میدان میں اتر آتے ہیں اور اپنے عزم و ارادے کے بل پر ان کا مقابلہ کرتے ہیں چنانچہ بسا اوقات معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے ان اندیشوں میں سے اکثر بے بنیاد تھے، اصل کمزوریاں کچھ اور تھیں جن پر ہماری نظر پہلے کبھی نہیں گئی تھی۔

آزادی ملنے کے بعد ہندوستان کے خوابیدہ عوام کو جگانے کے لئے طرح طرح کے منصوبے شروع کئے گئے۔ جن میں کمیونٹی ڈیویلپ منٹ کا پروگرام سب سے زیادہ اہم اور ہماری توجہ کا مرکز رہا ہے۔ یہ پروگرام آج سے آٹھ سال پہلے شروع تو ہوا مگر افسر شاہی کے گورکھ دھندے میں پڑ کر اس کے ثمرات اتنے نمایاں اور موثر نہیں ہو سکے جتنی اس پروگرام سے امید کی گئی تھی۔

اس سلسلے میں بڑے خلوص کے ساتھ اس بات پر غور ہوتا رہا کہ اس پروگرام کو موجودہ نظم و ضبط کے شکنجے سے کس طرح آزاد کیا جائے بلونت مہتہ کمیٹی کی تجویز پر نظم و نسق کی لامرکزی تنظیم کے اصول کو مان لینے کے بعد بھی اسے عملی شکل دینے کی راہ میں جو اندیشے حائل تھے ان سے پنڈ چھڑانا مشکل تھا۔ افسر شاہی کے موجودہ شکنجے سے جو نظم و ضبط قائم رکھنے کا واحد ذریعہ سمجھا جاتا ہے، اس پروگرام کو آزاد کرنے کے امکانات پر ابھی غور ہو ہی رہا تھا کہ ریاست آندھرا نے منتخب ترقیاتی علاقوں میں جمہوری لامرکزیت کے اصول پر عمل درآمد کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے تھوڑے ہی عرصے کے بعد راجستھان نے ساری ریاست میں اس اصول پر عمل شروع کیا اور پنچایتوں، پنچایت سمیتیوں اور ضلع پریشدوں کو کمیونٹی ڈیویلپ منٹ کے اختیارات سونپ کر ہندوستان کی جمہوری زندگی میں ایک نئے باب کا آغاز کیا۔

یہ انقلابی قدم عوام کے سوچنے کے ڈھنگ پر کس حد تک اور کس شکل میں اثر انداز ہوا ہے، یہ ایک ایسا موضوع ہے جس سے گاؤں کی تعمیر و ترقی میں دلچسپی رکھنے والے ہر فرد کو دلچسپی ہو سکتی ہے۔

آندھرا کے جن منتخب علاقوں میں یہ تجربہ شروع کیا گیا ہے' اُس کے بارے میں سال کوٹ سے معاصر "ہند" کے ایک نمائندے نے ایک گاؤں سے متعلق اپنے تاثرات قلمبند کئے ہیں جنھیں ہم ناظرین کی دلچسپی کے لئے ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

جب سے پنچایت سمتیوں کی تنظیم ہوئی ہے گاؤں کی زندگی میں ہر جگہ ایک مستعدی اور ہماہمی کی کیفیت دکھائی دیتی ہے۔ ضلع پریشیدوں کے انتخابات مکمل ہو جانے کے بعد ڈسٹرکٹ بورڈ کا موجودہ انتظامی ڈھیر ختم ہو جائے گا گذشتہ سات آٹھ سال تک گاؤں کی زندگی پر جمود کی جو کیفیت طاری تھی وہ اب باقی نہیں رہ گئی ہے۔ ابھی حال میں پنچایت سمتیوں کے جو انتخابات ہوئے تھے ان کی بدولت یہاں کے دور دراز کے دیہاتی علاقوں میں جوش اور امنگ کا ماحول پیدا ہو گیا ہے۔ آج ایک عامی کچھ اس طرح سوچنے لگا ہے کہ موجودہ افسر شاہی نظام اور دفتری نظم و ضبط کا گورکھ دھندا ہمارے ترقیاتی پروگراموں کی رفتار کو روکے ہوئے ہے' اور اس سے نجات پانے کا واحد علاج جمہوری لامرکزی تنظیم ہے جو لوگوں کو اپنے معاملات کا آپ منتظم بنا دے گی۔

یہاں مناسب ہوگا کہ نیشنل ایکس ٹنشن اور کمیونٹی پروجیکٹ کی تحریکوں کے پس منظر میں پنچایت سمتیوں کے کام کا مطالعہ کیا جائے۔ مثال کے طور پر کاکیند پوا پورم کمیونٹی پراجیکٹ کو لیجئے جس کا صدر مقام سال کوٹ میں ہے۔

سال کوٹ کمیونٹی پروجیکٹ ان دو کمیونٹی پروجیکٹوں میں سے ایک ہے جو آندھرا کے علاقے میں سب سے پہلے قائم ہوئے تھے اور جن کا افتتاح ۲/اکتوبر ۱۹۵۲ء کو ہوا تھا۔ ۱۹۵۲ء اور ۱۹۵۵ء کی درمیانی مدت میں اس بلاک کے اوپر ۵ء۵ لاکھ روپے خرچ ہو چکے تھے مگر اس کے باوجود عوام کے اندر جوش اور بیداری کی وہ کیفیت نہیں پیدا ہو سکی جس کی اِس اسکیم سے امید کی گئی تھی۔ اُس وقت تک بستی کی ترقی کے منصوبوں کے بارے میں لوگوں کے اندر وہ احساس اور وہ حوصلہ پیدا نہیں ہوا تھا، جو اس طرح کے منصوبوں کے لئے پہلی شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اِس سلسلے میں لوگوں کے ذہن بھی صاف نہیں تھے۔ کمیونٹی ڈیولپ منٹ کا پروگرام اسی وقت کامیاب ہو سکتا ہے جب گاؤں کے لوگ اس میں پوری تندہی سے دلچسپی لیں اور آگے بڑھ بڑھ کر اس میں کام کریں۔ جب تک یہ شرط پوری نہ ہو جائے تو تعمیری اور ترقیاتی پروگرام عوام کے اپنے پروگرام بن ہی نہیں سکتے۔ کام کی شکل البتہ مختلف ہو سکتی ہے یعنی وہ خواہ شرم دان کی صورت میں ہو یا چندوں کی صورت میں یہ شرط اس لئے ضروری ہے کہ کمیونٹی ڈیولپ منٹ کا مقصد ہوتا ہے گاؤں کی زندگی کو ہر حیثیت سے خوشحال بنانا اور بستی کے ہر فرد اور ہر خاندان کو اس کی برکتوں سے فیضیاب ہونے کا موقع فراہم کرنا۔ اسی طرح اس کا دوسرا مقصد ہوتا ہے بستی کے لوگوں میں یہ جذبہ پیدا کرنا کہ جو کام ہو اسے لوگوں کو مل جل کر کرنا چاہیئے اور اس بات کی کوشش کرنا کہ لوگوں میں اچھی سے اچھی زندگی گذارنے کی بھوک پیدا ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے یہ اہتمام کرنا کہ لوگوں کو اپنی شخصیت کے اظہار کے موقعے ملیں، وہ نئے ڈھنگ پر سوچنے لگیں، ان میں نئے نئے حوصلے اور نئی نئی امنگیں پیدا ہوں، غرض ان کی زندگی تخلیقی اور بامقصد ہو۔ یہی وجہ ہے کہ کمیونٹی پروجیکٹوں کی شکل میں ایک ایسے پروگرام کو رائج کیا گیا ہے جو عوام کا اپنا پروگرام بن جائے اور جسے وہ اپنی ترقی و خوشحالی کے لئے خود ہی انجام دیں۔

"مگر بدقسمتی سے اس پورے عرصے میں جب سے یہ منصوبہ شروع ہوا ہے اس سے خود بستی کے لوگوں میں کوئی دلچسپی نہیں پیدا ہوئی یہ منصوبہ افسروں ہی کا منصوبہ بنا رہا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بلاک کے حکام اپنی رپورٹوں میں تو اس کی ترقی کے گن گاتے رہے اور ان سے اوپر کے افسر اس کاغذی ترقی پر خوش بھی ہوئے اور انھوں نے اظہار اطمینان بھی کیا۔ مگر خود عوام کی اس سلسلے میں کوئی آواز نہیں تھی۔

"لیکن اب پنچایت سمتیوں کی تنظیم کے بعد یہ صورتِ حال بہتر شکل میں بدل چکی ہے۔ ساحل کوٹ بلاک میں پنچایت سمتی قائم ہو گئی ہے اور بلاک کا انتظام اس کے اور اس کی ماتحت کمیٹیوں کے اختیار میں آ گیا ہے۔ بلاک ڈیولپ منٹ آفیسر جو انتظامی امور کا اعلیٰ حاکم ہوتا ہے اور بلاک کے دوسرے حکام پنچایت سمتی کے فیصلوں کی پابند ہو گئے ہیں، جسے کام کو مستعدی اور تیزی سے چلانے کے لئے وسیع اختیارات اور وافر سرمایہ حاصل ہے۔ چنانچہ اب تمام گاؤں پنچایتیں کام کے میدان میں اتر آئی ہیں۔ پنچایت سمتی کمیونٹی ڈیولپ منٹ کا پروگرام تو چلائیگی ہی، جس کے ماتحت زراعت۔ پشو پالن، کواپریٹیو اور گھریلو دھندوں کو فروغ دینے کے کام شامل ہیں۔ اس کے علاوہ اسے ابتدائی تعلیم، نقل و حمل، صحت و صفائی اور سماجی بہبود کے کاموں کی ذمہ داری بھی سونپی جائے گی۔ حکومت ڈیولپ منٹ کے کاموں پر جو روپیہ خرچ کرتی ہے اس کے بقدر رقم وہ پنچایت سمتیوں کو بطور امداد دے دیا کرے گی۔ اس کے علاوہ سمتی کو جائدادوں کی منتقلی کی کارروائی سے ہونے والی آمدنی کا پانچواں حصہ اور آراضی کی چنگی سے ہونے والی آمدنی میں سے فی روپیہ تین پرانے پیسے کے حساب سے رقم ملا کرے گی۔ مزید براں حکومت سمتی کو اس علاقے کی آبادی پر چار آنے فی کس کے حساب سے عام امداد اور ۳۰ نئے پیسے فی کس کے حساب سے رسل و رسائل کی ترقی کے لئے امداد دے گی۔ کمیونٹی پروجیکٹ جن کا افتتاح ۲ اکتوبر ۱۹۵۲ء کو ہوا تھا، ان کے کاموں کو ایکس ٹنشن کی تحریک (توسیعی پروگراموں کی تحریک) سے بڑا سہارا ملا تھا۔ اب ان توسیعی پروگراموں کو پنچایت سمتیوں کے سپرد کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے جو بجا طور پر دانشمندانہ فیصلہ ہے۔ اس سے یہ پروگرام صحیح معنوں میں ایک دن عوام کا اپنا ذاتی پروگرام بن سکتا ہے۔ جس کے لئے ان کو وہی لگاؤ اور وابستگی ہوگی جو ان کے اپنے روزمرہ کے کاموں میں قدرتاً ہوتی ہے۔

"خوش قسمتی سے ساحل کوٹ کی بلاک پنچایت سمتی کے صدر کی حیثیت سے جن صاحب کا انتخاب ہوا ہے وہ ایک آزاد خیال اور انتظامی امور میں کہنہ مشق آدمی ہیں۔ وہ اس سے پہلے میونسپل کمشنر بھی رہ چکے ہیں اور ان سے بجا طور پر امید کی جا سکتی ہے کہ وہ افسروں کے بنائے ہوئے پروگراموں اور ان کے قواعد و ضوابط کی آنکھ بند کر کے منظوری نہ دیں گے، اور نہ سیاسی مصلحتوں اور دھڑے بندیوں کو کام پر حاوی ہونے دیں گے۔ یہ ساحل کوٹ بلاک سمتی کے لئے بڑا نیک شگون ہے۔"

اس پس منظر میں دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ کمیونٹی ڈیولپ منٹ کا کام جب تک خود مختار مقامی اداروں کو نہیں سونپا جائے گا۔ ان سے خاطر خواہ نتائج نہیں برآمد ہوں گے، خواہ ان پر پیسہ پانی کی طرح کیوں نہ بہایا جائے۔

ابھی حال میں مینشل فنڈامنٹل ایجوکیشن سینٹر کے زیر تربیت ڈسٹرکٹ سوشل ایجوکیشن افسروں کا ایک دستہ راجستھان میں

جمہوری لامرکزی تنظیم کے اثرات و نتائج کا مطالعہ کرنے راجستھان گیا تھا۔ اس سلسلے میں ترمتی سوشیلا مہتہ نے اپنے مشاہدات قلمبند کئے ہیں جو سینئر کے جرنل میں شائع ہو چکا ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ

"گاؤں کی پرانی لیڈر شپ جو زمینداروں اور برادریوں کے چودھریوں اور مکھیوں کے ہاتھوں میں تھی، اب تیزی سے ختم ہو رہی ہے اور اب لوگوں میں ایک نیا طبقہ ابھر رہا ہے جسے اپنے اختیارات اور ذمہ داریوں کا پورا پورا احساس ہے۔

"آج گاؤں کے پنچ اور پردھان اسکول یا سڑک، اور اسی طرح کے دوسرے معاملات سے متعلق اپنی عرضداشتیں اور مطالبے حکومت کو نہیں بھیجتے اور نہ ان کے لئے احتجاج کرتے ہیں۔ اب وہ ان معاملات سے متعلق منصوبے خود بناتے ہیں۔ وہ اپنے گاؤں اور گاؤں والوں کو جانتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ ان کی ضرورتیں کیا ہیں، اور ان میں کون سی ضرورت شدید ترین ہے۔ انھیں اس بات کا علم بھی ہوتا ہے کہ ان کے وسائل کیا ہیں اور انھیں کس حد تک پاؤں پھیلانا چاہیئے۔ سب سے بڑی بات یہ ہوئی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے ساتھ متحد و منظم ہو کر کام کرنے کا گر سیکھنے لگے ہیں۔

"اپنے مطالعے کے دوران میں ہم لوگ ڈیولپمنٹ کمیٹیوں کے نئے پردھانوں سے بھی ملے۔ یہ بیشتر ادھیڑ عمر کے سنجیدہ اور ترقی پسند لوگ ہیں، جن میں حالات کا سامنے کرنے اور اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا جوش اور ولولہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے۔ وہ اس بات کو جانتے ہیں کہ ان کے گاؤں میں کیا کیا کام ہیں جو سب سے پہلے کرنے کے ہیں اور وہاں کے لوگوں کی اصل ضرورتیں کیا ہیں۔ وہ کیا چاہتے ہیں اور کس شکل میں چاہتے ہیں۔ انھوں نے اپنے اپنے گاؤں کے لئے نئے نقشے بنا رکھے ہیں، 'کہاں اسکولوں کی عمارت بنے گی، کہاں کنواں کھودا جائے گا۔ کہاں پنچایت گھر ہوگا؟' وہ جانتے ہیں کہ کس طرح وہ اپنے گاؤں کے وسائل کو یکجا کر سکتے ہیں۔ ان میں سے کچھ لوگ مشترکہ مفاد کے کاموں میں بستی کے لوگوں کو اپنے بس بھر حصہ لینے پر آمادہ کرتے بھی دیکھے گئے ہیں۔ کچھ لوگوں کو تو یہاں تک کہتے سنا گیا ہے کہ "حکومت کی طرف سے اگر کوئی امداد نہیں بھی ملتی ہے، جب بھی ہم اپنے گاؤں کے اسکول کی عمارت بنانے کے لئے تیار ہیں"۔ انھوں نے ہم لوگوں کو اسکول کی زیر تعمیر عمارت بھی دکھائی اور بتایا کہ گاؤں کے بیشتر بزرگوں نے اس عمارت کو اپنے طور پر مکمل کرانے کے لئے اپنی فیاضانہ امداد کا وعدہ بھی کیا ہے۔

"اپنے اوپر یہی بھروسہ، یہی اعتماد اور پیش قدمی کا یہی جذبہ دراصل کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے پروگراموں کی جان ہے، جو اب ان لوگوں میں پیدا ہو چلا ہے۔

"کوئی شخص یہ دعویٰ تو نہیں کر سکتا کہ ڈیولپمنٹ کمیٹیوں میں جو لوگ منتخب ہو کر آئے ہیں وہ سب کے سب پڑھے لکھے ہیں اور گاؤں کی تعمیر و ترقی کے پروگراموں کی ذمہ داریوں کو نبھانے کے اہل ہیں۔ انھیں اشتراک و تعاون کے سلسلے میں بہت سے مسائل پیش آسکتے ہیں، پبلک فنڈ کے صحیح مصرف اور انتظام میں دشواریاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ کچھ فضول خرچی اور کسی قدر بے ایمانی

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن

دستور میں ترمیم

قرض لینے کے اختیارات

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے دستور کی رو سے ایسوسی ایشن کو قرض لینے کے اختیارات نہیں تھے۔ اور کچھ عرصہ پہلے تک اس کی کوئی خاص ضرورت بھی محسوس نہیں کی گئی تھی۔ لیکن ادھر چند سال سے ایسوسی ایشن کے سامنے کچھ ایسے مسائل آئے کہ قرض لینے کی ضرورت شدت سے محسوس ہونے لگی خصوصاً ایسوسی ایشن کی عمارت کی تکمیل کا مسئلہ۔

کچھ ایسا محسوس کیا گیا کہ حکومت سے اس مقصد کے لئے قرض مل سکتا ہے۔ مگر اس کے لئے ضرورت تھی کہ ایسوسی ایشن اپنے دستور کے لحاظ سے قرض کا سودا کرنے کی مجاز ہو۔

اس ضرورت کے احساس کے پیش نظر ۶ فروری ۱۹۶۰ء کو ایسوسی ایشن کا ایک خصوصی جلسہ نئی دہلی میں منعقد کیا گیا۔ ایسوسی ایشن کے صدر ڈاکٹر موہن سنگھ مہتا اپنے محترم چچا کے انتقال پر ملال کی وجہ سے تشریف نہیں لا سکتے تھے اس لئے اس کے ایک نائب صدر شری رنجیت ایم - چیت سنگھ جی نے صدارت کی۔

صدر جلسہ کی تجویز پر جلسے نے صدر ایسوسی ایشن کے غم میں شرکت کا اظہار کیا اور اس کے بعد ایسوسی ایشن کے قدیم رفیق اور اڈلٹ ایجوکیشن کی پرانی کارکن محترمہ مسز کلثوم سیانی صاحبہ کو "پدم شری" کا خطاب ملنے پر اظہارِ مسرت کیا گیا۔

ان رسمی کارروائیوں کے بعد جلسے میں دستور کی مجوزہ ترمیموں اور اضافوں کے اوپر غور و خوض ہوا اور مختصر سے تبادلۂ خیالات کے بعد حسب ذیل ترمیمیں اور اضافے بہ اتفاق رائے منظور کئے گئے۔

"دستور کی دفعہ ۱۲ کے بعد حسب ذیل دفعات کا اضافہ

دفعہ ۱۲ (الف) سرمایہ :-

(۱) ایسوسی ایشن کے مقاصد کو پورا کرنے کی غرض سے مجلس انتظامی کو چندوں، فیس رکنیت، عطیات اور ایسے دوسرے ذرائع سے جن کا فیصلہ مجلس انتظامی وقتاً فوقتاً کرے گی، سرمایہ جمع کرنے کے اختیارات حاصل ہوں گے۔

(۲) ایسوسی ایشن کے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے مجلس انتظامی کو یہ اختیار بھی ہوگا کہ وہ حکومت یا کسی دوسری جگہ سے قرض لے اس کے سلسلے کی شرائط طے کرے اور اس کی ادائیگی کی تدابیر اختیار کرے۔ مجلس انتظامی کو یہ اختیار بھی ہوگا کہ وہ اس قسم کے قرضوں کے لئے ایسوسی ایشن کی جائدادوں کو گرو رکھ لے۔

دفعہ ۱۲ (ب) قرض لینے کے سلسلے کی کارروائیاں :-

(۱) مجلس انتظامی اپنے ایک خاص جلسے میں جو اسی مقصد سے بلایا جائے گا، قرض لینے کا فیصلہ کرے گی جس کے لئے حاضر اراکین کی کم سے کم تین چوتھائی اور مجلس کے ممبروں کی کل تعداد کے کم سے کم نصف حصے کی تائید ضروری ہوگی۔

(۲) اس فیصلے کی نقلیں جنرل کاونسل کے ہر رکن کو بذریعہ ڈاک بھیجی جائیں گی۔

(۳) کاونسل کے ہر رکن کو مجلس انتظامی کے فیصلہ قرض پر اعتراض کرنے یا اس فیصلے میں ترمیم پیش کرنے کا حق ہوگا، مگر اس اعتراض یا ترمیم کی اطلاع مجلس انتظامی کو فیصلے کی نقل کی تاریخ ترسیل سے اکیس کے دن کے اندر اندر ہونا ضروری ہوگی اس قسم کے کسی اعتراض کے موصول نہ ہونے کی صورت میں سمجھ لیا جائے گا کہ کاونسل کے اراکین اس فیصلے سے متفق ہیں۔

(۴) اگر کاونسل کے کسی رکن کی جانب سے مقررہ مدت کے اندر کوئی اعتراض موصول نہ ہوگا تو مجلس انتظامی کو مجوزہ شرائط کے مطابق قرض حاصل کر لینے کا اختیار ہوگا۔ اگر کوئی اعتراض اٹھایا جائے گا تو جنرل سکریٹری بحث و تبادلۂ خیال اور گفت و شنید کے بعد مسئلے کا فیصلہ کرنے کے لئے کاونسل کا ایک جلسہ طلب کرے گا۔ کاونسل کا فیصلہ اس خاص مسئلے کے بارے میں آخری اور قطعی ہوگا۔

دفعہ ۱۲ (ج) دستاویزوں کی تعمیل :-

قرض یا دوسرے ایسے لین دین جن کی وجہ سے ایسوسی ایشن کی منقولہ یا غیر منقولہ جائداد کے گروی رکھنے کا معاملہ پیش آتا ہو، ان کی تمام کارروائی امینوں (ٹرسٹیوں) کے توسط سے ہوگی جو دستور کی دفعہ ۱ کے ماتحت مقرر کئے جائیں گے ٹرسٹی یہ کارروائی اسی وقت

کریں گے جب انھیں اطمینان ہوجائے گا کہ قرض حاصل کرنے کے سلسلے کی تمام دستوری شرائط پوری ہوگئی ہیں۔ قرض یا گروی رکھنے کے سلسلے میں کوئی دستاویز جس کی کارروائی ٹرسٹیوں کے ہاتھوں نہ ہوئی جائز نہیں ہوگی۔

دستور میں ان ترمیموں اور اضافوں کی منظوری دینے کے علاوہ اس اجلاس نے حسب ذیل مزید قرار دادیں منظور کیں۔

(۱) انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کا یہ جلسہ مجلس انتظامی سے فرمائش کرتا ہے کہ وہ دستور کی دفعہ ۱۲ کے مطابق ٹرسٹیوں کو مقرر کرنے اور ٹرسٹ کے لئے ضروری دستاویزات مرتب کرنے کی کارروائی کرے۔

(۲) صدر جلسہ کی زبانی مجلسِ انتظامی کا یہ ارادہ معلوم کرنے کے بعد کہ وہ ایسوسی ایشن کی عمارت کی تکمیل کی غرض سے قرض حاصل کرنا چاہتی ہے، یہ اجلاس مجلس کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ قرض کے لئے مناسب گفت و شنید کرے اور اس کی شرائط کی جنرل کاؤنسل سے منظوری حاصل کرلے۔

ہندوستان کے دیہاتوں میں ریڈیو حلقوں کی تنظیم

آل انڈیا ریڈیو نے اپنے دیہی پروگراموں کے تحت ایک نیا ہفتہ وار پروگرام شروع کیا ہے، جسے گاؤں کے ریڈیو حلقہ کے ممبر ہر منگل کی شام کو ایک جگہ بیٹھ کر سنتے ہیں۔ ان پر بحث مباحثے کرتے ہیں اور ان کی رپورٹ تیار کرکے آل انڈیا ریڈیو کے پاس بھیجتے ہیں۔ ان رپورٹوں میں گاؤں والے زراعت اور ترقیاتی پروگراموں سے متعلق اپنے سوالات بھی بھیجتے ہیں جس کے جوابات بھی ان پروگراموں میں شامل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مختلف ریاستوں میں کیمونٹی ڈیولپمنٹ کے علاقوں میں اس طرح کے ۴۰۸ حلقے اب تک قائم ہوچکے ہیں۔

یونیسکو کی امداد سے اس طرح کے ریڈیو حلقوں کا تجربہ پونہ کے آس پاس کے مراٹھی بولنے والے علاقے میں ۱۹۵۶ء میں شروع کیا گیا تھا۔ اس وقت ۱۴۵ حلقے قائم کئے گئے تھے۔ یہ تجربہ ہندوستان میں بہت کامیاب رہا اور اس کو مختلف حلقوں میں بہت سراہا گیا۔

پنجاب میں کیمونٹی ڈیولپمنٹ کی تحریک

کیمونٹی ڈیولپمنٹ کی کارکردگی کا جائزہ لینے کے لئے حکومت پنجاب نے گذشتہ سال ایک کمیٹی مقرر کی تھی۔ اس کمیٹی نے ریاست میں کیمونٹی ڈیولپمنٹ کے کاموں پر سخت اعتراضات کئے ہیں۔

کمیٹی کا کہنا ہے کہ پنجاب میں حالانکہ ۸۰ فی صدی دیہی آبادی کیمونٹی ڈیولپمنٹ کے احاطے میں آچکی ہے مگر اس کے

باوجود اب تک کوئی بہت نمایاں کام انجام نہیں پاسکا ہے"۔ کمیٹی نے آگے چل کر کہا ہے کہ جن ۲۰۸ گاؤں کا جائزہ لیا گیا اُن میں سے صرف پانچ گاؤں ایسے ملے جن میں کچھ کام نظر آیا، مگر یہاں بھی لوگوں کے سوچنے کے ڈھنگ میں کوئی خاص تبدیلی نہیں دکھائی دی۔

کمیٹی نے اِس بات کی بھی شکایت کی ہے کہ جو کارنامے کبھی انجام پذیر ہوئے تھے اور جن کی بہت بہت تعریفیں کی گئی تھیں اُن میں سے اکثر کے اب نشانات بھی نہیں ملتے۔ ان ناکامیوں کی سب سے بڑی وجہ کمیٹی کی رائے میں یہ رہی ہے کہ گاؤں میں کوئی ایسی لیڈرشپ نہیں تیار کی جاسکی جو ان نئے کاموں اور نئے تقاضوں کو سمجھ کر اس کی تکمیل کے لئے کوشش کرتی۔

اِس کمیٹی نے جس میں پنجاب اسمبلی اور کونسل کے پانچ ممبر اور دو معزز شہری نمائندے شامل تھے۔ سب سے زیادہ اس بات پر اظہار افسوس کیا ہے کہ بستی کا غریب اور پس ماندہ طبقہ اس پروگرام سے قطعی فیضیاب نہیں ہوا، وہ اس پروگرام کو اپنے لئے نہیں سمجھتا اور اسی لئے اس میں ان کی کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے۔ گرام سیوک بستی کے صرف دس فی صدی آدمیوں سے ہی ربط ضبط قائم رکھتے ہیں وہ زراعت کے کاموں پر اُس قدر توجہ نہیں دیتے جتنی کہ ان سے امید کی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گاؤں کے لوگوں کی اقتصادی حالت نہیں سدھر سکی ہے۔

ان ناکامیوں کی بہت سی وجہوں میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عوام کے نمائندے' اسمبلی اور پارلیامنٹ کے ممبر بلاک کی کارروائیوں میں قطعی کوئی دلچسپی نہیں لیتے ہیں۔ اکثر ممبروں نے تو بلاک کمیٹی کی میٹنگ میں شرکت ہی نہیں کی ہے۔ اس ناکامی کی دوسری بڑی وجہ کمیٹی کی رائے میں دفتری نظم و ضبط کی پابندیاں ہیں۔ پھر پنجاب میں ترقیاتی عملے کے انتخاب کے لئے کوئی قطعی اصول اب تک اختیار نہیں کیا گیا ہے جس سے کہ صحیح قسم کے لوگ منتخب ہو کر آسکیں۔

کمیٹی نے عملے کے انتخاب پر خاص زور دیا ہے کہ صحیح ہاتھوں میں ہی یہ کام سونپا جائے' جو لوگ منتخب ہو کر آئیں، انھیں منصوبہ بندی ترقی کے کاموں میں تربیت کا معقول انتظام کیا جائے اور دورانِ ملازمت میں بھی تربیت کے مواقع دیئے جائیں۔

(اسٹیٹسمین)

ہندوستان کے لئے سہکاری کھیتی

ورکنگ گروپ کی رائے

ہندوستان میں مشترک سہکاری کھیتی سے متعلق ضروری اقدامات تجویز کرنے کے لئے حکومت ہند نے گذشتہ جون میں ایک ورکنگ گروپ مقرر کیا تھا۔ اس گروپ نے اپنی رپورٹ کا پہلا حصہ جو ۲۴ صفحات پر مشتمل ہے' حکومت کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ گروپ کی

رائے ہے کہ ہندوستان کی عام اقتصادی اور سماجی زندگی اور خاص طور سے چھوٹے اور متوسط طبقے کے کسانوں کی زندگی کو سدھارنے میں مشترک سہکاری سوسائیٹی سب سے زیادہ مددگار ثابت ہوگی۔

گروپ نے آٹھ ریاستوں کی مختلف سہکاری کھیتی کی سوسائیٹیوں کے کاموں کا جائزہ لیا ہے اور اس سلسلے میں مختلف سرکاری اور غیر سرکاری آدمیوں کی رائیں معلوم کی ہیں۔

گروپ کی رائے میں سہکاری کھیتی کو سو فی صدی رضا کارانہ ہونا چاہیئے جس میں کسی قسم کا زور زبردستی کا شائبہ نہ ہو۔ عام حالات میں زمینیں صرف پانچ سال کے لئے ہی یکجا کی جائیں، جس پر ممبروں کے مالکانہ حقوق نہ صرف تسلیم کئے جائیں بلکہ پیداوار میں ان کو مناسب　حصہ بھی ملتا رہنا چاہیئے۔ جو ممبر اس سہکار سے الگ ہونا چاہے اُسے اتنی ہی پیداوار دینے والی زمین کے بقدر آراضی واپس مل جانی چاہیئے مگر لازمی طور پر یہ زمین کا وہ ٹکڑا نہیں ہوگا! جو اس نے مشترک سہکاری کھیتی کے حق میں سوسائیٹی کو دیا تھا

سماج کا اونچا طبقہ ———————— بقیہ صفحہ ۶ کا

لیا جائے کہ خود مختار بورڈ کا قیام اچھی بات ہے اور اس سے تحریک کی ترقی کی رفتار بڑھ سکتی ہے، تو قانون کے ذریعے خود مختار بورڈ کیوں نہ قائم کیجئے جس کا توڑنا آسان نہیں ہوتا اور وزیر یا جو شخص یا جماعت اس کام سے متعلق ہوتی ہے اُس کے اوپر جواب دہی کی پابندی بھی آجاتی ہے۔"

خود مختار بورڈ کی ضرورت مسلّم ہے اور اس کی فائدہ مندی کے بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں، لہٰذا اس موقعے پر اس کی وکالت کی کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔ ہم اس سلسلے میں جس بات پر زور دینا چاہتے ہیں وہ یہی دو اصول ہیں: خود مختار بورڈ ریاستوں کی سطح پر قائم ہوں اور مرکز میں ان ریاستی بورڈوں کا ایک اختیاری وفاق بنے اور دوسرے یہ کہ یہ بورڈ ریاستوں کی اسمبلیوں کے ایکٹ کے ذریعے قائم ہوں تاکہ ان کی حیثیت مسلّم اور مستحکم رہے۔

تصحیح

جنوری ۱۹۶۰ء کے شمارے میں اشارات کے مستقل عنوان کے ماتحت "دہلی کا ایک مبارک قدم" کے زیر عنوان جو مضمون شائع ہوا تھا اس میں دہلی کے "بال سہیوگ" کا بھی ذکر آیا ہے۔ اس ذکر میں "بال سہیوگ" کے بجائے صرف لفظ "سہیوگ" چھپ گیا ہے جس کے لئے ہم معذرت طلب ہیں۔

اِسی ذکر میں ایک بیان یہ چھپ گیا ہے کہ "بال سہیوگ" بھارت سیوک سماج کے زیر اہتمام چلتا تھا۔ یہ بیان صحیح نہیں ہے۔ بلکہ "بال سہیوگ" کو چلانے والی ایک آزاد جماعت ہے جس کی باقاعدہ رجسٹری ہو چکی ہے اور جس کی صدر محترمہ شریمتی اندرا گاندھی ہیں۔ ناظرین تصحیح فرمالیں۔

ادارۂ تعلیم و ترقی، جامعہ نگر، نئی دہلی

March
1960

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

بانی :- شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

شمارہ ۳	مارچ ۱۹۶۰ء	جلد ۱۱

ترتیب

دفتر ماہنامہ تعلیم و ترقی
جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ جامعہ نگر
نئی دہلی۔ ٹیلیفون نمبر ۲۲۳۲۱
تار کا پتہ:- تعلیم و ترقی۔ جامعہ دہلی
قیمت:- سالانہ چار روپے
فی پرچہ ۳۷ نئے پیسے

(پرنٹر و پبلشر برکت علی فراق نے ... پرنٹنگ پریس لال کنواں دہلی سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر دہلی سے شائع کیا)

بابوؤں کی حکومت

"ہمارے دفتروں میں بابو لوگ کام کرتے ہیں اور سچ پوچھئے تو حکومت انہی کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔ پارلیمنٹ کے ممبروں اور وزیروں کا کام اور وجود تو برائے نام ہوتا ہے۔ ان حضرات کے کام کرنے کی شان یہ ہے کہ چھوٹے سے چھوٹے کام کی تعمیل میں کئی کئی سال صرف کر دیتے ہیں۔ اس کا خود مجھے تجربہ ہے۔ شہر میں ایک موقعے پر ایک ریلوے پُل بنوانے کا معاملہ تھا۔ اس معاملے کا فائل پورے تیرہ سال تک گشت کرتا رہا تب کہیں چودھویں سال اس کا فیصلہ ہو پایا۔ یہ دراصل غلامی کا انعام ہے جسے ہم اب تک — آزاد ہوجانے کے بعد بھی — اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ حکومت کے کام کاج کے لئے جو مشینری کسی زمانے میں بنی تھی، وہ نکمّی تھی اور اب تک آزادی ملنے کے بعد بھی جوں کی توں نکمّی ہے۔"

یہ ہیں وہ الفاظ جو مرحوم ریاست دہلی کے سابق چیف منسٹر چودھری برہم پرکاش ایم۔ پی۔ نے باڑہ ہندو راؤ کے بالغوں کے اسکول کے سالانہ جلسے میں فرمائے تھے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ بالغوں کے اسکول کی اسکیم جو خود حکومت ہند کی اسکیم ہے اور جس کا تجربہ جامعہ ملیہ کے زیر اہتمام کیا جا رہا ہے، وہ حکومت ہی کی سرد مہری کا شکار ہو رہی ہے اور تجربہ وقت پر روپیہ نہ ملنے کے سبب بڑے نازک دور سے گذر رہا ہے تو انھیں بہت تکلیف ہوئی چنانچہ انھوں نے فرمایا کہ بابوؤں کا چکّر حکومت کی اچھی سے اچھی اسکیموں کا اکثر گلا دبا دیا کرتا ہے۔ "میں اس سوال کو پارلیمنٹ میں اٹھاؤں گا، دیکھئے وہاں سے کیا جواب ملتا ہے۔"

ہماری حکومت بڑی اولوالعزم واقع ہوئی ہے۔ اس کی شان یہ ہے کہ ایسے ایسے کام بھی جو دنیا میں کہیں بھی براہ راست حکومت کے اہتمام میں نہیں ہوتے، اپنی نگرانی اور انتظام میں کرنے کا ارادہ کرلیتی ہے۔ عوام کی تعلیم کا کام جسے سوشل ایجوکیشن کے نام سے جانا جاتا ہے، اسی طرح کا ایک کام ہے جسے عوام کے ہاتھوں سے لے کر حکومت نے براہ راست اپنے انتظام میں چلانا شروع کیا مگر اس کا نتیجہ کیا ہوا؟ خود حکومت کے بعض افسران جن میں خلوص اور کام کی لگن ہے، ان بابوؤں کی حکومت کے نام کو روتے ہوئے پائے گئے ہیں۔

یہ تو ہوا اُس کام کا حال جو حکومت براہ راست اپنے ہاتھ میں لے کر چلاتی ہے۔ اس کا کام کرنے کا ایک طریقہ اور ہے جو اس نے دوسرے ملکوں سے سیکھا ہے اور وہ ہے بعض کام غیر سرکاری اداروں کو سپرد کرنا اور اس کے لئے انھیں روپیہ دینا۔ اصول کی روشنی

میں دیکھئے تو یہ بڑا اچھا طریقہ ہے اور ترقی یافتہ ملکوں میں اسی طریقے پر عمل ہوتا ہے۔ مگر ہم عقل مند لوگ ہیں، کسی ملک کے طریقے کو جوں کا توں کیسے اختیار کر لیں گے؟ عقل مندی کا تقاضا یہ ہے کہ خیال اور نمونہ ہم دوسروں سے ضرور لیں مگر اس میں اپنے یہاں کے حالات کے مطابق کچھ تراش خراش کر لیں۔ غیر سرکاری اداروں کو کام سپرد کرنا اور اس کے لئے انھیں روپیہ دینا اچھی بات ہے مگر دوسرے ملکوں کی طرح ہم روپیہ اندھا دھند تو نہیں دے سکتے!! اس میں ہمیں اپنے یہاں کے حالات کے مطابق تبدیلی ضرور کرنی ہوگی!!

روپے پیسے کے بارے میں ہمارے یہاں کے حالات و روایات کیا ہیں؟ کیا یہ روایات سب کی سب وہی نہیں ہیں جو انگریز نے ہمارے لئے ایجاد کی تھیں؟ اور جس کی بنیاد اس اصول پر تھی کہ روپیہ دینے والے کو چھوڑ کر جو قوم کا انگریز ہے 'لینے والے' چاہے وہ بڑے سے بڑے ہندوستانی افسر اور عہدہ دار کیوں نہ ہوں، سب کے سب بے ایمان ہیں لہٰذا خزانے سے روپے کے نکلنے میں جتنی بھی دیر ہو کوئی حرج نہیں۔ لینے والے کے بارے میں نقطے اور شوشے تک کا اطمینان کر لینا ضروری ہے! چنانچہ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ جب تک گرانٹ کے بل پر ابتدائی کلرک سے لے کر مالیات کے بڑے سے بڑے عہدہ دار تک کے دستخط نہ ہو جائیں' اس وقت تک ایک دھیلا بھی خزانے سے باہر نہیں نکل سکتا۔

یہ ہیں ہمارے یہاں کے مخصوص حالات جن کے مطابق تبدیلی کر کے غیر سرکاری اداروں کو کام سپرد کرنے کا خیال ہم نے دوسروں سے سیکھا ہے چنانچہ اس طریقے پر بھی کام کرنے کا وہی حشر ہے جو بابوؤں خصوصاً محکمۂ مالیات کے بابوؤں کی حکومت کے ہاتھوں خود سرکاری کاموں کا ہوتا ہے۔ بالغوں کے اسکولوں کی اسکیم کا تجربہ بھی جو جامعہ ملیہ کے سپرد کیا گیا تھا اسی صورت حال کا ترجمان ہے ہم نے دیکھا ہے کہ بالغوں کے اسکولوں میں بالغ طالب علم بڑے جوش و خروش سے شریک ہوتے ہیں، مگر کچھ عرصے کے بعد ان کا جوش و خروش مایوسی میں تبدیل ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ ہمیں یہ بتائی گئی کہ چونکہ سینٹر کے پاس ایک مدت سے پیسے نہیں آرہے ہیں اس لئے وہ ان طالب علموں کو کتابیں فراہم نہیں کر سکتا اور جب کتاب ہی نہ ہو تو تعلیم سے طالب علم اور وہ بھی سمجھ دار بالغ طالب علم کی دلچسپی معلوم!!

تیزی سے ترقی کرتے ہوئے سماج میں

اڈلٹ ایجوکیشن کا منصب

نئے سرے سے سوچنے کی ضرورت

(۲)

ڈاکٹر ایس۔ آر۔ رنگا ناتھن اور ان کے فاضلانہ مقالے سے متعلق ہم اپنی رائے کا اظہار گذشتہ شمارے میں کر چکے ہیں۔ مضمون کی زیر نظر قسط کو پڑھنے سے پہلے مناسب ہوگا کہ ناظرین اس کی پہلی قسط کا مطالعہ کر لیں جو فروری ۱۹۶۰ء کے شمارے میں چھپ چکی ہے۔

پہلی قسط میں ڈاکٹر صاحب نے سب سے پہلے مقالے کا عنوان "تیزی سے بدلتے ہوئے سماج" کے بجائے "تیزی سے ترقی کرتے ہوئے سماج" قائم کرنے کا مشورہ دیا ہے اور اس کے جواز میں بحث کی ہے۔ اس کے بعد تعلیم اور خصوصاً بالغوں کی تعلیم کی ضرورت پر سماجیاتی اور فلسفیانہ بحث کرتے ہوئے اس کی مختصر تاریخ بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ تعلیم بالغان کا منصب اور مواد مختلف دوروں میں کیا رہا ہے اور کس طرح آخر میں اس کا منصب سماجی تعلیم قرار پایا اور اس کے ساتھ ہی حکومت کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ سوشل ایجوکیشن کی رفتار سے متعلق پہلی قسط مضمون کے اس حصے پر ختم ہوئی ہے جس میں ڈاکٹر صاحب نے ایک نئی بات کہی ہے جو اس سلسلے میں سوچ بچار کرنے والے ہر فرد کی توجہ کا محتاج ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا نظریہ ہے کہ چونکہ اس تحریک سے سماج کا بلند معیار طبقہ وابستہ ہے ––– اور جس کی زندگی کی نشو ونما میں عدم توازن کی کیفیت شدت سے پیدا ہو رہی ہے ––– اس لئے اس کو اتنی کامیابی حاصل نہیں ہو رہی ہے جتنی سرمایہ اور محنت کے خرچ کے لحاظ سے حاصل ہونی

چاہیئے تھی۔

اس صورت حال کو فاضل مقالہ نگار اڈلٹ ایجوکیشن کے عمل ارتقار کی گم شدہ کڑی ... اور مطالبہ کرتے ہیں کہ اڈلٹ ایجوکیشن کا کام اپنے منصب (سوشل ایجوکیشن) پر کاربند ... اس گم شدہ کڑی کو تلاش کرنا اور اُسے لا کے جوڑنا ہے۔

—— ایڈیٹر

۶ — بلند معیار لوگوں کی تعلیم کے لئے اڈلٹ ایجوکیشن کا مواد تعلیم

۱۔۶۔ اُونچے اور وسیع پیمانے کے منصوبوں کا طریقۂ کار

ہندوستان میں زمانۂ قدیم میں بلند معیار لوگوں نے چھوٹے پیمانے کے منصوبوں کا گُر ایجاد کر لیا تھا۔ اُس وقت ہندوستانی تمدن اپنی نشأۃ ثانیہ کی منزل میں پہنچ گیا تھا۔ اِس زمانے میں وہ ٹھہراؤ کی مدت سے باہر نکل رہا ہے اور اُسے وسیع پیمانے کے منصوبوں کی للکار کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ صنعت کے میدان میں شخصی کاروبار کا جہاں تک تعلق ہے "ٹاٹا اور برلا جیسے چند حوصلہ مند صنعت کار وسیع پیمانے کے منصوبوں کے طریقۂ کار کا استعمال کر رہے ہیں۔ لیکن وسیع پیمانے کے بنیادی منصوبے جیسے تعلیم، نظم و نسق اور سماج کی ترقی و تعمیر کے منصوبے ہیں، وہ سب کے سب سرکاری ہاتھوں میں ہیں۔ پھر ان سب کا تعلق سماجی علوم سے ہے۔ صنعتوں اور طبعی علوم کے مقابلے میں جن کے اوپر ان کی بنیاد ہوتی ہے، سماجی علوم بہت کم نظر میں آنے والے ہوتے ہیں اور اس کے برعکس ناقابل گرفت ہوتے ہیں اور ان کا بیان لفظوں کی زبان میں نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے علاوہ سماجی علوم کے میدان میں کسی عمل کا نتیجہ فوراً کے فوراً سامنے نہیں آتا اس وجہ سے کوئی ایسا اصلاحی قدم جو ناپسندیدہ نتائج کو درست کر دیا کرے صنعت کے میدان میں تو بھروسے کے ساتھ اٹھایا جا سکتا ہے مگر سماجی علوم کے میدان میں اس کا امکان نہیں ہے۔ یہ حقیقت اس چیز کی شہادت ہے کہ جو لوگ ویسے تو بظاہر بلند معیار ہیں پست معیار بن سکتے ہیں اور اڈلٹ ایجوکیشن کو اسی صورتِ حال کی اصلاح کرنی چاہیئے۔

۲۔۶۔ شہریت کے شعور میں بلندی پیدا کرنا

زندگی کی چھوٹے پیمانے کی تنظیم میں شہریت کے آداب کی پابندی قریب قریب جبری ہوتی ہے۔ ایک گاؤں میں ہمسائگی کی زندگی کی قُربت ہی لوگوں کو آداب شہریت کا پابند بنانے کے لئے اور ان کی خلاف ورزی کی اصلاح کے لئے بہت کافی ہوتی ہے۔

اس طرح کی چھوٹے پیمانے کی تنظیم میں ہر چیز ٹھوس اور آسانی سے دیکھے سُنے جانے کے قابل ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف ایک ریاست یا پورے ہندوستان کی بڑے پیمانے کی تنظیم میں شہریت کا شعور زیادہ سے زیادہ خیالی اور نظر میں نہ آنے والی چیز بن جاتا ہے۔ اس طرح کی وسیع پیمانے کی سماجی تنظیم میں شہریت کا شعور حاصل کرنے اور اس کی پابندی کرنے کے لئے بہت زیادہ ذہنی تیاری اور تربیت درکار ہوتی ہے۔ ہندوستانی سماج میں آج جو بالغ لوگ ہیں ان کی زندگی میں اڈلٹ ایجوکیشن کا چرچا نہیں تھا اس لئے ان کی اس طرح کی ذہنی تیاری و تربیت کے نام سے کوئی چیز موجود نہیں تھی۔ چنانچہ آج کے بلند میعار لوگوں کی زندگی میں یہ جو خلا رہ گیا ہے اُسے پُر کرنا اڈلٹ ایجوکیشن کا کام ہے۔

۳-۶-اخلاقی میعار کو بلند کرنا

اسی طرح اخلاقی آداب کی پابندی اور روزمرہ کی زندگی کے اداب کے معاملے میں بھی سماجی تنظیم کے پیمانے سے بڑا فرق پیدا ہوجاتا ہے۔ چھوٹے پیمانے کی سماجی تنظیم میں، چاہے اس میں ذہنی اعتبار سے اونچے لوگ نہ بھی ہوں، پسندیدہ اخلاقی میعار کا حاصل کرلینا اور اس کی پابندی کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے۔ وہاں مقامی رائے عامّہ میں بڑی قوت ہوتی ہے۔ جو لوگ میعار سے نیچے ہوتے ہیں ان کے اندر اڈلٹ ایجوکیشن کے فیض سے اخلاقی میعار کی پابندی کا جذبہ آسانی سے پیدا کیا جاسکتا ہے۔ اس کے برخلاف ریاست یا پورے ملک کی وسیع سماجی تنظیم کے اندر اچھے اور بُرے اطوار و آداب کا اثر اسی قدر آسانی سے محسوس نہیں کیا جاسکتا۔ یہاں رائے عامہ کے اندر بھی وہ زور اور تاثیر باقی نہیں رہتی۔ اس کے علاوہ ایسی بڑی تنظیموں میں بلند میعار بالغ سب سے نمایاں رہتے ہیں، اور جو لوگ زیادہ ذہین ہوتے ہیں ان کا رجحان اخلاقیات اور قانون کو ہم معنی سمجھنے کی طرف ہوتا ہے۔ وہ ہر چیز کو جو قانون کی زد میں نہ آتی ہو، اخلاقی نقطۂ نظر سے جائز سمجھنے کی طرف مائل نظر آتے ہیں چنانچہ وہ ایسے طریقے ایجاد کرتے رہتے ہیں جن سے قانون شکنی تو نہ ہو مگر اخلاقی قوانین توڑے جاسکیں اور اگر اس کوشش میں قانون شکنی ہوجائے تو ایسی پینترے بازی کرتے ہیں جن سے قانون اُن کے اوپر ہاتھ نہ ڈال سکے۔ اڈلٹ ایجوکیشن کا کام ہے کہ اس طرح کے بلند میعار لوگوں کی بداعمالی کی اصلاح کے موقعے پیدا کرے۔

۴-۶-روحانی تنبیہ

لیکن بلند میعار لوگوں کی تعلیم کے نصاب میں خالص علم الاخلاق یا شہریت کے علم کو شامل کردینے سے ان کی اصلاح ہوجائے گی اس میں شبہ ہے۔ اس لئے کہ اس صورت میں بلند میعار بالغوں کی ذہانت اصول اور عمل کے درمیان فرق کا جواز ثابت کردے گی

ذہانت اور طباعی کا خاصہ ہی ہوتا ہے چیزوں میں فرق پیدا کرنا، ایک کو دوسرے سے علحدہ کرنا اور الگ الگ گوشے اور جزیرے بنانا۔ ان لوگوں کی اصلاح کا نسخہ روحانیت کی بارگاہ سے لانا ہوگا۔ مگر یہ واضح رہے کہ روحانیت سے مراد مذہبی رسوم پرستی نہیں ہے۔ روحانیت دراصل شخصیت کی نچلی سے نچلی تہوں میں جلوہ فرما ہوتی ہے اس سے وہیں باریابی ہو سکتی ہے۔ یہ کم سے کم میرا ایمان ہے۔

آج جو لوگ بالغ ہیں، ان کی اسکول کی اور یونیورسٹی کی تعلیم میں روحانیت کے عنصر کو ابھارا ہی نہیں گیا اور نہ اس سے کام لیا گیا۔ اسی طرح ان بالغوں کی گھریلو اور برادری کی زندگی بھی اس بارے میں بے اثر رہی اس لئے کہ سماج اس وقت ٹھہراؤ کی مدت میں پڑا ہوا تھا۔

ان حالات میں آج کے بلند معیار بالغوں کی تعلیم کا اولین مقصد یہ ہونا چاہیئے کہ وہ ان لوگوں کے اندر جو روحانیت حالتِ خواب میں پڑی ہے، اُسے بیدار کرے۔ یہی دراصل وہ مرکزی سُوئچ ہے جس کو آن کرنے سے چھوٹے چھوٹے تمام سوئچ روشنی دینے کے قابل ہو جاتے ہیں۔

۷۔ بلند معیار بالغوں کی تعلیم کے ادارے

۱۔۷۔ غیر ملکی ادارہ

گذشتہ دس سال میں ہمارے کام کا ڈھنگ ایسا رہا ہے جسے دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ گویا ہمارے تعلیم یافتہ بلند معیار بالغوں میں لے دے کر بس ایک چیز کی کمی رہی ہے اور وہ تھی وسیع پیمانے کے منصوبوں کو چلانے کے ڈھنگ کی کمی، یعنی یہ کہ تعلیم، نظم و نسق اور سماجی علوم کے میدان سے متعلق دوسرے کاموں کو وسیع پیمانے پر منظم کرنے کا گُر اور ٹکنیک کیا ہے۔ پھر جس وقت ہم بہت سے کاموں اور منصوبوں کو شخصی ملکیت سے نکال کر جلد بازی کے ساتھ قومی ملکیت میں منتقل کر رہے تھے، اس وقت اس منتقلی اور تبدیلی کا دباؤ بھی بری طرح ہمارے اوپر پڑا۔ اس کام لینے کو تو ہاتھ میں لے لیا مگر اس سے اچھی طرح واقف نہیں تھے اس لئے مشورہ کرنے اور فنی مدد حاصل کرنے کی غرض سے دھڑا دھڑ غیر ملکی ماہرین کو اپنے یہاں درآمد کرتے رہے۔ یہ ماہرین موٹے اندازے کے مطابق دو طرح کے ہوتے تھے۔ ایک وہ ماہرین تھے جو صحیح معنی میں اپنے فن کے ماہر ہوتے تھے اور جن میں شہریت کا شعور اور اعلیٰ اخلاقی قدریں ہوتی تھیں۔ اس گروہ سے تعلق رکھنے والے بیشتر ماہرین اب نا امید ہو کر واپس جا چکے ہیں اس لئے کہ وہ یہاں کے بلند معیار بالغوں کی پست اخلاقی اور ان کے غیر شہری طرزِ عمل سے تنگ آچکے تھے حالانکہ یہ وہ لوگ تھے جو بڑے بڑے عہدوں اور مرتبوں پر فائز تھے۔ مجھے چند ماہرین سے ملنے کا اتفاق ہوا ہے جو صحیح معنی میں ماہر اور دیانت دار انسان تھے۔ ان کی یہ مایوسانہ باتیں میں نے خود انہی کی زبان سے سُنی ہیں۔ چنانچہ وہ اسی مایوسی کی وجہ سے اپنے عہدے کی مدت پوری کئے بغیر ہی واپس چلے گئے۔ اب حالت یہ ہے کہ اس

گروہ کے بلند خیال اور بالغ نظر ماہرین اب شاذ و نادر ہی یہاں آنا پسند کرتے ہیں۔

دوسرے گروہ میں وہ لوگ آتے ہیں جن کی خود اپنے ملکوں میں کوئی بہت بڑی قدر و قیمت نہیں ہوتی۔ ان کا علم بھی کمتر درجے کا ہوتا ہے اور وہ شہرت کے شعور اور اعلیٰ اخلاقی قدروں کے حامل بھی نہیں ہوتے یہ لوگ ان نام نہاد "نیم ترقی یافتہ ملکوں" کو حلوے مانڈے کا بہترین مرکز تصور کرتے ہیں۔ ان سے مختصر سی بات چیت کرنے سے پتہ چل گیا ہے کہ وہ یہی نہیں کہ ہمارے بلند معیار بالغوں کی اصلاح کرنے کی مطلوبہ صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ خود غرضی سے اپنے عہدے کی مدت کو رخصت و تفریح کا بہترین ذریعہ سمجھتے ہیں۔ "نیم ترقی یافتہ" ملکوں کے لئے ماہرین کے انتخاب کا جو بین الاقوامی طریقہ کار آج کل برتا جاتا ہے، اس کی رسائی اس قماش کے لوگوں سے آگے ہو بھی نہیں سکتی۔ میرے اس تجربے کی تائید میرے مرحوم دوست شفیق صاحب کے تجربے سے ہوئی جو ایک غیر ملکی ماہر فن کی حیثیت سے انڈونیشیا تشریف لے گئے تھے۔ وہ اپنے ساتھ کام کرنے والے دوسرے غیر ملکی ماہرین فن کے بے انتہا شاکی تھے۔ اس دوسرے گروہ کے بھی چند بے غرض اور صحیح الخیال ماہروں نے مجھ سے نہایت بے تکلفی کے ساتھ اعتراف کیا ہے کہ انہیں اپنے مشن میں کس قدر ناکامی ہوئی ہے۔ ان کی اس ناکامی کے اسباب کا قریب سے تجزیہ کیجئے تو بڑی دردناک داستانیں سامنے آتی ہیں مگر لطف یہ ہے کہ ایسا ہونا لازمی بھی تھا۔ اس ناکامی کے اسباب کا سراغ لگائیے تو پتہ چلتا ہے کہ وہ نتیجہ تھا بہت سی تلخ حقیقتوں کے ایک مرکب کا مثلاً حد سے آگے بڑھی ہوئی چالاکی اور ذہانت، سرکاری پیسے سے اعزہ و احباب کی سرپرستی کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ اختیار، افسوسناک حد تک اخلاقی مفلسی، جن لوگوں کے ہاتھوں میں اختیار و اقتدار کی لگام ہے ان کی مجرمانہ آرام طلبی اور بلند معیار بالغوں میں کارگر اور مؤثر رائے عامہ کا فقدان۔ بداعمالیوں کے اس مرکب سے بڑھ کر اور کوئی سماجی خطرہ نہیں ہوسکتا۔ اس صورتِ حال کی روشنی میں دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ آج کے بلند معیار بالغوں کی تعلیم میں روحانیت کے درس کی کتنی بنیادی اور زبردست اہمیت ہے۔

۲،۷ — دیسی جماعتی ادارہ

غرض اس معاملے میں کوئی غیر ملکی شخص ایک مؤثر اور نتیجہ بخش ادارے کی حیثیت سے ہمارے کام نہیں آسکتا۔ اس مقصد کے لئے اگر کوئی طاقت ور ادارہ کام آسکتا ہے تو وہ خود اپنے سماج میں مل سکتا ہے یا پیدا کیا جاسکتا ہے۔ معیار سے نیچے گرے ہوئے بالغوں کی تعلیم کا رہنما سماج کے بلند معیار بالغوں میں سے حاصل کیا جاسکتا ہے، اور بلند معیار بالغوں کی تعلیم کی رہنمائی صرف فوق البشر شخصیتیں کرسکتی ہیں۔ ان فوق البشر شخصیتوں کی سب سے بڑی اور اہم صفت اعلیٰ روحانیت ہونی چاہئے۔ مہاتما گاندھی کی کامیابی کا راز ان کی اسی صفت میں مضمر تھا، اور جیسے ان کی صحبت میں رہنے والے عالی دماغ لوگ خواہ علی الاعلان خواہ اشارۃً

میں تسلیم کرتے تھے۔ ہم اپنے بلند معیار بالغوں کی تعلیم کے معاملے میں اگر بھروسہ کرسکتے ہیں تو کسی ایسی شخصیت کی رہنمائی پر جس کے اندر روحانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہو۔

لیکن اس سے کم تر درجے کا بہترین طریقہ جو اپنے ہاتھوں میں ہے، جماعتی کوشش کا طریقہ ہے۔ بلند معیار بالغوں کو جن کے ہاتھ میں اختیار و اقتدار کی باگ ہے، اپنی مرضی سے اپنے چھوٹے چھوٹے حلقے بنانا چاہیئے تاکہ وہاں اکٹھا ہو کر بغیر کسی بناوٹ اور تصنع کے اپنے باطن کا مشاہدہ و مطالعہ کریں۔ انھیں ہفتے میں دو ایک بار جمع ہو کر خلوص نیت کے ساتھ دیکھنا چاہیئے کہ اُن کی شخصیت میں روحانیت کے عُنصر کا کیا حال ہے۔ آپس میں ایک دوسرے سے نہایت ایمان داری کے ساتھ تبادلۂ خیالات بھی کریں۔ ایک دوسرے کا سہارا لیئے ہوئے ہفتے میں چند گھنٹوں کی اس تلاش نفس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ روحانیت کی سوتیں کس جگہ سے بند ہوئی ہیں۔ اور اس بات کا پتہ چلنے پر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دل میں اس رکاوٹ کو ہٹا دینے کا جذبہ پیدا ہو جائے جو روحانیت کے بہاؤ کو روکے ہوئے ہے۔ اس جذبۂ صادق کا نتیجہ یہ ہو سکتا ہے کہ روحانیت کی اور گہری سوتیں بھی جو بند پڑی تھیں کھل جائیں اور زندگی اس کی نعمتوں سے مالامال ہو جائے۔ موجودہ ہندوستان کے تیزی سے ترقی کرتے ہوئے سماج میں اڈلٹ ایجوکیشن کا جو منصب ہونا چاہیئے اس کے اوپر نئے سرے سے غور و فکر کیجئے تو نتیجے میں ایک بات یہ بھی ہے جو سمجھ میں آتی ہے۔

دیہی تعلیم کے مسائل

شری جے۔ پی۔ نائک جو شری مونی ودّیا پیٹھ گارگوٹی ضلع کولہاپور کے بانیوں میں سے اور اس کے کرتا دھرتا ہیں، تعلیم کی دنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں، خصوصاً ٹریننگ کالجوں کے اساتذہ اور طلبا میں تو وہ اُسی طرح معروف و مقبول ہیں جیسے کسی زمانے میں حساب اور الجبرا کے مضمون میں چکرورتی اور کے پی باسو معروف تھے۔

شری جے۔ پی۔ نائک کا خصوصی مضمون دیہی تعلیم ہے اور اسی کے مسائل کو حل کرنے کی غرض سے موصوف اپنے ادارہ شری مونی ودّیا پیٹھ میں وسیع پیمانے پر تجربے کر رہے ہیں۔ ہم شری مونی ودّیا پیٹھ کا تعارف "تعلیم و ترقی" کے جنوری سنہ ۶۰ء کے شمارے میں دے چکے ہیں۔ اس تعارف کے مطالعے سے معلوم ہوگا کہ دراصل شری مونی ودّیا پیٹھ کا قیام ہی اس مقصد کے پیشِ نظر عمل میں آیا تھا کہ دیہی تعلیم کے مسائل کے بارے میں تحقیق اور ریسرچ کا کام وسیع پیمانے پر کیا جائے۔

نائک جی ان دنوں حکومت ہند کی وزارت تعلیم کی فرمائش پر ابتدائی تعلیم کا ایک پروگرام مرتب کرنے میں مصروف ہیں۔ ان کے دہلی کے قیام سے فائدہ اٹھا کر جامعہ ملیہ اسلامیہ کے اسٹاف ایسوسی ایشن نے اسی موضوع پر ان کے خیالات سننے کے لئے انھیں اپنے یہاں مدعو کیا تھا۔ موصوف نے ہماری دعوت قبول کی، اپنے قیمتی وقت میں سے کافی حصہ اس مقصد کے لئے صرف کیا اور اہل جامعہ کے سامنے موضوع سے متعلق کچھ حقائق اور چند سوالات پیش کئے۔

ان کی تقریر کا حرف بہ حرف ریکارڈ تو نہیں رکھا جا سکا تاہم "تعلیم و ترقی" کے نامہ نگار نے اپنی یادداشت کی بنیاد پر ایک خلاصہ تیار کیا تھا جو ہم ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔

——— ایڈیٹر

جناب پروفیسر محمد مجیب صاحب، خواتین و حضرات،

دیہی تعلیم کا جب ہم ذکر کرتے ہیں تو چند حقیقتیں نہایت صاف اور واضح طور پر ہمارے سامنے آتی ہیں۔ یہاں ان سب باتوں پر مفصل بحث اور مسائل کا حل پیش کرنا میرا مقصد نہیں ہے۔ ان کا کوئی صاف اور واضح حل ابھی کوئی پیش بھی نہیں کر سکتا۔ میں ان کی طرف صرف اشارہ کروں گا اور چونکہ آپ سب حضرات بھی تعلیم کا کام کر رہے ہیں، اس لئے امید کروں گا کہ آپ بھی ان حقائق و مسائل پر اُتنی وابستگی کے ساتھ غور کریں گے جو ہم سب معلّموں کا بہ حیثیت ایک پڑھے لکھے شہری کے فرض ہے۔

۱۔ مواقع کی عدم مساوات

یہ بات روزِ روشن کی طرح صاف اور واضح ہے کہ ہندوستان کے دیہی علاقوں میں لوگوں کو ترقی کرنے اور اپنی صلاحیتوں سے پورا پورا کام لینے کے مواقع قریب قریب ناپید ہیں۔ مواقع سے یہ محرومی صرف تعلیم ہی کے میدان میں نہیں ہے بلکہ سیاسی، سماجی، معاشی، غرض ہر میدان میں ہے۔ تعلیم کے میدان میں یہ محرومی سب سے زیادہ اس لئے محسوس ہوتی ہے کہ وہی دراصل ایک کنجی ہے جس سے ہر میدان کے دروازے کھلتے ہیں۔

گاؤں کے مقابلے میں بڑے بڑے شہر اور قصبات ہیں جہاں مذکورہ بالا تمام میدانوں میں ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے مواقع کم و بیش ہر فرد کو حاصل ہوتے ہیں۔ مگر گاؤں کے مقابلے میں شہروں کی تعداد اور ان کی آبادی کو دیکھتے ہوئے حیرت ہوتی ہے کہ ملک کے وسائل و ذرائع سے بہرہ اندوز وہ لوگ ہوتے ہیں جو اوسط کے اعتبار سے پورے ملک کی آبادی کا صرف پانچواں حصّہ ہیں۔

اس صورتِ حال کو دیکھ کر میں نے ایک خیال قائم کیا ہے اور وہ یہ کہ تعلیم کی نعمت سے بہرہ اندوز ہونا "جائے پیدائش" کا اعزاز بن گیا ہے۔ یعنی شہر میں پیدا ہونا اس بات کی ضمانت ہے کہ پیدا ہونے والے کے لئے اونچی سے اونچی تعلیم کے موقعے ہیں اور گاؤں میں پیدا ہونا اس حقیقت کی علامت ہے کہ بیچارہ تعلیم کی نعمت سے یکسر محروم رہے گا، حالانکہ یہ فرق نہ ہو تو قدرت کے قانون کے ساتھ ساتھ ملک کے قانون کی رو سے بھی دونوں کے مرتبے میں کوئی امتیاز جائز نہیں رکھا گیا ہے۔

پہلے کی بات چھوڑیئے کہ اُس زمانے میں تو مصنوعی امتیازات موجود تھے، یہاں تک کہ شہر میں بھی اگر کوئی بچہ غریب یا اچھوت گھرانے میں پیدا ہوتا تو اس کے اوپر تمام دروازے بند ہوتے تھے۔ اور اگر گاؤں میں بھی کوئی بچہ زمیندار یا تعلقہ دار گھرانے میں جنم لیتا تو اس کے لئے ہر قسم کے موقعے اپنی گود پھیلائے ہوئے منتظر تھے۔ آج کے زمانے کی بات اپنے سامنے رکھئے، کتنے گاؤں ہیں جہاں تعلیم کا موقع چوتھی یا زیادہ سے زیادہ پانچویں یا چھٹی جماعت سے آگے بڑھ کر ثانوی یا یونیورسٹی کی

تعلیم کا ہے؟ ابتدائی تعلیم کے مدرسے گاؤں میں ضرور ہیں لیکن وہ بھی اول تو ہر قریے اور گاؤں میں نہیں ہیں، اور اگر چار پانچ گاؤں پر ایک کے حساب سے ہیں بھی تو ان کا معیار کیا بہ لحاظ استاد، کیا بہ لحاظ عمارت اور کیا بہ لحاظ سامان، کس درجے کا ہے؟

۲۔ دیہی تعلیمی اداروں کی حیثیت

گاؤں کے مدرسوں کا حال دیکھئے۔ "جیسا دیس ویسا بھیس" کی مکمل تصویر ہوتے ہیں۔ گاؤں بھر میں جو عمارت سب سے سقیم حالت میں ہو، وہی نقشہ گاؤں کے اسکول پر صادق آتا ہے۔ عمارت دیکھئے تو دیواریں شق، چھت چھلنی، پڑھائی کے کمرے تاریک، پلستر جگہ جگہ سے ٹوٹا ہوا۔ سامان تعلیم! وہ بھی کیا ہو سکتا ہے؟ لڑکوں کے بیٹھنے کے لئے ٹاٹ یا ٹوٹی ہوئی بنچیں، جگہ جگہ سے سیاہی چھوٹی ہوئی حالت میں چند بلیک بورڈ، پرانے زمانے کے چھپے ہوئے چند کرم خوردہ نقشے اور چارٹ۔ پڑھانے والے! ان کا ذکر جانی بوجھی بات کو پھر سے بیان کرنا ہے۔

اور یہ تو حال ہے ابتدائی تعلیم کے اسکولوں کا جن کی کوئی حیثیت نہیں مانی جاتی تھی، کسی کسی گاؤں میں اگر ثانوی تعلیم کے ادارے یا انڈر گریجوایٹ منزل کے کالج ہیں، ان کا بھی کم و بیش وہی حال ہے۔ ثانوی تعلیم کے مدرسے اور کالج تو ایسے ادارے نہیں ہیں جن کی کوئی حیثیت نہ رہی ہو۔ ان کے لئے تو اچھی عمارت، اچھے سازوسامان اور اچھے استاد ہر زمانے میں اور ہر جگہ ضروری قرار دئے گئے ہیں مگر ہمارے یہ ادارے بھی جو گاؤں میں واقع ہوئے ہیں، ان تینوں باتوں میں سے کسی پر بھی پورے نہیں اترتے۔

سازوسامان اور عمارت تو خیر جیسا دیس ویسا بھیس کے بمصداق سادہ اور کم قیمت ہوں تو چنداں حرج نہیں لیکن پڑھانے والے استاد اور معلم مطلوبہ معیار کے نہ ہوں تو تعلیم کا کیا درجہ ہوگا۔ اب رہی یہ بات کہ اچھے استاد گاؤں کو میسر نہیں ہوتے تو سوال یہ ہے کہ گاؤں کو اچھے استاد یا کسی میدان میں کام کرنے والے کیوں میسر ہوں؟ استادوں کو شہروں اور قصبوں میں ان کی تنخواہ کے علاوہ پرائیوٹ ٹیوشن ملتے رہتے ہیں جن سے تنخواہ کی رقم کی کمی بہت حد تک پوری ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ گاؤں کے مقابلے میں شہروں میں زندگی کی آسانیاں میسر ہوتی ہیں —— بجلی کی روشنی، صاف کیا ہوا پینے کا پانی، کھانے پینے اور دوسرے سامان کی بہم رسانی کے لئے بازار، سواری اور آمدورفت کی آسانیاں وغیرہ۔ یہ سب چھوڑ کر گاؤں کی دھول مٹی کی زندگی اختیار کرنا کسی کے لئے آسانی سے ممکن نہیں ہوتا۔ سب سے بڑی رکاوٹ بیوی اور بچوں کی رکاوٹ ہے۔ استاد تو اپنے خلوص، جذبۂ خدمت اور تیاگ کی ترنگ میں گاؤں کی زندگی پسند بھی کرلے

مگر ہیوی کو گاؤں کی زندگی پسند نہیں ہے۔ اس صورت میں کیا نقشہ ہوگا!!

پھر تعلیم کا معیار دیکھئے۔ گاؤں کے ان تعلیمی اداروں میں کوئی نئی تعلیم یعنی ایسی جو گاؤں کے مزاج اور مفاد سے میل کھاتی ہو، نہیں دی جاتی ہے۔ نصاب، کتابیں، تعلیم کے اوقات غرض سب کچھ وہی ہوتا ہے جو شہروں کے اسکولوں میں رائج ہوتا ہے۔ لیکن سبب جو کچھ بھی ہو، تعلیم کا معیار وہ نہیں ہوتا جو شہروں کے طالب علموں میں پایا جاتا ہے۔ گویا دوسرے لفظوں میں اس صورتِ حال کا ذکر یوں کیا جا سکتا ہے کہ "وہی تعلیم جو شہروں میں رائج ہے، وہی گاؤں میں کم لیاقتی اور بے پروائی کے ساتھ چلائی جاتی ہے۔

۳۔ اونچی تعلیم کے موقعے

جہاں تک اونچی تعلیم کا تعلق ہے، گاؤں کے لوگ اس نعمت سے قریب قریب یکسر محروم ہوتے ہیں۔ مجھے چونکہ ضلع کولہاپور کے حالات کا قریبی علم ہے اس لئے وہاں کی مثال لے لیجئے۔ کولہاپور ضلع کی آبادی تقریباً دس لاکھ ہے اور کولہاپور شہر کی کم و بیش دو لاکھ۔ پورے ضلعے میں اونچی تعلیم کے کالجوں کی تعداد جتنی ہے ان میں سے شہر کولہاپور کے کالجوں کو منہا کر دیجئے تو جتنے کالج بچتے ہیں، اور جو ضلع کولہاپور میں دوسرے تعلقات پر واقع ہیں، ان کا اوسط نصف سے بھی کم پڑتا ہے۔ گویا اونچی تعلیم کے موقعے نصف سے زیادہ دو لاکھ کی آبادی کے لئے ہیں اور نصف سے کم آٹھ لاکھ کی آبادی کے حصے میں آئے ہیں۔ یہی اوسط اور کہیں کہیں غالباً اس سے بھی کم ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی ہے۔ اس اعتبار سے دیکھئے تو اونچی تعلیم شہر والوں کے لئے اور ابتدائی یا زیادہ سے زیادہ مڈل تک کی تعلیم گاؤں والوں کے لئے مخصوص ہو گئی ہے۔

اس پر بھی ایک طرہ ابھی اور ہے۔ اونچی تعلیم کے دو پہلو ہیں۔ ایک عام تعلیم جسے لبرل ایجوکیشن کے نام سے جانا جاتا ہے اور دوسرا سائنس اور ٹکنالوجی کی تعلیم۔ جہاں تک سائنس اور ٹکنالوجی کی تعلیم کا تعلق ہے، میرا خیال ہے دیہی علاقے اس سے سرے سے خالی ہیں۔ گاؤں میں بجلی نہیں ہے اس لئے سائنس اور ٹکنالوجی کی لیباٹریاں قائم کرنا ممکن نہیں ہے اور جب تک اور جب تک یہ لیباٹریاں نہ ہوں اس وقت تک سائنس اور ٹکنالوجی کی اونچے معیار کی تعلیم ممکن نہیں ہے۔ جو کچھ ہونا چاہیے وہ کیوں نہیں ہے، یہ بالکل دوسری بحث ہے، میں اس بحث میں نہیں پڑوں گا، مجھے تو جو واقعہ ہے وہ عرض کرنا ہے، اور واقعہ یہی ہے کہ گاؤں میں اگر کہیں اونچی تعلیم کا ادارہ ہے — اور وہ بھی خالص گاؤں میں نہیں بلکہ شہر نما قصبے ہوتے ہیں — تو وہ بھی لبرل تعلیم کا ادارہ ہے۔ سائنس اور ٹکنالوجی کی اونچے معیار کی تعلیم صرف شہروں کے حصے میں آئی ہے۔

اونچی تعلیم کے مواقع کی اس عدم مساوات کے نتیجے میں ملک کو ایک دوسرے زبردست اور جھلک سکنے سے دوچار

ہوتا پڑ رہا ہے۔ گاؤں میں جہاں عام طور پر مفلس اور نادار لوگ بستے ہیں وہاں کچھ مالدار اور متمول لوگ بھی ہوتے ہیں جو زمیندار اور تعلقہ دار طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور جو اپنے لڑکوں کو شہروں میں بھیج کر اونچی تعلیم دلانے کا خرچ برداشت کر سکتے ہیں۔ اس طبقے کے تعلیم یافتہ نوجوان شہروں کے ماحول کے عادی ہونے سے اور اس وجہ سے بھی کہ گاؤں میں ان کی اونچی تعلیم کا حاصل ملنے والا نہیں ہوتا، شہروں ہی کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اونچی تعلیم کا مقصد بالعموم ملک کے لئے اعلیٰ دماغ لوگوں کی تربیت ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے غور کیجئے تو اونچی تعلیم کے معاملے میں اس عدم مساوات کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ گاؤں کا عالی دماغ عنصر وہاں سے کھنچ کھنچ کر شہروں میں آجاتا ہے اور گاؤں خالی کے خالی رہ جاتے ہیں۔

۴۔ دیہات کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی شہروں کو ہجرت

دیہات کے پڑھے لکھے نوجوانوں کا شہروں میں جا جا کر بس جانا ملک کے لئے ایک بہت بڑا مسئلہ ہے، جو ہمارے رہنماؤں کو ایک عرصے سے محسوس ہو رہا ہے اور اس کو حل کرنے کی بہت سی تدبیریں سوچی جاتی رہی ہیں۔ ادھر ایک عرصے سے دیہی علاقوں میں اونچی تعلیم مہیا کرنے کی غرض سے ملک میں دس مختلف مقامات پر رورل انسٹی ٹیوٹ قائم کئے گئے ہیں۔ ان اداروں کے پیچھے سب سے بڑا مقصد یہی تھا اور بڑی حد تک اب بھی ہے۔

اس مسئلے کو حل کرنے میں سب سے بڑی رکاوٹ میرے نزدیک یہ ہے کہ گاؤں میں اچھی آمدنی والے کام نہیں ہیں جن میں اونچی تعلیم پانے والے پڑھے لکھے نوجوان کھپ جائیں اور اس طرح دیس سے بدیس جا کر زندگی شروع کرنے کی مصیبت سے بچ سکیں۔ جب تک گاؤں میں اچھی آمدنی والے کاموں کا موقع پیدا نہیں ہوتا — اور افراط سے پیدا نہیں ہوتا۔ اس ہجرت کو روکنا ناممکن نہیں تو ناممکن حد تک مشکل ضرور ہے۔

بمبئی کے پاس ایک دیہی علاقے میں ایک اسکول ہے جہاں عام دیہی ہائی اسکولوں اور کالجوں کے مقابلے میں بڑی رونق اور چہل پہل رہتی ہے۔ یہ صورت حال عام ڈگر سے ہٹ کر تھی اس لئے دیہی اسکولوں کے چلانے والے کچھ لوگ اس راز کو معلوم کرنے کے لئے وہاں پہنچے اور ہیڈ ماسٹر سے پوچھا کہ آخر وہ کیا بات ہے کہ آپ کا اسکول دیہات کے عام اسکولوں سے زیادہ کامیاب ہے۔ انھوں نے بتایا کہ "ہم اپنے اسکول کے نوجوان کو تیار ہی اس مقصد کے لئے کرتے ہیں کہ وہ بمبئی یا دوسرے شہروں میں جا کر آسانی سے کام پر لگ جائیں۔ اسی مقصد سے آپ دیکھیں گے کہ یہاں ٹائپ کرنا، مختصر نویسی یعنی شارٹ ہینڈ، محاسبی وغیرہ جیسے فنون کی ٹریننگ بھی نصاب میں شامل ہے۔"

اس واقعے سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ دیہات کے پڑھے لکھے نوجوانوں کا شہروں میں جا جا کر بس جانا کس قدر ناگزیر

ہو گیا ہے اور اس کی روک تھام، جیسا کہ میں نے کہا، اس وقت تک مشکل ہے جب تک گاؤں میں معقول آمدنی والے کام مہیا نہیں کئے جائیں گے۔

۵۔ مسئلے کا حل

اس صورت حال کا حل کیا ہے۔ یہ ایسا سوال ہے جس کا کوئی تیر بہدف قسم کا جواب نہ میرے پاس ہے اور نہ کسی کے پاس ہے۔ میرے خیال میں اگر گاؤں میں اعلیٰ تعلیم کے مواقع ـــــ جو اب تک نہیں کے برابر ہیں ـــــ پیدا بھی کر دیئے جائیں، تب بھی یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا بلکہ اس کی رفتار اور زیادہ تیز ہو جائے گی۔

اس مسئلے کے کئی حل پیش کئے جاتے ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے کہ گاؤں کو سرے سے ختم کر دیا جائے اور اُن کی آبادیوں کو شہر نما قصبوں میں منتقل کر دیا جائے جہاں وہ تمام آسانیاں اور آسائشیں میسّر ہوں جو شہروں میں حاصل ہوتی ہیں۔ یہ یونہی افلاطونی قسم کی بات بھی نہیں ہے۔ بعض لوگ اعداد و شمار کی بنیاد پر کہتے ہیں کہ جتنا سرمایہ گاؤں کی ترقی و تعمیر پر صرف کیا جا رہا ہے، اس سے کم اس منصوبے پر صرف ہوگا کہ گاؤں کو چھوٹے چھوٹے شہر تعمیر کر کے وہاں منتقل کر دیا جائے۔

کولہاپور میں جب میں ڈیولپمنٹ سکریٹری تھا تو ایک دفعہ ایک صاحب میرے پاس یہی حل لے کر آئے تھے۔ وہ کہنے لگے "صاحب صرف پڑھے لکھے نوجوانوں ہی کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ اب تو بے پڑھے نوجوان بھی فوج در فوج شہر کی طرف آنے لگے ہیں۔ آپ گاؤں میں ڈیولپمنٹ کی اسکیمیں چلا کر چاہتے ہیں کہ وہاں کے رہنے والے شہروں کی طرف رُخ کرنے سے باز آجائیں۔ میں کہتا ہوں ڈیولپمنٹ کی ان اسکیموں سے یہ مسئلہ حل ہونے والا نہیں ہے۔ میں اس کے مقابلے میں ایک واضح اور مرتب اسکیم لے کر آیا ہوں۔

"دیکھئے!" وہ کہنے لگے "ضلع کولہاپور کی دس لاکھ کی آبادی ہے۔ کولہاپور تو شہر ہے ہی جس کی آبادی دو لاکھ کی ہے۔ باقی رہ گئے آٹھ لاکھ۔ ان آٹھ لاکھ آدمیوں کے لئے ایک ایک لاکھ کے آٹھ شہر تعمیر کروا دیجئے اس طرح کہ ہر شہر کے درمیان بارہ بارہ پندرہ پندرہ میل کا فاصلہ ہو اور ہر شہر میں تجارتی و صنعتی مرکز ہوں۔ آپ کہیں یا نہ کہیں چند سال کے اندر اندر آس پاس کے سارے گاؤں کی آبادی کھنچ کھنچ کر ان شہروں میں آباد ہو جائے گی اور خوش رہے گی۔ اب رہا ان شہروں کی تعمیر پر صرف کرنے کے لئے سرمایہ۔ تو یہ ہیں اعداد و شمار، آپ خود دیکھ لیجئے، جتنا سرمایہ آپ گاؤں کی تعمیر و ترقی کے اوپر لگاتے ہیں، ان شہروں کی تعمیر پر اس سے کم سرمایہ صرف ہوگا۔"

لیکن میرے نزدیک ہندوستان کے تمام گاؤں کو ختم کر کے انھیں شہروں میں منتقل کر دینا نہ ممکن ہی ہے اور نہ قرین عقل

ہی ہے۔ میری ناچیز رائے میں اس کا ایک ممکن حل ہے۔ آج کل تعمیر و ترقی کے نام سے جو کچھ ہو رہا ہے، وہ ایک طرفہ کوشش ہے۔ یعنی تعمیر کا کام بغیر تعلیم کے۔ اسی طرح جہاں کہیں تعلیم کا کام ہو رہا ہے، چاہے وہ سرکاری طرف سے ہو یا سرکاری امداد سے کسی غیر سرکاری سنستھا کے اہتمام میں، وہاں تعمیر کا کام نہیں ہو رہا ہے۔ میں سمجھتا ہوں تعمیر اور تعلیم کا کام بیک وقت برابر پیمانے پر ہونا چاہیئے۔ کچھ اسی طرح کا سوچنے کا ڈھنگ ہم لوگوں کا ہے جو شری مونی ودیا پیٹھ میں دیہی تعلیم کا تجربہ کر رہے ہیں چنانچہ ہم نے ودیا پیٹھ کا بنیادی اصول ہی یہ رکھا ہے کہ "تعلیم بذریعہ تعمیر اور تعمیر بذریعہ تعلیم"۔

مگر اس کے باوجود میں یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ گاؤں سے نوجوان شہروں میں نہیں جائیں گے۔ وہ ضرور جائیں گے اور انھیں روکنا بھی نہیں چاہیئے۔ اگر "تعلیم بذریعہ تعمیر اور تعمیر بذریعہ تعلیم" کے اصول کے اثر سے گاؤں ہر حیثیت سے — بجلی کی روشنی ہوادار خوبصورت مکان، پکے اور چھنے ہوئے پینے کا پانی، تعلیم، تفریحات، سڑکیں، سواریاں، معقول کمائی کے کام — غرض ہر حیثیت سے جاذب نظر بن گئے تو وہ خود شہروں کی طرف بھاگنے سے پرہیز کرنے لگیں گے۔ لیکن یہ بھی بہت دور کی بات ہے۔ اگر ہمارے مذکورہ بالا اصول کے اثر سے گاؤں کی زندگی کی مشکلوں اور بے کیفی کو جھیل کر گاؤں ہی میں جم کر بیٹھ جانے والے چند نوجوان بھی تیار ہو گئے تو اس مسئلے کو حل کرنا آسان ہو جائے گا۔ یہی شری مونی ودیا پیٹھ جیسے دیہی تعلیم کے اعلیٰ اداروں کا مقصد ہونا چاہیئے۔

تعارف

بال سہیوگ

آوارہ اور بگڑے ہوئے بچوں کی اصلاح و تربیت کا مرکز

سماج میں بالغ ہوں یا بچے، ان کا ایک طبقہ ایسا بھی ہوتا ہے جو سماجی معمول سے ہم آہنگ نہیں ہوتے اور کسی نہ کسی جسمانی یا سماجی مرض میں مبتلا ہونے کی وجہ سے سماج کی صحت مندی میں خلل انداز ہوتے ہیں۔ یہ کیفیت قریب قریب ہر سماج میں ہوتی ہے، کہیں کم کہیں زیادہ۔ جس سماج کو اپنی صحت و توانائی کا خیال ہوتا ہے وہ اپنے اندر سے اس روگ کو ختم کرنے کی ترکیبیں سوچتا اور ان کے اوپر کاربند ہوتا ہے۔

ہندوستان میں یہ مسئلہ بہت شدید ہے مگر چونکہ ہمہ گیر ہے اس لئے عام طور پر اس کی طرف نظر نہیں جاتی۔ کسی ظلمت کدے میں اندھیرا اتنا جاذب توجہ نہیں ہوتا جتنی اس کے اندر ٹمٹماتی ہوئی شمع کی پیلی پیلی روشنی وجہ حیرت ہوتی ہے۔

نیچے ہم "تعلیم و ترقی" کے نامہ نگار کا ایک مضمون شائع کر رہے ہیں جس میں اسی مسئلے کے ایک تجرباتی حل کا تعارف دیا گیا ہے۔ بال سہیوگ اپنی نوعیت کا ایک نیا ادارہ ہے جس میں آوارہ اور بگڑے ہوئے بچوں کی اصلاح و تربیت سے زیادہ ان کے بسانے کی تدبیروں کا تجربہ کیا جا رہا ہے اور ہمارا خیال ہے کہ اب اسے تجربے کی حد سے باہر نکال کر ایک قومی تحریک کی حیثیت سے ملک کے سامنے پیش کرنا چاہیے۔

——— ایڈیٹر

میرے دوست نے جو اس ملاقات میں میرے ساتھ تھے، ادارے کے پھاٹک پر آٹھ دس وردی پوش بچوں کو دو رویہ قطار میں سپاہیانہ ٹھاٹ باٹ سے کھڑے دیکھ کر کہا "دیکھئے آپ کو اب گارڈ آف آنر پیش کیا جانے والا ہے"۔

"خدا کے واسطے ہیتشی صاحب آپ کبھی تو طنز سے باز آجایا کیجئے" میں نے کہا اور چند ہی سکنڈ کے بعد کمانڈ دی اور ہم دونوں لاٹھیوں کی ڈھلوان چھت کے نیچے سے گذر رہے تھے۔

"میں ٹی پرساد ہوں" ڈائرکٹر نے اپنا تعارف کرایا

"میں تعلیم و ترقی کا نامہ نگار ہوں رفیق شاستری" تعارف مکمل ہو گیا۔" اور یہ ہیں میرے دوست تپیشتی صاحب"۔

"پرساد صاحب، مجھے ایک اور تقریب میں شریک ہونا ہے اس لئے ہمیں اپنا کام جلد جلد ختم کرنا چاہیئے"۔

"مجھے آپ سے اتفاق ہے جیسا ارشاد ہو"

"آپ نے اپنے ادارے کا کوئی تعارف وارف تو چھاپا ہی ہوگا، اس کی کاپیاں دے دیجئے۔ اور پھر ہم آپس میں کچھ سوال جواب کر لیں"۔

"جی ہاں یہ مناسب رہے گا، لیکن ابھی تو ہمارا ادارہ تجربے کی ابتدائی منزلوں سے گذر رہا ہے۔ اس لئے ہم نے کچھ لٹریچر نہیں چھاپا ہے۔ البتہ ایک مختصر سی رپورٹ چھپی ہے، وہ آپ کی نذر ہے"۔

پرساد صاحب نے چپکے سے اپنی میز میں لگی ہوئی گھنٹی بجادی تھی چنانچہ رپورٹ کے ساتھ ہی ساتھ چائے بھی آگئی تھی اور اس بہانے سے ہمیں رپورٹ کے مطالعے کا وقت مل گیا۔

"پرساد صاحب!" ہم نے چائے اور مطالعہ ختم کرتے ہوئے آغازِ کلام کیا "ایک بات جو اس رپورٹ سے واضح نہیں ہوتی ذرا صاف کر دیجئے۔ آپ کے ادارے میں کام سے لگے ہوئے اور آوارہ گرد بچوں کا ہونا تو سمجھ میں آتا ہے مگر مزدور پیشہ خاندانوں کے بچوں کا جواز سمجھ میں نہیں آتا۔ ہمارا ملک تو مزدور پیشہ خاندانوں اور ان کے بچوں سے بھرا پڑا ہے اور یہ درست ہے کہ ان کی تعلیم و تربیت کے مواقعے ان کی مالی مشکلات کے پیشِ نظر کم سے کم ہیں۔ پھر اگر آپ نے ایک آدھ بستی کے مسئلے کو حل کر دیا تو یہ تو کچھ بات نہ ہوئی یا پھر یہ کہیئے کہ ان خاندانوں کے بچوں کی تعلیم و تربیت پورے ملک میں اسی قسم کے اداروں کے سپرد ہونی چاہیئے! پھر اگر آپ یہ بھی کہیں تب بھی بات یہیں ختم نہیں ہوتی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر یہ ابتدائی اسکول اور لازمی ابتدائی تعلیم کن بچوں کے لئے ہوگی!!"

"جی" پرساد صاحب نے وضاحت کی "مزدور پیشہ خاندانوں کے بچوں سے ہماری مراد سماجی اعتبار سے بچھڑے ہوئے بچے ہیں جو نہ اسکولوں میں پڑھنے جاتے ہیں اور نہ ان کے مسائل کا حل ہمارے اسکولوں کے بس کی بات ہے۔ یہ اپنے والدین کو تنگ کرتے ہیں اور جب گھروں پر ان کی خبر لی جاتی ہے تو گھروں سے بھاگ کھڑے ہوتے ہیں"۔

"اگر آپ کی مراد ایسے بچوں سے ہے تو پھر ان کی تقسیم آپ "مزدور پیشہ خاندانوں کے بچوں" کے نام سے کیوں کرتے ہیں؟ کیا یہ بچے بھی اسی گروہ میں نہیں آتے جنھیں آوارہ اور بگڑے ہوئے بچے کہا جاتا ہے؟ اور آپ نے بھی تو اس طرح کی ایک تقسیم کر رکھی ہے!

"پھر اگر آپ انھیں سماجی اعتبار سے بچھڑے ہوئے بچے کہتے ہیں تو یہ بچھڑا پن تو زیادہ تر والدین کی غربت اور افلاس کے

سبب سے ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے غور کیجئے تو ملک کی آبادی کے نصف سے زیادہ افراد کے بچے سماجی اعتبار سے پچھڑے ہوئے نکلیں گے اور اس حیثیت سے یہ ایک قومی مسئلہ ہے جسے بال سہیوگ جیسے دو چار یا دس بیس ادارے بھی حل نہیں کر سکتے۔ غرض یہ "مزدور پیشہ، خاندانوں کے بچے" کی تقسیم ایسی ہے جو آسانی سے سمجھ میں نہیں آتی"۔

پرساد صاحب:- "یہ تقسیم بہرحال کی گئی ہے، اگرچہ آپ جس طرح اس کا تجزیہ کرتے ہیں، وہ بھی صحیح ہے"۔

ہنستی صاحب:- "لیکن پرساد صاحب، اگرچہ سب بچوں کو تو ہم نے ابھی دیکھا نہیں مگر جو بچے پھاٹک پر ہمارے استقبال کے لئے کھڑے تھے، ان کے کپڑے لتے اور ان کا عام منظر کچھ بہت زیادہ خوش کن نہیں تھا حالانکہ ایسا ادارہ جس کو وزیر اعظم کی دعائیں حاصل ہوں اور اس کی کمیٹی میں اتنے بڑے بڑے لوگ شامل ہوں ......"

پرساد صاحب:- "ایسے ادارے کے بچوں کو بہت زیادہ خوش پوش، شاہانہ ٹھاٹ باٹ کا حامل اور امیروں کے بچوں جیسا ہونا چاہیئے!! یہی ہے نا آپ کا مدعا؟"...... جی ہاں اس نظریئے کے حامل آپ تنہا نہیں ہیں۔ سنا ہے پلاننگ کمیشن میں بھی کسی موقعے پر یہ ذکر آیا تھا اور وہاں عام خیال یہی تھا کہ اس قسم کے گھروں میں کھانے پینے، رہنے سہنے، اپنے اوڑھنے پر فی بچہ کم سے کم پچاس روپے کا خرچ آنا چاہیئے۔

"مگر کم سے کم میں اس نظریئے کا حامی نہیں ہوں اور چونکہ اٹھارہ روپے فی بچہ کے حساب سے خرچ کا بجٹ کمیٹی نے بھی منظور کر لیا ہے اس لئے کہہ سکتا ہوں کہ وہ بھی میرے نظریئے سے متفق ہے۔ صاحب یہ تو غور فرمایئے کہ ہمارے ملک میں اوسطاً فی کس جو آمدنی ہے اور اس کے لحاظ سے جو خرچ ہونا چاہیئے، وہ کیا ہے؟ پھر ہماری اصلاح و تربیت کا مقصد سماج کے ان پسماندہ بچوں کو اسی سماج میں واپس بھیجنا ہے۔ انھیں یہاں سے نکال کر یورپین معیار کے سماج میں تو نہیں بھیجنا ہے۔ اب اگر ہم انھیں اس گھر میں شاہانہ ماحول فراہم کرتے ہیں، اور رہنا انھیں اسی پسماندہ ہندوستانی سماج کے ماحول میں ہے تو واپس جا کر ان کے دل و دماغ کا کیا حال ہوگا؟؟ ہمارے اس ادارے کا مقصد اس کے علاوہ اور زیادہ کچھ نہیں ہے کہ ان بگڑے ہوئے بچوں کی اصلاح کر دیں اس طرح کہ وہ سماج کے حسب معمول افراد بن جائیں اور سماج کا جو موجودہ معیار ہے اسی کے مطابق رہ کر اپنی زندگی اچھے ڈھنگ سے گذار سکیں۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ ہمارے ادارے کا ظاہری ماحول اور ساز و سامان ادنیٰ متوسط بھی نہیں بلکہ ادنیٰ طبقے کے ماحول اور ساز و سامان سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ یہ ادارے کی کم مائگی اور سرمائے کی کمی کے سبب نہیں ہے بلکہ اسے ایسا رکھنے میں مصلحت ہے اور یہ صورتِ حال جان بوجھ کر قصداً رکھی گئی ہے"۔

یہ اسکیم جس کا نام "بال سہیوگ" اس کی رپورٹ کے ایک بیان کے مطابق ہوم کے ایک بچے ہی کا رکھا ہوا ہے اگست سنہ ۱۹۵۴ء

میں شروع کی گئی تھی — اور یہ ہمارے لئے فخر و مسرت کی بات ہے کہ ابتدا میں اس کے ڈائرکٹر ادارۂ تعلیم و ترقی کے ایک رکن شری حسین احمد قیصر تھے — کام شروع کرنے کے لئے وزیر اعظم شری جواہر لال نہرو نے اپنے پبلک ریلیف فنڈ میں سے دس ہزار روپے کی رقم بطور عطیہ عنایت فرمائی تھی۔ اس اسکیم کا مقصد بچوں میں جرائم پیشگی کی روک تھام اور اس مرض میں مبتلا بچوں کا علاج و معالجہ ہے۔ یہ جرائم پیشہ بچوں کے اصلاحی مرکزوں سے اس معنی میں مختلف ہے کہ یہاں مجرم بچوں کی عدالتوں سے بھیجے ہوئے بچے نہیں لئے جاتے۔ یہاں جو بچے داخل کئے جاتے ہیں، وہ اگرچہ ہوتے ہیں جرائم پیشہ عادات کے حامل مگر انھیں یہ لقب دیا نہیں جاسکتا اس لئے کہ وہ کسی عدالت سے سزا یاب نہیں ہوتے۔ ایسے ہی بچوں کے لئے شفقت و محبت سے بھرپور ایک گھر جیسا ماحول فراہم کرنا اور اس کے ذریعے ان کی تربیت و اصلاح کرنا اس ادارے کا مقصد ہے۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش دو ذرائع سے کی جاتی ہے۔ ایک ذریعہ ہے بچوں سے تعلق پیدا کرنے والے کلب جنھیں اصطلاح میں کنیکٹ کلب (تعلقاتی کلب) کہتے ہیں اور دوسرا ایک مرکزی اقامتی ہوم ہے جہاں اس وقت تقریباً اسی بچے رہتے ہیں جن کی عمریں ۱۲ سے ۱۷ سال تک ہیں۔

تعلقاتی کلب

یہ تعلقاتی کلب شہر دہلی کے مختلف حصوں خصوصاً گندی بستیوں کے علاقوں میں قائم ہیں۔ اس وقت تک ان کی تعداد سات ہے۔ یہ کلب ایک طرف بچوں اور ان کے خاندانوں کے درمیان اور دوسری طرف بچوں اور اس ہوم کے مابین سلسلۂ ربط کا کام کرتے ہیں۔ ان کلبوں میں بچوں کو مختلف قسم کی مفید دلچسپیوں مثلاً کھیل کود، ڈراما، پکنک اور سیر و تفریح وغیرہ میں حصہ لینے کے لئے ابھارا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی انفرادی ضرورتوں اور مسائل کو بھی حل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مثلاً ان کے اسکولوں کے استادوں سے مل کر ان کی فیس معاف کرانا، انھیں استعمال شدہ (سکنڈ ہینڈ) کتابیں دلوانا، خالی اوقات میں کمائی کا چھوٹا موٹا دھندا سکھانا اور کبھی کبھی روزگار دلوادینا۔ بعض بچے نفسیاتی طور پر مسئلہ بنے ہوئے ملتے ہیں، ایسے حالات میں ان کی نفسیاتی گتھیوں کو سلجھانے کی کوشش بھی کی جاتی ہے۔ پہلے ان کے اوپر انفرادی طور پر مفصل توجہ صرف کرکے اور ان کے والدین کو بچوں کی پرورش سے متعلق مشورے دے کر اور اگر اس میں کامیابی نہیں ہوتی تو انھیں بچوں کی نفسیاتی بیماریوں کے ہسپتالوں میں بھجوایا جاتا ہے یا پھر آخر میں انھیں بال سہوگ ہوم میں داخل کرلیا جاتا ہے۔

بال سہوگ ہوم، اسکول اور ورکشاپ

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے یہ ایک اقامتی ادارہ ہے جہاں ایسے بچے رکھے جاتے ہیں جنھیں ان کے مہلک ماحول سے فوراً

الگ کرنے اور ایک مدت تک اقامتی زندگی اور ماحول کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس بات کا فیصلہ تعلقاتی کلبوں کے توسط سے کیا جاتا ہے جہاں ایسے بچوں پر مسلسل نظر رکھی جاتی ہے لیکن ہوم میں آکر رہنا بچوں کی اپنی مرضی پر چھوڑا جاتا ہے اور اگر وہ یا ان کے والدین چاہیں تو وہ اپنے گھروں کو واپس جا سکتے ہیں۔

ہوم میں زیادہ سے زیادہ جہاں تک ممکن ہوتا ہے، بچوں کو وہی ماحول فراہم کیا جاتا ہے جو اچھے سے اچھے گھر کا ہوسکتا ہے۔ بچوں کو چونکہ شب و روز چوبیس گھنٹے ہوم ہی میں قیام کرنا ہوتا ہے اس لئے انھیں عمر کے اعتبار سے چار ٹولیوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے اور ہر ٹولی ایک ایک سرپرست (ہاؤس پیرنٹ) کی نگرانی میں ہوتی ہے۔

ہوم کے روزانہ کے معمولات میں تربیت جسمانی، اسکاؤٹنگ، باغبانی، عام مضامین کی تعلیم اور دست کاریوں کی ٹرینگ شامل ہے۔ دست کاریوں میں درزی کا کام، بڑھئی کا کام، بنیت کا کام اور دھاتوں کی چادروں کی مصنوعات سکھائی جاتی ہیں۔ ابتدا کے دو سال تک تین گھنٹے پڑھائی لکھائی اور پانچ گھنٹے دست کاریوں کی ٹرینگ کے لئے دیئے جاتے ہیں اور تیسرے سال پورے کا پورا وقت پیشے کی ٹرینگ کے لئے وقف ہوتا ہے۔

ہوم میں بچے کے قیام کی مدت بالعموم تین سال ہوتی ہے۔ اس عرصے میں جو بچے عام تعلیم کا رجحان ظاہر کرتے ہیں اُنھیں اسکولوں میں بھیج کر تعلیم دلائی جاتی ہے۔ جو بچے ابتدائی منزل کی تعلیم سے آگے کی تعلیم کے لئے تیاری کر لیتے ہیں، ان کے لئے گھر پر تیاری کرانے کا الگ سے انتظام ہے۔

ان معمولات کے علاوہ بچوں کے فاضل اوقات کے استعمال پر بھی خاص توجہ دی جاتی ہے۔ ان سرگرمیوں میں ٹکٹ اور سکے جمع کرنے کی ہابی، باغبانی، ڈرائنگ، مصوری، موسیقی، ڈراما، بینڈ بجانا، کتب بینی اور اخبار بینی، سینیو کے کھیل، سیریں اور پکنک اور تعلیمی سفر شامل ہیں۔

ہوم سے نکلنے کے بعد کی خدمات

بال سہیوگ کا کام یہیں ختم نہیں ہوجاتا بلکہ ہوم سے نکلنے کے بعد کے زمانے میں بھی بچوں اور ان کے والدین سے جہاں تک ممکن ہوتا ہے تعلق برابر قائم رکھا جاتا ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ سماجی اور اقتصادی دونوں حیثیتوں سے آگے ترقی کرنے کی کوشش میں ان کی مدد بھی کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں حسب ذیل چار پروگراموں پر عمل کیا جاتا ہے۔

۱۔ ہر دست کاری میں سے دو دو طالب علم جو سب سے زیادہ ہوشیار پائے جاتے ہیں، انھیں ہوم سے نکلتے وقت دو دو سو روپے کی قیمت کے اوزار انعام میں دیئے جاتے ہیں تاکہ اگر ملازمت ملنے کا موقع نہ ہو تو ان اوزاروں کی بدولت وہ کام کر کے

نجی طور پر اپنی روزی پیدا کریں
۲۔ اس کے علاوہ اوزاروں ہی کی شکل میں معمولی قسطوں پر قرضے دیئے جاتے ہیں۔
۳۔ جو لوگ ملوں، کارخانوں اور دکانوں کے مالک ہوتے ہیں، اُن سے مل کر ان لڑکوں کو کام دلوایا جاتا ہے۔

اور

۴۔ فرداً فرداً بھی ان امدادوں کے علاوہ دوسری قسم کی امدادیں بہم پہنچائی جاتی ہیں۔
لیکن یہ سہولتیں مہیا کرنے کے باوجود بچوں کے اوپر کسی حالت میں یہ اثر نہیں بٹھایا جاتا کہ بال سہوگ ان کے لئے روزگار فراہم کرے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ انھیں زندگی کے لئے جدوجہد کرنے کے لئے صرف تیار کیا جاتا ہے اور ان سے امید کی جاتی ہے کہ وہ بھی سماج کے دوسرے افراد ہی کی طرح اپنی روزی روزگار کے لئے جدوجہد کریں گے۔

بوٹ کلب اور چائے خانہ

بال سہوگ کی تعلیمی اور اصلاحی سرگرمیوں کے علاوہ یہ دو کام اور ہیں جن کا تعلق اسکیم کے خالصتاً تعلیمی و تربیتی پہلو سے نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد اسکیم کے لئے سرمایہ فراہم کرنا اور ہوم سے نکلے ہوئے بعض لڑکوں کے لئے روزگار مہیا کرنا ہے۔ بوٹ کلب سے مراد سنٹرل سکریٹریٹ اور انڈیا گیٹ کے درمیان بہنے والی نہروں میں کشتی رانی کا شغل ہے۔ پہلے یہ کام سنٹرل پی ڈبلیو ڈی کے سپرد تھا مگر ۱۹۵۵ء سے اسے بال سہوگ نے لے لیا۔ یہاں سیلانی لوگ کشتیوں میں بیٹھ کر نہر کی سیر کرنے کی غرض سے آتے ہیں جن سے اس سیر کا کرایہ لیا جاتا ہے۔ اس کلب میں کام کرنے والے سب کے سب ہوم کے لڑکے ہیں۔
اسی کلب سے تھوڑی دور کے فاصلے پر نہر کے نیچے بنے ہوئے دو تہہ خانے ہیں جن میں چائے خانے قائم ہیں۔ یہ چائے خانے بھی بال سہوگ کے زیر اہتمام چلتے ہیں اور ان میں کام کرنے والے وہی لڑکے ہیں جو ہوم سے نکل کر آئے ہیں
یہ وہ لڑکے ہوتے ہیں جنھیں کسی وجہ سے کام نہیں ملا ہوتا ہے یا جو دن کے وقت اسکولوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں اور سہ پہر میں ان جگہوں پر کام کرکے آمدنی کرتے ہیں۔
ہمیں بتایا گیا کہ ان دونوں کاموں سے بال سہوگ کو تقریباً پچیس ہزار روپیہ سالانہ کی آمدنی ہو جاتی ہے۔

سرمایہ

جیسا کہ ابتدا میں ذکر کیا گیا ہے، یہ منصوبہ وزیر اعظم کے دس ہزار روپے کے عطیے سے شروع کیا گیا تھا۔ اس کے بعد آگے

ہیں کردوسرے مخیّر لوگوں نے بھی اس کام میں امداد کی اور حکومت ہند کی وزارتوں خصوصاً وزارتِ تعلیم اور وزارتِ صنعت و تجارت نے بھی مختلف شکلوں میں اسے گرانٹ دی۔ دہلی ایڈمنسٹریشن کے ایجوکیشن ڈائرکٹریٹ نے بھی مختلف شکلوں میں امداد دی ہے اور غالباً سب سے زیادہ دی ہے۔ ہمیں بتایا گیا کہ اس وقت اسکیم کا کل بجٹ تقریباً ڈیڑھ لاکھ روپے کا ہے جس میں تقریباً نصف رقم اُسے چندوں اور دوسرے ذریعوں سے حاصل ہوتی ہے اور باقی مختلف شکلوں میں حکومت کی گرانٹ سے پوری ہوتی ہے۔

یہ تجربہ غرض مفید تو ہے ہی، اس اعتبار سے بھی اس کی حیثیت مستحکم ہے کہ اس کی کمیٹی میں بیشتر حکومت ہند کے اعلیٰ افسران، شامل ہیں اور اس کی صدر شریمتی اندرا گاندھی جیسی بیدار مغز خاتون ہیں چنانچہ اگر یہ کمیٹی اس اسکیم کو کل ہند تحریک کی شکل میں ملک کے سامنے پیش کرے تو اس کی کامیابی یقینی ہے۔

تیسرے پلان میں زراعت اور کمیونٹی ڈیولپمنٹ پر خاص توجہ

نیشنل ڈیولپمنٹ کونسل سے پلان کا خاکہ منظور

نیشنل ڈیولپمنٹ کونسل نے جس کی میٹنگ ۱۹ر اور ۲۰ر مارچ ۱۹۶۰ء کو نئی دہلی میں ہوئی تھی "تیسرے پنجسالہ پلان کا خاکہ منظور کر لیا ہے"۔ اس میٹنگ میں ہندوستان کے سبھی ریاستوں کے وزراء اعلیٰ شریک تھے۔

پلان کے خاکے میں غذائی پیداوار میں ملک کو خود کفیل بنانا، ملک کی صنعتی اور برآمدی ضروریات کی تکمیل کے لئے زراعت کو ترقی دینا، دس سال کے اندر اندر ملک کو بنیادی صنعتوں کے معاملے میں خود کفیل بنانا، روزگار کے نئے نئے مواقع بہم پہنچانا اور دولت کی تقسیم کی ناہمواریوں کو کم کرنا، اس پلان کے خاص خاص مقاصد بتائے گئے ہیں۔

وزیر اعظم شری جواہر لال نہرو نے کونسل کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ زراعتی ترقی کے بغیر صنعتی ترقی نہیں ہو سکتی اسی طرح زراعتی ترقی کی ضروریات صنعتی ترقی کے بغیر پوری نہیں ہو سکتیں۔

پلان میں کس کام کو اولیت دی جانی چاہیئے' اس مسئلے پر کونسل میں تھوڑی سی بحث ہوئی اور بالآخر زراعت کو اولیت دینے سے سب نے اتفاق کیا۔

آگے چل کر شری جواہر لال جی نے فرمایا کہ ان سارے ترقیاتی پروگراموں کا اصل معیار انسان کی ترقی ہے۔ دیہی علاقوں میں عوام کے اندر زندگی کی نئی جوت جگانے کے لئے آج سے چند سال پہلے کمیونٹی ڈیولپمنٹ کا جو پروگرام شروع کیا گیا تھا' اس کے پیچھے بھی انسان کو اونچا اٹھانے کا مقصد ہی کار فرما ہے۔ ابھی حال میں پنچایتوں اور پنچایت سمیتیوں کو نظم و نسق کے اختیارات سونپنے کا جو تجربہ شروع کیا گیا ہے اس کا ذکر کرتے ہوئے موصوف نے فرمایا کہ یہ ایک بہت بنیادی اور انقلابی قدم ہے' میں چاہوں گا کہ اس پر زیادہ سے زیادہ توجہ صرف کی جائے۔' اس لئے کہ ہماری سماجی زندگی میں یہی وہ اکائیاں ہیں جہاں ذرا سی تبدیلی بھی لوگوں کے دل اور دماغ کو متاثر کرتی ہے۔

پلان حسب معمول سرکاری اور غیر سرکاری دو حصوں میں تقسیم ہے اس کے اخراجات کی تفصیل مندرجۂ ذیل ہے ——

سرکاری حصے میں :-

زراعت اور کمیونٹی ڈیولپمنٹ	۱٬۰۰۰ کروڑ روپئے
صنعت اور معدنیات	۱٬۳۰۰ " "
نقل و حمل اور رسل و رسائل	۱٬۴۵۰ " "
سماجی خدمت کے کام	۱٬۲۵۰ " "
آبپاشی	۶۵۰ " "
برقی طاقت	۹۰۰ " "
دیہی اور گھریلو صنعتیں	۲۵۰ " "
غیر متوقع اخراجات	۲۰۰ " "
	۷٬۰۰۰ کروڑ روپئے

غیر سرکاری حصے میں

صنعت اور معدنیات	۱٬۰۰۰ کروڑ روپئے
زراعت	۸۰۰ " "
تعمیر مکانات	۱٬۰۷۵ " "
نقل و حمل اور برقی طاقت	۲۵۰ " "
دیہی اور گھریلو صنعتیں	۲۷۵ " "
غیر متوقع	۶۰۰ " "
	۴٬۰۰۰ کروڑ روپئے
کُل	۱۱٬۰۰۰ کروڑ روپئے

تیسرے پنجسالہ پلان میں تعلیم

آل انڈیا وومنس ڈے کے تحت یوم تعلیم نسواں کے موقع پر تقریر کرتے ہوئے مسز درگا بائی دیشمکھ نے بتایا کہ تیسرے پلان کے لئے

مرکزی وزارت تعلیم نے ۹۹ کروڑ روپئے کا جو منصوبہ پلاننگ کمیشن کے سامنے پیش کیا تھا، پلاننگ کمیشن نے اس میں کافی تخفیف کی ہے اور اب تعلیم کے لئے ۵۰۰ کروڑ روپئے ہی منظور کئے ہیں۔

اس رقم میں سے ۲۲۰ کروڑ روپئے ابتدائی لازمی تعلیم کے منصوبے پر خرچ ہوں گے۔ امید کی جاتی ہے کہ تیسرے پلان کی مدت میں ۶ سے ۱۱ سال کی عمر کے ۹۰ فی صدی لڑکوں اور ۵۰ فی صدی لڑکیوں کی مفت لازمی تعلیم کا انتظام کیا جاسکے گا۔ مسٹر دیشمکھ نے یہ بھی امید ظاہر کی کہ پلان میں عورتوں کی تعلیم کے لئے ۴۰ کروڑ روپئے کی رقم مخصوص ہوگی جب کہ دوسرے پلان میں اس کے لئے محض ۸۰ لاکھ روپئے رکھے گئے تھے۔

پی۔ ٹی۔ آئی کی ایک اطلاع کے مطابق سوشل ایجوکیشن اور فزیکل ایجوکیشن کے لئے مرکزی وزارت تعلیم کے ۹۶ کروڑ روپئے کے مجوزہ پلان میں تخفیف کرکے پلاننگ کمیشن نے ۵۲ کروڑ روپیہ ہی منظور کیا ہے۔ بہرحال وزارت تعلیمات کا یہ اصرار ہے کہ اس کے لئے کم سے کم ۸۴ کروڑ روپئے منظور کئے جائیں۔　　　　　(دی ہندوستان ٹائمز)

ریاستوں کے تعلیم اور کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے منصوبے ۶۱-۱۹۶۰ء میں

بمبئی

۶۱-۱۹۶۰ء کے لئے بمبئی ریاست کے منصوبے کے اخراجات کے لئے پلاننگ کمیشن نے ۹۸ کروڑ ۵۱ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے، اس میں کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے لئے ۷ کروڑ ۵۴ لاکھ روپئے اور سماجی خدمت کے کاموں کے لئے ۲۱ کروڑ ۹۰ لاکھ روپئے کی رقم رکھی گئی ہے۔ جس میں سے تعلیم پر ۶ کروڑ ۲۴ لاکھ روپیہ خرچ ہوگا۔

اترپردیش

۶۱-۱۹۶۰ء میں اترپردیش کے منصوبے کے اخراجات کے لئے ۵۵ کروڑ روپیہ پلاننگ کمیشن نے منظور کیا ہے۔ اس میں ساڑھے سات کروڑ روپئے کی رقم کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے لئے منظور کی گئی ہے اس مدت میں پہلے مرحلے کے ۴۰ نئے بلاک اور ڈیولپمنٹ سے پہلے کے مرحلے کے ۹۲ بلاک کھولنے کی اسکیم ہے۔ سماجی خدمات کے کاموں کے لئے ۱۱ کروڑ روپئے منظور کئے گئے ہیں جس میں سے تعلیم کے لئے ۴ کروڑ ۷۵ لاکھ روپئے مخصوص ہوں گے۔

تعلیم و ترقّی کے مضامین

پہلا سال ۱۹۵۰ء

جنوری ۱۹۵۰ء

۱۔ تعلیم بالغان اور خواندگی

۲۔ دیواری اخبار: ایک عام غلطی

۳۔ میسور کا یونیسکو سیمینار اور حکومت کا فرض

۴۔ خواندگی کیوں؟ ڈاکٹر ایس رنگا ناتھن

۵۔ آپ کے بچے — چند پرہیز

۶۔ تعلیم بالغان کی رفتار

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ

اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ، میونسپل کمیٹی دہلی

انڈین کانفرنس آف سوشل ورک کا تیسرا سالانہ

اجلاس یو۔ پی۔ میں

فروری ۱۹۵۰ء

وزیر اعظم کا پیغام بچوں کے نام

بستی کے لوگ اپنے لئے تعلیمی مرکز خود بنائیں

بالغوں کی تعلیم کا کام کرنے والوں اور

ہمدردوں سے

تعلیم بالغان کی رفتار

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ کے چار مرکز

۱۔ بالغوں میں کام

۲۔ بچوں میں کام

اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ دہلی میونسپلٹی کے ۹ مرکز

۱۔ بالغوں کی تعلیم

۲۔ ان پڑھ بالغوں کی پڑھائی

مارچ ۱۹۵۰ء

اشارے

۱۔ تعلیم و ترقی کے مستقل عنوانات کا خاکہ

۲۔ اصول اور طریقے

تعلیم بالغان۔ گاندھی جی کی نظر میں

آپ اپنی بستی کے لئے تعلیمی مرکز کیسے قائم کریں

تجربے

یک لک کے کسانوں کی ہمت

جان پہچان

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن

دل بہلاؤ

تعارف اور ریویو کے نئے طریقے

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ دہلی میونسپلٹی

تعلیم و ترقی۔ جامعہ

دیہاتی یونیورسٹیاں ملک کی سب سے بڑی ضرورت

ـــــ ڈاکٹر راجندر پرشاد

اپریل ۱۹۵۰ء

اشارے

ہند سرکار کا ایک صحیح قدم

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن سے بھارت سرکار کا

نئے سال کا بجٹ۔ ادارہ تعلیم و ترقی۔ جامعہ سے

اصول اور طریقے

آپ کی بستی کے مرکز کا تعلیمی پروگرام کیا ہو؟

جان پہچان

ادارہ تعلیم و ترقی۔ جامعہ۔ دہلی

دل بہلاؤ

حسابی چور پکڑنا

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

اعداد و شمار۔ اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ دہلی میونسپلٹی

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ

دیہات کے بالغوں میں تعلیم پھیلانے کا فیصلہ۔ بھارت سرکار کی پانچ سالہ اسکیم

بمبئی کے لٹریسی پروگراموں کا ایک سال

راجستھان سرکار کی نئی تعلیمی تجویز

مئی ۱۹۵۰ء

اشارے

محکمہ تعلیم ریاست دہلی کا "سوشل ایجوکیشن کا کارواں"

دہلی یونیورسٹی کورٹ کے چند مبارک فیصلے

میسور کا یونیسکو سیمینار اور بھارت سرکار کا فرض

اصول اور طریقے

دیہی یونیورسٹیاں: یونیورسٹیز کمیشن کی تجویز کا تعارف

ـــــ شمس الرحمٰن محسنی

تجربے

جلسے کس طرح کامیاب ہوں؟

تعارف

اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ، دہلی میونسپلٹی

ـــــ شری نیکی رام گپتا

دل بہلاؤ

کسان کی مشکل حل کیجئے۔

کتے اور بلیاں

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

اعداد و شمار - خبریں

جون ۱۹۵۰ء

اشارے

ایک اچھی نمائش

مدھیہ پردیش کی سوشل ایجوکیشن کی اسکیم

صحیح راستہ

سوشل ایجوکیشن کا کام کرنے والے ساتھیوں اور اداروں سے ایک اپیل

اصول اور طریقے

دیہی یونیورسٹیاں: یونیورسٹیز کمیشن کی دیہی یونیورسٹیوں کی تجویز کا تعارف (مسلسل)

—— شمس الرحمٰن محسنی

تجربے

ڈنمارک کے جنتا کالج —— اقبال احمد

تعارف

مدھیہ پردیش کی سوشل ایجوکیشن کی اسکیم

دل بہلاؤ

کمال کی چوری

مرغ لڑائی

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن

اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ دہلی میونسپلٹی

نمائش۔ سنسار کے دیش اور ان کے نواسی

ادارہ تعلیم و ترقی

معزز مہمانوں کی آمد

اعداد و شمار

دہلی راجیہ میں سوشل ایجوکیشن کی رفتار

مدھیہ پردیش میں خواندگی کی رفتار

اٹاوہ پائلٹ پروجیکٹ کا تجربہ یو۔ پی۔ کے دو اور اضلاع میں

جولائی سنہ ۱۹۵۰ء

اشارے

ناخواندگی کا خاتمہ

محکمۂ تعلیم دہلی راجیہ کا مبارک فیصلہ

اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ دہلی میونسپلٹی کی خواندگی کی مہم

ایک تجربہ اور کیجئے۔

اصول اور طریقے

اڈلٹ ایجوکیشن کیوں؟ — ڈاکٹر یانگ سن پاؤ

تجربے

جن کے لئے کام کرنا ہے انھیں ساتھ لیجئے۔

تعارف

میسور اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن کونسل۔

—— شمس الرحمٰن محسنی

دل بہلاؤ

(بالغوں کے لئے) اپنے بچوں کے لئے کھلونا بنائیے

(بچوں کے لئے) قیدی

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ دہلی میونسپلٹی

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ

علی گڑھ اور میرٹھ میں سوشل ایجوکیشن کے کیمپ

اگست ۱۹۵۰ء

اشارے

ڈاکٹر راجندر پرشاد کا خط جامعہ کے نام

ٹریننگ کالجوں کے نصاب میں سوشل ایجوکیشن کا مضمون لازمی کیا جائے

سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کے لئے ایک اچھی کتاب (ADULT EDUCATION CURRENT. TRENDS AND PRACTICE)

اصول اور طریقے

ناخواندگی کا خاتمہ: چند اشارے۔ شفیق صاحب

تجربے

لاطینی امریکہ میں تعلیم بالغان

تعارف

میسور اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن کونسل (مسلسل)

—— شمس الرحمٰن محسنی

دل بہلاؤ

(بالغوں کے لئے) اپنے بچوں کے لئے کھلونہ بنایئے۔

غرانے والی بلی

(بچوں کے لئے) بازنت کبوتر

سوشل ایجوکیشن کی رفتار (خبریں)

بہار میں سوشل ایجوکیشن کی اسکیم

مغربی بنگال میں " "

مدھیہ پردیش میں دو لاکھ کسانوں کو خواندگی کا سرٹیفکٹ ملا

اتر پردیش میں سوشل ایجوکیشن کی اسکیم ملتوی۔ بھارت سرکار سے امداد نہیں ملی

اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ دہلی میونسپلٹی

ادارہ تعلیم و ترقی۔ جامعہ

ستمبر ۱۹۵۰ء

اشارے

نیشنل پلاننگ کمیشن اور تعلیم بالغان

سوشل ایجوکیشن کی تحریک میں حکومت کس طرح شریک ہو

بہار کی سوشل ایجوکیشن کی اسکیم

اصول اور طریقے

سوشل ایجوکیشن کے کام میں مختلف سرکاری محکموں کا تعاون

—— پروفیسر کے۔ جی۔ سیدین

نمونے

ایک دائی کی ہمت —— ہتیشی

تعارف

بہار میں سوشل ایجوکیشن کی نئی اسکیم —— سرنید ربال

دل بہلاؤ

دائرے کا بادشاہ

سوشل ایجوکیشن کی تحریک (خبریں)

ہم کیا کریں؟ (ایک خط)

سوشل ایجوکیشن کے کام میں غیر سرکاری اداروں کی اہمیت

—— ڈاکٹر ڈیھویہ سنگھ

ڈاکٹر ہسی ہسولنگ کی آمد

انڈین کوآپریٹیو یونین کا نمونے کا کام

ادارہ تعلیم و ترقی ۔ جامعہ

حکومت مدراس کا پانچ سالہ پروگرام

اکتوبر ۱۹۵۰ء

اشارات

صدر کانگریس کا خطبۂ صدارت اور تعمیری پروگرام

اصول اور طریقے

برطانیہ میں تعلیم بالغان کے نجی اداروں اور ریاست کا

باہمی تعلق ۔۔۔ ای۔ ایم ہچنسن

تعارف

بچوں کی برادری دہلی ۔۔۔ ہتیشی

تجربے

سوویت روس میں بالغوں کی تعلیم ۔۔۔ شمس الرحمن محسنی

سوشل ایجوکیشن اور اسکولوں کے طالب علم ۔ راجستھان

میں ایک تجربہ ۔۔۔ شالگ رام تیجک

دل بہلاؤ

انگنے دا (بچوں کے لئے)　}
آلو ماسٹر (بالغوں کے لیے)　} سید حسن

سوشل ایجوکیشن کی تحریک (خبریں)

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن: ساتواں سالانہ اجلاس

پرنسپل باسو کا سفر انگلستان

اڈلٹ ایجوکیشن بورڈ دہلی میونسپلٹی ۔ تیسرا ٹریننگ کورس

بہار میں تعلیمی میلے ۔ مدراس میں سوشل ایجوکیشن ۔

تعلیم و ترقی ۔ جامعہ ۔ آپ ایسا کیجئے (پچھلے مہینے کے

خط کا جواب)

نومبر ۱۹۵۰ء

اشارات

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کا نیشنل سیمنار

اصول اور طریقے

تعلیم بالغان کی تحریک میں یونیورسٹیوں کا حصہ ۔ ایس سی دتہ

دیواری اخبار کے پانچ بنیادی اصول ۔ برکت علی فراق

تجربے

عوام کی یونیورسٹیاں ـــــ اسٹورٹ ایمی

مویشیوں کی اچھی نسلیں اور ان کی پرورش (اطلاعات)

تعارف

کشمیر کے سماجی مرکزوں کی ایک جھلک ۔۔۔ رگھوناتھ مٹو

سوشل ایجوکیشن کی تحریک (خبریں)

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن: ساتواں سالانہ

اجلاس اور کانفرنس

دہلی اسکول آف سوشل ورک، جتر پور گاؤں میں طلبا کا کیمپ

جامعہ ملیہ دہلی ۔ بچوں کا میلہ

بے اناج کے کھانوں کی نمائش

اڑیسہ کے اسکولوں میں فن زراعت کی تعلیم

ہر اسکول اور کالج سوشل ایجوکیشن کا سینٹر قائم کرے

حکومت بمبئی کا سرکلر

دسمبر ۱۹۵۹ء (اسپیشل کانفرنس نمبر)

ارشادات

ڈاکٹر راجندر پرشاد، شری جواہرلال نہرو، مولانا ابوالکلام آزاد، ڈاکٹر ذاکرحسین، خواجہ غلام السیدین، پروفیسر ہمایوں کبیر، پروفیسر محمد مجیب، شفیق الرحمن قدوائی

تعلیم بالغان کو بچاؤ — ڈاکٹر ایس۔ آر۔ رنگا ناتھن

یونیسکو کے ایشیائی سیمنار کے سجھاؤ

تعلیم بالغان اور خواندگی — برکت علی فراق

دیہاتی مرکز — ڈاکٹر ڈی۔ اسپنسر ہیچ

دیہی تعلیم بالغان کا آخری حل — شالگ رام تیھک

آل انڈیا نیشنل سیمنار — وی۔ ایس۔ ماتھر

سوشل ایجوکیشن کی تحریک (خبریں)

ریاست دہلی کے دیہاتی علاقوں سے ناخواندگی ختم کرنے کا عزم

جنتا کالج

غیرسرکاری تعلیمی اداروں کو سہارا۔ جنوبی ہند کی اڈلٹ ایجوکیشن کانفرنس کے ایک وفد کی مدراس کے وزیر تعلیم سے ملاقات

نیشنل سیمنار کی خبریں۔ اور سفارشات

مدھیہ پردیش میں ریاستی ایجوکیشن سیمنار

تربیت یافتہ کارکنوں کی ضرورت۔ انڈین کانفرنس آف سوشل ورک

فارم نمبر ۴

(رول ۸ دیکھیے)

۱ - اشاعت کی جگہ ——— جامعہ نگر نئی دہلی

۲ - اشاعت کی مدت ——— ماہنامہ

۳ - پرنٹر کا نام ——— برکت علی فراق

قومیت ——— ہندوستانی

پتہ ——— جامعہ نگر نئی دہلی

۴ - پبلشر کا نام ——— برکت علی فراق

قومیت ——— ہندوستانی

پتہ ——— جامعہ نگر نئی دہلی

۵ - ایڈیٹر کا نام ——— برکت علی فراق

قومیت ——— ہندوستانی

پتہ ——— جامعہ نگر نئی دہلی

۶ - ان لوگوں کا نام اور پتہ جن کا اس اخبار میں حصہ ہے ——— ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر نئی دہلی

میں برکت علی فراق اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ مندرجہ بالا معلومات میرے یقین میں درست ہیں

دستخط برکت علی فراق (پرنٹر)

۲۴ مارچ ۱۹۶۰ء

تم کیا گئے کہ گرمئ ذوقِ سفر گئی

تعلیم و ترقی

ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

بانی :-
شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر
پروفیسر محمد مجیب
برکت علی فراق
رفیق محمد شاستری

شمارہ ۴	اپریل سنہ ۱۹۶۰ء	جلد ۱۱

ترتیب

دفتر ماہنامہ تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی
ٹیلیفون: ۷۴۳۶۴

قیمت سالانہ چار روپے — فی پرچہ ۳۷ نئے پیسے

(پرنٹر و پبلشر برکت علی فراق نے کوہ نور پرنٹنگ پریس دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا)

اشارات

عوامی کالج ـــــ رورل انسٹی ٹیوٹ کا دوسرا بازو

بڑے آدمی ایک سی بات سوچتے ہیں۔ اس حقیقت کا ایک اور ثبوت ڈنمارک کے بین الاقوامی عوامی کالج کے سابق پرنسپل ڈاکٹر پیٹر مانیکے کی اس یادداشت سے ملتا ہے جو موصوف نے ہندوستان کے تعلیمی کارکنوں کی ڈنمارک ٹیم کے ممبروں کو جون ۱۹۵۴ء میں تقسیم کی تھی (اس یادداشت کے ایک حصے کا ترجمہ اسی شمارے میں دیا جا رہا ہے) اس یادداشت کو پڑھئے تو ایسا معلوم ہوتا ہے (جو یقیناً واقعہ نہیں ہوگا) کہ ہندوستان کے رورل انسٹی ٹیوٹ کی اسکیم کے مصنفوں نے بس اس کا چربہ اتار کر اسے اسکیم کی شکل میں پیش کر دیا تھا۔ ڈاکٹر پیٹر مانیکے کے ذہن میں بھی یہ اسکیم جو انھوں نے اپنی یادداشت میں پیش کی تھی، الہام کی شکل میں نہیں آئی تھی، بلکہ اس کی تصنیف سے پہلے (غالباً حکومت بہار کی دعوت پر) بہار کی تعلیمی حالت کا جائزہ لینے یہاں آئے تھے اور بہت غور سے مسائل کو سمجھا تھا۔ اسکیم کے سلسلے میں توارُد کی یہ کیفیت اس حد تک ہے کہ انھوں نے اپنی تصنیف کا عنوان بھی "رورل انسٹی ٹیوٹ آف اسٹڈیز" ہی قائم کیا۔

ڈاکٹر مانیکے کی یادداشت کو پڑھنے سے اس بات کا اندازہ بھی ہوتا ہے کہ وہ ہندوستان کے دیہی تعلیم کے مسئلے کے اصل مزاج کو سمجھنے میں اصل اسکیم کے مصنفوں سے زیادہ کامیاب ہوئے تھے۔ سب لوگ جانتے ہیں کہ اونچی تعلیم پانے کے بعد دیہات کا تعلیم یافتہ نوجوان اُس وقت تک دیہات میں نہیں ٹک سکتا جب تک وہاں اس کے لئے معاشی، سماجی اور تہذیبی کشش نہ ہو، اور یہ کشش اُسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جب دیہات کے عام لوگ بھی اگر لفظاً نہیں تو معنوی اعتبار سے تعلیم یافتہ ہوں اور اپنی تعلیم کے اثر سے دیہات کی زندگی کو شہروں کی زندگی کی طرح جاذب توجہ اور طربناک بنا دیں ــــ اور اگر ہماری معلومات غلط نہیں ہیں تو رورل انسٹی ٹیوٹ کی اسکیم کے پیچھے بنیادی مقصد کم سے کم اُس زمانے میں یہی کچھ تھا۔ ڈاکٹر مانیکے نے مسئلے کی اسی حقیقت کو سمجھ کر جہاں دیہات میں اونچی تعلیم کی ضرورت کو پورا کرنے کی غرض سے اعلیٰ تعلیم کے دیہی کالج (رورل کالج آف ہائر اسٹڈیز) کے قیام کا مشورہ دیا ہے ــــ اور جس کے تقریباً حرف بحرف مطابق آج کے رورل انسٹی ٹیوٹوں میں کام ہو رہا ہے ــــ وہیں بالغ عوام کی تعلیم و تربیت کی ضرورت کو نتیجہ بخش طور پر پورا کرنے کے لئے اپنے مجوزہ رورل انسٹی ٹیوٹ آف اسٹڈیز کے ایک لازمی بازو کے طور پر عوامی کالج اور بالغوں کے بنیادی اسکول کے قیام کی صلاح بھی دی ہے۔

ڈنمارک کے فوک ہائی اسکولوں کی تحریک سے متاثر ہو کر جنتا کالج کے نام سے عوامی کالجوں کا تجربہ ہندوستان میں رورل انسٹی ٹیوٹ کی اسکیم کے نافذ ہونے سے بہت پہلے سے ہو رہا تھا، لیکن ڈاکٹر مانیکے نے رورل انسٹی ٹیوٹ سے الگ کر کے یہ تجربہ کرنے کا مشورہ نہیں دیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے جنتا کالجوں کے تجربے کا حشر دیکھ کر سمجھ لیا تھا کہ یہ تجربہ خالصتہً سرکاری اہتمام میں اگر کامیاب ہو سکتا ہے تو اس کی ایک ہی شکل ہے:

اور روح ہے اس کا اونچی تعلیم کی کسی باضابطہ دیہی اسکیم کا لازمی جز دبن کر کام کرنا۔ اسی نہج پر انھوں نے بالغوں کی خواندگی کے مسئلے کا بھی تجزیہ کیا ہے اور رورل انسٹی ٹیوٹ کے کام کے ایک حصے کے طور پر بالغوں کے سہ سالہ بنیادی اسکول کی اسکیم پیش کر کے ہمارے خیال میں بہت صحیح نتیجے پر پہنچے ہیں۔

معلوم نہیں رورل انسٹی ٹیوٹ کے مصنفوں کے سامنے یہ اسکیم تھی ہی نہیں یا انھوں نے حکومت ہند کی کسی مصلحت کی بنا پر اسے نظر انداز کر دیا تھا۔ حکومت ہند جو ملک کو ہر حیثیت سے ترقی کی راہ پر دیکھنے کے لئے بے تاب ہے، اس کے سامنے کسی مفید اسکیم کی طرف سے چشم پوشی اختیار کرنے کی مصلحت مالی دشواری کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے! مگر اب اس اسکیم کو نافذ ہوئے چار پانچ سال کی مدت ہو چکی ہے اور اس دوران میں ہم اپنے پنج سالہ پلانوں کے سرمائے کی مقدار کو دیکھتے ہوئے بھروسے کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ ہماری قومی آمدنی میں اضافہ ہوا ہے اور اب اتنی مالی دشواری نہیں ہے کہ اس کے پیش نظر کسی اچھی اسکیم کو ملتوی کیا جائے۔

اِس درمیان میں حکومتِ ہند نے بالغوں کے لئے مستقل اسکول قائم کرنے کا تجربہ بھی کیا ہے اور اب اُسے باضابطہ عمل میں لانے کا مسئلہ بھی پیش ہوگا اور یقیناً سوچا جا رہا ہوگا کہ اس کی کیا صورت ممکن ہو سکتی ہے۔ ہماری رائے ہے کہ جہاں تک اس بات کو آزما کر دیکھنے کی ضرورت تھی کہ بالغ مستقل طور پر کسی اسکول میں تعلیم حاصل کر سکتے ہیں یا نہیں، وہ آزمائی گئی ہے اور اس کا یقین کر لیا ہوگا کہ بالغوں کے لئے مستقل اسکول کی ضرورت ہے لیکن ابھی تجربے کی ایک منزل اور باقی ہے کہ آیا یہ مستقل اسکول محکمۂ تعلیمات کا جز بنائے جائیں یا انھیں رورل انسٹی ٹیوٹ جیسے اعلیٰ دیہی تعلیم کے اداروں کے ساتھ منسلک کیا جائے۔ ہمارے خیال میں یہ موخر الذکر صورت زیادہ نتیجہ خیز ہوگی اس لئے کہ ان اسکولوں سے نکلے ہوئے جو نوجوان زیادہ حوصلہ دکھائیں گے وہ وہیں کے وہیں اعلیٰ تعلیم کے دیہی کالج کے امتحانات میں شریک ہو سکیں گے ورنہ (ڈاکٹر ماتھیکے کی اسکیم کو سامنے رکھتے ہوئے) عوامی کالج میں داخلہ لے کر (بے ضابطہ ہی سہی) اونچی تعلیم کے فوائد سے بہرہ مند ہو سکیں گے۔

ابھی حال میں حکومتِ ہند کے وزیر تعلیم ڈاکٹر کے۔ ایل۔ شریمالی نے بھی اعلیٰ دیہی تعلیم کی نیشنل کاؤنسل کو خطاب کرتے ہوئے رورل انسٹی ٹیوٹوں میں مختصر مدت کے مختلف کورس چلانے کا مشورہ دیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر اس موقعے پر نیشنل کاؤنسل کے اراکین ڈاکٹر مسٹر ماتھیکے کی مذکورہ یادداشت کو بھی اپنے سامنے رکھیں اور ہر انسٹی ٹیوٹ میں ایک ایک مستقل عوامی کالج یا لوک ودیا پیٹھ اور انہی کے زیر اہتمام چلنے والے بالغوں کے سہ سالہ بنیادی اسکول قائم کرنے کا فیصلہ کریں۔ انھیں یہ بات بہر حال یاد رکھنی چاہیئے کہ رورل انسٹی ٹیوٹ کی اسکیم کے پیچھے بنیادی مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ دیہات کے نوجوانوں کے لئے دیہات ہی کے اندر اونچی تعلیم کا انتظام کیا جائے بلکہ اسی کے ساتھ غالباً اس سے زیادہ اہم یہ بھی تھا کہ گاؤں کو تعلیم کی راہ سے حسین، مہذب، تعلیم یافتہ اور خوشحال بنایا جائے — اور کم سے کم ہمارے نزدیک یہ طے ہے کہ ہمارے گاؤں کی آبادی میں میٹرک تک تعلیم پائے ہوئے نوجوانوں کی تعداد کم اور ان پڑھ یا کم پڑھے نوجوان اکثریت میں ہیں اور دیہی تعلیم کی کسی اسکیم میں نوجوانوں کی اس اکثریت کی طرف سے چشم پوشی اختیار کرنا انصاف کا خون کرنا ہوگا۔

شفیق صاحب انڈونیشیا میں

(مرحوم کی ڈائری کا ایک ورق)

کام کو کام کے اوپر کتنی فوقیت حاصل ہے اس کا اندازہ شفیق صاحب مرحوم کی ذات سے ہوتا ہے مرحوم کی وفات کو اس سال ۲ر اپریل کو پورے سات سال ہو گئے لیکن ان کی یاد اب تک ہمارے دلوں میں اسی طرح تازہ ہے گویا وہ ہم سے جدا نہیں ہوئے ہیں۔ اُن کا یہ مرتبہ اُن کے جوشِ عمل کا فیض ہے ورنہ اُن کی تحریری یادگاریں ہمارے پاس اتنی بھی نہیں ہیں جتنی ڈائریوں، رپورٹوں اور خطوط کی شکل میں معمولی سے معمولی کارکن کی ہوتی ہیں۔

ذیل میں ہم مرحوم کی سفر انڈونیشیا کی "نامکمل" ڈائری سے چند صفحات نقل کرتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہو گا کہ انہیں کام کا کتنا چاؤ اور بے کار کی لمبی چوڑی باتوں سے کتنی چڑھ تھی ——— برکت علی فراق

۵ فروری ۵۱ء دوشنبہ

آج میرا بقیہ سامان بھی ریل سے آ گیا۔ بڑا اطمینان ہوا۔ سامان الجھا ضرور مگر ضائع نہیں ہوا۔

ملاقات:- ڈاکٹر نرولا دورے سے کل واپس آئے تھے۔ آج ان سے دفتر میں ملاقات ہوئی اور انھیں مختلف نقشوں اور چارٹوں کی مدد سے اپنی کارگذاریاں تبلائیں

آج دفتر پہنچ کر معلوم ہوا کہ کل دوپہر کو لنچ کے بعد مجھے دس دن کے لئے وسطی اور مغربی جاوا کے دورے پر جانا ہے۔ دورے کا انتظام اور پروگرام سرکاری طریقہ پر سب طے ہو چکا ہے۔ اس اطلاع سے مجھے خوشی ہوئی لیکن میں اتنی جلدی اور وقت کے وقت اس دورے کے لئے ابھی تیار نہ تھا۔ مجھے یہ تبلایا گیا تھا کہ ۱۵ر فروری کے بعد غالباً ہم دورے پر جا سکیں۔ اور اس عرصہ میں کچھ ضروری تیاریاں میں بھی کر لیتا۔ کہاں کہاں جانا ہے۔ کیا کیا دیکھنا ہے۔ اور کیا کیا دیکھنا ہے! مگر اب تو یہ پروگرام بن گیا، دن دن اور منٹ منٹ کا۔ کل ۶ر فروری کو یہاں سے بندوگ روانگی ہے۔ اس کے بعد مختلف مقامات اور علاقوں کا دورہ ہو گا۔ جو ۱۴ر فروری کو سورابایا میں ختم ہو جائے گا۔ پورا سفر موٹر ہی پر ہو گا۔ واپسی البتہ سورابایا سے جاکرتا تک ہوائی جہاز پر ہو گی۔

اس ہفتہ کچھ وزیروں اور پارٹی لیڈروں سے ملنے کا ارادہ تھا۔ اب یہ پروگرام دورے کے بعد واپسی پر ملتوی۔ اچھا ہوا کہ کسی سے وقت نہیں مقرر کیا۔ لیکن اگر ان سب لوگوں سے مل کر دورے پر جاتا تو اور بہت سی معلومات ساتھ لے کر جاتا، جو اس دورے میں کام آتیں۔

۶ر فروری ۱۹۶۰ء۔ ہوٹل میں لنچ کھا کر ۲ بجے کے بعد مسٹر سداریون اور مسٹر صبر تیب (؟) کے ساتھ موٹر پر بنڈونگ روانگی ہوئی بنڈونگ تک موٹر کا سفر کل ساڑھے تین گھنٹے کا ہے۔ لیکن ٹھہرتے ٹھہراتے، چائے، پانی، پیتے، اور سستاتے شام کو منگل۔

مغرب کے وقت ہم لوگ بنڈونگ پہنچے۔ یہ یہاں کا ایک ہل اسٹیشن ہے۔ بلندی مگر زیادہ نہیں ہے۔ بنگلور اور دہرہ دون کے برابر ہوگی۔

ہوٹل سَولے ہومان میں بھی ایک شب قیام رہا۔ ہوٹل بہت اچھا اور بہت آرام دہ، اور کھانا ہوٹل دزانند کے مقابلہ میں بدرجہا بہتر معمولاً ہر سنیچر کو جاکارتا اور آس پاس کے علاقے کے لوگ یہاں اتوار منانے اور آرام کرنے کے لئے آتے ہیں۔ جنگ کے بعد اس جگہ کی بڑی شہرت تھی، انڈونیشیا کا پیرس سمجھا جاتا تھا۔ یعنی عیش و آرام کی جگہ۔ اب تو سناٹا ہے۔ اور اتوار کے بعد دو شنبہ کو دن میں یہ ہوٹل سب یہاں خالی ہو جاتے ہوں گے۔ اس لئے آج بہت خاموش اور پرسکون زندگی یہاں نظر آئی۔ ڈائننگ ہال بہت وسیع ہے۔ ناچ کا ہال بھی بہت وسیع ہے۔ لیکن ڈائننگ ہال اور لاؤنج دونوں خالی خالی معلوم ہوتے ہیں۔

۷ر فروری ۱۹۶۰ء۔ بدھ۔ آج کا پورا دن بہت طویل سفر میں گذرا۔ صبح سویرے بنڈونگ سے موٹر پر روانہ ہوئے اور ایک شمالی بندرگاہ

۸ر فروری ۱۹۶۰ء۔ جمعرات چری بون گئے، چری بون سے ساحل کے ساتھ ساتھ ایک دوسری بندرگاہ سمارنگ ہوتے ہوئے پھر جنوب

۹ر فروری ۱۹۶۰ء۔ جمعہ کی طرف لوٹے اور رات کو آٹھ بجے یوگیا کارتا پہنچے۔ ہوٹل GERUDA میں قیام کیا۔

یہاں تین دن قیام رہا۔ اور بڑی مصروفیت کا وقت گذرا۔ صبح ۷ بجے سے پروگرام شروع ہوتا تھا اور رات کو بارہ ایک بجے تک چلتا تھا۔

ماس ایجوکیشن کے صوبائی افسران کی ایک سہ روزہ کانفرنس ۸ر فروری کو شروع ہوئی۔ تقریباً بائیس ڈویژنل انسپکٹر اس کانفرنس میں شریک تھے۔ اس کانفرنس کے تین سیشن معمولاً رہے۔

ایک ناشتہ کے بعد لنچ تک

دوسرا ۳ بجے سے ۶ بجے تک

تیسرا ۹ بجے سے ۱۲ بجے رات تک

اس کانفرنس کے لئے ایک بہت تفصیلی ایجنڈا رکھا گیا تھا۔ جس میں جملہ تنظیمی، انتظامی اور تعلیمی مسائل پر تبادلۂ خیال اور گفتگو کا موقع شرکاء کانفرنس کو دیا گیا اور سیر حاصل بحثیں ہوئیں۔ ساری کارروائی بھاشا انڈونیشیا میں تھی۔ اس لئے میں اس کانفرنس کے خیالات سے محروم رہا۔ اور چونکہ لوگ انگریزی بالکل نہیں سمجھتے تھے اس لئے ایک افتتاحی تقریر کے علاوہ میں تو بس لوگوں کی صورتیں دیکھتا رہا۔ کوئی اچھا ترجمان ساتھ ہوتا تو وہ اس کانفرنس کی کارروائیوں کو مجھے سمجھاتا اور میرے خیالات کی ترجمانی کانفرنس سے کرتا۔

اس کانفرنس میں میری شرکت صرف صبح کے سشن تک رہی۔ سہ پہر اور رات کا وقت شہر میں اور آس پاس کے دیہاتی علاقوں میں ماس ایجوکیشن کے مراکز کے معائنہ میں صرف ہوا۔

یوگیا کارتا میں ماس ایجوکیشن کے کارکنان کی ٹریننگ کا ایک اسکول بھی گذشتہ جنوری میں قائم کیا گیا ہے۔ طلبہ اور طالبات کی تعداد ڈیڑھ سو سے اوپر ہے۔ یہ سب پورے انڈونیشیا سے منتخب کرکے یہاں داخل کئے گئے ہیں۔ ایک سال کا کورس ہے جس میں چھ مہینے نظری تعلیم کے اور چھ مہینے عملی تعلیم کے لئے رکھے گئے ہیں۔

میں اس مدرسہ میں خاص طور پر کچھ وقت صرف کرنا چاہتا تھا لیکن چونکہ مقررہ پروگرام کا پابند تھا اس لئے اس مدرسہ کا بھی معائنہ میں سرسری طور پر کرکے چلا آیا۔ یہاں میں پھر ایک بار خاص اس مدرسہ کو دیکھنے کے لئے آؤں گا۔ یہی ایک ٹریننگ اسکول ہے جس سے ہمارے فنڈامنٹل ایجوکیشن پروجیکٹ کے لئے بھی کارکنان منتخب کئے جائیں گے۔

یوگیا کارتا جاوا کا تہذیبی اور سیاسی مرکز رہا ہے۔ یہ شہر ایک خود مختار ریاست کا دارالسلطنت رہا ہے۔ لیکن انقلاب کے بعد سلطنت ری پبلک میں ضم ہوگئی، اور سلطان ری پبلک کی کیبنٹ کے ایک معزز رکن بلکہ نائب وزیر اعظم ہیں۔

یوگیا کارتا کو گھوم پھر کر دیکھنا چاہتا تھا، یہاں کے ممتاز لوگوں سے ملنا چاہتا تھا۔ یہاں کی صنعتوں کا نمونہ دیکھنا چاہتا تھا۔ چاندی کا کام یہاں کا بہت مشہور ہے، اور کچھ اور صنعتیں بھی یہاں ترقی یافتہ ہیں۔ ان سب کو دیکھنے کا شوق تھا۔ مگر بندھے ٹکے پروگرام کی پابندی ضروری تھی۔ اس دورہ میں نہ تو یوگیا کارتا کو دیکھ سکا نہ اس شہر کی زندگی اور نہ یہاں کے لوگوں کا رہن سہن اور ان کی طرز معاشرت دیکھنے کا موقع ملا۔ یہ چیزیں تو گھروں میں گھس کر میل جول پیدا کرکے اور بازاروں اور کوچوں میں گھوم پھر کر دیکھی جاسکتی ہے۔

۹ر فروری کی رات کو شرکاء کانفرنس نے اپنا ایک سوشل پروگرام رکھا تھا۔ ڈنر کے بعد ۹ بجے شروع ہوا۔ اس میں بھی کھانے پینے کا انتظام بہت تھا۔ میں رات کو بارہ بجے رخصت لے کر ہوٹل چلا آیا۔ پروگرام غالباً ½ ۱۲ بجے تک جاری رہا۔

۱۰ر فروری ۵۱ء
سنیچر

۸ بجے صبح کو یوگیا کارتا سے موٹر پر روانہ ہوئے اور گیارہ بجے سولو پہنچے۔ یہ بھی وسط جاوا کا ایک ایک بہت مشہور شہر ہے۔ یہاں ایک میونسپلٹی بھی ہے۔ اس میونسپلٹی کا دفتر پچھلے فسادات کے زمانہ میں برباد کر دیا گیا تھا، اس لئے آج میونسپلٹی کی طرف سے ایک دوسری جگہ ہمارا خیر مقدم کیا گیا۔ خیر مقدم کے بعد اس ضلع کے حکام کے ساتھ چند تحصیلوں اور مواضعات کے دورہ پر نکلے اور ماس ایجوکیشن کے مراکز کا معائنہ کرکے ہوٹل آئے اور لنچ کے بعد پھر دیہاتوں کے دورہ پر نکلے۔

آخری دیہات کے معائنے کے لئے غالباً ۵ اور ۶ بجے کے درمیان کا وقت رکھا گیا تھا۔ لیکن کچی سڑک تھی، بارش کی وجہ سے کیچڑ بہت تھا۔

ہمارے قافلہ کی سربراہ جیپ اس میں اٹک گئی اور سواریوں پر آگے جانا ناممکن نظر آیا اس لئے پیدل روانہ ہوئے۔ خیال تھا کہ فاصلہ زیادہ نہیں ہے انسپکٹر صاحب نے بھی ہمیں یہی یقین دلایا لیکن چلتے چلتے جب رات کے آٹھ بج گئے تو معلوم ہوا کہ بس تھوڑی دور اور۔۔۔ اتنے میں بارش بھی شروع ہو گئی۔ لیکن خدا کے فضل سے بوندا باندی رہی اس لئے زیادہ نہیں بھیگے۔ کیچڑ نے البتہ جوتوں اور ٹخنوں سے اوپر گھٹنوں تک چھینٹے مارے اس طرح ماندہ اور درماندہ رات کو تقریباً ۹ بجے ہم لوگ دیہات پہنچے وہاں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہفتوں سے ہمارے استقبال کا انتظام تھا۔ ضلع کے حکام سب موجود تھے۔ اسکاؤٹس کا خاص اہتمام تھا، جادوی سازوں اور سازندوں کا بھی انتظام تھا۔ آس پاس کے دیہاتوں کے لوگ بھی سب جمع تھے اور باوجود بارش کے قطار در قطار ہمارے استقبال کے لئے کھڑے تھے، دیہات پہنچکر پہلے ماس ایجوکیشن کے مراکز اور درسی حلقوں کا معائنہ کیا۔ ہم لوگوں کی حالت تو بہرحال قابل دید تھی لیکن جو لوگ گھنٹوں سے ہمارے انتظار میں اپنی جگہ راہ تک رہے تھے اور ہمیں غالباً کوس رہے تھے، ان کی حالت بھی ہم لوگوں سے کم قابلِ رحم نہ تھی۔

معائنہ کے بعد پھر ہمارے استقبال میں ایک جلسہ باقاعدہ منعقد ہوا۔ خیر مقدم کی نظمیں ترنم کے ساتھ سنائی گئیں۔ اس کے بعد تقریروں کا سلسلہ شروع ہوا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک بار تقریر شروع کر دینے کے بعد اس کا ختم کرنا ہر شخص کے لئے مشکل ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ زبان خود جواب دے دے۔!

رات کو ساڑھے گیارہ بجے کسی نہ کسی طرح یہ تقریب ختم ہوئی۔ لیکن اس دوران میں ہمارے موٹر اور جیپ کسی دوسرے راستہ سے اس دیہات تک پہنچ گئی تھیں اور ان سواریوں پر ہم لوگ بعجلت شہر لوٹے جہاں ہمارے لئے میونسپل کمیٹی کی طرف سے ایک خاص جلسہ ناچ اور گانے کا رکھا گیا تھا۔ ہم لوگوں کا انتظار کر کے محفل شروع کرادی گئی تھی چنانچہ واپسی میں ہم لوگ سیدھے تھیٹر ہال پہنچے۔ ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ہم لوگوں کے لئے جگہ خالی رکھی گئی تھی۔ اس لئے بیٹھنے کو جگہ مل گئی۔

مہابھارت کے کسی قصہ کو اس تماشہ میں پیش کیا گیا تھا۔ یہ تماشہ مکالمے، ناچ، گانے، ڈرامے اور آرکسٹرا کا مجموعہ تھا بالکل اسی ڈھنگ کا جیسے ہمارے یہاں رام لیلا ہوتی ہے۔ جن لوگوں نے اس میں حصہ لیا ان کی تعداد سب ملا کر پچاس سے کم نہ تھی۔ مکالمے اور گانے سب جاوی زبان میں تھے۔ لباس قدیم ہندوستانی تھا۔

میونسپل کمیٹی کے ایک عہدہ دار میرے قریب ہی بیٹھے تھے اور انھیں یہ غلط فہمی تھی کہ اپنے ملک کے مشہور افسانے کے اس قصہ کو جو یہاں ہر شخص کو زبانی یاد ہے میں بھی خوب سمجھ رہا ہوں اور لطف لے رہا ہوں انھوں نے ازراہِ عنایت ڈرامے کا خلاصہ بھی میرے لئے انگریزی میں ٹائپ کرا دیا تھا میں نے اس خلاصے کے سہارے سے قصہ کو سمجھنے کی بار بار کوشش کی، مگر کہیں سے اس کا سرا نہ پکڑ پایا۔ مجھے اپنی ناواقفیت اور جہالت پر شرم بھی آئی اور افسوس بھی ہوا۔ ایک بجے محفل ختم ہوئی۔ ہوٹل آئے اور کھانا کھا کر سو رہے۔

۱۱ر فروری ۶۱ء :- صبح ۹ بجے ناشتہ کرکے سولو سے نکلے، راستہ میں مادیون اور ایک اور جگہ ٹھہرتے ہوئے شام ۵ بجے "تلنگنگ" TULANGUNG پہنچے اور اسی وقت سامان کے ساتھ دیہاتوں کے دورہ پر نکلے۔ رات کو آٹھ بجے تلنگنگ واپس آئے۔ کھانا کھایا۔ اور پھر کارکنوں کے ایک جلسہ میں چلے گئے۔ مجمع زیادہ نہ تھا لیکن جو لوگ جمع ہو گئے تھے ان سب لوگوں کو تقریر کرنے کا شوق تھا۔ خوب خوب تقریریں ہوئیں اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ماس ایجوکیشن کا پروگرام زیر تنقید ہے، ہمارے ساتھی اور ماس ایجوکیشن کے چیف مسٹر سداریون تمام اعتراضات لکھتے جاتے تھے اور ہر تقریر کے بعد اپنا جواب بھی دے دیتے تھے لیکن مجھے محسوس ہوا کہ اس طرح تو شاید ساری رات بھی یہ مباحثہ اور مذاکرہ ختم نہ ہوگا۔ اس لئے مسٹر سداریون سے میں نے درخواست کی کہ پہلے سب لوگوں کو اعتراضات کر لینے دیجئے، تقریر کر لینے دیجئے اور آخر میں سب کا جواب دیجئے شکریہ کا بھی اور شکایت کا بھی۔ اس تدبیر کو اختیار کرنے کے بعد بھی ۱۲ بجے یہ محفل ختم ہوئی۔ میں تو کچھ سمجھ نہ پایا کہ کوئی اختلاف رائے تھا اس پر تبادلۂ خیالات ہوا۔ مقصد صرف اپنے خیالات سے مستفید فرمانا تھا۔

جس طرح ہمارے یہاں "بھائیو! اور بہنو!" کی تکرار اور طرز خطابت کا ہر تقریر میں زور ہوتا ہے اور ہر دو جملوں کے بعد یہ الفاظ کبھی گھبراہٹ میں اور کبھی خیالات الجھ جانے کی وجہ سے بار بار دہرائے جاتے ہیں، اسی طرح یہاں بھی "سدارا سدارا سکھا لیاں" تقریباً انھیں معنوں میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ سدارا کے معنی ہیں "دوست" اور واحد سے جمع بنانے کا قاعدہ یہاں یہ ہے کہ اسی لفظ کی تکرار کر دی جاتی ہے سکھا لیاں کے معنی ہیں "جمیع یا سب"۔

۱۲ر فروری ۶۱ء :- تلنگنگ سے صبح سویرے ناشتہ کے بعد "بلٹر" روانگی ہوئی۔ یہ یہاں کی ایک بہت اچھی اور بڑی میونسپلٹی ہے، اچھا اور صاف ستھرا شہر ہے۔ میونسپلٹی کے چیرمین نے کمیٹی کے دفتر میں ہمارا خیر مقدم کیا۔ کچھ تبادلہ خیالات اور خاطر تواضع کے بعد شہر کے تعلیمی اور سیوا سماج کے کاموں کو دیکھنے کے لئے نکلے، جیل خانے بھی گئے۔ وہاں بھی لٹریسی کے کلاس جاری تھے، اس کے علاوہ گھوم پھر کر جیل خانہ کی ورکشاپ دیکھی اور پھر باورچی خانہ بھی دیکھا۔ اپنی جیل کی زندگی یاد آگئی۔ بلٹر میں لکڑی کا کام بھی اچھا ہوتا ہے۔ اور بھی کچھ گھریلو صنعتیں ہیں پورسلین اور مٹی کے برتن بھی اچھے بنتے ہیں۔ ایک اچھا کوآپریٹیو اسٹور بھی ایک غریب بستی میں قائم ہو گیا ہے۔ یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد ایک محلہ میں ایک اور تعلیمی مرکز دیکھنے کے لئے گئے۔ اس میں سب عورتیں ہی عورتیں تھیں۔ میونسپلٹی کے چیرمین صاحب میرے پاس بیٹھے تھے انھوں نے چپکے چپکے انگریزی میں مجھ سے کچھ کہا لیکن میری سمجھ میں نہ آیا۔ لیکن وہ برابر زیر لب تبسم سے کچھ کہتے رہے لیکن اپنی بھاشا میں کہتے رہے۔ میں اس کو کیا سمجھتا، پھر شاید کسی سے پوچھ کر، سوچ کر انھوں نے مجھے بتلایا کہ سب عورتیں، رنڈیاں ہیں، پیشہ کرتی ہیں، جنگ کے زمانہ میں یہ شہر بھی سپاہیوں کی ایک بڑی چھاؤنی بن گیا تھا، اور جہاں چھاؤنی ہوتی ہے وہاں اسی قسم کا یہ طبقہ خود بخود پیدا ہو جاتا ہے۔ اب میونسپل کمیٹی کی طرف سے اس طبقہ کی اصلاح کی کوششیں کی جارہی ہیں، درسی حلقے شروع کئے گئے ہیں۔ کچھ کام دھندے سکھانے کا بھی ارادہ ہے اور پھر یہ کوشش بھی ہے کہ جن دیہاتوں سے یہ لڑکیاں بھاگ کر یہاں آئی تھیں پھر ان کے گھروں کو واپس پہنچا دیا جائے۔ ارادہ بڑا نیک ہے خدا کرے اس میں

رُورَل انسٹی ٹیوٹ کا دوسرا بازو

ایک تجویز

مئی ۱۹۵۴ء میں جب حکومتِ ہند کی مقرر کی ہوئی ڈنمارک ٹیم نے ڈنمارک اور سوئڈن میں تین مہینے قیام کر کے ان ملکوں کے دیہی تعلیمی نظام کا مطالعہ کیا تھا، اس وقت انٹرنیشنل پیلپز کالج کے پرنسپل ڈاکٹر پیٹر مانیگے نے ٹیم کے ممبروں کے سامنے ایک اسکیم پیش کی تھی جس کا عنوان تھا" اعلیٰ تعلیم کے دیہی ادارے" (رُورَل انسٹی ٹیوٹ آف ہائر اسٹڈیز)۔ یہ وہ وقت تھا جب ہندوستان میں رورل انسٹی ٹیوٹ قائم کرنے کی غرض سے تحقیقات اور سوچ بچار ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر مانیکے اس سے کچھ عرصہ پہلے ہندوستان آچکے تھے اور بہار میں بیسک اور سوشل ایجوکیشن کے پروگراموں کا مطالعہ کیا تھا۔ انھوں نے یہ اسکیم اسی مطالعے کی بنیاد پر مرتب کی تھی۔

اس اسکیم میں موصوف نے رُورل انسٹی ٹیوٹ آف ہائر اسٹڈیز کے دو بازو یا پہلو تجویز کئے تھے۔ ایک وہ جس کے مطابق آج ہندوستان میں دس مقامات پر رورل انسٹی ٹیوٹ قائم ہیں اور جن میں میٹرک یا انٹرمیڈیٹ پاس نوجوان داخل کئے جاتے ہیں اور دوسرا وہ جس میں کم پڑھے لکھے بالغوں کو تعلیم کے ایک خاص معیار تک پہنچانے کے بعد داخل کیا جانا تھا۔

ذیل میں ہم اسی اسکیم کے اسی دوسرے بازو کا تعارف شائع کر رہے ہیں، جس کی طرف یا تو یہ ہو سکتا ہے کہ رورل انسٹی ٹیوٹ کے معنوں کا لحاظ نہیں گئی اور وہ اب تک تاریکی میں ہے یا پھر اسے کسی وجہ سے نظر انداز کر دیا گیا ہے

——————— (ایڈیٹر)

تمہید

اعلیٰ تعلیم کے اس مجوزہ دیہی ادارے کا رنگ روپ ایک اقامتی ادارے کا ہوگا جہاں بیشتر طلباء و اساتذہ ایک ساتھ

رہنے سہنے والی برادری کی طرح ساتھ ساتھ زندگی گذاریں گے۔ ڈنمارک کے فوک ہائی اسکولوں کی طرح یہ ادارہ (رورل انسٹی ٹیوٹ) ہماری اصلاح کے مطابق ہندوستان کے نوجوانوں کا آکسفورڈ اور کیمبرج ہوگا

مقاصد

اس ادارے کے مقاصد ہوں گے (۱) گاؤوں میں علم و فن اور تہذیب و تمدن کی اعلیٰ فضا تیار کرنا (۲) گاؤں والوں کو کالج کے معیار کی تعلیم بہم پہنچانا خصوصاً ایسے علوم میں جن کا گاؤں کے مفاد اور مسائل سے براہِ راست تعلق ہو۔ (۳) بالغوں کی شخصیت کی چو طرفہ اور ہمہ گیر نشو و نما کرنا اور سب سے اہم بات یہ کہ (۴) گاؤں والوں کو گاؤں سے اکھاڑے بغیر تعلیم یافتہ اور مہذب بنانا۔ (گاؤں سے اکھاڑنے کی بات کلیے کے طور پر نہیں کہی گئی ہے۔ چند مستثنیات یقیناً ہوں گی جن میں صورت یہ ہوگی کہ کچھ لوگ یونیورسٹیوں کی اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے اپنے روزگار کے لئے دوسرے موقعے تلاش کریں گے اور زمین کے اوپر آبادی کے غیر معمولی دباؤ اور انحصار کو دیکھتے ہوئے یہ ایک حد تک ضروری بھی ہے)

انسٹی ٹیوٹ کے دو بازو

۱۔ عوامی کالج یا لوک ودیا پیٹھ:۔ عوامی کالج (پیپلز کالج) اور اس سے نیچے کے ادارے (جن کی تفصیل آگے آئے گی) سترہ اٹھارہ سال سے اوپر کے بالغوں کی تعلیم کا بندوبست کریں گے۔ یعنی ایسے لوگوں کی تعلیم جو پہلے سے کسی نہ کسی پیشے (کھیتی یا زراعت سے متعلق کوئی اور دیہی پیشہ) سے لگے ہوئے ہیں۔ یہ کالج ان لوگوں کو زراعت کے ترقی یافتہ طریقوں اور جدید قسم کے آلات و اوزار کے استعمال کی ٹریننگ دینے کے ساتھ ساتھ اچھی زندگی گذارنے کی تربیت بھی دے گا اور یہ تربیت ان لوگوں کے لئے مؤثر ثابت ہوگی اس لئے کہ وہ روزگار حاصل کرنے کے افکار و مصائب سے آزاد ہوں گے۔ اپنے مقصد کی نوعیت کے پیشِ نظر اس کالج کی تعلیم جانچ اور امتحانات کی مشکلات سے پاک ہوگی۔

۲۔ اعلےٰ تعلیم کا دیہی کالج:۔ اعلیٰ تعلیم کے اس کالج کا زور تحصیل علم اور پیشہ ورانہ مہارت کے حصول کے اوپر ہوگا تاکہ یہاں سے نکلے ہوئے گریجوایٹ روزگار حاصل کر سکیں۔ چونکہ یہاں مخصوص علوم میں خصوصی مطالعے پر زور دیا جائے گا جس کے لئے امتحانات ضروری ہوتے ہیں اس لئے اس کالج میں امتحانات کا رواج بھی ہوگا تاکہ ان کے ذریعے تعلیم کا معیار قائم رہے اور ذہن و دماغ کی تربیت یقینی ہو جائے۔

ان دونوں اداروں کی توجہ بیدار اور سرگرمیوں پر ہوگی تاکہ ان کے ذریعے طلبا میں تعمیری نقطۂ نظر کی نشو و نما ہو سکے۔

اعلیٰ تعلیم کے مجوزہ دیہی ادارے کے ان دونوں بازوؤں کے ساتھ ساتھ چلنے کا نتیجہ صرف یہی نہیں ہوگا کہ ان کے طلبا میں رفتار

اور اعلیٰ خیالی پیدا ہوگی —— جو بالغوں کی تعلیم کے کم معیار مرکزوں میں مفقود نظر آتی ہے —— بلکہ اس ارتباط اور اتحاد سے اُس خلیج کو پاٹنے میں بھی مدد ملے گی جو یونیورسٹیوں کی تعلیم پائے ہوئے تعلیم یافتہ لوگوں اور ان پڑھ اور نیم تعلیم یافتہ عوام کے درمیان حائل ہوگئی ہے —— اور یہ وہ چیز ہے جو جمہوریت کی تعلیم دینے والے کسی بھی تعلیمی نظام کے لئے سنگِ بنیاد کا درجہ رکھتی ہے۔

سچ یہ ہے کہ رورل انسٹی ٹیوٹ کے وسیلے سے ایک ہی گھر میں تعلیم کے دو نظاموں کے درمیان ربط پیدا کیا جائے گا یعنی کسانوں اور گاؤں کے دوسرے پیشہ وروں کی عام تعلیم اور دیہی خدمات میں عہدے سنبھالنے اور گاؤں کی ترقی کے کام میں سرداری کی ضرورت کو پورا کرنے کی غرض سے نوجوانوں کی یونیورسٹی کے معیار کی تعلیم۔ اس تعلیمی ربط و اتحاد سے یونیورسٹی کی تعلیم پائے ہوئے گریجوایٹوں کے اندر علیحدگی کا جو رجحان پیدا ہوگیا ہے —— اور جو نتیجہ ہے اس بات کا کہ گاؤں کی زندگی سے اُن کا کوئی واسطہ رہ نہیں جاتا —— اس کو اور آگے بڑھنے سے روکا جاسکے گا۔

"انسٹی ٹیوٹ کم و بیش سو ایکڑ کے ایک فارم کے بیچوں بیچ واقع ہوگا جس میں ایک ڈیری اور اس سے متعلق دوسرے حرفوں کے کارخانے وغیرہ ہوں گے۔ اس کا منشا انسٹی ٹیوٹ کے آس پاس کے علاقے کے لئے نمونے کا فارم قائم کرنا اور اس کی پیداوار اور سرگرمیوں کو بالغ عوام کی عام تعلیم اور نوجوانوں کی اعلیٰ تعلیم کی بنیاد بنانا ہوگا۔

ذیلی محکمے

مذکورۂ بالا دو بازوؤں کے علاوہ اعلیٰ تعلیم کے مجوزہ ادارے میں ایک سیکشن "بالغوں کے بنیادی اسکول" کے نام سے عوامی کالج کے ماتحت ہوگا اور ایک دوسرا سیکشن "اڈلٹ ایجوکیشن کے ٹریننگ کالج" کے نام سے اعلیٰ تعلیم کے دیہی کالج سے منسلک ہوگا۔

مجوزہ انسٹی ٹیوٹ اور اس کے مختلف بازوؤں اور سیکشنوں کی ترتیب کا نقشہ کچھ اس طرح کا ہوسکتا ہے۔

اُونچی تعلیم کا دیہی انسٹی ٹیوٹ

اعلیٰ تعلیم کا دیہی کالج — اڈلٹ ایجوکیشن کا ٹریننگ کالج

عوامی کالج یا لوک ودیا پیٹھ — بالغوں کا بنیادی اسکول

بالغوں کا بنیادی اسکول

اس اسکول کی ضرورت نتیجہ ہے اُس کمی کا جو ہندوستان میں لازمی ابتدائی تعلیم کا رواج نہ ہونے سے پیدا ہوئی ہے اور جو

ڈنمارک میں ۱۸۱۴ء سے موجود تھی یعنی جب پہلا عوامی کالج وہاں قائم ہوا ہے اس سے تیس سال پہلے سے۔ لازمی ابتدائی تعلیم کی مدت تک یعنی ۱۴ سال کی عمر تک تعلیم پانے کے بعد ڈنمارک کا کسان کم سے کم چار سال تک کسی منجھے ہوئے کسان یا دوسرے کسی پیشے کے ماہر کے پاس اپرنٹسی کرتا تھا اور اس کے بعد چار یا پانچ مہینے کسی فوک ہائی اسکول میں قیام کرکے اعلیٰ تہذیبی تعلیم حاصل کرتا تھا اور اس طرح اپنے تعلیمی معیار کو بڑھاتا تھا۔ فوک ہائی اسکول میں زندگی اور اس کے مسائل کو سمجھنے کے مواقع موجود تھے جن سے وہ بخوبی مستفید ہوتا تھا۔

یہ فوک ہائی اسکول یا عوامی کالج اُسے اچھا کسان اچھا انسان اور اچھا شہری بنا کر واپس بھیجتے تھے اور یہ خدمت وہ کچھ اس طرح انجام دیتے تھے کہ اُن کی آغوش میں آنے والا شخص اپنے فارم اور اپنی زمین کو خیرباد نہیں کہتا تھا بلکہ اس کے برعکس اُسے اس سے اور زیادہ لگاؤ ہو جاتا تھا۔ اس وقت کیفیت یہ ہے کہ ملک کی قانون ساز جماعت کے تیس فی صدی سے زیادہ ممبر اور کواپریٹیو سوسائٹیوں کے تقریباً ۹۰ فی صدی لیڈر انہی فوک ہائی اسکولوں کے قدیم طلبا رہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان فوک ہائی اسکولوں کی بدولت ڈنمارک کے دیہات تہذیبی اور اقتصادی دونوں حیثیتوں سے ویران ہونے سے بچ گئے۔ مگر اسی کے ساتھ ایک بہت ہی اہم بات یہ ہے کہ تعلیم بالغان کے اس نظام سے کئی دہے (ڈیکیڈ) پہلے سے لازمی ابتدائی تعلیم کا چلن عام ہو چکا تھا۔

لیکن ہندوستان جیسے ملک میں جہاں اب بھی ناخواندگی کا اوسط اسّی فی صدی سے زیادہ ہے، تعلیم بالغان کی کوئی اسکیم اُس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک عوامی کالجوں میں جا کر اونچے معیار کی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے خواندگی کی منزل سے گذرنے اور ابتدائی تعلیم کے ایک خاص معیار تک پہنچنے کے لئے کوئی مستقل ٹھکانہ نہ ہو جائے یہ ٹھکانہ یہی "بالغوں کا بنیادی اسکول" ہو سکتا ہے جو ہماری رائے میں اعلیٰ تعلیم کے اعلیٰ انسٹی ٹیوٹ کا ایک لازمی جزو ہونا چاہیے۔

بالغوں کے اس بنیادی اسکول میں ایسا بندوبست ہوگا کہ بالغوں کے لئے تین سال تک ہر سال ایک ایک دوماہی یا تماہی کورس چلائے جائیں گے۔ یہ کورس شروع تو ہوں گے خواندگی سے مگر ان کی منزل ہوگی تیسرے سال کے آخر میں عام تعلیم کا وہ معیار جو موجودہ مڈل جماعت کے معیار سے بہت اونچا ہوگا۔ اس حیثیت سے اس اسکول میں ایسے منتخب کسان لئے جائیں گے جو تعلیمی معیار کے اعتبار سے ناخواندہ یا نیم خواندہ ہوں گے اور جن کے سامنے اس تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اپنے کھیتوں میں واپس جانے کے علاوہ اور کوئی نقشہ نہیں ہوگا۔ ان منتخب کسان طالب علموں میں سے بعض ایسے ہو سکتے ہیں جو مڈل تک کی تعلیم پہلے ہی پا چکے ہوں گے انھیں ملا کر ایک الگ گروپ بنایا جا سکتا ہے تاکہ جتنی تعلیم وہ حاصل کر چکے ہیں، اس سے اونچے معیار کی تعلیم مزید حاصل کر لیں۔

اس اسکول کے نصاب میں ناخواندگی، مبادی تاریخ، مختلف مذہبوں اور تہذیبوں کا تقابلی مطالعہ، جنگلات کا علم، ضبط تولید مدنیات، اصولِ صحت و صفائی، زراعت، حیوانیات، مویشیوں کی افزائشِ نسل، اور چند دستکاریاں شامل ہوں گی۔ ان طلبا میں سے جو لوگ دوسرے سال دوسرے کورس کے لئے آنا چاہیں گے، ان کے لئے ان کے معیار کے مطابق تعلیم دینے کا بندوبست ہوگا۔ غرض بالغوں کے اس

بنیادی اسکول میں تین مختلف درجوں کے نصاب کی تعلیم کا بندوبست ہوگا جو مختلف معیاروں پر پورا اترنے والے بالغ طالب علموں کو دی جائے گی۔ اگر کوئی کسان پہلے سال کا نصاب ختم کرنے کے بعد دوسرے سال درجہ دوم کے نصاب کے لئے اور تیسرے سال آخری نصاب کو پورا کرنے کے لئے آنا چاہے گا تو خوشی کے ساتھ آسکے گا اگرچہ تینوں سال وہ اسکول میں دو ہی تین مہینے تک رہے گا۔

اس اسکول کے طالب علموں کو تینوں سال کا نصاب پورا کرنے یا بجانے کی غرض سے وظیفے بھی دیئے جاسکیں گے بشرطیکہ وہ اسکول چھوڑنے کے بعد دوسرے اور تیسرے سال پابندی سے تعلیم کو جاری رکھے۔ یہ طلبار چونکہ مدتِ تعلیم تک انسٹی ٹیوٹ کی عمارت ہی میں قیام کریں گے اس لئے امید ہوتی ہے کہ وہ اس کی تہذیبی اور خاندان نما زندگی سے بڑی حد تک متاثر ہوں گے۔

بالغوں کے اس بنیادی اسکول میں امتحان نہیں لئے جائیں گے۔ البتہ یہ دیکھنے کے لئے کہ طالب علم نے پڑھائی لکھائی اور دوسرے مضامین میں ترقی کر لی ہے یا نہیں کچھ زبانی جانچ ہو جایا کرے گی۔ تعلیم کے دوران میں زیادہ سے زیادہ زور دکھا سنا کر تعلیم دینے کے طریقوں اور زبانی تقریروں پر دیا جائے گا۔

اس اسکیم کی کامیابی کی ایک اہم شرط یہ ہے کہ حکومت کم سے کم اس مخصوص علاقے میں جہاں مجوزہ انسٹی ٹیوٹ قائم ہو، لازمی ابتدائی تعلیم کا بندوبست کردے تاکہ ان پڑھوں کی موجودہ تعداد میں مزید اضافہ نہ ہونے پائے۔ ہوسکتا ہے کہ لازمی ابتدائی تعلیم کے لئے قانون بنانے میں مشکلات پیش آئیں اس لئے مناسب ہوگا کہ قانون بننے کے وقت تک مجوزہ انسٹی ٹیوٹ کے آس پاس کے تیس چالیس گاؤوں میں جن کی آبادی پانچ سو کے لگ بھگ ہو ایک ایک ابتدائی اسکول قائم کر دیا جائے اور انسٹی ٹیوٹ اور مقامی حکومت کا یہ فرض قرار دیا جائے کہ وہ اسکول جانے کی عمر کے ہر بچے اور بچی کو اس کے گاؤں کے قریب ترین اسکول میں بھجوانے کا بندوبست کرے۔

عوامی کالج یا لوک ودیا پیٹھ

مجوزہ انسٹی ٹیوٹ کا عوامی کالج اپنے طلبار کو اڈلٹ ایجوکیشن کے اونچے معیار کی تعلیم دے گا اور جن طلبار نے اطمینان بخش طور پر اپنی تعلیم پوری کی ہوگی انھیں سرٹیفکیٹ بھی عطا کرے گا۔ تعلیم کے اصول اور طریقے میں یہ کالج ڈنمارک کے فوک ہائی اسکولوں کے نمونے پر کام کرے گا اور ایک حد تک اعلیٰ التعلیم کے دیہی کالج کے نصاب تعلیم پر اثر انداز ہوگا۔ اس عوامی کالج میں آنے والے طلبار کے دو ماخذ ہوں گے۔ ایک بالغوں کا بنیادی اسکول اور دوسرا موجودہ سکنڈری اور پوسٹ بیسک اسکول۔ اس کالج کے [illegible] میں کثرت سے ایسے ہوں گے جو ہائی اسکولوں کی اونچی جماعتوں تک پڑھے اور بعض حالتوں میں میٹرک کا امتحان بھی پاس کر لے [illegible] اپنے پیشے میں مصروف ہو چکے ہوں گے۔ اپنے زندگی کے تجربے کی بدولت یہ "پڑھے لکھے کسان" نسبتاً زیادہ کامیابی سے اس علم اور معلومات کو ہضم کرسکیں گے جو ان کے سامنے مختلف مضامین اور خیالات و نظریات کے ایک مجموعے کی شکل میں پیش کی جائے گی۔ عوامی کالج میں یونیورسٹی

کے ایسے گریجویٹ بھی داخلہ لے سکیں گے جو سرکاری یا دوسرے غیر سرکاری دفتروں میں مخصوص کاموں پر مامور ہو چکے ہوں۔ ان کے لئے عوامی کالج کی تہذیبی تعلیم صحت مند نقطۂ نظر اور اچھی سیرت کی تعمیر کے لئے کارآمد ثابت ہوگی۔

عوامی کالج کے نصاب تعلیم کا تعین اس کے طالب علموں کی عام ضرورتوں کی بنیاد پر کیا جائے گا، لیکن اس میں وہ مضامین بہرحال ہوں گے جو اعلیٰ تعلیم کے دیہی کالج میں شریک نصاب ہوں گے۔ یہاں اکتساب علم کے سلسلے میں اس نظریئے پر زور نہیں ہوگا جو عموماً اسکولوں اور کالجوں میں رائج ہوتا ہے۔ عوامی کالج کے استاد کا کام یہ ہوگا کہ وہ اپنے طلبار کے سامنے زیر بحث مضمون سے متعلق مختلف خیالات و نظریات کا ملا جلا نقشہ پیش کرے مگر اسے کسی حالت میں اصلیت اور حالات و واقعات کے غیر جانب دارانہ تجزیئے سے الگ نہ ہونا چاہیئے۔ اسی کے ساتھ پڑھائی کے اس طریقے میں اسے یہ خیال بھی رکھنا ہوگا کہ یہ نصاب کل تین مہینے کی محدود مدت میں پورا کرنا ہے۔

عوامی کالج اور بالغوں کے بنیادی اسکول میں تہذیبی تعلیم کا ایک نہایت اہم حصہ موسیقی ہونا چاہیئے جس میں قومی اور لوک گیت بھی شامل ہوں۔ اس کے علاوہ کھیل کود اور تربیت جسمانی، نوجوان برادری، ڈراما کلب اور اسی طرح کی اور چیزیں بھی تہذیبی تعلیم کے نصاب میں شامل کی جا سکتی ہے۔

بالغوں کے بنیادی اسکول کی طرح عوامی کالج کے ایک دور کی مدت تعلیم بھی تین مہینے کے لگ بھگ ہونی چاہیئے۔ جس وقت کالج کا کسان طالب علم کالج کی پڑھائی پوری کر کے واپس جانے والا ہو، اس وقت اُسے تھوڑی سی گرانٹ یا قرض بھی دینا چاہیئے جو زراعت کے ترقی یافتہ اوزاروں کی شکل میں ہو سکتا ہے یا اچھے بیج کی شکل میں یا زمین کو زرخیز بنانے والی کیمیاوی کھاد کی شکل میں۔ اس کا مقصد یہ ہوگا کہ جو کچھ اس نے کالج میں پڑھا ہے اور کام کر کے سیکھا ہے اسے آیندہ جاری رکھنے میں اس کا حوصلہ بڑھے۔ اس کے علاوہ اسے یہ آزادی بھی ہونی چاہیئے کہ اگر وہ دوسرے اور تیسرے سال بھی دوسرے اور تیسرے دور کی پڑھائی کے لئے آنا چاہے تو خوشی اور آسانی کے ساتھ آ سکے۔

عوامی کالج کو تعلیمی اداروں کے عام معمول کی طرح پورے سال کام کرنا ہوگا۔ وہ کسی مختصر کورس کی درسگاہ نہیں ہوگی کہ اپنا کام اس وقت شروع کرے جب اعلیٰ تعلیم کے دیہی کالج میں چھٹیاں ہو جائیں۔ اس کے برعکس اس کے سال میں تعلیم کے تین تین مہینے کے تین دور ہوں گے۔ مجوزہ رورل انسٹی ٹیوٹ کے ان دونوں بازوؤں کے تعلیمی دور کا ساتھ ساتھ منعقد ہونا ان کے درمیان ربط و اتحاد قائم رکھنے کے لئے بے حد ضروری ہے۔ اس کے علاوہ دونوں کے ایک ساتھ کام کرنے کا یہ بھی فائدہ ہوگا کہ استادوں کی ایک ہی جماعت دونوں جگہ تعلیم دے سکے گی بالخصوص جب [illegible] ماہر اساتذہ تھوڑے وقت کے لئے لیکچر دینے آتے ہیں۔ ان کے لیکچروں سے دونوں کو مستفید ہونے کا موقع ملے گا۔ ایک [illegible] نصاب میں ناخواندوں کے ساتھ ساتھ کام کرنے کا یہ ہوگا کہ جب فصل پر دیہی کالج کے زراعتی فارم میں عملی تعلیم دی جائے گی اور مختلف قسم کے مظاہرے کئے جائیں گے اُس وقت عوامی کالج کے طلبار بھی اس تعلیم اور مظاہروں سے استفادہ کر سکیں گے۔ یہ فائدہ اس صورت میں حاصل نہیں ہوگا جب سوکھے زمانے میں دیہی کالج کے بند ہو جانے پر عوامی کالج اپنا تعلیمی دور

شروع کرے گا۔ رورل انسٹی ٹیوٹ کی مثال دراصل ایک سماجی تجربہ گاہ کی ہوگی اور یہاں جو تجربے کئے جائیں گے وہ ہماری یونیورسٹی کی اعلیٰ تعلیم کی پالیسی کے تعین میں مشعلِ راہ کا کام دیں گے۔

ان دونوں کالجوں کے تعلیمی دور کا ساتھ ساتھ چلنا مالی نقطۂ نظر سے بھی سستا ہی پڑے گا۔ عوامی کالج میں ظاہر ہے سرِ دست ایک ہی زبان کی تعلیم دی جائے گی، اس لئے اس زبان کا دیہی کالج کا استاد اگر ہفتے میں دو یا تین پیریڈ اس مقصد کے لئے دے ——— جو وہ آسانی سے دے سکے گا ——— تو عوامی کالج کا کام آسانی سے چل جائے گا۔ مخصوص حالات میں یہ بھی ممکن ہے کہ عوامی کالج کے لئے عارضی طور پر ایک آدھ استاد مقرر کرنے پڑیں مگر اوپر جو ترکیب بتائی گئی ہے، وہ اس سے کہیں اچھی رہے گی کہ چھٹیوں کے زمانے میں کچھ اساتذہ کو عوامی کالج میں پڑھانے کے لئے مجبور کیا جائے۔ اس جبر سے یہ بھی اندیشہ ہے کہ چھٹیوں میں کام کرنے سے ایسے اساتذہ کی کارکردگی کے اوپر برا اثر پڑے۔

تعلیم بالغان کا ٹریننگ کالج

رورل انسٹی ٹیوٹ کے ٹیچر ٹریننگ کالج کی مدت تعلیم نو مہینے سے کچھ اوپر ہوگی۔ اس کالج میں اصول تعلیم اور زمانۂ جدید کے نئے نئے تعلیمی نظریات سے تو واقف کرایا ہی جائے گا۔ اسی کے ساتھ یہ ادارہ اڈلٹ ایجوکیشن کے باب میں کارآمد اصول اور طریقے ایجاد کرنے پر بطورِ خاص زور دے گا۔

یہ کام ابتدا میں اعلیٰ تعلیم کے دیہی کالج میں ایک شعبۂ تعلیمات قائم کر کے انجام دیا جا سکتا ہے۔

نوٹ: - رورل انسٹی ٹیوٹ کی اس مجوزہ اسکیم کا دوسرا حصّہ "اعلیٰ تعلیم کے دیہی کالج" سے متعلق ہے۔ اس حصے کی اشاعت ضروری نہیں ہے اس لئے کہ اس میں کم و بیش وہی باتیں کہی گئی ہیں جو رورل انسٹی ٹیوٹ کی موجودہ شکل میں ہیں۔ ——— ایڈیٹر

گاؤں کی بہبود کا کام اور کارکن

(اُستادوں اور شاگردوں کے درمیان تبادلۂ خیال)

جامعہ رورل انسٹی ٹیوٹ کے استاد پروفیسر کے۔پال نے ہماری درخواست پر سماجی کام (سوشل ورک) سماجی تعلیم (سوشل ایجوکیشن) اور سماجی بہبود (سوشل ویلفر) کے موضوع اور منصب پر بحث کرتے ہوئے نہایت دلچسپ انداز میں اپنا نقطۂ خیال پیش کیا ہے۔ مقالہ کسی قدر طویل ہو گیا اس لئے ہم اسے دو مسلسل قسطوں میں شائع کر رہے ہیں۔

——————— ایڈیٹر

استاد :- مجھے خوشی ہے کہ آپ لوگ رورل انسٹی ٹیوٹ میں اپنی مدت مطالعہ کے آخری مراحل پر پہنچ گئے ہیں۔ آیئے ذرا پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھیں اور اندازہ لگائیں کہ ہم نے گذشتہ تین سال میں کیا کچھ حاصل کیا۔

ایس۔سی۔ شرما :- جناب والا، ہمارے آخری امتحانات عنقریب منعقد ہونے والے ہیں۔ ان امتحانات کا نتیجہ خود بتا دے گا کہ ہم میں سے کن کن لوگوں نے فائدہ اٹھایا ہے اور کس مقدار میں،

دوسرے طلباء :- (ایک ساتھ) نہیں نہیں ہرگز نہیں۔

استاد :- بھئی دیکھئے، یہ صحیح نہیں۔ یہ بات میں آپ لوگوں سے اُسی دن سے کہتا آ رہا ہوں جب آپ لوگ پہلے سال داخل ہوئے تھے یعنی یہ کہ اگر آپ کو کچھ کہنا ہو تو ایک ایک کرکے اپنی باری پر کہنا چاہیئے یہ نہیں کہ سب کے سب ایک ہی ساتھ بولنے لگیں۔

چھوٹے لال :- ماسٹر صاحب ہم لوگ یہاں جو کچھ سیکھتے تھے اُسے عملاً برتتے بھی تھے اور اس عمل سے ہم نے بہت کچھ اپنی اصلاح کر لی ہے۔ اور یہ ابھی جو بات ہو گئی وہ دراصل مظاہرہ تھا اس بات کا کہ جو کچھ ہم سمجھے ہیں، اُسے پُرزور طریقے پر کہنا تھا۔ غالباً شرما جی اس وقت موجود نہیں تھے جب آپ نے آئنسٹین کا مضمون "امتحانوں کی مصیبت" (از ڈاکٹر ایچ بے۔ ٹیلر) سنا رہے تھے۔ یہ واقعہ ہے کہ طالبعلم کسی تعلیمی ادارے میں رہ کر جو کچھ حاصل کرتا ہے، اس کا پورا پورا اندازہ امتحانات کے ذریعے نہیں ہو سکتا۔ ان سے حصولِ علم کے فقط ایک حصے کی پیمائش ممکن ہوتی ہے۔

چمن لال :- پھر پروفیسر صاحب ہم نے رورل انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ ہی اس مقصد سے کب لیا تھا جس مقصد سے لوگ عموماً عام کالجوں میں داخلہ لیتے ہیں۔ وہاں لوگ امتحان پاس کر کے ڈگری لینے کی غرض سے جاتے ہیں اور تعلیم بھی انھیں وہ ملتی ہے جسے عام تعلیم کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہاں ہم لوگوں کو گاؤں کی بہبود کے کاموں میں حصہ لینے کے لئے تیار کیا جاتا ہے جس کے لئے اگر ضرورت ہوتی ہے تو چند دنوں کا ایک کورس چلا کر کام کی نوعیت سے روشناس کرایا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر ہم لوگ دفتروں میں کام کرنے کے لئے درخواست بھیجیں تو ہمیں جواب ملتا ہے ــــــ اور صحیح جواب ملتا ہے کہ "بھئی دفتروں میں دیہات سدھار کا کام نہیں ہوتا۔

چتر ویدی :- مجھے یاد ہے کہ آج سے تین سال پہلے ۵ اگست ۱۹۵۸ء کو ہماری کلاس شروع ہوئی تھی۔ آپ نے ہم سب سے فرداً فرداً دریافت کیا تھا کہ ہم رورل انسٹی ٹیوٹ میں کیوں پڑھنا چاہتے ہیں اور پڑھائی کی بدولت ہماری کیا توقعات ہیں۔

چمن لال :- جی ہاں! اور اُس وقت ایک لڑکے نے بھی یہ نہیں کہا تھا کہ وہ امتحان پاس کر کے کوئی ڈگری لینے کی غرض سے آیا ہے۔ یہ ہمارا مقصد بھی نہیں تھا۔ اس باب میں اُس وقت ہم نے جو کچھ کہا تھا، وہ اور ہی تھا۔

اُستاد :- ٹھیک ہے۔ تو آیئے اپنی بات چیت کا سلسلہ وہیں سے شروع کریں۔ جی تو رورل انسٹی ٹیوٹ میں داخلہ لینے کا آپ کا کیا مقصد تھا اور یہ مقاصد یہاں کس حد تک پورے ہوئے؟

راشد :- پروفیسر صاحب، آپ نے اس سلسلے میں ہم سے تین نشستوں میں بات چیت کی تھی اور اس تبادلۂ خیال کے بعد آپ نے لڑکوں کے تین گروپ بنائے تھے۔ ایک گروپ میں وہ لڑکے تھے جنھوں نے نہایت صفائی کے ساتھ اعتراف کیا تھا کہ وہ رُورل انسٹی ٹیوٹ میں یہ سُن کر آئے ہیں کہ یہاں لڑکوں کو بلاک ڈیولیپمنٹ افسر بننے کے لئے تیار کیا جائے گا۔ یہ وہ لڑکے تھے جن کے والدین انھیں اونچے عہدوں پر دیکھنا چاہتے ہیں۔ بی۔ ڈی۔ او کے رعب و داب سے زیادہ اُس کی جیپ گاڑی پر اُن کی نگاہیں تھیں اور اصلیت بھی یہی ہے کہ گاؤں میں عام طور پر ایسے لوگ بہت کم ملتے ہیں جو اپنے بچوں کی اعلیٰ تعلیم کے لئے پیسے خرچ کرنے پر تیار ہوں۔ دوسرے گروپ میں وہ لڑکے تھے جنھیں آپ نے حقیقت پسند اور صائب الرائے کا لقب دیا تھا اور جنھوں نے ایک نہ ایک پیشے کے توسط سے گاؤں میں رہ کر کام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا۔ اور اس ادارے میں اُن کے آنے کی تحریک ہی انھیں اس لئے ہوئی تھی کہ انھیں گاؤں والوں سے محبت تھی اور اُن کے مسائل سے دلچسپی تھی۔ یہ نہ تو اُونچے اُونچے عہدوں کے بھوکے تھے اور نہ خیالی پلاؤ پکانے میں انھیں مزہ آتا تھا۔ یہ لڑکے دیہی اور شہری دونوں علاقوں سے آئے تھے یہ اور بات ہے کہ انھیں امتحانات میں بہت اچھے نمبر نہیں ملے ہوں گے اور نہ انجمن طلبا میں ہی کوئی عہدہ یا منصب ملا ہوگا۔ مگر اس کے باوجود یہ محنتی، دُھن کے پکے اور ثابت قدم لڑکے تھے۔ تیسرا گروپ .... معاف کیجئے، مجھے ٹھیک یاد نہیں، کس خیال کے لڑکوں پر مشتمل تھا۔

سبھاشش :۔ مجھے یاد ہے۔ یہ گروپ اُن لڑکوں کا تھا جن کے ذہن اس سلسلے میں صاف نہیں تھے۔ اُن میں سے کچھ تو تھے اصول کے تھے جن کا نظریہ یہ تھا کہ مستقبل کا فکر مستقبل کرے، ہمیں اس سے کیا لینا ہے۔ چنانچہ ان کے ذہن میں کوئی واضح نقشہ نہیں تھا۔ اس گروپ کے بیشتر لڑکے ناسازگار حالات کے تھپیڑے کھا کر ادارا انسٹی ٹیوٹ کی طرف کو آنکلے تھے۔ انھیں ڈگری کالجوں میں کچھ پیسوں کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے اور کچھ مقابلے میں جمنے کا حوصلہ نہ ہونے کے سبب سے داخلہ نہیں مل سکا تھا۔ اول الذکر دو گروپوں کے لڑکوں کی طرح ان لڑکوں میں نہ اتنا جوش تھا اور نہ شوق۔

استاد :۔ اس تجزیے کے بعد میں نے آپ لوگوں کو کیا مشورہ دیا تھا۔

زوبی :۔ آپ کی تو شروع سے یہ رائے رہی ہے کہ ہمیں خود اپنی زندگی اور کام میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لینا چاہیے۔ آپ نے بتایا تھا کہ ہمیں اپنے آپ میں وہ اوصاف پیدا کرنے چاہئیں جو فلاح و بہبود کا کام کرنے والے کے لئے شرط کا درجہ رکھتے ہیں۔ آپ اس بات پر بار بار زور دیتے تھے کہ ہم کو محنت اور ثابت قدمی سے کام کرکے اپنی علمی صلاحیت میں اضافہ کرنا چاہیے اور اپنے اندر اتنی اہلیت پیدا کر لینی چاہیے کہ اس کی بدولت اصول اور عمل دونوں کو باہم مربوط اور ہم آہنگ کر لیں۔

آر۔ ایس۔ ماتھر :۔ اب ہمارے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟

اُستاد :۔ مجھے خوشی ہے کہ ایک دو لڑکوں کو چھوڑ کر آپ میں سے بیشتر دوسرے گروپ سے قریب آگئے ہیں۔ بعض مرکز کے قریب پہنچ رہے ہیں اور باقی ابھی دائرے کے اندر آپائے ہیں۔

ایس۔ سی۔ شرما :۔ مگر یہ سب ہوا کیسے؟

استاد :۔ یہ سب آپ کی اپنی ہی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ آپ نے خود اپنی تربیت کی اور اپنی زندگی میں آپ نظم پیدا کرنے کی کوشش کی۔

فاروقی :۔ پروفیسر صاحب ہمارے اندر جو یہ تبدیلیاں پیدا ہوئی ہیں اس میں ہمارے اُستادوں کا بہت بڑا ہاتھ رہا ہے۔ آپ کی اس سلسلے میں کیا رائے ہے؟

استاد :۔ ہاں، اس اعتبار سے آپ یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ اساتذہ نے گروپ لیڈروں کی حیثیت سے کام کیا اور اپنے طالب علموں کو صحیح راستے پر لے چلے، اُن کی رہنمائی کی اور پیشے کے جان کار ہونے کی حیثیت سے مفید مشورے دیئے۔

گپتا :۔ اور ایک مخلص دوست اور آشنا ملنگی اور راستے کے نشیب و فراز سے واقف رہنما کی حیثیت سے کبھی کبھی ڈانٹا پھٹکارا بھی!!

استاد :۔ بھئی معاف کرنا! اس کے لئے کوئی جواز نہیں پیش کیا جا سکتا، اگرچہ والدین اور اساتذہ کی یہ عام کمزوری

ہوتی ہے لیکن میرا خیال ہے کہ میں نے اگر یہ کیا تو خلوص اور نیک خواہی کی بنا پر کیا مجھے بڑی مایوسی ہوتی تھی جب میں دیکھتا تھا کہ آپ میں سے بعض لڑکے اُس آزادی کو جو اس ادارے میں طلباء کو حاصل ہوتی ہے غلط استعمال کرتے تھے اور غیر ذمے دارانہ حرکتوں کے عادی ہوتے جا رہے تھے۔

جہیش :۔ مگر پروفیسر صاحب، کہیں کتے کی دُم گاڑنے سے سیدھی ہوئی ہے!!

گپتا :۔ جہیش صاحب مجھے آپ کی رائے سے حرف بہ حرف اتفاق نہیں ہے۔ آپ کا مطلب شاید یہ ہے کہ برائیاں انسان کو وراثت میں ملتی ہیں اور اُن کو بدلا نہیں جا سکتا۔ آپ ماحول کے اثر کو بھلائے دے رہے ہیں۔ شاید آپ جانتے ہوں کہ ایک بچے میں سیکھنے اور اپنے آپ کو بدلنے کی قوت پر بچپن کی تعلیم و تربیت اور ماحول کا کتنا زیادہ اثر ہوتا ہے۔

یوسف :۔ پروفیسر صاحب آپ شہری اور دیہاتی زندگی کے سماجی مسائل کے زیر عنوان یہ باتیں گذشتہ تین سال سے برابر دُہراتے رہے ہیں۔

اُستاد :۔ جی ہاں، ان مباحثوں میں ہم جن نتیجوں پر پہنچے تھے اُن میں سے ایک یہ تھا کہ انسان کا مزاج اسی طرح کا بنتا ہے جیسا وہ کام کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ انسان جس طرح کے سماجی اور جسمانی ماحول میں سانس لیتا ہے اور بچپن میں اُسے جس طرح کی تعلیم ملتی ہے، اُسی طرح کے سانچے میں اُس کی سیرت بھی ڈھلتی ہے۔

بنسل :۔ گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ ایک آدرش سماج یعنی ایک ایسے سماج میں جہاں کا ماحول اور تہذیبی اور سماجی تعلیم بدرجۂ کمال سائنٹفک ہو، وہاں انسان کی طبیعت اور سیرت بھی اتنی بے داغ اور دُھلی ہوئی ہوگی کہ کوئی سماجی مسئلہ باقی ہی نہیں رہ جائے گا۔

روسی :۔ کیوں نہیں، جنت میں سماجی کارکن کا کیا کام! مسائل کا ذخیرہ تو جہنم ہے۔

ہیلن ڈیوڈ :۔ جناب والا مغرب کے ملکوں میں دولت کی فراوانی ہے اور تعلیم کا معیار بھی اچھا خاصا اونچا ہے۔ مگر اس کے باوجود وہاں کے لوگ کم عذاب میں مبتلا نہیں ہیں، بلکہ طرح طرح کے سماجی اور نفسیاتی مسائل ان کی زندگی کو عذاب بنائے رہتے ہیں۔ اسی طرح ہم لوگ اپنی جماعت کی بحثوں اور تبادلۂ خیال کی مجلسوں میں معقول و سائنٹفک نقطۂ نظر ذات پات کے امتیازات سے پاک اور غیر طبقاتی سماج، سماج دوست ریاست، اشتراکی النوع سوسائٹی اور سچی جمہوریت جیسے کتنے ہی موضوعات پر بحث مباحثے اور تبادلۂ خیالات کرتے رہے ہیں۔ مگر میرے ذہن میں اب تک یہ بات صاف نہیں ہوئی کہ ہم آخر کس چیز کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہے ہیں۔

اُستاد :۔ بھئی جہاں تک معقول اور سائنٹفک نقطۂ نظر کا تعلق ہے، وہ فلسفۂ حیات کا مسئلہ ہے جو بڑے گہرے

اور منصفانہ سوچ بچار کے بعد ممکن ہے ، لہٰذا سماجی طرزِ تنظیم کا معاملہ جس کی تعمیر کے لئے ہم آپ مل کر کوشش کر رہے ہیں، تو فلاح و بہبود کے کارکنوں کو چاہئیے کہ اس باب میں جس ریاست سے ان کا تعلق ہے، اُسی کو تسلیم کر لیں اور اُسی کے تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیں۔ سماجی بہبود کا کام کرنے والوں کو اس بات سے قطع نظر کر کے کہ سماج کا سیاسی، اقتصادی ڈھچر کیا ہے؟ اس کا روپ جاگیردارانہ سماج کا ہے یا سرمایہ دارانہ سماج کا یا اشتراکی سماج کا، اپنا کام انجام دینا چاہئیے۔ سو بات کی ایک بات یہ سمجھ لیجئے کہ ان کا کام جماعتوں، بستیوں اور افراد کی ان ضرورتوں کو پورا کرنا ہوتا ہے جو کسی سبب سے پوری نہیں ہو سکی ہیں۔

کرشنا کماری: ۔ لوگوں کی اس طرح کی ضروریات کو پورا کرنے سے کیا ہماری مراد ان لوگوں میں آسودگی اور اطمینان پیدا کرنا ہوتا ہے؟

رادھے: ۔ یہ مطلب ہو بھی سکتا ہے اور نہیں بھی ہو سکتا۔ اگر لوگ اپنے اپنے حال میں مست رہنے لگیں تو پھر اصلاح و ترقی کی بھوک ہی پیدا نہ ہو، حالانکہ یہی بھوک تہذیب عالم اور انسان کے ہاتھوں کائنات کی تسخیر کا راز ہے۔ اطمینان و مسرت دراصل ایک ذہنی کیفیت کا نام ہے جو واقعات و اتفاقات کے اثر سے پیدا ہوتی ہے۔ غالباً زمانۂ قدیم کی زندگی بسر کرنے والے لوگ آج کے صنعتی شہروں میں رہنے والے اعصابی مریضوں کے مقابلے میں زیادہ خوش رہتے ہیں، ناچتے ہیں، گاتے ہیں، اور زندگی سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔

اُستاد: ۔ ہاں میرا بھی یہی کچھ عقیدہ ہے۔ فلاح و بہبود کے کارکن کو جس جماعت میں اُسے کام کرنا ہو، جماعت کے اُسی رنگ و روپ کو حقیقت مان لینا چاہئیے۔ جیسا کہ میں نے پچھلے سال آپ کو بتایا تھا میرے نزدیک صحیح اور غلط اور اچھے اور بُرے میں تمیز کرنے کا پیمانہ مسرت سے زیادہ صحت ہونا چاہئیے۔ صحت سے میری مراد جسم، دماغ اور سماج تینوں کی صحت ہے۔ یہ اس لئے کہ انسان کا وجود الگ الگ حصّوں میں تقسیم نہیں کیا جا سکتا بلکہ وہ ان تینوں عناصر کے مربوط و مرکب وجود کا نام ہے۔ چنانچہ حالات چاہے کیسے بھی ہوں، فلاح و بہبود کے کارکن کا کام انہی تینوں عناصر یعنی جسمانی صحت، ذہنی صحت، اور سماجی صحت کی حفاظت، بحالی اور نشو و نما ہونا چاہئیے۔ غربت و افلاس اور توہمات کا زور، یہی ہمارے دشمن ہیں اور ان کی بیخ کنی کرنی ہے۔ یہ شیطانی قوتیں کسی نہ کسی بھیس میں ہر جگہ کارفرما ہوتی ہیں، قبائلی علاقوں میں بھی، گاؤں میں بھی اور شہر کی بستیوں میں بھی۔

رشی: ۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ فلاح و بہبود کے کارکن کو کسی مخصوص فن میں مہارت خصوصی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں ہے تاکہ وہ اپنے مخصوص علم کے ذریعے کسی مخصوص گروپ کی خدمت کر سکے؟

اُستاد: ۔ اس میں تو شبہ نہیں کہ مطالعۂ خصوصی اور کام کے میدان کے تجربے سے کارکن کے اندر کسی مخصوص میدان میں اپنے فرائض کو انجام دینے کی زیادہ اہلیت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن بنیادی طور پر دیکھئے تو انسان کی فطرت یکساں اور اس کی ضرورتیں مشترک ہوتی ہیں۔ ایک بستی میں فلاح و بہبود کی خدمات منظم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ کارکن کو اُس بستی کے فکری میلانات، ضروریات اور وسائل سے

پوری پوری واقفیت ہو۔ جماعت کا فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے اراکین جن میں افراد بھی ہوتے ہیں اور گروپ بھی اُن کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی غرض سے اپنے وسائل کی تنظیم کرے۔ فلاح و بہبود کے کارکن کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ اس سلسلے میں جماعت کی مدد کرے۔ اب چونکہ وسائل عام طور پر محدود ہوتے ہیں اس لئے بستی کی ضروریات کا اندازہ لگانے کے ساتھ پہلے یہ دیکھنا چاہیئے کہ ضرورت مند کتنے ہیں اور اسی حساب سے کاموں کی تقدیم و تاخیر کا تعین کرنا چاہیئے۔ کام کے اس نہج کو سامنے رکھئے تو معلوم ہوگا کہ کسی میدان میں اچھی طرح کام کرنے کے قابل ہونے کے لئے بستی کی تنظیم، جماعتی کام، اور مسئلہ وار کام (کیس ورک) کے اصولوں کا علم کتنا ضروری ہے۔

دلیپ سنگھ :۔ ہمیں کام کے ان طریقوں کی ایک سرسری شُد بُد تو ہے، لیکن آپ کی عنایت ہوگی اگر آپ سماجی بہبود کی تعریف میں آنے والے مختلف موضوعات سے واقف کرادیں۔

اُستاد :۔ بھئی جس قدر تفصیل سے یہ باتیں بتانے کی ہم سے فرمائش کی جاتی ہے، اس حد تک تو ہم نے یہ باتیں بتادی ہیں۔ آپ لوگوں کو یاد ہوگا کہ میں نے آپ سے کچھ کتابیں پڑھ جانے کی بار بار فرمائش کی تھی۔ مثلاً (۱) سنٹرل سوشل ویلفیر بورڈ کی کتاب "سوشل ویلفیر" (۲) "سماجی بہبود اور پسماندہ طبقوں کی فلاح و بہبود کے مسائل کا مطالعہ کرنے والی کمیٹی کی رپورٹ" (جو پلاننگ کمیشن کی طرف سے شائع ہوئی ہے) (۳) نیویارک کے رسل سیج فاؤنڈیشن کی کتاب "سوشل ورک ایئر بک"۔ اس میں دیہاتی، شہری اور قبائلی بچوں، نوعمر لڑکوں اور لڑکیوں، نوجوان عورتوں اور مردوں کے مسائل سے ان کی مخصوص ضروریات کے اعتبار سے الگ الگ بحث کی گئی ہے۔

(مسلسل)

مضمون کی اگلی قسط میں سماجی بہبود سے متعلق ان موضوعات پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے ہندوستان کے مخصوص حالات میں ان کے اطلاق کا ذکر کیا گیا ہے

——— (ایڈیٹر)

تیسرے پلان میں سماجی بہبود کے کام

سوشل ویلفیر یا سماجی بہبود سے مراد کسی فرد واحد کی فلاح وبہبود نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہے سارے سماج اور ساری بستی کی فلاح وبہبود۔ سارے سماج کی ترقی ہی اس کا خاص مقصد و منشا ہے۔ مگر پہلے اس بات کی ضرورت ہے کہ سماجی یا اقتصادی اعتبار سے پچھڑے ہوئے یا ذہنی اعتبار سے کمزور اور جسمانی اعتبار سے لاچار انسانوں کے لئے اُن سہولتوں کا انتظام کیا جائے۔ جو یا تو انھیں مل نہیں پاتی ہیں یا جن سہولتوں سے وہ اپنی معذوری کی وجہ سے فائدہ نہیں اٹھا پاتے ہیں۔

سماجی بہبود کا کام غیر سرکاری ادارے کچھ رضاکار جماعتیں اور افراد کرتے آئے ہیں۔ پہلے پنج سالہ منصوبے میں سرکار نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لے لینے کا فیصلہ کیا اور اسے پلان کے پروگراموں میں شامل کر لیا گیا۔

سماجی بہبود کے میدان میں اب تک جو کام ہوتے آ رہے تھے اُن میں کوئی ترتیب اور نظم نہیں ہوتا تھا۔ کچھ سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کو اس مقصد کے لئے الگ الگ امدادیں دی جاتی تھیں۔ مرکزی حکومت نے سماجی بہبود کے کاموں کو منظم اور مرتب طریقے پر انجام دینے کی غرض سے سنٹرل سوشل ویلفیر بورڈ قائم کیا، جو عورتوں، بچوں اور معذوروں کی فلاح وبہبود کے کاموں کا ذمہ دار تھا۔ کچھ بہبود کے کام مختلف وزارتوں کو سونپے گئے۔ اسی طرح ریاستی حکومتوں نے اپنے یہاں بھی انھیں لائینوں پر سماجی بہبود کی وزارتیں اور شعبے قائم کئے، مگر ان کا قیام بہت منظم ڈھنگ پر نہیں کیا جا سکا۔ اس کے بعد ریاستی حکومتوں نے سنٹرل سوشل ویلفیر بورڈ کے پروگراموں کو چلانے کے لئے سوشل ویلفیر کی مشاورتی کمیٹیاں مقرر کیں۔

یہ سارے کام پہلے پنجسالہ منصوبہ کے آخری دو سال میں کئے گئے۔ دوسرے منصوبہ کی مدت میں اس میدان میں کئی طرح کے تجربے بھی کئے گئے ہیں۔ اس سے پہلے لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات بھی صاف نہیں تھی کہ عام سماجی خدمات اور سماجی بہبود کے کاموں میں کیا فرق ہے؟

دوسرے منصوبہ میں:۔

دوسرے منصوبہ میں سماجی بہبود کا پروگرام تیار کرنے اور اس کے لئے روپے پیسوں کا انتظام کرنے کے سلسلے میں کئی نمایاں

رہ گئی ہیں۔ پہلے منصوبہ کی طرح دوسرے منصوبے میں بھی کئی ریاستوں نے سماجی بہبود کے کئی کام شامل نہیں کئے۔ اس کے علاوہ اس مد کے لئے جو روپیہ منظور کیا گیا تھا وہ مختلف شعبوں کے کاموں پر تقسیم تھا۔ اس لئے یہ پتہ لگانا مشکل تھا کہ اس کام کے لئے کل کتنا روپیہ رکھا گیا ہے۔ آسام، اڑیسہ وغیرہ ریاستوں میں کوئی ایسا محکمہ قائم ہی نہیں تھا، جسے سماجی بہبود کے منصوبے بنانے یا ان کے عمل درآمد اور نگرانی کرنے یا جو منصوبے پہلے سے چل رہے ہیں ان میں تال میل لانے کے اختیارات حاصل ہوں۔ کچھ ریاستوں میں تو یہ بھی نہیں معلوم ہوتا تھا کہ اسی مد میں کس کام کے لئے کتنی رقم فراہم کی گئی ہے۔ اس طرح جو رقم اس کام کے لئے منظور بھی کی گئی تھی اس سے پورا پورا استفادہ نہیں کیا جا سکا۔

ضرورت کا اندازہ:-

اس اسکیم کو چلانے کے لئے کس طرح کے عملے کی ضرورت ہوگی اس سلسلے میں بھی کوئی اعداد و شمار فراہم نہیں کئے جا سکے تھے اور نہ ہی کارکنوں کی تربیت کا کوئی معقول انتظام کیا جا سکا تھا۔ عملے کی تربیت کے لئے مختلف ٹریننگ کورس ضرور چلتے تھے مگر ان سے متعلق اعداد و شمار جمع کرنے، ان کے کاموں کا جائزہ لیتے اور تحقیق سے متعلق کوئی انتظام نہیں کیا گیا تھا۔

بیشتر ریاستوں میں سماجی قوانین کے نفاذ کا انتظام کرنے کے لئے کوئی تنظیم نہیں تھی اور پچھڑے ہوئے علاقے کے لوگوں کی مخصوص ضروریات کا اندازہ کرنے کا بھی کوئی معقول انتظام نہیں تھا۔

ان خامیوں کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ تیسرا پلان بناتے وقت اس بات کا دھیان رکھا جائے کہ اس میں یہ خامیاں نہ رہنے پائیں۔ اگر ہم نے ان خامیوں ہی کو دور کر لیا تو یہ اپنے آپ میں ایک بڑا اور اہم کام ہوگا۔ اس سلسلے میں یہ بھی ضروری ہے کہ جب منصوبہ بنایا جائے تو یہ بھی وضاحت کردی جائے کہ کون سا کام کس طرح کے اداروں کے سپرد کرنا مناسب ہوگا۔ اس سلسلے میں مختلف ایجنسیوں کے کاموں میں ایک تال میل کا ہونا بہت ضروری ہے۔ کاموں کو تکرار سے بچانا سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

اس سلسلے میں سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ جو سماجی قانون پاس کئے جائیں ان کے نفاذ اور ترمیم و تنسیخ کا کام سرکاری اداروں کو سونپا جائے اور اس سلسلے کے دوسرے سارے کام غیر سرکاری اداروں کو سونپے جائیں جو حکومت کی امداد اور نگرانی میں کام کریں۔ سنٹرل سوشل ویلفیر بورڈ کا قیام اسی مقصد کے پیش نظر ہوا تھا۔ مگر ضرورت ہے کہ تیسرے پنج سالہ پلان میں اس سمت میں اور بھی تیزی سے قدم بڑھائے جائیں۔

خاص مقاصد :-

تیسرے منصوبے میں سماجی بہبود کے منصوبوں کا خاص مقصد تو وہی رہے گا جو پہلے دو نوں منصوبوں میں تھا۔ مگر اب تک کے تجربوں کی بنیاد پر اس کی پالیسی اور پروگراموں میں کچھ تبدیلیاں ضرور کر لینی ہوں گی۔ ان کا خاص مقصد ہو گا اس میدان میں جو مختلف ادارے کام کر رہے ہیں ان میں تال میل پیدا کرنا۔ مختلف ادارے اور محکمے جو خدماتی کام انجام دے رہے ہیں ان کو یکجا کرنا، اور مختلف بہبودی خدمات کو سماجی بہبود، یا سوشل ویلفیر کے ماتحت لانا۔

سماجی بہبود کے کاموں کے لئے اب تک محدود رقم ہی رکھی گئی ہے، اس لئے ضروری ہے کہ کچھ کام پہلے کئے جائیں اور کچھ بعد میں۔ اسی اصول کے پیش نظر سوشل ویلفیر کے پروگراموں کے تحت بچوں کی ضروریات کو پہلے لیا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہی ہمارے آیندہ سماج کے شہری بنیں گے۔ بچوں کی اسکول سے پہلے کی تعلیم، یا نرسری تعلیم، بچوں کے لئے اسکول میں کھانے کا انتظام، ان کے لئے صحتی خدمات کا انتظام، جسمانی یا ذہنی اعتبار سے کمزور اور جرائم پیشہ اور لاوارث بچوں کو سدھارنے اور انھیں کام پر لگانے کے کام کو سماجی بہبود یا سوشل ویلفیر کے ماتحت لانے کی تجویز ہے۔

عورتوں کی بہبود :-

اس کے بعد عورتوں کی بہبود کے کام آتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی تعلیم اور روزگار پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ عورتوں کو ایسے مفید کام سکھانے کا انتظام کیا گیا ہے جن کو سیکھ کر وہ اپنے خاندان کی آمدنی میں اضافہ کر سکیں۔ اس کے علاوہ انھیں کچھ امتحانوں میں شرکت کے لئے بھی آمادہ کیا جاتا ہے۔ غریب عورتوں کو رہنے کے لئے سستے مکانوں کا انتظام اور انھیں قانونی خدمات سے فائدہ پہنچانے کے کام بھی اس سلسلے میں تجویز کئے گئے ہیں۔

پہلے منصوبے کے ماتحت کچھ ویلفیر ایکسٹنشن پراجیکٹ شروع کئے گئے تھے۔ پراجیکٹ کے تحت گاؤں میں سینٹر قائم کئے گئے ہیں۔ جہاں گاؤں کی عورتوں کے لئے زچگی کی خدمات، دستکاری اور تعلیم کا انتظام کیا جاتا ہے۔ ان سینٹروں میں بچوں کے لئے بال واڑیاں قائم ہیں۔ تیسرے پنجسالہ منصوبے میں اس کام کو کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے پروگرام کے ساتھ ساتھ سارے ملک میں پھیلانے کی تجویز ہے۔

عورتوں اور بچوں کی بہبود :-

سماجی تحفظ یعنی عورتوں اور بچوں کو گھناؤنی اور جرائم پیشہ زندگی اور سماج دشمن افراد کے چنگل سے نجات دلانے کی کوشش

آیندہ اور بھی تیز کی جائے گی۔ عورتوں میں اخلاق سوز پیشے کی روک تھام کا قانون اسی سلسلے کا ایک قدم ہے۔ جیلوں میں سدھار، گداگری اور بھیک منگی کی روک تھام اور قیدی عورتوں کے بچوں کی معقول تعلیم و تربیت وغیرہ کے انتظام پر آیندہ غور کرنے کی تجویز ہے۔

اندھوں، گونگوں، بہروں، اپاہجوں، کمزور دماغ لوگوں، بوڑھوں اور معذوروں کو تیسرے منصوبہ میں پہلے دونوں منصوبوں کے مقابلے میں زیادہ امداد پہنچانے کی تجویز بھی زیر غور ہے۔

غیر طالب علم نوجوانوں کے قیام کا انتظام ان کے لئے دستکاری اور زراعتی تعلیم کے ساتھ ساتھ رہنمائی کی تعلیم کا انتظام اور گندی بستیوں کی بہبود کے کاموں کو بھی منصوبے میں پہلی بار شامل کیا جائے گا۔ گندی بستیوں میں زچگی کی اچھی خدمات اور بچوں کی دیکھ بھال کا اچھا انتظام بھی کیا جائے گا۔

عملے کی تربیت :-

سماجی بہبود کے کاموں میں پوری طرح تربیت یافتہ عملے کی ضرورت سب سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔ ان کی تعلیم و تربیت پر اچھی طرح غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں ہر سطح پر عملے کی اچھی اور معقول تربیت کا انتظام کرنے کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ تیسرے منصوبے کے تحت یہ کام بھی پھیلے گا۔ عملے کی تربیت کے سلسلے میں اب تک تحقیق کا کوئی مناسب انتظام نہیں کیا جا سکا ہے۔ تیسرے منصوبے میں عملے کی تربیت پر تحقیق کرنے کا بھی پروگرام شامل ہے۔

رضاکار ادارے

رضاکار اداروں کو آسان شرائط پر امداد دینے کے لئے قانون بنانے کی بہت شدید ضرورت ہے۔ اس سلسلے میں کافی مدت سے غور و خوض کیا جا رہا ہے۔ اسی طرح ایک ایسی تنظیم کی بھی ضرورت ہے جو جگہ جگہ پر ان اداروں کے لئے ضروری صلاح و مشورے کا انتظام کرے۔ اگر کام منظم اور مرتب طریقے پر ہو تو اس سے محدود وسائل سے ہی زیادہ سے زیادہ کام لیا جا سکتا ہے اور پھر کام تیزی سے بھی ہو سکتا ہے۔

غیر سرکاری خدماتی انجمنوں کے کاموں کا جائزہ لینے والی کمیٹی نے یہ تجویز رکھی ہے کہ ان اداروں کو اسی طرح امداد دی جانی چاہیئے۔ جس طرح ریاستی حکومتیں اسکولوں اور کالجوں وغیرہ کو امداد دیتی ہیں۔ یہ ایک نہایت صحت مند تجویز ہے جس پر جلدی سے جلدی عمل درآمد ہونا چاہیئے۔ اسی کے ساتھ جگہ جگہ پر مشاورتی مرکز بھی قائم کئے جانے چاہئیں۔ جو فنی معاملات میں ان انجمنوں کی امداد کریں۔ اس طرح غیر سرکاری رضاکار ادارے زیادہ بہتر طریقے سے کام انجام دے سکیں گے

مزدوروں کی تعلیم اور طریق کار پر ایک سات روزہ ورکشاپ

مزدوروں کی تعلیم اور اس کے طریق کار پر انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے اہتمام میں ایک سات روزہ ورکشاپ نئی دہلی میں ۱۱ سے ۱۷ اپریل تک منعقد ہوئی۔ راجستھان یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور ایسوسی ایشن کے صدر شری ایچ۔ ایس مہتہ نے اس ورک شاپ کا افتتاح کیا جس میں ہندوستان کی مختلف ریاستوں سے مزدوروں کی تعلیم کے ماہرین، سرکاری افسران، تعلیمی اداروں اور مزدوروں کی انجمنوں کے نمائندوں نے شرکت کی تھی۔ انڈین ٹریڈ یونین کالج کلکتہ کے ڈائرکٹر شری وی۔ ایس ماتھر اور ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف سوشل ورک کے ڈاکٹر بنیکر نے ورک شاپ کے جماعتی مباحثوں میں نمائندوں کی رہنمائی کی۔

ورک شاپ کا افتتاح کرتے ہوئے شری موہن سنگھ مہتہ نے یہ امید ظاہر کی کہ مزدوروں کی تعلیم کے فروغ میں یونیورسٹیاں پورا پورا حصہ لیں گی۔

۱۷ اپریل کو ورک شاپ کے اختتامی جلسے کو خطاب کرتے ہوئے حکومت ہند کے وزیر تعلیم ڈاکٹر کے۔ ایل۔ شریمالی نے فرمایا کہ صنعتی مزدوروں میں سوشل ایجوکیشن کا ایک خاص کام یہ ہونا چاہیئے کہ وہ مزدوروں میں بستی کی زندگی سے وابستگی اور یگانگت پیدا کرنے میں مدد دے۔ یہ مزدور دور دراز کے دیہاتی علاقوں سے آتے ہیں جہاں بستی کی جماعتی زندگی کا ایک واضح تصور موجود ہوتا ہے۔ شہروں میں اکثر یہ لوگ اپنے آپ کو کچھ کٹا کٹا سا محسوس کرتے لگتے ہیں، جو سماج کے لئے ایک بہت بڑا خطرہ بن سکتا ہے۔ ان کی اس اجنبیت کو دور کرنا اور نئے ماحول اور ان کے تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لینے کی تربیت دینا سوشل ایجوکیشن کے کسی بھی پروگرام کے لئے سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے ٹریڈ یونینوں کی مزدوروں کی زندگی میں جو اہمیت ہوتی ہے اس کا بھی ذکر کیا، مگر بتایا کہ مزدوروں کی زندگی میں بہت سے ایسے سماجیاتی اور نفسیاتی مسائل ہوتے ہیں کہ جن کا حل صرف تعلیم کے ذریعہ ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ (ورک شاپ کی رپورٹ اگلے شمارے میں شائع کرنے کی کوشش کی جائے گی)

اتر پردیش میں اڈلٹ ایجوکیشن کی ریاستی ایسوسی ایشن کا قیام

اتر پردیش ریاست کے سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں نے لکھنؤ میں ایک "اتر پردیش اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن" کا قیام کیا ہے

لکھنؤ کے لٹریسی ہاؤس میں ۲۰ مارچ ۱۹۶۰ء کو اس سلسلے میں ایک جلسہ ہوا تھا جس نے ریاستی ایسوسی ایشن کے مجوزہ دستور کو منظوری دیدی۔ جلسے کی صدارت ڈاکٹر رادھا کنول مکرجی صاحب نے کی۔

جلسے نے اس سال اگست میں ایک عام کنونشن بلانے کا فیصلہ کیا۔ ڈاکٹر رادھا کمل مکرجی اتفاق رائے سے ایسوسی ایشن کے صدر منتخب ہوئے۔ پرنسپل مدن موہن۔ ایم۔ ایل۔ سی اور شری حیات اللہ انصاری ایم۔ ایل۔ سی ایسوسی ایشن کے نائب صدر چنے گئے۔ ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری کے لئے ڈاکٹر ٹی مہرائے۔ کونسی اور خازن کے لئے شری پریم نارائن بھارگو کا انتخاب ہوا۔ سوشل ایجوکیشن آرگنائزرس ٹریننگ سنٹر بخشی کا تالاب کے ڈپٹی ڈائرکٹر شری کے۔ ایس۔ ر نگچے اور شعبہ تعلیمات میں ریڈر ڈاکٹر جے۔ ایس۔ اگروال ایسوسی ایشن کے معاون سکریٹری چنے گئے۔

مندرجہ ذیل اراکین پر مشتمل ایک مجلس انتظامیہ کی تشکیل بھی کی گئی۔ شری بھگوت سنگھ آئی۔ اے۔ ایس۔ شری بی۔ ایم۔ پانڈے شری بھگوان داس اوستھی، شریمتی وِملا موہن، شری ڈی۔ پی۔ مہیشوری، شری۔ ای۔ سی۔ شا اور شری للّو سنگھ۔

لٹریسی ہاؤس کا آیندہ سال کا پروگرام

لٹریسی ہاؤس کے سالانہ جلسے میں جو ۱۹ مارچ ۱۹۶۰ء کو لکھنؤ میں ہوا تھا، لٹریسی ہاؤس کے لئے سال بھر کے پروگرام کا ایک خاکہ منظور کیا گیا ہے۔ آیندہ سال کے پروگراموں میں لکھنؤ اور کانپور کے صنعتی علاقوں میں مزدوروں کی تعلیم کے پانچ مرکز قائم کرنے، بالغوں کے لئے پانچ مستقل اسکول کھولنے اور بلاک ڈیولپمنٹ کمیٹیوں کے غیر سرکاری ممبروں کی ٹریننگ کا انتظام کرنا شامل ہے۔
پروگرام میں ان کے علاوہ خواندگی کے طریق کار پر تحقیق، نوخواندہ بالغوں کے لئے ۱۲ کتابوں کی اشاعت اور مصنفوں کے دو ورک شاپ منعقد کرنا بھی شامل ہے۔

بورڈ نے انڈیا لٹریسی بورڈ کے صدر کے لئے ڈاکٹر رادھا کمل مکرجی کو دوبارہ منتخب کیا۔ یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کے سکریٹری پروفیسر سیموئل متھائی بورڈ کے نائب صدر اور شری ایس۔ سی۔ دتہ ایگزیکیٹو کمیٹی کے ممبر چنے گئے۔
بورڈ کے جلسے میں جن لوگوں نے شرکت کی ان میں جامعہ ملیہ کے شیخ الجامعہ پروفیسر محمد مجیب، آل انڈیا ریڈیو کے ڈائرکٹر جنرل شری جے۔ سی۔ ماتھر اور ورلڈ ایجوکیشن نیویارک کی صدر شریمتی ویلتھی فیشر کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔

دیہی اعلیٰ تعلیم کی نیشنل کونسل کا جلسہ

دیہی اعلیٰ تعلیم کی نیشنل کونسل کے ساتویں جلسے کا نئی دہلی میں افتتاح کرتے ہوئے ۲۴ مارچ ۱۹۶۰ء کو ڈاکٹر شری مالی نے

فرمایا کہ ہندوستان کے ترقیاتی منصوبوں کو پورا کرنے میں رورل انسٹی ٹیوٹ کے طالب علموں کو نمایاں طور پر حصہ لینا ہے۔ ان اداروں سے تعلیم پائے ہوئے نوجوان دیہی صنعتوں اور سماجی تعلیم کے کاموں میں بہت مددگار ثابت ہو سکتے ہیں۔ ان اداروں میں جس طرح کی تعلیم دی جاتی ہے وہ نہ تو صرف ہاتھ کے کاموں تک ہی محدود ہوتی ہے اور نہ اتنی عام ہوتی ہے کہ اس میں کسی مضمون کا گہرہ مطالعہ نہ ہو سکے۔

نیشنل کونسل نے ان اداروں میں کمیونٹی ڈیویلپ منٹ کی وزارت کے تعاون سے پنچایتوں اور دیہی تعمیر کا کام کرنے والوں کے لئے مختصر مدت کے نصاب چلانے کی تجویز منظور کر لی ہے۔ یہ کورس غیر سرکاری افراد کے لئے ہوں گے۔

سماجی بہبود کے کام ———— بقیہ صفحہ ۲۵

الغرض یہ کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے پنجسالہ منصوبے کی مدت میں رضاکار جماعتیں اپنے پیروں پر کھڑی ہو جائیں گی اور تیسرے پنجسالہ منصوبے کا جو بھی خاکہ بنایا جائے گا، ان پر عمل درآمد کرنے میں یہ جماعتیں نہایت اہم اور نمایاں کام انجام دیں گی۔ مجھے یقین ہے کہ رضاکار جماعتیں اپنی ان نئی ذمہ داریوں کو پوری طرح نبھانے میں اپنا حق ادا کریں گی۔

تعلیم و ترقی کے مضامین

جنوری سنہ ۱۹۵۱ء

فروری سنہ ۵۱ء

مارچ سنہ ۵۱ء

"پی رنیٹس اسٹی ٹیوٹ چھلیرا" ..... اوم پرکاش گوڑ

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

یونیسکو کے ڈائرکٹر جنرل کی ہندوستان میں آمد

سائوتھ انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کا دوسرا تعلیمی ہفتہ

سوشل ایجوکیشن کمیٹی جبل پور کا تعلیمی ہفتہ

کالج کے استادوں کا ٹریننگ کیمپ

تعلیم بالغان میں تحقیق اور ٹریننگ کا ایک چھ ماہی مرکز

مدھیہ پردیش میں سوشل ایجوکیشن کی رفتار

آسام میں سوشل ایجوکیشن کی ریلی

ریاست بہار میں سوشل ایجوکیشن کا سیمینار

اپریل ۱۹۵۱ء

اشارات

ہندوستان کا قومی بجٹ اور تعلیم

ڈاکٹر لاؤباخ کا غلط نظریہ

اصول اور طریقے

نیشنل سیمنار جبل پور کی سفارشات

خاتمہ ناخواندگی کی تحریک میں یونیورسٹیوں کا حصہ

بالغ مبتدی کا دماغ .... ڈاکٹر فرینک لاؤباخ

والدین کے لئے

آپ کا بچہ .... ڈاکٹر سعید انصاری

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

یونیسکو کے ڈائرکٹر جنرل ڈاکٹر تورے بودے دہلی میں

فنڈامنٹل ایجوکیشن کیا ہے؟ مسٹر بیچ کی تقریر

دالیٹر میں تعلیم بالغان کا ٹریننگ کورس

میسور میں خواندگی کا اوسط بڑھ گیا

لنکا میں نوجوان کے لئے تعلیم بالغان کی اسکیم

مئی ۱۹۵۱ء

اشارات

کیا تعلیم بالغان کا کام خودکفیل ہو سکتا ہے؟

نیک عملی کی تحریک

اصول اور طریقے

نیشنل سیمنار جبل پور کی سفارشات

خواندگی کے طریقے .... برکت علی فراق

بالغ مبتدی کا دماغ ..... فرینک سی لاؤباخ

تعارف

نیک عملی کی تحریک ..... کشور لال مشروالا

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

مدھیہ پردیش میں تعلیم بالغان کے گرمائی کیمپ .... ادارہ

بہار میں تعلیم بالغان کے کارکنوں کی ٹریننگ

ضلع سلہٹ میں خواندگی کی مہم

بستی کے لوگ بستی کے مرکز سے کس طرح وابستہ ہوں؟

خواندگی کی مہم۔ تعلیمی مرکز قصاب پورہ

یونیسکو کی طرف سے لنکا میں دیہی تعلیم کا مرکز

کتابیں اور رسالے (تنقیدات)

جون ۱۹۵۱ء

ناظرین سے

سوشل ایجوکیشن کا پندرہ روزہ سیمینار

اجمیر میں خواندگی کی مہم

تحصیل گروٹہ (مدھیہ بھارت) میں سوشل ایجوکیشن

پاکستان میں یونیسکو کا تعلیمی مشن

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ دہلی

اکتوبر ۱۹۵۱ء

اشارات

تعلیم بالغان کے مرکز اور انتخابات

ہندوستان کا دوسرا انٹرنیشنل سیمینار

اہم معلومات

نیشنل پلاننگ کمیشن کی تجاویز۔ دیہات کی نئی تعمیر (مسلسل)

نمونے

ملازمت ہی روزی کا ایک ذریعہ نہیں ہے

ہم سفر

عبدالقدیر خاں ۔ جامعہ کالج، جامعہ ملیہ دہلی

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

حکومت ہند کے جوائنٹ ایجوکیشنل ایڈوائزر کا ایک مراسلہ

دہلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن

"بستی کے مرکز" کے موضوع پر اسٹڈی سرکل

دہلی میونسپلٹی کے سوشل ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ میں مشر ہیج

جامعہ ملیہ دہلی کا تعلیمی میلہ

نومبر ۱۹۵۱ء

اشارات

دوسرا انٹرنیشنل سیمینار ۔ سوشل ایجوکیشن کی تحریک کو صدمہ

اصول اور طریقے ۔ غور و بحث کا جمہوری طریقہ

ہم سفر ۔ شری نیکی رام گپتا

والدین کے لئے

بچوں کی تربیت کے چند مسائل .... سوسان آئزکس

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

سوشل ایجوکیشن ڈے (یکم نومبر ۱۹۵۱ء) ۔ دہلی پبلک لائبریری کا افتتاح

تعلیمی میلہ ۔ جامعہ نگر میں لکچر: تعلیم بالغان کی ترقی و اشاعت

میں یونیورسٹیوں کا حصہ

ریاست دہلی کا محکمۂ تعلیمات ۔ ادارہ تعلیم و ترقی دہلی

دسمبر ۱۹۵۱ء

اشارات

آل انڈیا اڈلٹ ایجوکیشن کانفرنس کا آٹھواں سالانہ اجلاس

اندور کا نیشنل سیمینار ..... شالگ رام پتھک

اصول اور طریقے

غور و بحث کا جمہوری طریقہ (مسلسل)

آل انڈیا اڈلٹ ایجوکیشن کانفرنس بمبئی

خطبۂ صدارت .... مرمیت ایم چیت سنگھ

تجاویز

ہم سفر

مظہر الرحمان

تنقید و تبصرہ

"فلکشا بدلے سماج بدلے"

Registered No. D. 1125

Printer and Publisher : BARKAT ALI Firaq

MAY
1960

ادارۂ تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی

I

ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

بانی:- شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:- پروفیسر محمد مجیب
برکت علی فراق
رفیق محمد شاستری

دفتر:- ماہنامہ تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر نئی دہلی

قیمت سالانہ: چار روپے — فی پرچہ: ۳۷ نئے پیسے

ٹیلیفون: ۷۴۴۶۴

پرنٹر و پبلشر برکت علی فراق نے کوہ نور پریس لال کنواں دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا۔

جلد ۱۱ | مئی سنہ ۱۹۶۰ء | شمارہ ۵

ترتیب

اشارات

سوشل ایجوکیشن اور سوشل ورک

ہندوستان کو سوشل ایجوکیشن کی ضرورت ہے یا سوشل ورک کی؟ یہ ایک سوال ہے جس نے ادھر کچھ عرصے سے بحث ہی نہیں، مہذب قسم کی تکرار کی شکل اختیار کر لی ہے۔ اس سلسلے میں ذہنوں کو صاف کرنے کی غرض سے ہم نے سوچا تھا کہ سوشل ایجوکیشن اور سوشل ورک کے پنڈتوں کے خیالات معلوم کریں اور انھیں مقالے کی شکل میں شائع کریں، چنانچہ ہم نے بعض احباب سے اس مقصد کے لئے درخواست بھی کی تھی۔ ہم دل سے ممنون ہیں جامعہ رورل انسٹی ٹیوٹ کے استاد پروفیسر کے۔ پال کے کہ انھوں نے سب سے پہلے ہمیں اس سلسلے میں، اپنے مقالے سے نوازا۔

پروفیسر پال ہندوستان میں سماجی کام کرنے والوں کی صف میں ایک کہنہ مشق کارکن کی حیثیت رکھتے ہیں چنانچہ ہماری درخواست سُن کر انھوں نے فرمایا کہ "بھئی میں اس بحث میں ایک فریق کی حیثیت سے حصّہ نہیں لوں گا۔ میں دونوں مدارسِ خیال کے لوگوں کو ملا کر چلنے کے حق میں ہوں اور یہی روش میرے نزدیک ہندوستان کے لئے مفید اور مناسب ہے اور میں جو کچھ لکھوں گا وہ اسی عقیدے کی بنیاد پر ہوگا۔"

پال صاحب کے مقالے کی دو قسطیں ناظرین کے سامنے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اگرچہ پال صاحب نے دونوں مدارسِ خیال کے نقطۂ نظر کو صاف کرنے کی کوشش کی ہے لیکن چونکہ وہ اصلاً سوشل ورک کے فلسفے کے پنڈت ہیں اس لئے سوشل ایجوکیشن کے باب میں ان کی توضیح و تشریح تشنہ رہ گئی ہے۔ ضرورت ہے کہ اب سوشل ایجوکیشن کے فلسفے کا کوئی فاضل اس پر قلم اٹھائے اور اپنے نقطۂ نظر کی روشنی میں اس مباحثے میں حصّہ لے۔

پال صاحب نے اپنے مقالے کی پہلی قسط میں ایک بات بڑے پتے کی کہی ہے جو ہمارے نزدیک سوشل ورک کے فلسفے کی بنیاد کی حیثیت رکھتی ہے۔ موصوف نے فرمایا ہے کہ "..... سماجی بہبود (جس سے مقصود غالباً سوشل ورک بھی ہے) کا کام کرنے والوں کو اس بات سے قطع نظر کر کے سماج کا سیاسی۔ اقتصادی ڈھچر کیا ہے ــــ اُس کا روپ جاگیردارانہ سماج کا ہے یا سرمایہ دارانہ سماج کا یا اشتراکی سماج کا، اپنا کام انجام دینا چاہئیے۔ سماجی بہبود کے کارکنوں کو چاہئیے کہ اس باب میں جس ریاست سے ان کا تعلق ہے اُسی کو تسلیم کر لیں اور اُسی کے تقاضوں کے مطابق اپنے آپ کو ڈھال لیں۔" سوشل ورک کے مدرسۂ خیال میں ممکن ہے اس نظریئے کی حیثیت عام ہو اور اس میں کسی کو کلام نہ ہو، لیکن ہندوستان کے حالات میں جب ہم سوشل ایجوکیشن اور اس کے منصب پر غور کریں گے تو سوشل ورک کا یہ نظریہ آسانی سے نظر انداز نہیں کیا جا سکے گا اور ہو سکتا ہے سوشل ایجوکیشن اور سوشل ورک کے باہمی نزاع میں کسی نتیجے پر پہنچنے کے لئے یہی نظریہ فیصلہ کن ثابت ہو۔

بہرحال سوشل ایجوکیشن کی تحریک سے عملی دلچسپی رکھنے والے صاحب رائے حضرات سے ہماری اپیل ہے کہ وہ اس دلچسپ علمی مذاکرے میں شرکت کریں اور اس طرح فیلڈ میں کام کرنے والے کارکنوں کے دماغ سے اِس گنجلک کو دور کرنے میں ان کی امداد فرمائیں۔

سماجی بہبود کا کام اور کارکن

(۲)

یہ مقالہ جسے پروفیسر کے۔ پال نے اساتذہ اور طلباء کے درمیان تبادلۂ خیال کے دلچسپ پیرائے میں لکھا ہے' اس کی یہ دوسری اور آخری قسط ہے۔ پروفیسر موصوف نے اس مقالے کے ذریعے اُس علمی تنازعے میں سمجھوتے کی کوشش کی ہے جو سوشل ایجوکیشن اور سوشل ورک کے درمیان چل پڑا ہے چنانچہ اس آخری قسط میں انھوں نے زیادہ زور اس بات پر دیا ہے کہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے حلقوں میں سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کا نام بدل کر کمیونٹی آرگنائزر رکھنے کی جو تجویز ہے' وہ ہندوستان کے موجودہ حالات کے پیش نظر صحیح نہیں ہے اس لئے کہ دونوں کے کام کی نوعیت جماعتی کام (گروپ ورک) کی ہے اور ایک کارکن جو سوشل ایجوکیشن آرگنائزر ہونے کی حیثیت سے جتنا اور جیسا کام کرتا ہے' اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے کہ کمیونٹی آرگنائزر ہو جانے کے بعد وہ جو کام کرے گا، وہ نوعیت اور مقدار کے لحاظ سے بہتر ہوگا۔

——— ایڈیٹر

غزالہ : اڈلٹ ایجوکیشن کے کارکن، سوشل ایجوکیشن آرگنائزر، ایکسٹنشن کے کارپرداز، خانگی معیشت کے ماہرین اور بہبود کے کام کے افسران، یہ سب کے سب اپنی فرقوں اور بستیوں میں ایک ہی طرح کا کام کرتے ہیں۔ اگرچہ ان کے نام اور لیبل الگ الگ ہوتے ہیں لیکن اصلاً انھیں جماعتی کارکن اور کمیونٹی آرگنائزر ہی کہنا چاہیے۔ کہیئے غلط تو نہیں کہہ رہی ہوں۔

بلبیر سنگھ : اور انفرادی کام (کیس ورک) کے متعلق کیا خیال ہے؟ مریضوں میں کام کرنے والے سوشل ورکر، نوعمر مجرموں کی نگرانی کرنے والے پروبیشن افسر، علاج کے بعد کی خبر گیری کے ماہرین (آفٹر کیئر اسپیشلسٹ) اور دماغی امراض کا علاج کرنے والے سوشل ورکر ——— یہ سب لوگ جو مسائل زدہ اشخاص میں کام کرتے ہیں، روز بروز اسی انفرادی کام (کیس ورک) کے طریقۂ کار کو اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ ان حالات میں انفرادی کام کو دوسرے کاموں سے ممتاز ایک الگ کام اور ایسے کارکنوں کو دوسروں سے نمایاں ایک مخصوص پیشے کا پیشہ ور سمجھنا چاہیے۔

راشد : جناب والا' انفرادی کام کے کارکن اور دوسرے سماجی کارکنوں کے درمیان خاص فرق یہ ہے کہ انفرادی کام کے کارکن کے لئے جذباتی اعتبار سے زیادہ پختہ، شخصی نفسیات سے خوب واقف اور بات چیت کرنے کے فن میں زیادہ مشاق ہونا

ضروری ہوتا ہے۔

سدرشن کپور: غزالہ نے ابھی بڑے پتے کی بات کہی تھی۔ میں اسی میں ایک آدھ کا اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ آجکل موجودہ سوشل ایجوکیشن آرگنائیزر کے عہدے کا نام بدل کر کمیونٹی آرگنائیزر رکھے جانے کا چرچا ہے۔ آپ کا کیا خیال ہے، کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے فیلڈ میں اُس کا اس وقت جو کام ہے کیا نام کی اس تبدیلی سے اُس میں کچھ بہتری کی امید ہے؟

اُستاد: بھئی جب تک عمل کے میدان میں اس کے کام کی اس نئی تعریف کا مشاہدہ نہ کر لیا جائے، میرے لئے دونوں کا فرق سمجھنا اور سمجھانا مشکل اور خلافِ عقل ہے۔ اگر یہ تبدیلی صرف عہدے کے نام کی تبدیلی کی حد تک ہے، تو اس سے اُس کے کام کا معیار بہتر ہوگا، میں ایسا نہیں سمجھتا۔ ذاتی طور پر میں بار بار نام تبدیل کرنے کے حق میں نہیں ہوں جب تک کسی عہدے دار کو اپنا کام دکھانے کے لئے کافی وقت نہ دیا جائے، اُس وقت تک اس کے عہدے کا نام نہیں بدلنا چاہیئے۔ بچپن میں یہ دیکھنے کے لئے کہ پودا کتنا بڑھا، میں ہر تیسرے دن اس کی جڑیں اُکھاڑ اکھاڑ کر گنا کرتا تھا۔ یہ بار بار نام بدلنے کا معاملہ بھی بالکل ایسا ہی ہے۔ سوچنے کی بات ہے کہ سوشل ایجوکیشن آرگنائیزر کا نام بدل کر اگر کمیونٹی آرگنائیزر کر دیا گیا تو اس کے کاموں کی فہرست میں کون سا قابلِ ذکر فرق پیدا ہو جائے گا؟ کام کی کیا شکل ہو، کس کام پر کتنا زور دیا جائے، کون سا کام پہلے ہاتھ میں لیا جائے، ان باتوں میں متعلقہ افسروں کی پالیسی، تجربہ اور نقطۂ نظر کے لحاظ سے تبدیلیاں آسکتی ہیں۔ اسی طرح کسی مخصوص علاقے کی ضرورتوں کے لحاظ سے اور اس لحاظ سے کہ ڈیولپمنٹ کا کام کس منزل میں ہے، پروگرام میں بھی تبدیلی ہونی چاہیئے۔ سوشل ایجوکیشن آرگنائیزر کے کاموں کی نوعیت پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ وہ سب سے پہلے جماعتی کارکن (گروپ ورکر) ہے اور اس کے بعد اور کچھ۔

چھوٹے لال: کارل سی۔ ٹیلر بھی، جیسا کہ اس نے اپنی مشہور رپورٹ میں اشارہ کیا ہے، یہی عقیدہ رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ سوشل ایجوکیشن آرگنائیزر کو گروپ ورکر ہی کی حیثیت سے کام کرنا چاہیئے۔

چمن لال: ڈاکٹر ڈگلاس اینسمنگر نے اپنی کتاب "سوشل ایجوکیشن کا اصول اور اخلاق" میں لکھا ہے (کتاب میں سے پڑھتے ہیں) "گاؤں والوں میں نیا نقطۂ نظر پیدا کرنے کے لئے سب سے پہلا قدم یہ ہے کہ گاؤں کے سرداروں کی کھوج لگائی جائے اور معلوم کیا جائے کہ ان کے پیچھے چلنے والوں کی تعداد کس قدر ہے۔" اگر ہم سوشل ایجوکیشن کے سلسلے کی مختلف رپورٹیں، تبادلۂ خیالات کے خلاصے اور کتابیں ذرا غور سے پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ اس کارکن کے کام کی نوعیت گاؤں کی فلاح و بہبود ہے اور یہی وہ اہم نکتہ ہے جس پر ہمیں غور کرنا چاہیئے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں ہونی چاہیئے کہ اس کے عہدے کا کیا نام ہے۔ ہمیں صرف یہ دیکھنا چاہیئے کہ وہ کام کیا کرتا ہے۔

غزالہ: میرا نقطۂ نظر بھی کم و بیش یہی ہے، اور اسی وجہ سے میں نے وہ سوال اٹھایا تھا۔ اور صرف میں ہی نہیں، دوسرے

بھی بہت سے لوگ ہیں جو اسی طرح سوچتے ہیں۔ مثال کے طور پر میں آپ کی توجہ انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے دسویں نیشنل سیمینار کی طرف مبذول کرانا چاہتی ہوں جو نومبر ۱۹۵۹ء میں "سوشل ایجوکیشن کی تنظیم اور نظم و نسق" کے موضوع پر منعقد ہوا تھا۔ اس سیمینار میں گروپ نمبر ایک نے "سوشل ایجوکیشن اور سینٹرل سوشل ویلفیر بورڈ کے باہمی تعلق" کے زیر عنوان حسب ذیل رائے ظاہر کی تھی: "گروپ کی رائے ہے کہ لیڈی سوشل ایجوکیشن آرگنائزروں کی جگہ سنٹرل سوشل ویلفیر بورڈ میں ہونی چاہیے۔ بورڈ جس وقت تربیت یافتہ کارکنوں کا معقول انتظام کرلے اس وقت سوشل ایجوکیشن کی سرگرمیاں بھی، خواہ وہ کسی سطح کی ہوں، اسی کے دائرۂ عمل میں آجانی چاہئیں سنٹرل سوشل ویلفیر بورڈ ایک عورتوں کی جماعت ہے، اس لئے بھی یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ لیڈی سوشل ایجوکیشن آرگنائزر بورڈ سے منسلک کردی جائیں جہاں وہ عورتوں اور بچوں کے لئے زیادہ کارآمد کام کرسکیں گی۔ ڈسٹرکٹ سوشل ایجوکیشن آفیسر بہر حال لیڈی سوشل ایجوکیشن آرگنائزروں کے کام کا نگراں ہوگا۔"

السیس بسی بشرما: تو کیا اس کا مطلب میں یہ سمجھوں کہ سوشل ایجوکیشن کے میدان میں جو کام عورت کرے وہ سوشل ورک ہے اور جو کام مرد کرے وہ سوشل ایجوکیشن؟

استاد: بھئی اصل زندگی کو دیکھئے تو دونوں کا ایک ہی جیسا کام ہے۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ ایک ہی مقام پر وہ دونوں کام کریں تو ان کے کام الگ الگ نوعیت کے ہوں گے؟ اس کا کوئی امکان ہے؟ پھر ڈیولپ منٹ بلاک میں پنچایت اور کواپریٹیو آرگنائزروں کے کام کا بھی تو موقع ہے! تو کیا آپ کے خیال میں اس بات کی ضرورت ہے کہ ایک ہی بلاک میں ایک ہی وقت میں سوشل ایجوکیشن آرگنائزر بھی کام کریں اور سوشل ورکر بھی؟ میں سوشل ایجوکیشن آرگنائزروں اور سوشل ورکروں کے کام سے گزشتہ پندرہ سال سے بخوبی متعارف ہوں۔ یہ سب کے سب جماعتی (گروپ ورک) اور بین الجماعتی (انٹر گروپ ورک) کام ہی کرتے ہیں اور جو کچھ اور جیسا کچھ وہ کرتے ہیں وہ منحصر ہوتا ہے ان کی اپنی شخصیت، علم اور عملی تجربے کے اوپر۔

قریشی: جماعتی کام (گروپ ورک) کی آخر اس قدر اہمیت کیوں ہے؟

استاد: آپ کو یاد ہے دو فقرے مجھے بہت محبوب ہیں اور میں اکثر ان کا ذکر کرتا رہتا ہوں!

گپتا: آپ تو بہت سے فقروں کا ذکر کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت آپ کی مراد کن فقروں سے ہے؟

استاد: کشمکش ....

پوری جماعت: جی ہاں، کشمکش ایک ایسی صورتِ حال ہے جو سماج میں ہر وقت موجود رہتی ہے۔

استاد: انسان کی زندگی ....

پوری جماعت: جی، انسان کی زندگی دراصل جماعتی زندگی ہوتی ہے۔

فاروقی : کچھ تھوڑی سی تشریح براہِ کرم اور کیجئے۔ یہ فقرے واقعی بہت بامعنی ہیں، میں سمجھنا چاہتا ہوں کہ عام زندگی میں ان کا اطلاق کس طرح ہوتا ہے۔

استاد : کیا پوری جماعت کی یہی خواہش ہے ؟ یہ میں اس لئے جاننا چاہتا ہوں کہ اگر صرف فاروقی صاحب یہ بات سمجھنا چاہتے ہیں تو وہ مجھ سے الگ مل لیں اور ہم ٹیوٹوریل کانفرنس میں اِس موضوع پر بات چیت کرلیں۔

شرجیت : جی یہی مناسب ہوگا کہ آپ ہم سب کو اس میں شریک کرلیں۔ یہ آپ کا ہم لوگوں کے لئے آخری لیکچر ہوگا اور ہم اس سے بہت کچھ سیکھ لیں گے۔

استاد : آج دنیا کا کوئی حصہ ہو، اُس کی سماجی قوتوں کے اوپر بین الاقوامی دھارے کا بہت زبردست اثر پڑرہا ہے۔ دنیا میں سوچنے کے دو نہایت نمایاں ڈھنگ ہوگئے ہیں اور اس اعتبار سے دنیا دو حصوں میں تقسیم ہوگئی ہے۔ ہمارے ہندوستان کی زبردست کوشش یہ ہے کہ وہ ان دونوں مدارس خیال — سرمایہ داری اور اشتراکیت — کے ساتھ رہے، چنانچہ اس نے اپنی معیشت کی جو تنظیم کر رکھی ہے اُسے "ملی جلی معیشت کی پالیسی" کہا جاتا ہے۔ جب کبھی کوئی جھگڑا کھڑا ہوتا ہے اور کسی نہ کسی الجھن میں پھنسنے کا اندیشہ ہوتا ہے تو وہ بیچ سڑک میں جا کھڑا ہوتا ہے تاکہ کسی ایک کے ساتھ نہ ہوجانا پڑے۔ اب یہ بات تو مستقبل ہی بتائے گا کہ ہندوستان کسی ایک کی گرفت میں آئے یا اُس کی طرف کو جھکے بغیر اس طرح ناک کی سیدھ میں کب تک چل سکے گا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ اگر آزاد ہی رہنا ہے تو اُسے بہت تیز تیز قدم اٹھانا پڑے گا۔ وقت بہت تھوڑا رہ گیا ہے۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں سرداری ہے، وہ بوڑھے اور تعداد میں کم رہ گئے ہیں۔ پریشان خیالی ہے کہ روز بروز بڑھتی جارہی ہے۔ کھری کھری باتیں اور شکوہ شکایت بہت ہونے لگی ہے۔ تنقید کا لہجہ سخت ہوگیا ہے، اور بات بات پر اور کھلے عام نکتہ چینی ہونے لگی ہے۔ مخالفت کا میدان وسیع سے وسیع تر ہوتا جارہا ہے۔ اسی طرح جھگڑے، دَل بندی، اور دھڑے بازی کا بازار گرم ہورہا ہے اور اوپر سے نیچے تک، ہر سطح کے لوگوں کو اپنی لپیٹ میں لئے لے رہا ہے۔

اور فتنہ وفساد کی یہ ہوا کچھ ہندوستان ہی تک محدود نہیں ہے۔ نا اتفاقی اور کج بحثی کی کیفیت ترقی یافتہ سے ترقی یافتہ ملکوں کے بڑے سے بڑے آدمیوں میں موجود ہے۔ یہ کیفیت ملکوں کی پارلیمنٹوں، یو۔این کی اسمبلی، یونیسکو کے سیناروں اور چوٹی کی کانفرنسوں غرض ہر جگہ نظر آتی ہے، مگر جو جماعتیں معقول اور عدل پسند ہوتی ہیں، وہاں اس کیفیت میں شدت نہیں ہوتی بلکہ اس میں صحت مندی پائی جاتی ہے۔

سماج میں کشمکش کو تقویت دینے اور اُسے پھیلانے والے تین بڑے عناصر ہوتے ہیں جو یہ ہیں :

۱ — سامانِ آسائش کی کمی خصوصاً اچھی زندگی گذارنے کے لئے جس معاشی ضمانت کی ضرورت ہوتی ہے اس کی غیر موجودگی

۲۔ مطلب پرست عناصر کا غلبہ۔

۳۔ تعصبات کا دور دورہ اور اچھی سائنٹفک تعلیم کی کمی۔

یہ تینوں عناصر ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں اور انسانی زندگی کو روزِ اوّل ہی سے گھن کی طرح کھاتے رہے ہیں۔ انسان نے ان شیطانی قوتوں کا مقابلہ کرنے اور انھیں کامیابی کے ساتھ مسخر کرنے میں جن طاقتور سماجی قوتوں سے کام لیا ہے، ان میں سے ایک نہایت طاقتور قوت جماعتی زندگی رہی ہے۔ زندگی کی جدوجہد میں انسان کی فتح، اس کی نشوونما اور ترقی اور اس کی تمام کامیابیاں، خالصتاً اسی بات کی مرہونِ منت ہیں کہ جماعت میں اس کا طرزِ عمل کیا اور کیسا رہا ہے۔

ہیلن ٹیوڑ: یہ بات تو شاید صحیح نہ ہو کہ پہلا انسان بھی جماعتی زندگی کا عادی تھا۔ زیادہ سے زیادہ وہ غذا کی فراہمی میں ایک دوسرے کے ساتھ ممکن ہے، شرکت کرتا ہو، لیکن اگر یہ صحیح بھی ہو تو انسان کی ساری زندگی غذا ہی کا نام تو نہیں!!

استاد: بہتر یہ ہوگا ہیلن صاحبہ کہ آپ اپنا پوائنٹ نوٹ کرلیں۔ اس کے اوپر ہم اُس وقت بحث کریں گے جب میں اپنی یہ تقریر ختم کرلوں، ویسے اتنی بات سمجھ لیجئے، کہ انسان غذا کے بغیر زندہ بھی نہیں رہ سکتا۔

ہاں تو میں جماعتی زندگی کے بارے میں باتیں کر رہا تھا۔ میں نے کہا تھا "خالصتاً"۔ اگر "خالصتاً" نہ بھی کہئے تب بھی اس میں تو شبہہ ہی نہیں ہے کہ زندگی کی جدوجہد میں انسان کی فتح، اس کی ترقی اور نشوونما اور تمام کامیابیاں "۹۹ فیصدی" اس کی جماعتی زندگی کی مرہونِ منت رہی ہیں۔ اب اس کی ٹھوس مثالیں سُنئے۔ معاشی وسائل کی تنظیم کو لیجئے یہ سائل زیادہ سے زیادہ کارآمد بن سکتے ہیں اگر ان کی تنظیم میں جماعتیں شریک ہوں، مثلاً کواپریٹیو سوسائٹیاں ہیں، پیداوار کرنے والوں کی انجمنیں ہیں، اور مزدور سبھائیں ہیں۔ غرض انسان کے معاشی حالات کو فروغ دینے کے لئے جماعتوں کا وجود بہت زیادہ ضروری ہے۔

اسی طرح منظم شکل میں جماعت کے مل کر کام کرنے سے سماج کے مظلوم اور ستائے ہوئے طبقے میں قوت پیدا ہوتی ہے اور وہ اپنے مطلب پرست آقاؤں سے اپنی شرائط پر سودا کرنے کے لائق ہو جاتے ہیں اور اس طرح اس خود غرض عنصر کو اپنے قابو میں رکھ سکتے ہیں۔

پھر باجماعت تعلیم (گروپ ایجوکیشن) میں شرکت کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے نقطۂ نظر میں معقولیت اور وسعت پیدا ہوتی ہے۔

مل جُل کر سوچنے اور مل جُل کر کام کرنے کے معاملے میں اگرچہ اختلاف رائے اور ایک کے مقابلے میں دوسری بات رکھنے کی آزادی ہونی چاہیئے مگر اس کے باوجود زیادہ سے زیادہ کوشش اس کی ہونی چاہئے کہ اتفاق و اتحاد کا دائرہ زیادہ سے زیادہ وسیع رہے اور اس میں ہر نقطۂ خیال کی جھلک نظر آئے۔ ہماری ارادوں کو مکمل طور پر کامیاب بنانے میں جتنی مدد مل جُل کر سوچنے،

نقطۂ نظر کے اتحاد اور کام کے معاملے میں سب کے ایکا سے مل سکتی ہے کسی اور ذریعے سے ممکن نہیں ہے۔ اور باتوں میں چاہے ہم میں باہم اختلاف ہو، مگر ہمارا جو مقصودِ نظر ہے یعنی امن و خوشحالی اس میں ہم سب متحد ہوتے ہیں۔ صحت و توانائی منحصر ہوتی ہے جسم انسانی کے مختلف اعضاء دماغ اور سماج کے درمیان ہم آہنگی عمل کے اوپر۔ کمزوری یا کمزوری کے آثار و علامات کو مطلق العنانی کے انداز پر دبانا یا خیالی عقائد کی آڑ میں انھیں چھپانا ایسا طریقۂ علاج جو خود مرض سے بھی بدتر ہے۔ لہٰذا علاج کے تمام نسخوں میں سب سے اچھا نسخہ ہے اتفاق و اتحاد، مفاہمت، ارتباطِ باہمی اور بقائے باہم کی مسلسل کوشش۔ یہ ایسا کاروبار ہے جس میں نقصان کے مقابلے میں ہمیشہ نفع ہی کی امید رہتی ہے۔

اب بین الاقوامی سطح پر سوچیے۔ "پوری دنیا کی ایک حکومت" کا نصب العین، بلاشبہ بہت سے جھگڑوں اور مناقشوں کو مٹانے کے لئے سب سے پسندیدہ جماعت (ادارہ) ہے لیکن موجودہ صورتِ حالات میں یہ نصب العین بہت دور کی منزل ہے۔ اس سے قطع نظر متحدہ اقوام کی مجلس میں بقائے باہم کا اصول بھی بہت بڑی حد تک ہر قوم کے اوپر اثر انداز ہو سکتا ہے اور امن اور دوستی کا وہی جذبہ جو پوری دنیا کی ایک حکومت کے نصب العین کے پیچھے کارفرما ہے، اس طرح بھی چھن چھن کر انسانی بستی کی نچلی سے نچلی سطح تک غالب آسکتا ہے۔ اُدھر یہ عمل اوپر سے ہو اور دوسری طرف یہی عمل نیچے سے اوپر کو چلے یعنی امن اور دوستی کا جذبہ فرد سے شروع ہو کر خاندان میں، خاندان سے گاؤں میں اور گاؤں سے پنچایت میں فروغ پاتا رہے۔

القصہ جہاں دو مفادات میں کشمکش ہو، وہاں یہ نہیں ہونے دینا چاہیے کہ جس کے پاس لاٹھی ہے وہ بھینس کی ملکیت کا فیصلہ کرے۔ اب اس طرح نہ سوچیے کہ "یہ یا وہ" بلکہ کہیے "یہ بھی اور وہ بھی"۔ یہی دراصل جماعتیت کی روح ہے۔ اور ہر صحیح الخیال انسان کا — چاہے وہ مرد ہو یا عورت، عامی ہو یا کوئی چھوٹا یا بڑا لیڈر — یہ فرض ہے کہ وہ انسانوں میں اسی تعمیری طرزِ عمل کی تبلیغ اور پرچار کرے۔

ہندوستان میں دیہی فلاح و بہبود کا کام کرنے والے کارکن کی اس معاملے میں بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ یہ کام اُسے صحت مند اور صحیح الخیال جماعتوں کو تقویت پہنچا کر اور نئی جماعتوں کی تنظیم کرکے اور ان کی صحیح سمت میں رہنمائی کرکے کرنا ہوگا۔ امریکہ کی زندگی میں جماعت کا جو کردار ہے، اُس کا اندازہ وہاں کی ایک ضرب المثل سے ہوگا۔ کہتے ہیں کہ "جب حضرت عیسیٰ مسیح دوسری دفعہ تشریف لائیں گے تو وہ امریکنوں کو تین طبقات میں پائیں گے۔ ایک طبقہ وہ ہوگا جو کمیٹیوں کے جلسوں میں شرکت کے لئے جا رہا ہوگا، ایک وہ جو جلسوں میں شرکت کر رہا ہوگا اور ایک وہ جو جلسوں سے واپس آ رہا ہوگا"۔ بیٹرس ویب نے ثابت کر دیا ہے کہ سویت روس میں معاشی، تہذیبی اور سائنسی جو ترقیاں ہوئی ہیں، ان کے پیچھے ایک نہایت طاقت ور متحرک عوام کی تنظیموں کا ایک کبھی نہ ٹوٹنے والا سلسلہ رہا ہے یعنی کوآپریٹیو سوسائٹیاں، مقامی حکومتیں (سوویتیں)، اجتماعی کھیتیاں

مزدوروں کی تعلیم

اصول فن اور طریق کار

مزدوروں کی تعلیم کے اصول فن اور طریق کار کے موضوع پر انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے اہتمام میں ایک سات روزہ ورکشاپ نئی دہلی میں ۱۱ سے ۱۷ اپریل ۱۹۶۰ء تک منعقد ہوئی تھی (دیکھئے تعلیم و ترقی اپریل ۱۹۶۰ء) ذیل میں ہم ورکشاپ کی رپورٹ کا خلاصہ پیش کر رہے ہیں۔ — ایڈیٹر

ورکشاپ کی رائے میں اصول فن اور طریق کار کی حیثیت دراصل ذریعہ یا وسیلے کی ہوتی ہے جو کچھ مخصوص تعلیمی مقاصد کے حصول کے لئے اپنائے جاتے ہیں اس لئے مزدوروں کی تعلیم کے اصولِ فن اور طریق کار پر غور کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس کے اغراض و مقاصد پر غور کر لیا جائے اغراض و مقاصد متعین ہو جانے کے بعد ہی ان کی تکمیل کے لئے مناسب اور موزوں اصول فن اور طریق کار متعین کئے جا سکتے ہیں۔ طریق کار اور اصولِ فن کے انتخاب پر ان کے علاوہ دو اور چیزیں بھی اثر انداز ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ اس کے ماتحت کون کون سے مضامین لئے جائیں گے اور دوسرے یہ کہ جن کے لئے تعلیم کا انتظام کیا جا رہا ہے اس طبقے کے لوگوں کی کیا خصوصیات ہیں۔ ان باتوں کے پیشِ نظر ورکشاپ نے مزدوروں کی تعلیم کے اصول فن اور طریق کار پر غور کرنے سے پہلے باری باری سے ان تین باتوں پر غور کرنا مناسب سمجھا۔

مزدوروں کی تعلیم: اغراض و مقاصد

مزدوروں کی تعلیم کے اغراض و مقاصد کے سلسلے میں ورکنگ پیپر میں چار سوالات قائم کئے گئے تھے۔ پہلے سوال میں اس تعلیم کے دو مختلف مقاصد بیان کئے گئے تھے۔ ایک میں تعلیم کو علم اور معلومات کی ذخیرہ اندوزی بتایا گیا تھا اور دوسرے میں اس تعلیم کا مقصد مزدوروں کو اپنے ماحول سے جس میں کہ وہ رہتا سہتا اور کام کرتا ہے متعارف کرانے اور اس ماحول کو بہتر طریقے سے سمجھنے، اپنی شخصیت کو اجاگر کرنے اور اپنی صلاحیتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھانے میں مدد دینا بتایا گیا تھا۔ تھوڑی سی بحث کے بعد ورکشاپ میں لوگ اس نتیجے پر پہنچے کہ

علم اور معلومات کی ذخیرہ اندوزی کی جو اہمیت ہے اس سے انکار تو نہیں کیا جاسکتا مگر پھر بھی اس تعلیم کا خاص مقصد یہی ہونا چاہیئے کہ وہ مزدوروں کو اپنے ماحول سے جس میں وہ رہتا سہتا اور کام کرتا ہے بہتر طریقے سے متعارف کرائے اور اس ماحول میں جو مسائل ان کے سامنے پیش آتے ہیں ان کو حل کرنے میں مزدوروں کی مدد کرے اور ان کے اندر جو قوتیں اور صلاحیتیں موجود ہیں ان سے وہ اپنی شخصیت کو اجاگر کرنے میں پوری مدد لے سکے۔

ورکشاپ نے یہ بھی محسوس کیا کہ تعلیم کے کچھ فوری اور کچھ بنیادی یا دوررس مقاصد ہو سکتے ہیں۔ مزدوروں کی تعلیم کے فوری مقاصد کے تحت ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ اس تعلیم کو محسوس ضرورتوں کے پیش نظر جو ضروری اور مفید کام ہوں ان کی تکمیل کا ایک وسیلہ بن جانا چاہیئے۔ اس معنی میں تعلیم سماجی انقلاب کا ایک زبردست وسیلہ بن سکتی ہے اور اس حیثیت سے اس کا مقصد لوگوں کو اس سماج کا، جس میں وہ رہتے سہتے ہیں، ایک اچھا اور مفید رکن بنانا ہوتا ہے۔ ملک کی اقتصادی ترقی کے میدان میں مزدوروں کی تعلیم کو جو اہم منصب ادا کرنا ہے، ورکشاپ نے ان باتوں کو خاص طور سے پیش نظر رکھا۔ مگر اسی کے ساتھ ورکشاپ میں یہ احساس بھی رہا ہے کہ تعلیم کے اغراض و مقاصد کے سلسلے میں مخصوص زمانے کے تہذیبی ڈھانچے کے پیش نظر کچھ مخصوص تہذیبی قدروں کا ذکر کرنا خطرے سے خالی نہیں ہے بلکہ تعلیم کا جو اصل مقصد و منشا ہے اس پر ہماری توجہ ضرور ہونی چاہیئے۔ تعلیم کا اصل مقصد و منشا افراد کے ذہن اس کی سیرت اور قدر شناسی کی صلاحیتوں کو پوری طرح اجاگر کرنا ہونا چاہیئے۔ اور جن بنیادی قدروں کی تربیت اُسے کرنی ہو وہ ایسی ہوں جو زماں و مکاں کے اختلاف کے باوجود تمام بنی نوع انسان کے لئے حق، درست اور جاذب نظر ہوں۔ تعلیم کے اس وسیع مفہوم کو مدنظر رکھ کر ورکشاپ نے مزدوروں کی تعلیم کے اصول فن اور طریق کار پر غور کیا۔

ورکنگ پیپر میں جو دوسرا سوال قائم کیا گیا تھا وہ یہ تھا کہ آیا ورکرز ایجوکیشن کو مزدوروں کی اڈلٹ ایجوکیشن کہا جا سکتا ہے۔ اس سوال پر غور کرتے وقت ورکشاپ نے اس ضمن میں رائج مختلف اصطلاحوں جیسے اڈلٹ ایجوکیشن، سوشل ایجوکیشن اور فنڈامنٹل ایجوکیشن کے مفہوم پر بھی غور کیا۔ اس سلسلے میں ورکشاپ نے مزدوروں کی تعلیم کے موضوع پر کلکتے کے نیشنل سیمنار (منعقدہ دسمبر ۱۹۵۸ء) کی رپورٹ سے پورا پورا استفادہ کیا، جہاں ان مختلف اصطلاحات پر نہایت تفصیل کے ساتھ غور کیا جا چکا تھا۔ ورکشاپ نے سیمنار کی رائے سے اتفاق ظاہر کیا۔

اڈلٹ ایجوکیشن کی اصطلاح سے سیدھا مطلب بالغوں کی تعلیم نکلتا ہے۔ یہاں تعلیم کا منصب اور میدان اتنا ہی وسیع، ہمہ گیر اور رنگا رنگ ہے جتنی کہ خود زندگی۔ ایجوکیشن سے پہلے اڈلٹ لفظ کا اضافہ صرف عمر کی قید لگاتا ہے یعنی ایسی تعلیم جو بالغوں کے لئے ہو۔ یہاں تعلیم کا مفہوم وسیع ہے صرف قید یہ ہے کہ یہ تعلیم بچوں کے لئے نہ ہو کر بالغوں کے لئے ہوگی۔ فنڈامنٹل ایجوکیشن کی اصطلاح ابھی حال ہی میں یونیسکو نے رائج کی ہے جس کا مقصد پس ماندہ قوموں کے لئے ایک کم سے کم معیار کی تعلیم کی ضرورت اور اہمیت پر زور دینا

ہوتا ہے۔ یونیسکو کے ایک بیان کے مطابق ہندوستان میں سوشل ایجوکیشن، فلپائن میں کمیونٹی ایجوکیشن اور افریقہ کے مختلف علاقوں میں رائج ماس ایجوکیشن کی اصطلاحات اس کی ہم معنی ہیں۔ سوشل ایجوکیشن کی اصطلاح، ہندوستان میں اڈلٹ ایجوکیشن کی رائج سرگرمیوں کو، جو اس وقت لکھنا پڑھنا اور معمولی حساب کتاب تک محدود تھیں ایک وسیع مفہوم دینے کے لئے اختیار کی گئی ہے۔ اس میں شہریت کی تعلیم پر خاص توجہ دی گئی تھی۔ ان باتوں کے پیش نظر سیمنار نے یہ خیال قائم کیا کہ فنڈامنٹل ایجوکیشن اور سوشل ایجوکیشن کے احاطے میں بہت سی مشترک سرگرمیاں شامل ہوتی ہیں۔ یہ اصطلاحیں اڈلٹ ایجوکیشن سے اس معنی میں وسیع مفہوم رکھتی ہیں کہ ان کے احاطے میں زیادہ افراد آتے ہیں۔ اس میں کسی بھی عمر کے لوگ شامل ہو سکتے ہیں۔ بہرحال ان دونوں کی تعلیمی سرگرمیوں کا میدان اتنا وسیع نہیں ہے جتنا اڈلٹ ایجوکیشن کا۔

سیمنار کی رائے میں اڈلٹ ایجوکیشن اور ورکرز ایجوکیشن میں فرق صرف اس بات کو لے کر نہیں ہے کہ اس میں ایک خاص طبقے کے لوگ شامل ہوتے ہیں، بلکہ اپنے موضوع اور مواد تعلیم کے اعتبار سے بھی ان میں کافی فرق ہوتا ہے۔ مزدوروں کی تعلیم میں براہ راست اور فوری سماجی مقاصد پر زیادہ زور دیا جاتا ہے یعنی اس بات پر کہ وہ مزدوروں کو اپنے ماحول اور مسائل سے روشناس کرنے اور ان کے حل کے طریقے سکھانے میں مدد دے۔

ورکنگ پیپر میں دو اور سوال قائم کئے گئے تھے۔ ایک ٹریڈ یونینوں کی تنظیمی اور تعلیمی سرگرمیوں کے باہمی تعلق سے متعلق تھا اور دوسرا اس بات سے متعلق کہ ٹریڈ یونینیں اپنے ممبروں کی تعلیم پر توجہ دیئے بغیر اپنے اغراض و مقاصد میں پوری طرح کامیاب ہو سکتی ہیں یا نہیں۔ ورکشاپ کا خیال تھا کہ ایک ٹریڈ یونین کے بہت سے تنظیمی مسائل ہوتے ہیں جیسے کم تعداد میں ممبر بننا، ممبروں کا یونین کی سرگرمیوں میں دلچسپی نہ لینا جس کا ثبوت یونین کے جلسوں میں کم تعداد میں حاضری اور چندے کی ادائیگی میں پابندی نہ برتنے سے مل جاتا ہے) یہ مسائل اس بات کا نتیجہ ہیں کہ مزدوروں میں اور یونین کے ممبروں میں بیداری نہیں آئی ہے۔ انھیں اس بات کا احساس ہی نہیں ہے کہ یونین کا ہونا ان کے لئے کیوں ضروری ہے، یونین ان کے لئے کیا کچھ کر سکتی ہے اور یونین کے ایک رکن کی حیثیت سے ان کے اوپر کیا کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ ٹریڈ یونین کے لیڈر اکثر یہ شکایت کرتے ہوئے سنے گئے ہیں کہ ان کے اوپر کام کا بار بہت زیادہ ہے، مزدوروں کے اندر سے لیڈر نہیں ابھر رہے ہیں، جو ان کی ذمہ داریوں کو بانٹ سکیں۔ یہ مسائل آج دراصل اس وجہ سے ہیں کہ مزدوروں میں لیڈرشپ کی تربیت پر زیادہ توجہ نہیں دی جا رہی ہے۔ یہ بات ہمیں مزدوروں کی تعلیم کی ضرورت کا احساس دلاتی ہے۔ ان باتوں کے پیش نظر ورکشاپ کا یہ خیال تھا کہ ایک یونین کی تنظیمی اور تعلیمی سرگرمیوں کو ایک دوسرے سے بالکل الگ نہیں کیا جا سکتا اور صحیح معنوں میں ایک جمہوری تنظیم ممبروں کی تعلیم پر خاطر خواہ توجہ دیئے بغیر ممکن نہیں ہے۔ دراصل تعلیم کو ہی یونین کی تمام تنظیمی سرگرمیوں کی بنیاد بننا چاہیئے۔

ایک ٹریڈ یونین کا مقصد چونکہ مزدوروں کو ایک اچھی اور صحت مند زندگی گذارنے کے لئے تیار کرنا ہوتا ہے۔ اس حیثیت سے صرف مزدوری میں اضافہ کرا دینا اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے کافی نہیں ہے۔ کچھ نمائندوں نے اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے بتایا کہ مزدوری میں اضافے سے اکثر کیا کیا بُرے نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ لوگ شراب نوشی، قماربازی اور دوسری فحش چیزوں پر زیادہ پیسے خرچ کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس سے مزدوروں کے معیار زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ اس لئے یونین کے لئے ضروری ہے کہ وہ مزدوروں میں اچھی زندگی کی بھوک اور اعلیٰ قدروں کا شعور پیدا کرنے میں مدد دے۔

دائرۂ عمل اور نصاب تعلیم

ورکشاپ کا خیال تھا کہ مزدوروں کی تعلیم کے اغراض و مقاصد پر غور کرتے وقت اس کے دائرۂ عمل اور مواد تعلیم کی حدود بھی کسی حد تک متعین ہو چکی تھیں۔ اگر مزدوروں کی تعلیم کو مزدوروں کے مسائل پر بحیثیت ایک جماعت کے اپنی توجہ مرکوز کرنی ہو تو ان کے مسائل کا ایک خاکہ یا دوسرے الفاظ ان کی ضروریات اور مطالبات کی ایک فہرست اس مقصد کے لئے ان کے نصاب تعلیم کا ایک موٹا سا خاکہ تیار کرنے میں مدد دے سکتی ہے۔ ورکشاپ نے مزدوروں کی ضروریات پر مندرجہ ذیل تقسیم کے مطابق غور کیا!

۱۔ مزدور شہری بستی کے ایک رکن اور خاندان کے سربراہ کی حیثیت سے

۲۔ مزدور ایک صنعت گاہ میں ملازم کی حیثیت سے

۳۔ مزدور ٹریڈ یونین کے ایک رکن کی حیثیت سے

۴۔ مزدور یونین کی ایک شاخ کے عہدہ دار کی حیثیت سے

۵۔ مزدور قومی سطح کی مزدور یونین کے عہدہ دار کی حیثیت سے

مندرجہ بالا تقسیم نے مزدوروں کے لئے مواد تعلیم کے انتخاب میں بہت مدد پہنچائی۔ ورکشاپ نے مندرجہ بالا تقسیم کی پہلی شق کے تحت "یعنی مزدور ایک شہری بستی کے رکن اور کنبے کے ایک سربراہ کی حیثیت سے" اس کے مخصوص مسائل پر غور کرتے وقت یہ رائے ظاہر کی کہ ہندوستان کی صنعت گاہوں میں کام کرنے والے بیشتر افراد گاؤں سے آتے ہیں اور ان کی تربیت دیہی ماحول کے پس منظر میں ہوئی ہوتی ہے۔ شہروں کی پیچیدہ زندگی میں ان مزدوروں کے سامنے بہت سے دشوار مسائل پیش آتے ہیں۔ انھیں گندی بستیوں کے ماحول میں رہنا ہوتا ہے جو اخلاقی اور جسمانی اعتبار سے غیر صحت مند ہوتا ہے۔ اُسے مختلف سماجی اور تہذیبی پس منظر رکھنے والے لوگوں کے درمیان زندگی گذارنی ہوتی ہے۔ شہروں میں صحت و صفائی کا معاملہ بھی دیہاتوں سے مختلف ہوتا ہے۔ ورکشاپ کا خیال تھا کہ ایک مزدور کے لئے اپنے کنبے کے سربراہ کی حیثیت سے یہ جاننا ضروری ہے کہ اُسے اپنے یا اپنے خاندان کے کسی دوسرے

فرد کے لئے وقت ضرورت دوا علاج اور تعلیم وغیرہ کی سہولتیں کہاں سے مل سکتی ہیں۔ اسے اپنے پڑوس میں بسنے والے دوسرے لوگوں کی تہذیب کو سمجھنا اور اس کی قدر کرنا سیکھنا چاہیئے اور یہ بھی جاننا چاہیئے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ کس طرح مل جل کر زندگی گذار سکتا ہے۔ ورکشاپ کے کچھ ممبروں نے مزدوروں کی تعلیم کے نصاب میں فیملی پلاننگ کو شامل کئے جانے پر بہت زور دیا۔ اسی طرح فرصت کے اوقات کے نفع بخش استعمال کے طریقے اور صحت مند تفریحی مشاغل پر بھی کچھ لوگوں نے بہت زور دیا ان کا خیال تھا کہ اس طرح انھیں شہری زندگی کی رنگا رنگ اور دلفریب خرافات سے بچایا جا سکتا ہے۔ یہ بھی محسوس کیا گیا کہ مزدوروں کو اپنے اخراجات کا تخمینہ تیار کرنا بھی جاننا چاہیئے جس سے وہ اپنی محدود آمدنی میں ہی اپنے معیار زندگی کو زیادہ سے زیادہ بلند کر سکیں۔ کچھ نمائندوں نے مزدوروں میں کفایت شعاری کی عادت پیدا کرنے پر بہت زور دیا، جس سے وہ اپنے بڑھاپے یا کسی ناگہانی حادثے کے بعد اپنے پس ماندگان کے لئے کچھ رقم بچا کر رکھ سکیں۔ اپنے ملک کے ایک شہری کی حیثیت سے مزدوروں کو اپنے شہری حقوق اور ذمہ داریوں سے باخبر رہنا چاہیئے جس سے کہ وہ شہری زندگی میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لے سکیں، اور شہری زندگی میں اپنا منصب پوری دیانت داری سے ادا کر سکیں۔

مندرجہ بالا ضرورتوں کے پیش نظر سیمینار نے نصاب تعلیم میں مندرجہ ذیل مضامین تجویز کئے۔

۱۔ خواندگی اور عام تعلیم۔

۲۔ شہری سماجی تعلیم جس میں خاندان اور بچوں کی بہبود، گھر کی تنظیم، فیملی پلاننگ وغیرہ خاص طور سے شامل ہوں۔

۳۔ صنعتی سماجیات اور صنعتی نفسیات (INDUSTRIAL SOCIOLOGY AND INDUSTRIAL PSYCHOLOGY) جس سے مزدور اپنے اردگرد کے ماحول کو آسانی سے سمجھ سکیں اور اس میں اپنے آپ کو ہم آہنگ کر سکیں۔

۴۔ عام سماجی تعلیم جس میں شہریت کی تعلیم پر خاص توجہ دی جائے جس سے مزدوروں کو نوخیز جمہوریت کے تقاضوں کو سمجھ کر اس میں پوری ہوشمندی سے حصہ لینے کے لئے تیار کیا جا سکے۔

مزدور کارخانے کے ایک ملازم کی حیثیت سے

یہ محسوس کیا گیا کہ جو مزدور کارخانوں اور ملوں میں کام کرتے ہیں وہ عام طور سے دیہاتوں سے آئے ہوئے ہوتے ہیں۔ یہاں وہ اپنے کام کے ماحول میں ایک بہت بڑی تبدیلی پاتے ہیں۔ گاؤں میں لوگوں کو نسبتاً زیادہ آزادی سے کام کرنے کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کو اپنے کارخانے کے قواعد و ضوابط اور حکم ناموں کا علم ہونا چاہیئے۔ اور اسی کے ساتھ رائج قانون کے مطابق انھیں جو حقوق حاصل ہیں اور جو پابندیاں ان کے اوپر عائد ہوتی ہیں انھیں

ان سب کا علم ہونا چاہیئے۔ فیکٹری میں اپنے کام کو بخوبی انجام دینے کے لئے اسے اپنے کام میں مزید مہارت حاصل کرنے یا کبھی کبھی کچھ نئے کام سیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ مزدوروں کی تعلیم کے ماتحت کے یہ مواقع بھی اُسے ملنے چاہئیں۔ ایک مزدور کو یہ بھی جاننا چاہیئے کہ اس کی فیکٹری کا تنظیمی ڈھانچہ کیسا ہے؟ ہوسکتا ہے کہ اس کے کارخانے کے تنظیمی معاملات میں مزدوروں کو شرکت کا موقع ہو اور اس مقصد کے لئے ورک کمیٹی وغیرہ قائم ہوں، اسے ان کمیٹیوں کا علم بھی ہونا چاہیئے۔ کارخانوں میں کام کرنے والے مزدوروں کی مندرجہ بالا ضرورتوں کے پیش نظر ورکشاپ نے سابقہ نصاب میں جو مضامین آچکے ہیں ان کے علاوہ مندرجہ ذیل مضامین تجویز کئے۔

۱۔ فیکٹری کے قواعد و ضوابط اور حکم نامے

۲۔ مزدوروں سے متعلق قوانین۔

۳۔ اجتماعی معاہدہ یا وہ معاہدے جن کا تعلق فیکٹریوں میں کام کرنے والے ملازمین سے ہو۔

۴۔ صنعت کی اقتصادی اہمیت، جس میں اس صنعت کا ذکر خاص طور سے ہو جس میں وہ کام کر رہا ہو۔

۵۔ صنعت کی تنظیم (دو جماعتی کمیٹیوں (مزدوروں اور منتظموں کی مشترکہ کمیٹی) کی تنظیم اور کام اور شکایتیں رفع کرنے کا طریقہ۔

۶۔ پیشہ ورانہ تعلیم جس میں دورانِ ملازمت میں تربیت دینے پر خاص توجہ ہو۔

۷۔ ٹریڈ یونین کے اغراض و مقاصد؛ اس کی ضرورت اور کام

۸۔ مزدور اور محنت کی اقتصادی اہمیت۔

ورکشاپ نے اس بات پر بھی زور دیا کہ مزدوروں کی تعلیم کو مزدوروں کے اندر بھروسہ اور اعتماد پیدا کرنے میں مدد دینی چاہیئے۔ اُن میں اس بات کا احساس پیدا کرنا چاہیئے کہ ایک آزاد ملک کے شہری کی حیثیت سے انھیں برابری کے سماجی اور سیاسی حقوق حاصل ہیں۔ ان کے حقوق کسی بھی بڑے سے بڑے آدمی سے کم نہیں ہیں۔ قانون کے نزدیک سب ہی برابر ہیں۔ ایسا محسوس کیا گیا کہ اس سے ان کے اندر سے وہ احساس کمتری کم ہوگا جو ایک جاگیردارانہ سماج کے پس منظر میں تربیت پانے کی وجہ سے ان کے اندر پیدا ہو چکا ہوتا ہے۔ گاؤں میں لوگ زمیندار کے اقتدار سے اس قدر مرعوب ہوتے ہیں کہ یہ بات ان کی سمجھ میں مشکل سے آتی ہے کہ ایک عام آدمی بھی ان کے برابر کا ہوسکتا ہے۔ جب ہی دیہات کا رہنے والا شہر میں آتا ہے تو مل مالک کو وہی پرانا زمیندار تصور کرنے لگتا ہے۔ ورکشاپ نے یہ بات محسوس کی کہ اس صورت حال میں ٹریڈ یونین یا کسی دوسری جمہوری تنظیم کی ضرورت اور افادیت کو سمجھنا ان کے لئے اس وقت تک غیر ممکن سی بات رہے گی جب تک ان کے اندر سے جاگیردارانہ ذہنیت اور تقدیر پرستی کے رجحان کو دور نہ کر دیا جائے۔

مزدور ایک ٹریڈ یونین کے رکن کی حیثیت سے

ٹریڈ یونین کے ایک رکن کی حیثیت سے ایک مزدور کی ضروریات پر غور کرتے وقت یہ بات محسوس کی گئی کہ ان کے نصاب تعلیم میں مندرجہ بالا دو نصاب کے ماتحت جن مضامین کا ذکر کیا گیا ہے ان مضامین کے علاوہ ٹریڈ یونین کے ایک رکن کی حیثیت سے ان کے حقوق اور فرائض اور ٹریڈ یونین کے کاموں میں پوری دلچسپی کے ساتھ حصہ لینے کی اہمیت اور افادیت اچھی طرح ذہن نشین کرانے کی ضرورت ہو گی۔

برانچ یونین کے ایک عہدہ دار کی حیثیت سے

کسی برانچ یونین کے عہدہ دار کی حیثیت سے ان کی ضروریات پر غور کرتے وقت ورکشاپ نے محسوس کیا کہ پہلے تین نصابوں میں جو مضامین شامل کئے گئے ہیں ان کے علاوہ مندرجہ ذیل مضامین اور شامل ہونے چاہئیں۔

۱۔ ٹریڈ یونین کے تنظیمی اور انتظامی مسائل جیسے یونین کی رکنیت، جلسوں کا انتظام، چندے وصول کرنا، دفتری کارروائی اور حسابات وغیرہ مکمل رکھنا۔

۲۔ اجتماعی سودے بازی، شکایتوں کو رفع کرنے کی تدابیر اور صنعتی تعلقات۔

قومی یونین کے ایک عہدہ دار کی حیثیت سے

ایک مزدور جو کسی قومی سطح کی یونین کا عہدہ دار ہو اس کی ذمہ داریوں سے متعلق غور کرتے وقت عام خیال یہی تھا کہ ان کے لئے آخری طور پر کوئی نصاب مرتب نہیں کیا جا سکتا ہے۔ بہر حال مندرجہ بالا نصابوں کے تمام مضامین اس میں شامل ہوں، جن میں مندرجہ ذیل باتوں پر خاص توجہ دی جائے۔

(۱) اجتماعی سودے بازی اور صنعتی تعلقات۔

(۲) مزدوروں اور صنعتوں سے متعلق قانون۔

(۳) محنت اور صنعت کی اقتصادیات اور اقتصادی ترقی کے مسائل۔

(۴) صنعتی سماجیات اور نفسیات

(۵) حساب کتاب اور کمپنی کی بیلنس شیٹ وغیرہ کو سمجھنا۔

(۶) محنت اور مزدوروں سے متعلق اعداد و شمار

(۷) پیداواریت اور صنعت کی جدید تنظیم، انتظام کا بہتر طریقہ، کاموں کا جائزہ اور مشین سے متعلق دوسری فنی معلومات۔

کمیونٹی سنٹر

عوام کی تعلیم کا ایک وسیلہ

سوشل ایجوکیشن کے ذریعے عوام کی تعلیم کے جتنے وسیلے اب تک اختیار کئے گئے ہیں، ان میں کمیونٹی سنٹر کی حیثیت بہت نمایاں رہی ہے اگرچہ اس کے باوجود یہ لفظ بھی سوشل ایجوکیشن کے حلقوں میں تقریب تقریب اتنا ہی بدنام ہے جتنا خواندگی اور اس کی مہیں۔ لیکن کیا یہ وسیلہ اس بدنامی کا واقعی مستحق ہے یا اس کی بدنامی کی وجہ کچھ اور ہے؟ اور آیا اس کی صحیح غرض وغایت اور اس کے ٹھیک استعمال کا علم کرکے ہم اسے پھر استعمال کر سکتے ہیں؟

یہ تھے چند حقائق اور سوالات جن پر غور کرنے کے لئے ہم نے اپنی "بات چیت" کی چوتھی بیٹھک منعقد کی تھی۔ موضوع پر بحث دو بیٹھکوں میں ختم ہوئی جن میں شری نیکی رام گپتا، شری مشتاق احمد، شری شمس الرحمٰن محسنی، شری سُدرشن کپور، شری محمد عتیق، شری عبدالستار، شری مصطفےٰ علی، شری نور محمد، شری حسین حسّان، شری برکت علی فراقی اور شری زینق شاستری شریک تھے۔

نیچے ہم بحث کے اس حصے کا خلاصہ دے رہے ہیں جو پہلی بیٹھک میں ہوئی تھی، دوسری بیٹھک کی بات چیت کا خلاصہ اگلے شمارے میں پیش کیا جائے گا۔

ـــــــــــــــ ایڈیٹر

اس بات چیت کے لئے موضوع کو چند ذیلی عنوانات میں تقسیم کر دیا گیا تھا جو حسب ذیل تھے:

۱۔ کمیونٹی سنٹر کسے کہتے ہیں؟

۲۔ کمیونٹی سنٹر کا فلسفہ۔

۳۔ ہندوستان کے موجودہ کمیونٹی سنٹروں کا تجزیہ۔

۴۔ ہماری تحریک میں اس وسیلے کی ضرورت کیوں ہے؟
ا۔ سوشل ایجوکیشن کے مختلف اوقات کے ٹھیکیل پروگرام ناکام رہے ہیں۔
ب۔ اس وسیلے سے کام کرنے میں عوام کی شرکت کی ضمانت ہوتی ہے جو سوشل ایجوکیشن کی پوری اسکیم کا بنیادی نکتہ ہے۔
۵۔ اس وسیلے کی کامیابی کے امکانات۔
ا۔ مل جُل کر سوچنے کے اس طریقے کے ہمارے عوام زمانۂ قدیم سے عادی رہے ہیں۔
ب۔ گاؤں کے روایتی بیٹھکے اب تک کسی حد تک قائم ہیں اور انھیں آسانی سے از سرِ نو جاندار بنایا جاسکتا ہے۔
ج۔ گاؤوں میں بعض اوقات جتھے بندیاں ہوتی ہیں۔ اِس صورتِ حال کے پیشِ نظر تجربے سے معلوم ہوا ہے کہ ان روایتی اداروں کے ساتھ کام کرنا خطرناک ہوتا ہے۔ ان حالات میں پڑوس منڈل' ایک ہی پیشے میں لگے ہوئے پیشہ وروں کی انجمنیں اور اسی طرح کے دوسرے نئے ادارے بنائے اور ابھارے جاسکتے ہیں۔

برکت صاحب نے بات چیت کی ابتدا کرتے ہوئے موضوعِ بحث سے متعلق جو خاکہ پہلے سے تیار کیا گیا تھا اس کا مختصر تعارف کرایا تعلیم و ترقی کے اس بات چیت کے سلسلے کا حوالہ دیتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ یہ سلسلہ ہمارے ناظرین کو بہت پسند آیا ہے۔
اصل موضوع پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے برکت صاحب نے کہا کہ کہنے کو تو کمیونٹی سینٹر کا خیال در اصل ہم نے دوسرے ملکوں بالخصوص انگلینڈ سے درآمد کیا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ ایک جگہ مل کر بیٹھنے کی روایت ہندوستان میں بہت پرانی ہے۔
شمس صاحب :- لیکن برکت صاحب ہندوستان کی سوشل ایجوکیشن کی تحریک میں ہم نے کمیونٹی سینٹروں کا جس طرح تجربہ کیا ہے وہ ایک الگ داستان ہے۔
مشتاق صاحب :- گپتاجی تو پھر یہ رام کہانی آپ ہی چھیڑیئے۔
حسین صاحب :- ہاں ہم سب کی نگاہیں آپ ہی کی طرف ہیں۔
نیکی رام گپتاجی :- بھئی شکریہ۔ اب یہ بات جب میرے ہی اوپر چھوڑ دی گئی ہے تو میں چاہوں گا کمیونٹی سینٹروں کے آغاز سے پہلے کی کہانی بھی مختصراً دہرادوں اس لئے کہ ہندوستان میں کمیونٹی سینٹروں کی ضرورت اور سوشل ایجوکیشن کی تحریک کے ایک لازمی جزو کی حیثیت سے اس کے اختیار کئے جانے کی بات اسی پس منظر میں سمجھی جاسکتی ہے۔
ہندوستان میں اڈلٹ ایجوکیشن کا کام خواندگی سے شروع ہوا تھا۔ شروع شروع میں اسکول اور کالج کے طالب علم رضاکارانہ طور پر بالغوں کو پڑھانے کے کام میں دلچسپی لیا کرتے تھے اور اسے وہ سماجی خدمت کا ایک کام تصور کرکے کرتے تھے۔ اس کام کے

لئے نہ تو کوئی باقاعدہ نصاب ہوتا تھا اور نہ کوئی متعین مقصد ۱۹۳۷ء کے بعد جب صوبوں میں عوامی وزارتیں بنیں اُس وقت عوام کی تعلیم کی ضرورت لوگوں نے بری طرح محسوس کی۔ جگہ جگہ رات کے اسکول کھلنے لگے، اسکولوں اور کالجوں کے اساتذہ و طلباء، کچھ رضاکار اداروں اور ریاستی حکومتوں نے اس کام میں پیش قدمی کی۔ یو۔پی میں مانڈے صاحب نے بہت تندہی سے کام کیا تھا، جو امریکہ سے اڈلٹ ایجوکیشن کے موضوع پر نئی نئی ٹریننگ لے کر آئے تھے۔ دہلی کی ملوں اور بڑی بڑی فیکٹریوں کے مالکوں نے مزدوروں کو پڑھنے لکھنے کی ترغیب دی۔ انھیں لالچ دیا جاتا تھا کہ وہ پڑھ لکھ جائیں گے تو ان کی تنخواہیں بڑھ جائیں گی۔ اس سے اور تو جا ہے کچھ ہوا یا نہیں ہوا، مگر خواندگی کے سلسلے میں اعداد و شمار خوب خوب جمع ہوئے۔ اب وہ اعداد و شمار غلط تھے یا صحیح، یہ الگ ایک بحث ہے۔ مگر اتنا بہرحال واقعہ ہے کہ خواندگی کے کاموں پر جس قدر توجہ دی گئی تھی، اس سے خاطر خواہ نتائج برآمد نہیں ہوئے۔ یہی سبب تھا جو کچھ لوگ یہاں تک کہنے لگے تھے کہ کہیں بوڑھے طوطے بھی پڑھانے سے پڑھ سکتے ہیں؟

اور بات بھی ٹھیک تھی۔ خواندگی یا لکھنا پڑھنا سیکھنے کا کام بہت خشک اور غیر دلچسپ ہوتا ہے پھر اس وقت تک بالغوں کو پڑھانے کا طریقہ بھی لوگوں کو معلوم نہیں تھا اور نہ اُن کی دلچسپی کی کتابیں ہی دستیاب ہوتی تھیں

مشتاق صاحب - جی ۔

نکی رام گپتا جی ۔ ملک کے آزاد ہو جانے کے بعد لوگوں نے ان مسائل پر اور سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا شروع کیا، اس لئے کہ سیاسی آزادی کے ساتھ عوام کی شہری ذمہ داریاں پہلے سے زیادہ بڑھ گئی تھیں۔ اس وقت لوگوں کے سوچنے کا انداز کچھ اس طرح کا تھا کہ بالغوں کی شدید ضرورتوں اور دلچسپیوں کو ان کی تعلیم کی بنیاد بنانا چاہیئے۔ لکھنا پڑھنا انھیں ضرور سکھایا جائے لیکن اسی کے ساتھ انھیں شہری زندگی سے متعلق بنیادی معلومات بھی فراہم کی جانی چاہیئے اور ان کے لئے تہذیبی اور تفریحی مشاغل کا انتظام بھی ہونا چاہیئے تاکہ انھیں ان تعلیمی پروگراموں سے زیادہ سے زیادہ دلچسپی ہو۔ تعلیم کی اس ہمہ گیر اسکیم کے لئے ایک مستقل جگہ کی ضرورت تھی جہاں بستی کے سب لوگ آزادی سے آ کر مل جائیں اور مل بیٹھیں۔ بس یہیں سے ہندوستان میں کمیونٹی سنٹر کی ابتدا ہوئی ۔

تنقیدی جائزہ

حسین صاحب - مگر کمیونٹی سنٹروں میں لکھنے پڑھنے کے مقابلے میں بے تکلف بیٹھکوں، تہذیبی سرگرمیوں اور ان سے زیادہ تفریحی مشاغل منعقد ہوتے دیکھے گئے ہیں ؟

گپتا جی - دراصل اُس وقت یہ خیال زیادہ زور پکڑ چکا تھا کہ سمجھدار ہونے کے لئے صرف خواندگی ہی ضروری نہیں ہے پھر ہندوستان کے آزاد ہو جانے کے بعد اس بات کی اشد ضرورت تھی کہ لوگوں میں سوجھ بوجھ اور شہری زندگی کا شعور پیدا ہو۔ اگر اس کے لئے اس بات کا انتظار کیا جاتا کہ سب لوگ پڑھ لکھ جائیں تو اسی نسبت سے ہندوستان میں جمہوریت کے تجربے کی باری بہت لمبی مدت

میں آتی ۔ یہی مصلحت تھی جس کے ماتحت لوگوں کو سمجھ دار اور باخبر شہری بنانے کے لئے مطالعے کے حلقوں، تقریروں، مباحثوں، تصویروں پوسٹروں اور فلموں کے انتظام پر بڑی شدت سے زور دیا گیا اور یہ نظریہ طے پایا کہ تمام سرگرمیاں اس طرح چلائی جائیں کہ لوگ ان میں زیادہ سے زیادہ وابستگی کے ساتھ حصّہ لیں کمیونٹی سنٹروں کے پیچھے بھی دراصل یہی خیال کار فرما تھا۔

شمس صاحب ۔ گپتاجی کی باتوں کا اگر تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ خواندگی جسے اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک میں بنیادی پروگرام کی حیثیت حاصل تھی، لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے میں ناکام تھی۔ اس کے علاوہ کچھ اور بھی سوال تھے جن پر اس وقت غور کیا گیا مثلاً یہ کہ خواندگی کیوں اور کس لئے؟ لوگوں کا پہلے یہ خیال تھا کہ لوگ پسماندہ اس لئے ہیں کہ جاہل ہیں، اگر ان کو لکھنا پڑھنا سکھا دیا جائے تو ان کی پسماندگی خود بخود دور ہو جائے گی۔ مگر تجربے نے بتایا کہ زندگی کو بدلنا ایک بالکل الگ مسئلہ ہے جس کے لئے زندگی کے قریب قریب تمام شعبوں کو ایک ساتھ متاثر کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

مشتاق صاحب ۔ میرا خیال ہے کہ خواندگی کے مسئلے کو ہم ابھی چھوڑ رکھیں، اس لئے کہ یہ ایک الگ اور مستقل سوال ہے۔

ایکس ٹنشن کا نظریہ اور کمیونٹی سنٹر

شمس صاحب ۔ ہمارے یہاں کمیونٹی سنٹروں کے خیال کو سب سے پہلے دراصل ڈاکٹر اسپنسر ہیچ نے عملی شکل میں پیش کیا۔ موصوف امریکہ کے ایکس ٹنشن کے نظریے سے بہت زیادہ متاثر تھے اس پروگرام کے ماتحت بستی کے لوگوں کو فرصت کے اوقات کا نفع بخش استعمال سکھایا جاتا ہے جس میں گھریلو دھندے، نمونے کے زراعتی فارموں کا مظاہرہ اور مختلف پیشوں سے متعلق فنی اور مشاورتی خدمات فراہم کرنا شامل ہوتا ہے۔ ان سب کاموں کے لئے بستی کے لئے ایک مرکز کی ضرورت بہرحال ہوتی ہے، جہاں بستی والوں کی خواہش کے حسب حال پروگرام منظم کئے جاسکیں، چاہے وہ خواندگی کی کلاس ہو خواہ تفریحی مشاغل کی تنظیم یا مخصوص مضمون کی تعلیم کے لئے مختصر مدت کے کورسوں کا انتظام۔

نیکی رام گپتا جی ۔ یعنی ایک ایسا مرکز جہاں لوگ اپنے شوق کو پورا کرنے کے لئے جمع ہو سکیں اور ڈرامے، پینٹنگ، نمائش اور دوسرے مختلف پروجیکٹوں میں حصّہ لے سکیں ۔ اس مقصد کے لئے سنٹر میں مختلف قسم کی سہولتیں میسر ہوں اور لوگ وہاں ایک برادری کے ارکان کی طرح آزادی سے آئیں جائیں، ملیں جلیں اور جمع ہوں!

شمس صاحب ۔ جی ہاں مگر اسی کے ساتھ کمیونٹی سنٹروں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ بستی والوں کی اپنی ملکیت ہوں بستی والے خود اس کا انتظام کریں اور اس کی سرگرمیوں کی منصوبہ بندی کریں باہر کی ایجنسیوں سے اگر انھیں کچھ سہولتیں دستیاب ہوں تو ان سے البتہ انھیں بہرہ اندوز ہونا چاہیے۔

افرادیا بستی کی ضرورت

دھرم ویر صاحب ۔ ہمارے ملک میں کمیونٹی سنٹروں کی ابتداء سے متعلق گپتا جی نے جو تاریخی پس منظر پیش کیا ہے اس سے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان سنٹروں کے قیام میں افراد کی ضرورتوں کا خیال پہلے رکھا گیا ہے' اور یہ خیال کہ یہ مرکز بستی کا اپنا مرکز ہو جسمیں پوری بستی کو ایک اکائی مان کر مختلف سرگرمیاں منظم کی جائیں بعد میں سامنے آیا ہے۔

شمس صاحب ۔ جی ہاں۔ آپ کا خیال درست ہے۔ ہمارے یہاں کمیونٹی سنٹروں کی ابتداء بستی کی ضرورت کو لے کر نہیں ہوئی بلکہ افراد کی ضرورتوں کو لے کر ہوئی۔ شفیق صاحب مرحوم نے بھی اس بات کا اعتراف کیا ہے۔ یہ مرکز بستی کا اپنا مرکز ہونا چاہیئے کہ یہ خیال دراصل اس وقت پیدا ہوا جب یہ سوال سامنے آیا کہ ان سرگرمیوں سے آخر ہمارا مقصد کیا ہے۔ اگر مقصد یہ ہے کہ ان کے ذریعے زندگی میں تبدیلی لائی جائے تو پھر یہ تبدیلی پوری بستی کی زندگی کو متاثر کئے بغیر نہیں لائی جا سکتی۔ ویسے اس بحث کا ایک رخ یہ بھی ہے کہ خواندگی یا اسی طرح کے دوسرے پروگرام اگرچہ افراد کی ضرورت کو پورا کرتے ہیں، مگر اسی کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ ان کے اثر سے افراد کی زندگی میں تبدیلی رونما ہوگی تو قدرتاً پوری بستی کی زندگی میں بھی تبدیلی آئے گی۔

دھرم ویر صاحب ۔ شروع شروع میں ان سنٹروں کے پیچھے یہی خیال کارفرما تھا کہ لوگوں کے فرصت کے اوقات کے نفع بخش استعمال کے مواقع فراہم کئے جائیں، مگر اقتصادی ترقی کا پروگرام اس میں بعد کو شامل ہوا اور شاید کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے ساتھ ساتھ اقتصادی ترقی کے ان پروگراموں میں اور بھی شدت آئی۔

شمس صاحب ۔ جہاں تک سوشل ایجوکیشن میں اقتصادی ترقی کے پروگرام کا تعلق ہے اس کا اندازہ تو صرف اسی بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے پروگرام کے شروع ہونے سے بہت پہلے سوشل ایجوکیشن کے سیمناروں میں سوشل ایجوکیشن کے ذریعہ نئی تعمیر کا نعرہ دیا گیا تھا۔

نیکی رام گپتا جی ۔ جی ہاں۔ اور یہ واقعہ بھی ہے کہ اگر ان سنٹروں میں اقتصادی بہبود کا کچھ پروگرام شامل ہو تو لوگ اس میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں۔ دہلی میں جب پہلی مرتبہ تجربہ کے طور پر فیصلہ ہوا کہ عورتوں کے لئے الگ کمیونٹی سنٹر قائم کئے جائیں تو معلوم ہوا کہ یہ زنانے کمیونٹی سنٹر مردوں کے کمیونٹی سنٹروں کے مقابلے میں زیادہ کامیاب ہیں۔ اس فرق کا تجزیہ کیا گیا تو پتہ چلا کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ عورتوں کے سنٹروں میں پروگرام کا بنیادی پہلو گھریلو دستکاریاں سکھانا تھا جن کے لئے ان سنٹروں میں ساز و سامان بھی فراہم کیا گیا تھا۔ نتیجہ تجربے سے یہ نتیجہ نکلا کہ یہ سنٹر اسی وقت کامیابی سے چل سکتے ہیں جب وہاں بستی کے لوگوں کے لئے اقتصادی نقطۂ نظر سے ترقی کرنے کے امکانات نظر آئیں۔

مشتاق صاحب ۔ مجھے شبہ ہے کہ لوگوں میں ہر جگہ اس طرح کے سنٹر قائم کرنے کا شوق موجود ہے۔

نیکی رام گپتا جی : یہ تو صحیح ہے کہ لوگ اس طرح کے سنٹر خود کھولنے اور چلانے کے لئے تیار نہیں ہیں مگر اس کے لئے وہ مانگ ضرور کرتے ہیں۔ ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ ایک بار اگر کسی گاؤں میں کمیونٹی سنٹر کھول دیا گیا، تو پھر اس کا بند کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ آج لوگوں میں اس قدر بیداری تو ہے ہی۔

مشتاق صاحب۔ بیداری بھی اسے آپ کہہ سکتے ہیں، مگر اصل بات غالباً اور ہے اور وہ ہے لوگوں میں اپنے گاؤں یا بستی کے وقار (PRESTIGE) کو قائم رکھنے کا جذبہ۔ ڈوبے نے اپنی کتاب میں اس موضوع پر بہت کھل کر تبصرہ کیا ہے۔

شمس صاحب۔ میرا خیال ہے کہ کمیونٹی سنٹر کے فلسفے کو سب سے زیادہ صدمہ سرکاری قواعد و ضوابط کی پابندیوں سے پہنچا ہے۔ بستی کے لوگ اپنی ایک جماعت بنا کر اپنی بستی میں کمیونٹی سنٹر قائم کریں، اس کا موقع حکومت اور بڑی بڑی رضاکار ایجنسیوں کے ماتحت چلنے والے پروگراموں میں نہیں ہوتا۔ وہاں تو کام کے نشانے مقرر ہوتے ہیں اور تنخواہ دار کارکن کو اسی کے مطابق کام کرنا ہوتا ہے اور اپنے کام کی رپورٹ تیار کرنی ہوتی ہے۔ لطف کی بات تو یہ ہے کہ ایک کارکن کی کارکردگی کا اندازہ ہی اسی بات سے لگایا جاتا ہے کہ اُس نے اپنی رپورٹ میں کتنے سنٹر قائم کرنے کا ذکر کیا ہے۔ ان حالات میں کارکنوں کو نئے نئے تجربے کرنے کی آزادی بالکل نہیں ہوتی۔

مشتاق صاحب۔ اس حیثیت سے کلکتے کے ایشین ٹریڈ یونین کالج کا سنٹر بہت کامیاب ہے۔ مگر ان کے پاس وسائل بھی بہت زیادہ ہیں۔

نیکی رام گپتا جی۔ مگر انھیں کام کرنے کی آزادی بھی ہے۔

برکت صاحب۔ ان کا مرکز ایک بہت بڑے علاقے کا احاطہ کرتا ہے۔

مشتاق صاحب۔ کمیونٹی سنٹروں کی تنظیم کے لئے کارکنوں کو پوری آزادی حاصل ہونا اولین شرط ہے۔

نیکی رام گپتا جی۔ یہ تو صحیح ہے کہ قواعد و ضوابط کی پابندی کم سے کم ہونی چاہئے مگر اس کے علاوہ کمیونٹی سنٹروں کی تحریک کو ناکام بنانے والی ایک اور بات جس کا حل کم سے کم مجھے بہت دشوار نظر آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اس کام کی مخالفت بھی شدت سے ہوتی ہے۔ کمیونٹی سنٹر قائم ہونے کی صورت میں سرداری کا مسئلہ قدرتی طور پر سامنے آتا ہے۔ اس مسئلے کو ہاتھ میں لیتے ہی پرانے اگوؤں سے تصادم ہونا ناگزیر سا ہوتا ہے جس میں کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہونا آسان کام نہیں ہوتا۔ اب سوال یہ ہے کہ ہم ایسے کارکن کہاں سے لائیں جو ان نازک معاملات کو پوری دانشمندی اور معاملہ فہمی کے ساتھ نبھا سکیں۔

مشتاق صاحب۔ جی ہاں، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کارکن میں اگر پہلے سے کچھ جوش بھی ہوتا ہے تو وہ ٹھنڈا پڑ جاتا ہے اور اپنے سنٹر میں وہ چند بندھی ٹکی سرگرمیاں چلانے پر اکتفا کر لیتا ہے، بستی کی زندگی اور اُس کے مسائل میں اُسے کوئی دلچسپی نہیں رہ جاتی۔

نکی رام گپتا جی ۔ کیمونٹی ڈیولپمنٹ کے ماتحت کارکنوں کی رہنمائی کے لئے جتنا معقول انتظام ہے اتنا سوشل ایجوکیشن کا کام کرنے والوں کے لئے نہیں ہے ۔ پھر ہمارے کام کی کامیابی کا معیار کیا ہو۔؟

شمس صاحب ۔ سوشل ایجوکیشن دراصل ایک وسیلہ ہے، وہ فی نفسہ کوئی مقصد نہیں ہے ۔

نکی رام گپتا جی ۔ یہ وسیلہ کس حد تک کارگر رہا ہے، اس کی پیمائش کیسے ہو؟ اس سلسلے میں تو وہی بات کہی جا سکتی ہے جو مرحوم شفیق صاحب کہا کرتے تھے کہ کام کرنیوالے بچے ہوں تو ان کے کام کی شہادت بستی کے در و دیوار دیں گے ۔ اس کے لئے کسی سے کچھ کہنے سننے اور پوچھنے گچھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے ۔

عبدالستار صاحب ۔ ہمارے یہاں کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور سوشل ایجوکیشن کے کاموں کا جو تنظیمی ڈھانچہ ہے اس کے پیش نظر ہمیں اس بات پر غور کرنا چاہیئے کہ آج جب کہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے ماتحت سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کو ایک دو عملی کے ماتحت کام کرنا پڑ رہا ہے، اس کے لئے اس طرح کے کام کرنا کہاں تک ممکن ہے ۔ اور دوسرے یہ کہ اپنے محدود وسائل کے اندر ہمیں جن کاموں کو اولیت دینی ہے اس میں کمیونٹی سنٹر کس مرحلے پر آتا ہے ۔؟

مشتاق صاحب ۔ ان باتوں پر ہم بعد میں غور کریں گے ۔

سُدرشن کپور صاحب ۔ ہمیں اب ان باتوں پر خالصتہً دیہی نقطۂ نظر سے بھی غور کر لینا چاہیئے ۔ گاؤں میں چوپالیں اور بیٹھکیں ہوتی ہیں جہاں لوگ آ کر جمع ہوتے ہیں ۔ اگر چہ یہ بھی صحیح ہے کہ گاؤں میں بعض اوقات کئی کئی گٹ ہوتے ہیں اور اسی حساب سے اُن کے آپس میں جمع ہونے کے کئی کئی مرکز بھی ہوتے ہیں ۔

نکی رام گپتا جی ۔ مگر گاؤں کی ان روایاتی ملاقات گاہوں کو ہم ساری بستی کا مرکز نہیں کہہ سکتے ۔ اس کی وجہ وہی واقعہ ہے جو آپ نے بعد میں بیان کیا ہے ۔ ان گٹوں اور جتھوں کے درمیان اقتدار کی جنگ قریب قریب ہر وقت ہوتی رہتی ہے ۔

سُدرشن کپور صاحب ۔ یہ اس ادارے کی بگڑی ہوئی شکل ہے ۔

نکی رام گپتا جی ۔ اتنی بگڑی ہوئی کہ اس کو بنیاد بنا کر کوئی نئی عمارت بھی نہیں کھڑی کی جا سکتی ۔ گاؤں میں چودھریوں کی بیٹھکوں میں ان کے جتھے کے مفاد کی ہی باتیں ہوتی ہیں ۔ اور غالباً یہی وجہ ہے کہ ایک ہی گاؤں میں جتنے چودھری ہوتے ہیں اتنی ہی تقریباً چوپالیں بھی ہوتی ہیں ۔

مشتاق صاحب ۔ مگر کچھ جگہیں ایسی بھی ضرور ہوتی ہیں جہاں پوری بستی کے مسئلے پر بات چیت ہوتی ہے اور اس میں سبھی دھڑوں کے لوگ شامل ہوتے ہیں اور آپس میں خوب کھل کر باتیں ہوتی ہیں ۔

برکت صاحب ۔ آپ کی مراد دھرم شالوں، مندروں اور دوسری عبادت گاہوں سے ہے شاید ۔ لیکن اوّل تو یہ ادارے

ہر بستی میں ہوتے نہیں، اور جہاں ہوتے ہیں، وہاں انھیں آپ ملاقات گاہ تو کہہ سکتے ہیں، مگر کسی اجتماعی ارادے کا نتیجہ نہیں کہہ سکتے جیسے چوپال کو کہہ سکتے ہیں۔

مشتاق صاحب۔ یہ تو صحیح ہے کہ یہ ادارے ہر بستی میں نہیں ہوتے، لیکن اگر وہ ملاقات گاہ کا کام دے سکتے ہیں تو اس میں اجتماعی ارادے کے دخل ہونے یا نہ ہونے سے کیا فرق پڑتا ہے؟ آخر کمیونٹی سنٹر سے بھی تو مراد ملاقات گاہ ہی ہوتی ہے!!

برکت صاحب۔ میرے خیال میں ہمارے یہاں کمیونٹی سنٹر کے خیال کو جو ناکامی ہوئی ہے، اس کا بنیادی سبب یہی ہے جس کی طرف آپ کا یہ سوال اشارہ کرتا ہے۔ دراصل ہم یہ بھول گئے کہ کمیونٹی سنٹر کے خیال کی اصل روح وہ عمارت نہیں ہے جہاں مختلف قسم کے پروگرام منظم کئے جاتے ہیں بلکہ وہ جماعت ہے جو خود اپنے ارادے سے بنتی ہے اور اس ارادے کو ٹھوس شکل میں ظاہر کرنے کی غرض سے وہ عمارت بنواتی ہے جسے عام طور پر کمیونٹی سنٹر کہا جاتا ہے۔

ہم نے یہ سمجھ کر ——— اور بالکل صحیح سمجھ کر ——— کہ لوگوں میں اپنے فلاح و بہبود کے لئے خود سے کچھ کرنے کا شعور ابھی تک نہیں پیدا ہوا ہے، بستیوں میں جا جا کر باہر سے کمیونٹی سنٹر قائم کئے اور اپنے خیال اور منصوبے کے مطابق ان کو چلایا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ باہر کی کوئی ایجنسی کسی بستی میں سوشل سروس کا کام تو کر سکتی ہے مگر اس کام کو کمیونٹی سنٹر کی نوعیت کا کام نہیں کہا جا سکتا۔ کمیونٹی سنٹر کے کام کی صحیح تعریف میں تو وہی کام آتا ہے جو کمیونٹی اپنی فلاح و بہبود کے لئے خود اپنے عزم و ارادے کے زیر اثر بغیر کسی خارجی تحریک یا شرکت کے انجام دے۔

مشتاق صاحب۔ منزل تو ہمارے کاموں کی یہی ہے۔

برکت صاحب۔ مگر اس منزل کے قریب آنے کے آثار نظر نہیں آتے۔ ہم نے اس بات چیت کے ذیلی عنوانات میں ایک عنوان "کمیونٹی سنٹر کا فلسفہ" بھی رکھا ہے۔ اس عنوان کے شامل کرنے کا محرک یہ تھا کہ ہم نے کمیونٹی سنٹر کے نام سے جو کام کیا ہے اور اب تک کر رہے ہیں، اس میں اس فلسفے کو سرے سے چھوڑ دیا ہے۔

کمیونٹی سنٹر کے فلسفے سے میری مراد یہ ہے کہ انسان طبعاً انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے اپنے آپ کو ظاہر کرنا چاہتا ہے، اور اس کے لئے باضابطہ اہتمام کرتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں اپنے آپ کو ظاہر کرنے کی طبعی خواہش کو پورا کرنے کے لئے بستی کے اسی اہتمام کا نام کمیونٹی سنٹر ہے۔

سدرشن کپور صاحب۔ اس طبعی خواہش میں اس خواہش کا بھی پہلو شامل تھا ہے کہ لوگ اس کی قدر و قیمت کو پہچانیں اور اس کی شخصیت و اہمیت کو قبول عام حاصل ہو۔

برکت صاحب۔ جی ہاں، یہ پہلو بھی ہوتا ہے اور یہ انسان کو عمل پر ابھارتا بھی ہے۔

جی تو میں عرض کر رہا تھا کہ ہم نے کمیونٹی سنٹر کے نام سے اب تک جو کچھ کیا ہے، اُس میں کمیونٹی سنٹر کے اصل مفہوم کی کار فرمائی نہیں رہی ہے، اور ہمیں اس میں جگہ جگہ جو خرابیاں نظر آتی ہیں وہ اسی بات کا نتیجہ ہیں۔

لیکن خیر اب تک تو ہم نے جو کچھ کیا، اور جس طرح کیا، اس کا ایک جواز تھا اور وہ یہ کہ لوگوں میں اپنے عزم و ارادے کو ظاہر کرنے کے لئے اپنے آپ اہتمام کرنے کا شعور بیدار نہیں ہوا تھا۔ مگر اب صورتِ حال بہت کچھ بدل چکی ہے۔ ہمارے کاموں سے اتنا تو احساس اب لوگوں میں پیدا ہوگیا ہے کہ انھیں کچھ کرنا چاہیئے جو وہ نہ کریں گے تو گھاٹے میں رہیں گے۔ اس صورتِ حال کو میں کمیونٹی سنٹر کی تحریک کے لئے بہت سازگار سمجھتا ہوں۔

مشتاق صاحب۔ یعنی

برکت صاحب۔ میری مراد یہ کہنے سے یہ ہے کہ اب سرکاری ایجنسیاں ہوں یا غیر سرکاری، لوگوں کو اپنی فلاح و بہبود کے لئے اپنی تنظیمیں آپ قائم کرنے پر ابھاریں اور اس کا طریقہ یہ ہو کہ ان ایجنسیوں کے کارکن اب بستی بستی اپنی نگرانی اور اہتمام میں کمیونٹی سنٹر قائم نہ کریں بلکہ بستی والوں کو اپنے لئے خود کمیونٹی سنٹر قائم کرنے کے لئے آمادہ کریں البتہ اپنے اہتمام میں اپنے اپنے صدر مقام پر "مددگار مرکز" (فیڈنگ سنٹر) بنائیں جوان نوخیز انجمنوں کی حوصلہ افزائی اور ٹریننگ کی غرض سے عارضی طور پر فنی خدمات بہم پہنچائیں مگر یہ کام دیکھنے میں جتنا آسان نظر آتا ہے، اتنا آسان نہیں ہے۔ کارکن اپنے ادارے کے اہتمام میں کمیونٹی سنٹر قائم کرکے جتنی آسانی سے کام کر لیتا تھا، اُس سے اِن نئے حالات میں اُسے زیادہ محنت کرنی پڑے گی اور اسی حساب سے کام کے معاملے میں اس کی دیانتداری کا بھی زیادہ سخت امتحان ہوگا۔

مشتاق صاحب۔ یہ بحث واقعی بہت معنی خیز اور دلچسپ رہے گی، لیکن آج کی صحبت میں اب اتنا وقت نہیں ہے کہ اس پر سیر حاصل بات چیت ہو سکے، اس لئے اب اسے دوسری بیٹھک کے لئے اٹھا رکھنا چاہیئے۔   (مسلسل)

سماجی بہبود کا کام ———————————— بقیہ صٰ ۱۷

مزدور سبھائیں، نوجوان برادریاں، تہذیبی چوکیاں، خواتین کی انجمنیں اور اسی طرح کی دوسری لاتعداد سماجی تنظیمیں۔

آپ لوگ اگر اپنے آپ کو اچھے جماعتی کارکن ثابت کرکے نہ دکھا سکے تو یقین جانئے، ہم آپ اپنے ہاتھوں مغلوب ہو جائیں گے۔ ہم اساتذہ کے لئے اس سے بڑھ کر خوشی کی اور کوئی بات نہ ہوگی کہ ہم دیکھیں کہ ہمارے طلبا ر انسانوں کے درمیان جماعتی اور بین الجماعتی رشتے نہایت مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔

ہندوستان کو آپ کی ضرورت ہے۔   (ختم)

یونیورسٹیاں اڈلٹ ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ قائم کریں

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی انتظامی کمیٹی نے اپنی ایک تجویز کے ذریعے یونیورسٹیوں کو مشورہ دیا ہے کہ وہ اپنے یہاں اڈلٹ ایجوکیشن کے ڈپارٹمنٹ قائم کریں۔ اسی کے ساتھ تیسرے پنج سالہ پلان میں سوشل ایجوکیشن کے لئے جو معمولی سی رقم رکھی گئی ہے اس کے لئے کمیٹی نے اظہار افسوس کیا ہے اور تجویز کی ہے کہ اس کے لئے تیسرے پلان میں کم سے کم ۲۵ کروڑ روپئے کی ضرورت ہوگی۔

اس تجویز کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

"انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی انتظامی کمیٹی کے اس جلسے کو اس خبر پر کہ تیسرے پنج سالہ پلان میں سوشل ایجوکیشن کے لئے بہت معمولی رقم رکھی گئی ہے، بڑی مایوسی ہوئی۔ کمیٹی کی رائے ہے کہ مادی خوش حالی اور اس کا اچھے سے اچھا استعمال (جو پلان کا مسئلہ مقصد ہے) اسی وقت بروئے کار آسکتا ہے جب عوام چند مخصوص اقدار اور نقطۂ نظر کے حامل اور سماجی تنظیم کے عادی ہو جائیں۔ عوام کو ان پسندیدہ اقدار کا حامل اور سماجی تنظیم کا عادی بنانے میں سوشل ایجوکیشن کا کردار نہایت اہم ہے اس لئے کوئی ایسی پالیسی یا منصوبہ بنانا جس میں سوشل ایجوکیشن کو نظر انداز کر دیا گیا ہو آپ اپنی شکست اور ناکامی کو دعوت دینے کے مرادف ہوگا۔ ان حالات میں انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن عوام اور خصوصاً سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں اور اداروں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ منصوبہ بندی کے کرتا دھرتا لوگوں پر جمہوری انداز میں دباؤ ڈالیں کہ وہ تیسرے پلان میں سوشل ایجوکیشن کے لئے معقول رقم جو ایسوسی ایشن کی رائے میں ۲۵ کروڑ سے کم نہ ہونی چاہیئے، منظور کریں۔"

کمیٹی نے ایک تعزیتی تجویز کے ذریعے سوشل ایجوکیشن کی تحریک کے بزرگ شری ہری سرودتما راؤ کے انتقال پر غم و افسوس کا اظہار کیا اور طے کیا کہ انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی مرکزی عمارت (شفیق میموریل) کے سنٹرل ہال میں شری ہری سرودتما راؤ کی ایک تصویر آویزاں کی جائے۔

اگلا نیشنل سینار

ایسوسی ایشن نے مزید فیصلہ کیا کہ اگلا نیشنل سینار علی آباد گجرات میں گنگا جل ودیا پیٹھ میں منعقد کیا جائے۔ سینار کی مدت ۲۶ تا ۳۰ ر اکتوبر ہو اور موضوع بحث "سوشل ایجوکیشن میں کمیونٹی آرگنائزیشن کا مقام" مقرر کیا جائے۔ سینار کے بعد ایسوسی ایشن کا سالانہ اجلاس بھی وہیں پہلی اور دوسری نومبر کو منعقد ہو۔

سیمنار کے بارے میں مزید طے پایا کہ سیمنار کے ڈائرکٹر لٹریسی ہاؤس لکھنؤ کے ڈاکٹر ٹی۔ اے۔ کوشی صاحب ہوں۔ اور ایسوسی ایشن ڈائرکٹر شری ایس۔ راگھون اور شری دی۔ بی۔ کاز مک ہوں اور سکریٹری جنرل گنگا جل ودیا پیٹھ کے شری ڈی۔ آر۔ مانکڈ کو مقرر کیا جائے۔

علی آباد جام نگر کے قریب ایک قصبہ ہے جہاں گنگا جل ودیا پیٹھ واقع ہے۔

ریاستی اور ضلع ایسوسی ایشنیں بنائی جائیں

ایک اور تجویز کے ذریعے ایسوسی ایشن نے طے کیا کہ اس کے لئے ہر ممکن کوشش کی جائے کہ ایسوسی ایشن کے طرز پر جہاں جہاں ضرورت ہو ریاستی اور ضلع ایسوسی ایشنیں قائم ہو جائیں۔ اس مقصد کے لئے اصول و قواعد مرتب کرنے کی غرض سے شری اے۔ آر۔ دیش پانڈے۔ شری سوہن سنگھ اور شری ایس۔ سی دتا پر مشتمل ایک کمیٹی بھی بنا ئی گئی۔

ابتدائی منزل کے ۲۲۲ نئے ڈیولپمنٹ بلاک

حکومت ہند کی کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی وزارت نے اپریل ۱۹۶۰ء سے ۱۱ ریاستوں اور تین مرکزی علاقائی حکومتوں کو ۲۲۲ ابتدائی منزل کے ڈیولپمنٹ بلاک کھولنے کا مشورہ دیا ہے۔ ریاست وار تفصیل حسب ذیل ہے:

آندھرا ــ ۱۸؛ بہار ــ ۲۳؛ بمبئی ــ ۲۴؛ مدھیہ پردیش ــ ۱۵؛ مدراس ــ ۱۳؛ اڑیسہ ــ ۱۲؛ پنجاب ــ ۷؛ اتر پردیش ــ ۴۳؛ مغربی بنگال ــ ۱۵؛ میسور ــ ۱۰؛ راجستھان ــ ۸؛ کیرلا ــ ۵؛ منی پور ــ ۱؛ تریپورا ــ ۱؛ ہماچل پردیش ــ ۱

ریاستی حکومتیں ان بلاکوں کے لئے علاقے کا انتخاب کرتے وقت اس بات کو لحوظ رکھیں گی کہ وہاں کے رہنے والے خود کفیل کے عادی اور باہم اشتراک تعاون کرنے والے ہوں، گاؤں میں صفائی ہو اور پنچایتیں اور سہکاری سبھائیں کام کر رہی ہوں۔ ان نئے بلاکوں کے کھولنے کے پیچھے چونکہ اولین مقصد غذا کی پیداوار بڑھانا ہے اس لئے علاقے کے چناؤ میں اس بات کو بھی دھیان میں رکھا جائے کہ وہاں دھان اور گیہوں کی کھیتی ہوتی ہو اور آبپاشی کے ذرائع موجود ہوں یا بارش خوب ہوتی ہو۔

پہلے مرحلے کے ۲۰۰ ڈیولپمنٹ بلاک

اپریل ۱۹۶۰ء ہی سے مذکورہ بالا وزارت نے مختلف ریاستوں کے ابتدائی منزل کے ۲۰۰ بلاکوں کو پہلے مرحلے کے ڈیولپمنٹ بلاکوں میں تبدیل کرنے کا مشورہ دیا ہے۔ ان بلاکوں کی ریاست وار تفصیل حسب ذیل ہے۔

آندھرا ــ ۱۸؛ بہار ــ ۲۳؛ بمبئی ــ ۲۴؛ مدھیہ پردیش ــ ۱۵؛ مدراس ــ ۱۳؛ اڑیسہ ــ ۱۲؛ پنجاب ــ ۷؛ اتر پردیش ــ ۴۳؛ مغربی بنگال ــ ۱۵؛ میسور ــ ۱۰؛ راجستھان ــ ۷؛ کیرلا ــ ۵؛ منی پور ــ ۱؛ تریپورا ــ ۱؛ ہماچل پردیش ــ ۱؛ اور شمال مشرقی سرحدی ایجنسی ــ ۴

تنقید و تبصرہ

پہلی پُستک حصّہ اوّل و دوم

(ہندی)

مصنف: شری دوارکا پرساد مہیشوری: **ناشر:** سرَوج پرکاشن الہ آباد۔ قیمت ۵۰ نئے پیسے۔

شری دوارکا پرساد مہیشوری اُتر پردیش کے ایجوکیشن ایکسٹینشن آفیسر ہیں جسے کئی حیثیتوں سے ریاست کا سوشل ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ کہنا چاہئیے۔ اس کے علاوہ ہندی زبان کے شاعر اور ادیب ہونے کی حیثیت سے مہیشوری جی کو تصنیف و تالیف کے کام کی بڑی گہری مشق ہے چنانچہ اس سے پہلے نظم و نثر میں ان کی کئی کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں۔

بالغوں کے لئے کتابیں لکھنے کی یہ غالباً ان کی پہلی کوشش ہے مگر اس کے باوجود انھیں اس میں کامیابی ہوئی ہے۔ زیرِ نظر کتابیں بالغوں کی خواندگی سے متعلق ہیں جن میں حصّہ اوّل قاعدہ ہے اور حصّہ دوم قاعدے کے بعد کی پہلی کتاب جنھیں اگر پہلی پستک حصّہ اوّل اور پہلی پستک حصّہ دوم کہنے کے بجائے "پہلی پُستک" اور "دوسری پُستک" کہا جاتا تو زیادہ مناسب ہوتا۔

قاعدے میں فاضل مصنف نے حرف شناسی کے روایتی طریقے اور جدید نفسیاتی تقاضوں کے میل سے ایک نیا طریقہ ایجاد کیا ہے مثلاً ज سکھانے کا طریقہ ہے وہی پرانا یعنی تصویر سے حرف پہچاننا مگر فرق یہ ہے کہ ज سے जल کہنے کے بجائے تصویر کے ذریعے जल کہلوا کر پھر ज کہلوایا گیا ہے۔ اسی طرح ماترائیں سکھانے میں بھی ان کی ترتیب وہی پرانی رکھی گئی ہے مگر فرق یہ کیا گیا ہے کہ قدیم طریقے میں حروفِ تہجی سکھانے کے بعد ماتراؤں کا نمبر آتا ہے، اس قاعدے میں چند حروف سکھا کر چند ماترائیں بھی سکھائی گئی ہیں تاکہ بالغ چند حروف سیکھنے کے بعد چھوٹے چھوٹے جملے لکھنے اور پڑھنے لگے اور اس طرح اس کا حوصلہ اور دلچسپی خواندگی کی اس اکھٹی اور صبر آزما مہم میں قائم رہے۔

سب سے اچھی بات اس قاعدے میں یہ ہے کہ جن الفاظ کو حروف سکھانے کا ذریعہ بنایا گیا ہے ان کے پہلے حروف متعلقہ تصویر سے بالکل ہم آواز ہیں اور تصویریں اتنی بولتی ہوئی بنوائی گئی ہیں کہ بالغ مبتدی وہی لفظ زبان سے ادا کرنے پر مجبور ہو جائے جس کا پہلا حرف اس لفظ اور اس کی تصویر کے ذریعے سکھانا مقصود ہے۔

کتاب کا کاغذ، چھپائی اور ظاہری رنگ روپ بالغ مبتدی کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے، ان کتابوں میں ان باتوں کا بھی

تعلیم و ترقی کے مضامین

تیسرا سال ۱۹۵۲ء

جنوری ۱۹۵۲ء

اندور کا نیشنل سیمنار : شہری کاشی ناتھ جی ترویدی

اصول اور طریقے :

غور و بحث کا جمہوری طریقہ

کمیونٹی سنٹر کی تنظیم :

نیشنل سیمنار کی سفارشات

آل انڈیا اڈلٹ ایجوکیشن کانفرنس :

خطبۂ صدارت

ہم سفر :

نیارام تیرما

فروری ۱۹۵۲ء

اشارات

ریاست اجمیر میں سوشل ایجوکیشن

اصول اور طریقے

سوشل ایجوکیشن اور اس کی ضرورت

کمیونٹی سنٹر کی تنظیم

دلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی یادداشت

ہم سفر :

عزیز الرحمٰن لدھیانوی

والدین کے لئے

بچے کی زندگی پر گھر کا اثر — پروفیسر سعید انصاری

مارچ ۱۹۵۲ء

اشارات

کلمۂ خیر — قران السعدین

کمیونٹی سنٹر کی تنظیم

دلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی یادداشت

اصول اور طریقے

تعلیم میں بنیادی تبدیلی لازمی ہے — آرتھر ای. مارگن

ہم سفر :

جیمس رین — عبدالملک جامعی

والدین کے لئے

بچے کی زندگی پر گھر کا اثر — پروفیسر سعید انصاری

اپریل سنہ ۱۹۵۲ء

اشارات

"احتیاط" — انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن

اصول اور طریقے

تعلیم بالغان کے چند مسائل — مہر سی نانا وتی

کمیونٹی سینٹر کی تنظیم

چھوٹی بستیوں کی اہمیت — ڈاکٹر آرتھر ای مارگن

ہم سفر

جیمس ین — عبدالملک جامعی

مفید معلومات

ہندوستان کے نئے انتخابات میں پارٹیوں کا تناسب

دوا دارو

دیسی جڑی بوٹیاں

سوشل ایجوکیشن کی تنظیم

جامعہ ملیہ میں بنیادی تعلیم کی ریاستی کانفرنس

آل انڈیا آرٹ ٹیچرز کنونشن

بستی کے لوگ اپنے لئے تعلیمی مرکز خود قائم کریں۔ شفیق حسن

تعلیم بالغان کے کارکنوں کے لئے لکچروں کا سلسلہ

دیہی بستیوں کی ترقی کے منصوبوں کے لئے حلقے منتخب

دہلی میونسپلٹی کے سوشل ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ کی پہلی سالگرہ

جنوب مشرقی ایشیا کے لئے فنڈامنٹل ایجوکیشن کا مرکز

بمبئی میں سوشل ایجوکیشن کی رفتار — تین اہم تجاویز

ایک مسئلے میں میری مدد کیجئے — اجمیر کے ایک کارکن کا خط

مئی سنہ ۱۹۵۲ء

اشارات

بستیوں کی ترقی کا منصوبہ

اصول اور طریقے

سوویت روس میں ناخواندگی کا خاتمہ کیسے ہوا؟ — ای زوردوف

کمیونٹی سنٹروں کی تنظیم

غور طلب مسئلہ — ڈاکٹر آرتھر ای۔ مارگن

ہم سفر

بھاگ چند سنکلیچا

مفید معلومات

بستیوں کی ترقی کا منصوبہ — ایک خاکہ

دوا دارو — دیسی جڑی بوٹیاں

تنقید و تبصرہ

ہمارا گاؤں (پندرہ روزہ)

جون سنہ ۱۹۵۲ء

اشارات

ہندوستان کا تیسرا انٹرنیشنل سینار

کمیونٹی سنٹروں کی تنظیم

بستیوں کے مسئلے کا ایک حل — ڈاکٹر آرتھر ای سارگن

تعلیمی مواد (ڈراما)

مقدمہ باز — لکشمی نرائن

مفید معلومات

بستیوں کی ترقی کا منصوبہ (مسلسل)

دوا دارو

کو۔ منڈی۔ لہسن

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

بالغوں کا ادب: تیسرے نیشنل سیمنار کا موضوع

دلی میونسپلٹی کا سوشل ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ: ایک دلچسپ تجربہ

بمبئی میں عورتوں کے لئے سوشل ایجوکیشن انسٹی ٹیوٹ

دلی میں یتیم بچوں کی تربیت کی تحریک

جولائی سنہ ۱۹۵۲ء

اشارات

بچوں کی تربیتی تحریک اور حکومت

تیسرا نیشنل سیمنار

بالغوں کے ادب کے لئے کون کون سے میدان ہو سکتے ہیں

ڈاکٹر ایس۔ آر۔ رنگا ناتھن

ہم سفر

"فرینک سی لاباخ"

تعلیمی مواد (ڈرامہ)

مقدمہ باز (۲) لکشمی نرائن

دوا دارو

کسونڈی بوٹی۔ سنگھر ونده۔ شاہترہ

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

بالغوں کے ادب پر تیسرا نیشنل سیمنار

اگست سنہ ۱۹۵۲ء

اشارات نرسری ایجوکیشن ــ سوشل ایجوکیشن کا ایڈوائزری بورڈ

اصول اور طریقے

اچھے لیڈر میں کیا اوصاف ہونے چاہئیں ۔ لکشمی نرائن

تیسرا نیشنل سیمنار

تیسرا نیشنل سیمنار اور تعلیم بالغان میں اسکی اہمیت ۔ مہربسی۔ ناناوتی

تعلیمی مواد (ڈرامہ) بچوں کا سہارا لکشمی نرائن

مفید معلومات

۱۔ ہاتھ کے کام کو نیچا کام نہ سمجھو" کمیونٹی پروجیکٹ کی ٹریننگ لینے والے افسروں کو شری نہرو کا پیغام

۲۔ بستی بستی تعلیمی سیل قائم کئے جائیں ۔ شفیق صاحب کا سمجھاؤ

دوا دارو

نمک۔ بڑ۔ ہلدی

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

ستمبر سنہ ۱۹۵۲ء

اشارات

دہلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن ۔ ایک نمونہ کا کام

اصول اور طریقے

دیہاتی سماج میں بالغوں کی تعلیم کا نصاب ــ ڈاکٹر ایس۔ آر۔ رنگا ناتھن

اچھے لیڈر کے اوصاف ۔ لکشمی نرائن

مفید معلومات

خواتین کی تعلیمی ترقی ــ شریمتی آشا دیوی آریہ نائکم

تعلیم کے ذریعے گاؤں کی ترقی ــ جان بارسس

کمیونٹی پروجیکٹ اور خواندگی ــ ڈاکٹر لاباخ

نمونہ

گندے اشتہاروں کی روک تھام — محمد اظہر

دوا دارو

کالا بچھو خاکسی — تلسی

سوشل ایجوکیشن کی تحریک (خبریں)

ہماری رائے

قلم جوتی

اکتوبر ۱۹۵۲ء

اشارات

دہلی سیمینار کا موضوع بحث — ایک تجویز

اصول اور طریقے

دیہات میں تعلیم بالغان کی مشکلات۔ ڈاکٹر رنگا ناتھن

اچھے لیڈر کے اوصاف (۱)۔ لکشمی نرائن

نمونہ

دیواری دارالمطالعہ ایک نیا تجربہ۔ محمد اظہر

سماجی تعلیم کی تحریک

شخصیت کی ہمہ گیر ترقی — شفیق الرحمٰن قدوائی

سوشل ایجوکیشن کارکنوں کے لئے دہلی میں ماہی ٹریننگ کورس کا افتتاح

جنتا کالج دہلی کو تحفہ

کمیونٹی پروجیکٹ کا افتتاح

مفید معلومات

دیہاتی مکانوں کے لئے مضبوط اینٹیں

دوا دارو: اسبغول

نومبر ۱۹۵۲ء

اشارات

سوشل ایجوکیشن کے میدان میں نیا نظریہ اپنانے کی ضرورت

اصول اور طریقے

اچھے لیڈر کے اوصاف لکشمی نرائن

تعلیمی مواد (ڈرامہ)

بیچارا گاؤں شری پرسدھ نرائن شرما

نمونہ

میدانی دارالمطالعہ مرکز کوچہ رحمٰن کا ایک اور تجربہ

محمد اظہر مہتمم مرکز کوچہ رحمٰن

دوا دارو — بنوار — مکڑی کا جالا

سماجی تعلیم کی تحریک

ناخواندگی اور بے روزگاری جمہوریت کے لیے خطرہ ڈاکٹر رادھا کرشنن

دہلی اسٹیٹ میں سوشل ایجوکیشن ڈے

تیسرے نیشنل سیمینار کی تیاری

دسمبر ۱۹۵۲ء

اصول اور طریقے

سماجی تعلیم کے ادب کا مسئلہ۔ ڈاکٹر ایس۔ آر۔ رنگا ناتھن

بالغوں کے ادب کی تیاری کے لئے کچھ سجھاؤ

مسری اسمیل روڈر گنر وڈ

تعلیم میں سوشل ایجوکیشن کا مقام

ڈاکٹر دھرمیندر برہمچاری

مغربی بنگال میں سماجی تعلیم۔ پربلاد کمار پرمانک

مزدوروں کی تعلیم بقیہ صہ ۱۵

(۸) محنت، مزدور اور ٹریڈ یونین سے متعلق دوسرے ملکوں کے مسائل، یو۔ این۔ او اور اس کی مزدوروں کی مخصوص جماعت آئی۔ ایل۔ او کی تنظیم اور کام کے بارے میں معلومات جس سے ان میں صنعتی معاملات کو اچھی طرح سمجھنے کا شعور اور فہم پیدا ہو۔

ورکشاپ میں یہ احساس بھی رہا ہے کہ مندرجہ بالا ترتیب کو کسی بھی حیثیت سے ایک مکمل اور جامع نصاب نہیں کہا جاسکتا، مگر اس کے باوجود اس بات کا بھی امکان ہے کہ کچھ لوگ اسے ضرورت سے زیادہ حوصلہ مندانہ پروگرام تصور کریں۔ بہرحال ورکشاپ نے اس سلسلے میں یہی رائے دی کہ مزدوروں کے درمیان تعلیم کا کام کرنے والوں کے سامنے مزدوروں کی تعلیم کا مکمل دائرۂ عمل ہونا چاہیئے۔ اب رہی یہ بات کہ اُسے کب کون سی بات لینی ہے تو اس کا فیصلہ خود کارکن کو کرنا ہوگا۔ اُسے آزادی ہونی چاہیئے کہ وہ اپنے یہاں کی ضروریات اور لوگوں کی استعداد کے مطابق مضامین کا انتخاب کرے۔ (مسلسل)

تنقید و تبصرہ بقیہ صہ ۲۷

لحاظ رکھا گیا ہے اور کم سے کم ہماری نظر سے بہت کم کتابیں ایسی گذری ہیں جو ان حیثیتوں سے بھی معیار پر پوری اترتی ہوں۔

کتاب کا مواد جو بچے اور بالغ دونوں کے لئے بہت بڑی اہمیت رکھتا ہے، وہ ان کتابوں میں حرف شناسی کی منزل سے لے کر قصے اور مضمون پڑھنے کی منزل تک بالغوں کے حسب حال ہے۔ گاؤں میں ہل بیل، کھیتی باڑی اور پھل پھلاری کا ذکر رہتا ہے یا جی موج میں ہو تو اکبر اور بیربل کے لطیفے سُنے اور سُنائے جاتے ہیں' اور اب آزادی کے بعد کے نئے حالات میں گاندھی جی کی زندگی کے واقعات، ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کے سلسلے کے گیت، ملک، قومی گیت، اور قومی جھنڈا جیسے چرچے عام ہیں۔ فاضل مصنف نے زیر نظر دونوں کتابوں میں بیشتر یہی مواد رکھا ہے اور اچھے انداز سے رکھا ہے۔

غرض کتابیں بہ حیثیت مجموعی دونوں بہت کامیاب ہیں اور اس قابل ہیں کہ انھیں بھروسے کے ساتھ بالغوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے کی کوشش میں ایک کتاب کے طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔

June 1960

ادارہ تعلیم و ترقی، جامعہ نگر، نئی دہلی

ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

جلد: ۱۱
شمارہ: ۶

اشارات

اصول اور طریقے

بات چیت

کتاب پڑھئے

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

تعلیم و ترقی کے مضامین

بانی: شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر: پروفیسر محمد مجیب
برکت علی فراق
رفیق محمد شاستری

دفتر: ماہنامہ تعلیم و ترقی، جامعہ نگر، نئی دہلی

قیمت: سالانہ چار روپے۔ فی پرچہ ۳۷ نئے پیسے

ٹیلیفون: ۷۲۲۶۴

(پرنٹر و پبلشر برکت علی فراق نے کوہ نور پریس لال کنواں دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا)

اشارات

راجستھان کا سوشل ایجوکیشن بورڈ بل

جب سے ملک آزاد ہوا ہے اور ہندوستانیوں کو اپنے مسائل اپنے ہاتھوں حل کرنے کا موقع ملا ہے اس وقت سے یوں تو ہر ریاست میں اپنی تعمیر و ترقی کے لئے کام ہو رہا ہے، لیکن اس سلسلے میں نئے خیالات اور نظریات کا تجربہ کرنے کا جہاں تک تعلق ہے، غالباً راجستھان کا درجہ سب سے اونچا ہے۔ جمہوری لامرکزیت (ڈیموکریٹک ڈی سنٹرلائزیشن) کا خیال ملک میں رائج ہوئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا کہ راجستھان نے اس پر عمل کرنے کے لئے قانون بنا کر پہل کر دی اب وہ ایک دوسرے نظریے کا تجربہ کرنے کے لئے قانون بنانے والا ہے۔ یہ نظریہ ہے سوشل ایجوکیشن کو فروغ دینے کے لئے ایک خود مختار بورڈ کا قیام ابھی یہ نظریہ سوشل ایجوکیشن کی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں زیر بحث ہی تھا کہ راجستھان اسمبلی میں اس کو قانونی شکل دینے کے لئے بل پیش ہو گیا ہے۔ اپنی ریاست کو ترقی دینے کی دھن میں نئے نئے تجربے کرنے کی اس بے دھڑک حوصلمندی کے لئے حکومت راجستھان مبارکباد کی مستحق ہے۔

بورڈ کے لئے قانون بنانے کے اس عمل میں حکومت نے ایک اچھا کام یہ کیا ہے کہ جو لوگ سوشل ایجوکیشن کی تحریک سے وابستہ ہیں، ان سے اس نے قانون سے متعلق چند معاملات میں رائے مانگی ہے۔ اگرچہ اس رائے طلبی کے سلسلے میں جو سوالات قائم کئے گئے ہیں، ان سے بورڈ کے صحیح رنگ روپ کے اوپر کچھ زیادہ روشنی پڑنے کی اُمید نہیں ہے۔ جن لوگوں سے رائے مانگی گئی ہے، انھیں چھپے ہوئے بل کی ہندی اور انگریزی کاپیاں بھی بھیجی گئی ہیں۔

اب جبکہ عام طور پر رائے مانگی گئی ہے، سوشل ایجوکیشن کے ایک کارکن ہونے کی حیثیت سے ہم اپنا فرض سمجھتے ہیں کہ بل کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کر دیں، اس لئے کہ یہی رائے دینے کا صحیح وقت ہے، ورنہ بل کے ایکٹ بن جانے کی صورت میں کسی قسم کی رائے ظاہر کرنے سے کوئی نتیجہ نکلنے کی اُمید نہیں رہتی۔

خود مختار بورڈ کی ضرورت

قانون بنانے والوں کے سامنے سب سے پہلی اور اہم جو بات رہنی چاہئے وہ یہ سوال ہے کہ سوشل ایجوکیشن کے لئے خود مختار

بورڈ بنانے کی ضرورت کیوں ہے؟ سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں نے اپنی کانفرنسوں اور بات چیت کی مجلسوں میں اس سوال کے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ سوشل ایجوکیشن کا کام، دنیا بھر کے تجربات بتاتے ہیں، براہ راست حکومت کی نگرانی اور انتظام میں کرنے کا نہیں ہے۔ سوشل ایجوکیشن کا کام عوام کی زندگی سے براہ راست تعلق رکھتا ہے اور یہ کام وہی لوگ اچھے اور نتیجہ خیز ڈھنگ سے کرسکتے ہیں جو لوگوں کی زندگیوں اور اُن کے مسائل سے اتنے قریب ہوں جتنے اُن کے اپنے بھائی بند قریب ہوتے ہیں۔ اس کے مقابلے میں حکومتوں کے کام کرنے کا طریقہ ایک بندھے ٹکے ڈھرے کا پابند ہوتا ہے جسے اُس کے ملازم اپنی سوجھ بوجھ اور وقت اور حالات کے تقاضے کے مطابق بدل نہیں سکتے۔ خود مختار بورڈ حکومت سے ہٹا ہوا اور عوام سے قریب ہوتا ہے اس لئے وہ یہ کام زیادہ اچھے ڈھنگ سے کرسکتا ہے۔

خود مختار بورڈ کی ضرورت کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے جو جمہوری لامرکزیت کے اصول کا نتیجہ ہے۔ بات یہاں بھی وہی ہے جس کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے یعنی یہ کہ سوشل ایجوکیشن کے کام کو بڑے پیمانے کی مرکزی سنستھاؤں سے لے کر زیادہ سے زیادہ جہاں تک ممکن ہو، عوام کی مقامی جماعتوں کے ہاتھ میں دے دینا چاہتے۔ اس لئے کہ بڑے پیمانے کی مرکزی سنستھائیں، چاہے وہ رضاکارانہ غیر سرکاری ہی کیوں نہ ہوں، دور بیٹھے بیٹھے مقامی حالات و مسائل سے، جن سے عوام کی زندگیاں وابستہ ہوتی ہیں، اچھی طرح واقف نہیں ہوسکتے۔ مگر سوال یہ ہوتا ہے کہ اس طرح کی عوام کی مقامی جماعتیں یہ کام کرنے کا حوصلہ کیسے کریں؟ اس لئے کہ اس طرح کے کام کے لئے سرمایہ اور وسائل کی ضرورت ہوتی ہے جو وہ فراہم نہیں کرسکتیں! یہی وہ مقام ہے جہاں ایک تعلیمی یا سماجی قانون کی ضرورت محسوس ہوتی ہے، نام اس قانون کا چاہے سوشل ایجوکیشن ایکٹ رکھ لیجئے، چاہے سوشل ایجوکیشن بورڈ ایکٹ رکھ لیجئے ضرورت کے اس پہلو کی بنیاد پر سوچیے، تو سوشل ایجوکیشن بورڈ ایکٹ کا پہلا اور بنیادی مقصد یہ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ عوام اور ان کی نمایندہ جماعتوں کو اپنی تعلیم کا اپنی ضرورتوں اور خواہشوں کے مطابق انتظام کرنے کے لائق بنائے اور مشورے اور سرمائے سے ان کی مدد کرے۔

موجودہ بل

راجستھان اسمبلی میں اس وقت جو بل پیش ہے، اس کے بارے میں ہمیں بورڈ کی ضرورت کے انہی پہلوؤں کی روشنی میں سوچنا ہوگا کہ اس ایکٹ سے سوشل ایجوکیشن کے لئے خود مختار بورڈ کی ضرورت کس حد تک پوری ہوگی۔ اس مقصد کے لئے ہمیں خاص طور پر بل کے تین پہلوؤں پر غور کرنا چاہئے۔

ا۔ بورڈ کی رکنیت

اگر بورڈ بنانے کے ارادے میں اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ اُسے حکومت اور اُس کے مخصوص طریقۂ کار سے ہٹا ہوا ہونا چاہیئے تو قدرتی بات ہے کہ بورڈ میں غیر سرکاری ممبروں کی بھاری اکثریت ہونی چاہیئے۔ سرکاری ممبر صرف اتنے ہونے چاہئیں کہ ان کے ہونے سے مالی اور انتظامی معاملات میں ٹکنیکل باتیں معلوم ہوتی رہیں۔ غیر سرکاری منتخب ممبروں میں ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ ہونی چاہئے جو اصل محاذ پر کام کرتے ہیں اور اس تحریک اور اس کے مقاصد سے اچھی طرح واقف ہیں۔

اس معیار پر جانچئے تو بل میں مختلف قسم کے ممبروں کا تناسب صحیح نہیں ہے۔ کل ۵۱ ممبر تجویز کئے گئے ہیں جن میں ۲۶ غیر سرکاری اور ۲۵ سرکاری ہوں گے۔ غیر سرکاری ممبروں میں اصل کام کرنے والے کارکنوں کے صرف چار، تحریک سے وابستگی رکھنے والے لوگوں کے سات اور سوشل ایجوکیشن کا کام کرنے والے اداروں کے سوشل ویلفیر بورڈ کے نمایندوں کو ملاکر چھ نمایندے یعنی کل ۱۷ ممبر ہوں گے۔

ہماری رائے ہے کہ موجودہ تناسب سے خود مختار بورڈ بنانے کا مقصد پورا نہیں ہوگا۔ بل بنانے اور اس پر بحث کرنے والے اسمبلی کے ممبروں کو اس موضوع پر پھر سے سوچنا چاہئے۔ سرکاری ممبروں کی تعداد نصف سے گھٹا کر زیادہ سے زیادہ ایک چوتھائی کر دینی چاہئے۔ بورڈ عوام کی مقامی جماعتوں کو امدادیں دے گا، گویا یہی جماعتیں اصل کام کرنے والی ہوں گی، اس لئے چونکہ یہ کام کے مسائل سے پوری طرح واقف ہوں گی اس لئے ان کی نمایندگی زیادہ سے زیادہ کر دینی چاہئے۔ اسی طرح تحریک سے وابستگی رکھنے والے اور سوشل ایجوکیشن کی فیلڈ میں نئے نئے تجربے کرنے والے افراد اور اداروں کے نمایندے بھی مجوزہ تعداد سے زیادہ ہونے چاہئیں۔

ب۔ بورڈ کے فرائض اور اختیارات

سوشل ایجوکیشن کا تعلق بالغوں اور ان کی زندگیوں سے ہوتا ہے اور بالغ اپنی تعلیم کے معاملہ میں کسی قسم کی جانچ یا امتحان کو پسند نہیں کیا کرتے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ جہاں جہاں بالغوں کی تعلیم کو فروغ ہوا ہے وہاں اسے امتحانوں کے چکر میں کبھی نہیں پھنسایا گیا۔ مجوزہ بل میں جہاں بورڈ کے فرائض اور اختیارات کا ذکر کیا گیا ہے وہاں سب سے زیادہ دفعات امتحانات اور ان سے متعلق دوسری ضرورتوں کے بارے میں ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بورڈ محض نصاب تعلیم، درسی کتابوں اور مواد کے تعین اور ان کے مطابق امتحان لینے کی غرض سے بنایا جا رہا ہے۔ اس لحاظ سے اس بورڈ میں اور سکنڈری ایجوکیشن بورڈ میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ یہ چیز سوشل ایجوکیشن اور تعلیم بالغان کے مزاج کے سراسر خلاف ہے اور

ہو سکتا ہے کہ اسی صورت میں اس کے ایکٹ بن جانے سے فائدے کے بجائے سوشل ایجوکیشن کی تحریک کو راجستھان میں نقصان پہنچ جائے۔

اس کے برعکس سوشل ایجوکیشن کی تحریک اب جس موڑ پر پہنچ گئی ہے اور جس کی طرف ہم نے بورڈ کی ضرورت کے دوسرے پہلو کی وضاحت کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے، اُسے دیکھتے ہوئے بورڈ کا پہلا اور بنیادی کام یہ ہونا چاہئے کہ وہ نصاب تعلیم، تعلیم کے مواد، طلباء کی تعداد اور اوسط حاضری اور کارکنوں اور اُستادوں کی لیاقت وغیرہ سے متعلق چند مناسب شرطیں لگا کر عوام کی مقامی جماعتوں، پنچایتوں اور دوسرے رضاکار اداروں کو مالی امداد کی پیشکش کرے، کارکنوں اور اُستادوں کی ٹریننگ کا مفت انتظام کرے، کارکنوں کے درمیان خیالات و تجربات کے تبادلے کی غرض سے ان کے سیمینار بلائے، اور کام کی رہنمائی کرنے کی غرض سے چند لائق کارکنوں کو اپنے خرچ پر باہر کے ملکوں میں مشاہدے اور ٹریننگ لینے کے لئے بھیجے۔ امتحانات منعقد کرنے کا فرض بھی اس بورڈ کو ادا کرنا چاہیئے مگر اس کام کی حیثیت اتنی نمایاں نہیں ہونی چاہئے کہ مذکورۂ بالا کام جن کی حیثیت بنیادی کام کی ہے، ان کا سرے سے ذکر ہی نہ ہو۔

۷۔ انتظامی پہلو

بورڈ کی نوعیت اگرچہ خودمختار (آٹانومس) ظاہر کی گئی ہے، لیکن اگر ممبروں میں سرکاری ممبروں کی غیر معمولی تعداد کو نظرانداز بھی کر دیجئے اور صرف اس کے چیرمین، نائب چیرمین اور سکریٹری کے تقرر کے طریقے اور ان کے اختیارات کی حد پر نظر ڈالئے تو معلوم ہوتا ہے کہ حکومت بورڈ کو ایک ہاتھ سے اختیارات دے کر دوسرے ہاتھ سے واپس لے لینا چاہتی ہے۔ براہ راست انتخاب کے ذریعے آئے ہوئے ممبروں کی تعداد ۱۵ ممبروں کے بورڈ میں صرف دس ہے، باقی یا تو اپنے عہدے کے لحاظ سے آنے والے (ایکس افیشیو) ممبر ہیں یا نامزد کئے ہوئے۔ رہ گئے بورڈ کے عہدے دار تو ان میں سے چیرمین کا تقرر ہوگا جو یا تو حکومت کرے گی، نائب چیرمین کا انتخاب ہوگا وہ بھی اُس وقت جب ریاست کا ڈائرکٹر تعلیمات چیرمین نامزد نہ ہو۔ اگر ڈائرکٹر تعلیمات چیرمین نہیں بنتا تو وہ خود بخود نائب چیرمین ہو جائے گا۔ بورڈ کا سکریٹری حکومت راجستھان کا ڈپٹی ڈائرکٹر سوشل ایجوکیشن ہوگا اور تمام انتظامی معاملات میں بورڈ کا اعلیٰ انتظامی افسر ہوگا۔ غور کرنے کا موقع ہے کہ اس صورت حال میں بورڈ کی خودمختاری کہاں رہ جاتی ہے؟ اس سے اچھا تو یہی ہے کہ ڈائرکٹر تعلیمات کے ماتحت سوشل ایجوکیشن کے لئے ایک ڈپٹی ڈائرکٹر ہو اور وہی سب کام چلائے جیسا کہ غالباً اس وقت قاعدہ ہے۔ اس صورت میں وہ بورڈ اور اس کے فیصلوں کے جھنجھٹ سے تو محفوظ رہے گا!!

اگر بورڈ کو آزادی کی فضا میں رہ کر کام کرنا ہے تو اس کی انتظامی مشینری بھی حکومت کے دفتری اور افسر شاہی طریقۂ کار سے مختلف خالصۃً جمہوری ہونی چاہئے۔ مثلاً چیرمین کا انتخاب اس طرح ہونا چاہئے کہ بورڈ تین چار اشخاص کا ایک پینل منتخب کرے اور وزیر تعلیم یا گورنر (گورنر زیادہ مناسب ہوگا) ان میں سے ایک کو نامزد کردے۔ نائب چیرمین کے انتخاب کے اوپر کوئی شرط نہ لگائی جائے اور سکریٹری بورڈ کے غیر سرکاری ممبروں میں سے منتخب کیا جائے۔ ڈپٹی ڈائرکٹر سوشل ایجوکیشن خوشی سے بورڈ کا ممبر بھی رہے اور اعلیٰ انتظامی افسر بھی رہے مگر رہے بورڈ کے ملازم کی حیثیت سے اور اس کے فیصلوں کا پابند ہوکر۔

یہ ہیں تین پہلو جن کی بنیاد پر ناظرین اور خصوصاً راجستھان اسمبلی کے ممبروں کو مجوزہ بل کے مفید یا غیر مفید ہونے کا فیصلہ کرنا چاہئے۔ ورنہ سوشل ایجوکیشن کے لئے خود مختار بورڈ کی ضرورت الگ چیز ہے اور موجودہ افسر شاہی کی بنیاد پر اس کے لئے قانون بنا دینا الگ بات ہے۔ یہ دونوں باتیں اُسی وقت ایک دوسرے سے ہم آہنگ اور نتیجہ خیز ثابت ہوں گی جب قانون بنانے میں ضرورت کے نفسیاتی پہلو کو بنیاد قرار دیا جائے گا۔

کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی طرف سے

عوام کی بے رُخی

پروگرام ایویلویشن آرگنائزیشن کی ساتویں رپورٹ

ترقیاتی پروگراموں کے کاموں کا جائزہ لینے والی کمیٹی (پروگرام ایویلویشن آرگنائزیشن) نے اپنی ساتویں رپورٹ شائع کردی ہے۔ کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے کاموں کا جائزہ لینے کے لئے کمیٹی نے ۱۸ منتخب بلاکوں کا معائنہ کیا تھا۔ اس معائنے کی بنا پر اس کا بیان ہے کہ بیشتر بلاکوں میں لوگوں نے پروگرام کے بارے میں جو رجحان ظاہر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عوام میں اپنے اوپر بھروسہ کرنے کا جذبہ ابھی تک نہیں پیدا ہوا ہے حالانکہ یہی چیز اس اسکیم کا بنیادی مقصد ہے

گاؤوں کے بیشتر لوگ اس پروگرام کو اپنی چیز نہیں سمجھتے اور دیہاتی علاقوں کی ترقی کے بارے میں چاہتے ہیں کہ حکومت ہی یہ سارے کام کردیا کرے۔"

(اسٹیٹسمین ۱۲ر جون ۱۹۶۰ء)

مزدوروں کی تعلیم

اصول فن اور طریق کار

(دوسری قسط)

رپورٹ کی پہلی قسط جو مئی سنہ ٦ء کے شمارے میں شائع ہو چکی ہے، مزدوروں کی تعلیم کے اغراض و مقاصد اور نصابِ تعلیم سے متعلق تھی، اس دوسری قسط میں اصل موضوع یعنی مزدوروں کی تعلیم کے اصول فن اور طریق کار سے متعلق ورک شاپ کے فیصلوں کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

— ایڈیٹر

ورک شاپ نے اپنے ابتدائی مباحثے میں یہ بات طے کر لی تھی کہ مزدوروں کی تعلیم کے اصول فن اور طریق کار پر جو باتیں خاص طور سے اثر انداز ہوتی ہیں وہ یہ ہیں کہ

یہ تعلیم کن اغراض و مقاصد کی تکمیل کے لئے ہوگی۔

وہ کون سے مضامین ہیں جن کی تعلیم دینا مقصود ہے۔

یہ تعلیم کس طبقے کے لوگوں کے لئے ہے

اور اس کے لئے کیا کیا وسائل دستیاب ہیں

ورک شاپ نے اپنی اس سے پہلے کی بات چیت میں تعلیم کے کچھ فوری اور کچھ دوررس اور آخری مقاصد متعین کر لئے تھے اور اس سلسلے میں یہ اشارہ بھی کیا تھا کہ اگر تعلیم کے ذریعہ صرف دماغوں کے خالی گوشوں میں معلومات اور علم کی ذخیرہ اندوزی مقصود ہو تو اس کے لئے لیکچر کا طریقہ سب سے زیادہ موزوں ثابت ہو سکتا ہے اور اگر مقصد یہیں تک محدود نہ ہو بلکہ اس کے ذریعہ انسان کے اندر چھپی ہوئی صلاحیتوں کو اُجاگر کر کے اُن کی شخصیت میں تنوع اور ہمہ گیری پیدا کرنی ہو تو اس کے لئے کوئی ایسا طریقہ اختیار کرنا زیادہ مناسب ہوگا جس میں لوگوں کی سرگرم شرکت اور اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل ہوں۔

اسی طرح طریق کار کے انتخاب میں زیر مطالعہ مضامین کا بھی کافی اثر ہوتا ہے۔ اگر کسی ملک یا ٹریڈ یونین کی تحریک کی تاریخ پڑھانی ہو تو اس مقصد کے لئے لیکچر کا طریقہ زیادہ موثر اور کارگر ثابت ہوگا۔ دوسری طرف اگر ٹریڈ یونین کے انتظامی اور تنظیمی مسائل زیر مطالعہ ہوں تو اس کے لئے جماعتی مباحثے، سیمینار اور کام میں عملی شرکت کے طریقے زیادہ بہتر ڈھنگ سے استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ یہ بھی بتایا گیا کہ اگر لوگوں میں اچھے آداب و اطوار کی تربیت کرنی ہو تو اس کے لئے ڈرامہ بہت موثر ثابت ہوسکتا ہے۔

مزدوروں کی تعلیم کے اغراض و مقاصد اور مواد تعلیم کے علاوہ اس طبقے کے لوگوں کی جماعتی اور انفرادی خصوصیات بھی طریق کار کے انتخاب پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں۔ ورک شاپ نے اس سلسلے میں اس طبقے کے لوگوں کی جن خصوصیات کا ذکر کیا ہے وہ یہ ہیں :-

۱۔ اس تعلیم سے بہرہ اندوز ہونے والے افراد بالغ ہوتے ہیں جنکی عادات و اطوار میں پختگی آچکی ہوتی ہے۔ بچوں کی طرح انہیں کسی بنے بنائے سانچے میں ڈھالنا آسان نہیں ہوتا۔ جیسا کہ لفظ "مزدور" سے ہی ظاہر ہے، یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو مزدوری کا کام کرتے ہیں، ان کی اپنی خانگی اور خاندانی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ ان کے اپنے کچھ مفاد ہوتے ہیں جس کے تحفظ میں انہیں دوسروں سے ٹکر بھی لینی ہوتی ہے۔ ان میں سے بیشتر افراد اپنی زندگی کو تشنہ تصور کرتے ہیں۔ یہ تشنگی اس میں شک نہیں کہ انہیں حصول تعلیم کے لئے ذہنی اور نفسیاتی طور پر بڑی آسانی سے آمادہ کرسکتی ہے مگر ان کی زندگی کے حالات انہیں اس طرف سوچنے کی اجازت ہی نہیں دیتے۔ وہ اپنی موجودہ حالت میں اور اس حالت میں جہاں پہونچنے کی ان میں خواہش ہوتی ہے ایک بڑی خلا تصور کرتے ہیں، اس لئے خاموش رہتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اس کم مائیگی کے جذبے کا اظہار کرتے ہوئے بھی شرماتے ہیں۔ اسکول اور کالج کی کلاسوں کے مقابلے میں بالغوں کی کلاسوں میں تعلیمی صلاحیت، تجربے اور معلومات اور تہذیبی اور سماجی پس منظر کے اعتبار سے بہت زیادہ فرق ہوتا ہے۔ مزدوروں میں دیکھا گیا ہے کہ اکثر وہ اپنی بات کو بہت اچھے ڈھنگ سے پیش نہیں کر پاتے مگر اس کے باوجود ان میں فہم و ادراک اور مشاہدے کی زبردست قوت موجود ہوتی ہے۔ مزدوروں میں بیشتر افراد پڑھنے لکھنے کے اداب سے واقف نہیں ہوتے اور نہ کلاس یا لائبریری میں جاکر پڑھنے کے عادی ہوتے ہیں۔ وہ لکھنے پڑھنے کو ایک بہت مشکل کام تصور کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب ان کی پڑھنے کی عمر نہیں رہی۔ ورک شاپ نے اس طبقے کے لوگوں کی مندرجۂ بالا خصوصیات کو مدنظر رکھ کر تعلیم کے طریق کار اور اصول فن کے انتخاب کے لئے کچھ موٹے موٹے اصول اور پیمانے متعین کئے جو درج ذیل ہیں :-

۱۔ مزدوروں کی تعلیم چونکہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے ایک ایسا کام ہے جس میں مزدوروں کی شرکت ان کی اپنی مرضی اللہ منشاء اپر ہوگی اس لئے اس سلسلے میں جو بھی پروگرام بنایا جائے اس میں مزدوروں کی دلچسپیوں اور اُن کے مسائل کو خاص طور سے ملحوظ رکھنا ہوگا۔

۲۔ یہ طریق کار ایسا ہونا چاہئے کہ اس تعلیمی عمل سے مستفید ہونے والوں میں زیادہ سے زیادہ افراد اس میں سرگرم اور عملی شرکت کرسکیں۔

۳۔ طریق کار ایسا ہونا چاہئے کہ اس میں تعلیم اُس خاص معیار کے بعد سے شروع کرنے کے مواقع ہوں جس معیار تک لوگ اس سے پہلے پہنچ چکے ہوں۔ جو معلومات انھیں دی جائیں وہ ان کی زندگی اور تجربے سے مربوط ہوں۔

۴۔ مزدوروں کی تعلیم میں اس بات پر بہت زیادہ توجہ نہیں دینا چاہئے کہ نصاب میں جس قدر مضامین رکھے گئے ہیں وہ سب اپنی شکل میں حرف بہ حرف مکمل بھی ہو جائیں، اس کے بجائے وجہ اس بات پر ہونی چاہئے کہ اس تعلیم سے ان کی انفرادیت اُجاگر ہو اور اُن کی شخصیت اُبھرے۔

۵۔ طریقۂ تعلیم جس قدر ممکن ہو آسان اور کم خرچ ہونا چاہئے۔

ورک شاپ میں جو بات چیت ہوئی اس میں سب سے زیادہ زور اس بات پر تھا کہ اس طریقۂ تعلیم میں تعلیم سے بہرہ اندوز ہونے والوں کی شرکت کے مواقع زیادہ سے زیادہ ہونے چاہئیں۔ اس سے نہ صرف کسی مخصوص معاملے میں لوگوں کی دلچسپیاں قائم کرنے میں مدد ملے گی بلکہ وہ ان سے زیادہ مستفید بھی ہوسکیں گے۔ مزدور طبقے میں چونکہ تعلیمی معیار، فہم و شعور اور تہذیبی اور سماجی پس منظر کے اعتبار سے مختلف درجے کے لوگ شامل ہوتے ہیں اس لئے ایسا طریقہ جس میں لوگوں کو زیادہ سے زیادہ شرکت کا موقع حاصل ہو، زیادہ مفید ثابت ہوگا۔ اس سے لوگوں کا شوق اور دلچسپی بڑھے گی، انھیں اپنے آپ کو ظاہر کرنے کا موقع ملے گا جس سے ان کی شخصیت میں پختگی آئے گی۔

مندرجہ بالا اصول اور پیمانے متعین کرنے کے بعد ورکشاپ نے تعلیم کے خاص خاص طریقوں پر قدرے تفصیل سے غور کیا۔ اس سلسلے میں ورکشاپ نے مندرجہ ذیل نکات خاص طور پر مدنظر رکھے۔

الف۔ یہ طریقے مندرجہ بالا معیار پر کس حد تک پورے اُترتے ہیں یا بالفاظ دیگر ان سے کیا فائدے اور کیا نقصان ہیں۔

ب۔ کس مضمون کے لئے کون سا طریقۂ تعلیم زیادہ بہتر طریقہ پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔

ج۔ طریقۂ تعلیم کے بہتر استعمال کے لئے کون کون سے اصول فن اختیار کرنے ہوں گے۔

د۔ طریقۂ تعلیم کے بہتر استعمال کے لئے کن امدادی اور تعلیمی سامانوں کی ضرورت ہوگی۔

۳) کسی طریقہ تعلیم کو دوسرے طریقوں سے ملا کر کام کرنے سے بہتر نتائج کس حد تک برآمد ہو سکتے ہیں۔
ورک شاپ مختلف طریقہ کار کے بارے میں جن نتیجوں پر پہنچا ان کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

لیکچر

لیکچر کے ذریعہ تعلیم دینے کا طریقہ شاید اس ملک کا سب سے پرانا طریقہ ہے جو آج بھی کافی مقبول و معروف ہے اس طریق کار کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان کا انتظام کرنا نسبتاً آسان ہوتا ہے اور اس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ اس میں خیالوں کے لین دین میں ساری کارروائی یکطرفہ ہوتی ہے۔ اس میں زیادہ سے زیادہ یہی امید کی جاتی ہے کہ سننے والے لیکچرر کو خاموشی سے سنتے رہیں۔ اس طریقہ تعلیم میں دراصل اس بات کا اندازہ لگانا مشکل ہوتا ہے کہ کتنے آدمی لیکچر کی باتوں کو سن رہے ہیں اور کتنے سُنی اَن سنی کر رہے ہیں۔ کچھ تجربہ کار مقرر بہرحال اس بات کو بڑی آسانی سے بھانپ لیتے ہیں کہ سامعین میں ایک خاصی بڑی تعداد کب ان کے لیکچر سے اُکتا گئی ہے اور ان کا دھیان اِدھر اُدھر ہٹ چکا ہے۔ نفسیات کے ماہرین کا خیال ہے کہ عام طور پر لوگوں کی ایک جماعت ایک وقت میں دس منٹ سے زیادہ کسی لیکچر کے سننے میں اپنی توجہ کو مرکوز نہیں کر پاتے۔ دس منٹ کے بعد ان کا ذہن اِدھر اُدھر کی باتیں سوچنے لگ جاتا ہے۔ کچھ لوگوں نے یہ بھی خیال ظاہر کیا ہے لیکچر میں جو بہت سی باتیں بتائی جاتی ہیں ان میں سے لوگوں کو کوئی تین باتیں ہی ذہن نشین ہو پاتی ہیں۔ پھر اس طریقے میں ایک اور دقت بھی ہے کہ لیکچر میں تعلیمی صلاحیت، فہم و شعور اور پس منظر کے اعتبار سے جو مختلف معیار کے لوگ شامل ہوتے ہیں ان سب کا الگ الگ خیال نہیں رکھا جا سکتا جبکہ لیکچر کو سمجھنے میں کسی فرد کی تعلیمی صلاحیت، تجربات و مشاہدات اور احساسات کا بہت اثر پڑتا ہے

ایک ایسی جماعت میں، جہاں مختلف پس منظر کے لوگ موجود ہوں وہاں سب ہی کا برابر خیال رکھنا ایک مشکل امر ہے۔ بہرحال اتنا طے ہے کہ لیکچر کا طریقہ لوگوں میں جوش اور ولولہ پیدا کرنے کا ایک اچھا طریقہ ہے اور لوگوں میں جوش عمل کی تحریک پیدا کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً ان کا انتظام بہت اہمیت رکھتا ہے۔

لیکچروں کا طریقہ آج پورا کا پورا کہیں رائج نہیں ہے۔ اس سلسلے میں غالب رجحان یہی ہے کہ اسے دوسرے تعلیمی طریقوں کے میل سے استعمال کیا جائے جیسے لیکچروں کے دوران میں مباحثے، سوال و جواب، فلم اور فلم اسٹرپ وغیرہ کا استعمال کیا جائے۔ لیکچر اُس وقت بہت زیادہ مفید ثابت ہو سکتے ہیں جب زیر مطالعہ موضوع پر پہلے لوگوں نے چھوٹے چھوٹے حلقوں میں بحث اور غور و فکر کر لیا ہو، یا سیمینار کے عام جلسوں میں ان پر غور کیا جا چکا ہو اس طرح یہ

لیکچر لوگوں کو وہ باتیں مرتب اور منظم ڈھنگ پر ذہن نشین کرنے میں مدد دیتا ہے جن پر بحث مباحثے کی نشستوں میں غور کیا جا چکا ہوتا ہے۔

سیمینار اور جماعتی مباحثہ

ورک شاپ کے مباحثہ سے یہ ظاہر ہوا کہ لفظ سیمینار کی غرض و غائت کے بارے میں کافی ابہام موجود ہے۔ کچھ نمائندے جبکہ سیمینار کے بارے میں اس طریقے سے غور کر رہے تھے جو طریقہ کہ علم و ادب کے گہواروں اور درسگاہوں میں رائج ہے تو کچھ دوسرے نمائندوں کا خیال تھا کہ یہ طریقہ محض اجتماعی مباحثوں تک ہی محدود ہونا چاہیے۔ تاریخی اعتبار سے دیکھا جائے تو سیمینار محض چند چوٹی کے لوگوں کو کسی خاص موضوع پر غور و فکر کرنے اور اپنے اپنے خیالات کو مقالوں کی شکل میں پیش کرنے کا موقع ہی دیتا ہے۔ پہلے اعلیٰ قابلیت کے محض چند آدمیوں کو سیمیناروں میں شرکت کرنے کا مستحق سمجھا جاتا تھا۔ جو ان کے لئے ایک بڑی باعث عزت بات ہوتی تھی۔ مگر اس لفظ نے اب اس سے قطعاً مختلف مفہوم اختیار کر لیا ہے۔ ورکشاپ نے بہر حال اس کے وہی معنی لئے جس معنی میں یہ لفظ آج ملک میں رائج ہے اور اپنے سامنے انڈین ایڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے اہتمام میں ہونے والے سیمیناروں کی مثال رکھی۔

سیمینار کا طریقہ

سیمینار تعلیم کا ایک ایسا طریقہ ہے جس میں لوگوں کی شرکت کا زیادہ سے زیادہ موقع ہوتا ہے اور ایک ہی موضوع پر ایک سے زائد بار غور کرنے سے شرکت کرنے والے ان باتوں کو زیادہ بہتر طریقہ سے ذہن نشین کر پاتے ہیں۔ سیمینار کا اہتمام کرنے والے پہلے شرکت کنندگان کی دلچسپی کے کسی موضوع کا انتخاب کرتے ہیں اور اس پر غور و بحث کا ایک مفصل اور جامع خاکہ تیار کرتے ہیں جسے ورکنگ پیپر کہا جاتا ہے۔ سیمینار میں شرکت کرنے والے مختلف گروپ میں تقسیم ہو کر اس خاکے کے سہارے زیر بحث موضوع پر غور کرتے ہیں۔ یہاں بحث دو طرح سے ہو سکتی ہے ایک تو یہ کہ ہر گروپ زیر بحث موضوع کے مختلف پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کو لے کر غور کرے یا ہر گروپ زیر بحث موضوع کے تمام پہلوؤں کو لے اور ان پر الگ الگ غور کرے۔ دونوں ہی صورتوں میں ہر گروپ ورکنگ پیپر میں اٹھائے گئے سوالوں پر غور کرنے کے بعد اپنی رپورٹ مشترکہ جلسہ میں پیش کرتا ہے جہاں تمام گروپ کو مل کر انھیں باتوں پر دوبارہ غور کرنے کا موقع ہوتا ہے۔ ان مباحثوں کے بعد عام اجلاس میں سیمینار کا ڈائرکٹر تمام گروپ کی رپورٹوں کی بنیاد پر اپنی رپورٹ پیش کرتا ہے جہاں ایک بار پھر انھیں سیمینار کی تجاویز اور نتائج پر غور کرنے کا موقع

ہوتا ہے۔ ورک شاپ کا خیال تھا کہ مزدوروں کی تعلیم کے سلسلے میں یہ طریقہ بہت مناسب اور کارگر ہوگا۔ سیمینار میں مختلف ٹولیوں میں تقسیم ہوکر غور و بحث کرنے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ بہت سے ایسے لوگ جو بڑے بڑے مجمعوں میں اپنی بات کہنے میں ہچکچاہٹ محسوس کرتے ہیں، چھوٹے چھوٹے حلقوں میں اپنی بات کہنے میں انھیں کچھ تامل نہیں ہوتا۔ اس کا ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہوتا ہے، اس میں مختلف پس منظر اور تعلیمی معیار رکھنے والے لوگ شریک ہوتے ہیں، اور ان کی صلاحیت کے اعتبار سے ان پر زیادہ سے زیادہ انفرادی توجہ دی جاسکتی ہے۔ اس تعلیمی عمل میں چونکہ ہر آدمی سرگرم اور شریک ہوتا ہے اس لئے انھیں اظہار نفس کا پورا پورا موقع ملتا ہے جس سے ان کی شخصیت کے بہت سے پہلو اجاگر ہوتے ہیں۔ لوگوں کی سرگرم اور عملی شرکت اس سارے تعلیمی عمل کو دلچسپ بنا دیتی ہے۔ یہ بات بھی محسوس کی گئی کہ لیکچروں کے مقابلے میں سیمیناروں میں لوگ تھکن اور اکتاہٹ کم محسوس کرتے ہیں اور زیادہ وقت تک شرکت کرسکتے ہیں۔

سیمینار سے متعلق ایک اعتراض ورک شاپ میں یہ اٹھایا گیا کہ اس طریق کار میں زیر بحث موضوع کو ایک منظم اور مربوط طریقے پر پیش کرنے کا موقع نہیں ہوتا۔ یہ اعتراض اس بات پر کیا گیا تھا کہ سیمینار میں مختلف گروپ زیر بحث موضوع کے ہر پہلو پر ایک ساتھ غور نہ کرکے الگ الگ پہلوؤں پر ہی غور کرتا ہے اس سے زیر بحث موضوع کی ہمہ گیر شکل ایک مرتب طریقے سے اس طرح ذہن نشین نہیں ہوپاتی جس طرح لیکچروں کے ذریعہ ہوتی ہے۔ مگر سیمینار کے مباحثوں کا خلاصہ تیار کرتے وقت اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ زیر بحث موضوع کی وضاحت ایک ہمہ گیر انداز میں ہوجائے پھر بھی یہ محسوس کیا گیا کہ زیر بحث موضوع سے متعلق مخصوص لیکچروں کا اہتمام اس خامی کو بہت حد تک دور کرسکتا ہے۔

اس طرح سیمینار کے طریقے کے ساتھ لیکچر کے طریقے کو ملاکر کام لیا جائے تو تعلیمی اعتبار سے یہ طریقہ زیادہ مفید ثابت ہوگا۔

ورک شاپ نے محسوس کیا کہ ٹریڈ یونین کے تنظیمی اور انتظامی مسائل سے متعلق موضوع کے لئے سیمینار کا طریقہ سب سے مفید اور کارگر ہوگا۔ اس میں شرکت کرنے والے ورکنگ پیپر میں اٹھائے گئے مختلف مسائل کو حل کرنے میں اپنے ذاتی تجربوں سے بہت مدد لے سکتے ہیں۔

ورک شاپ نے سیمینار کے منعقد کرنے کے طریقوں اور اس کے لئے ضروری ساز و سامان کے اوپر بھی قدرے تفصیل سے غور کیا اور اس سلسلے میں ورکنگ پیپر کی تیاری پر سب سے زیادہ توجہ دیئے جانے پر زور دیا۔ کچھ لوگوں نے یہ تجویز رکھی کہ سیمینار میں جو لوگ گروپ لیڈر چنے جائیں یا جو لوگ اپنے علم اور واقفیت کے اعتبار سے سیمینار میں لوگوں کی رہنمائی کرسکیں، اصل سیمینار شروع ہونے سے پہلے ان لوگوں کی دو ایک نشستیں بلائی جائیں۔ اسی کے ساتھ سیمینار میں شرکت کرنے والوں کو زیر بحث موضوع

سے متعلق ضروری حوالے اور معلومات فراہم کرنے کا انتظام بھی کیا جائے۔

ورک شاپ نے یہ بات خاص طور سے نوٹ کی کہ گروپ کی رپورٹ ترتیب دینے میں اکثر دشواریاں پیش آتی ہیں اس میں ایک بات تو یہ ہوتی ہے کہ سیمینار میں جن لوگوں کو مباحثے کی رپورٹیں قلمبند کرنی ہوتی ہیں ان کے پاس اتنا وقت نہیں ہوتا کہ وہ رپورٹ کو اطمینان سے مرتب کرکے پیش کرسکیں۔ دوسرے یہ کہ ہر آدمی کو رپورٹ مرتب کرنے کی مشق نہیں ہوتی۔ اور چونکہ سیمینار میں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ نمایندوں کو رپورٹ مرتب کرنے کا موقع دیا جائے۔ اس لئے اس دقت کا پیش آنا یقینی بات ہوتی ہے۔ اس دقت سے بچنے کا ایک طریقہ یہ سمجھا گیا کہ گروپ میں جب کسی نکتے پر بحث ہو چکے تو گروپ کی متفقہ رائے گروپ کے ان لوگوں کی مدد سے قلمبند کرلی جائے جنھیں لکھنے کی اچھی مشق ہو۔ اس طرح رپورٹر کا جو بہت سا وقت مباحثے کے بعد رپورٹ تیار کرنے میں لگتا ہے وہ بچ جائے گا اور اس کا دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ مشترکہ نشست میں جب یہ رپورٹ سنائی جائیگی تو گروپ کے ممبروں میں اس پر اختلافی رائے کی گنجائش نہیں رہ جائے گی، جس سے اکثر بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

مطالعے کے حلقے (STUDY CIRCLE)

مطالعے کے حلقوں کے بارے میں ورکشاپ کا خیال تھا کہ یہ طریقہ اسی وقت زیادہ کارگر ثابت ہوسکتا ہے جبکہ اس میں حصہ لینے والوں کا تعلیمی پس منظر خاصا اچھا ہو اور ان میں اس کے لئے دلچسپی پائی جاتی ہو۔

مطالعے کے حلقوں میں یا تو کوئی تجربہ کار شخص زیر بحث موضوع سے متعلق اپنا مقالہ حلقے کے سامنے غور و بحث کے لئے پیش کرتا ہے۔ یا موضوع سے متعلق مختلف کتابوں کے حصے پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اور حلقے کے لوگ ان پر غور کرتے ہیں۔ یہ ایک دوسرے کی مدد سے اپنی تعلیم آپ جاری رکھنے کا ایک بہترین تعاونی طریقہ ہے جس کے ذریعہ لوگ انفرادی کوششوں کے مقابلے میں ایک دوسرے کی فنی اور علمی معلومات سے بہرہ اندوز ہوکر اپنی معلومات میں زیادہ آسانی سے اضافہ کرسکتے ہیں۔

ایک گذارش ہم نے ناظرین کی خدمت میں رسالے سے متعلق ان کی رائے معلوم کرنے کی غرض سے انگریزی میں ایک سوالنامہ بھیجا ہے اور ان کی آسانی کی غرض سے اس کی پشت پر ٹکٹ بھی لگا دیا ہے۔ کچھ احباب نے تو سوالنامہ ہمارے پاس واپس بھیجدیا ہے جس کے لئے ہم ان کے شکرگذار ہیں۔ درخواست ہے کہ باقی احباب بھی جلد اسے ہمارے پاس بھیجدیں تاکہ اس کے ذریعے جو کام ہم کرنا چاہتے ہیں، اس میں آسانی ہو۔

ایڈیٹر

کمیونٹی سنٹر
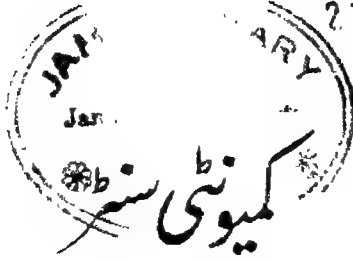
عوام کی تعلیم کا ایک وسیلہ

(دوسری قسط)

مذکورہ بالا عنوان کے ماتحت ہماری "بات چیت" کی پہلی بیٹھک میں جو باتیں ہوئی تھیں، اُن کا خلاصہ ہم مئی ۱۹۶۰ء کے پرچے میں دے چکے ہیں۔ اس بیٹھک میں "بات چیت" کا رُخ زیادہ تر کمیونٹی سنٹر کے تجربے کی تاریخ، اس کے تجزیے اور موجودہ دور میں اس کی کیفیت کی طرف رہا۔ اس کی فلسفیانہ اور نفسیاتی تحلیل کا ذکر اس سلسلے کی دوسری بیٹھک میں آیا تھا۔ چنانچہ زیر نظر قسط میں اسی دوسری بیٹھک کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

اس بیٹھک میں قریب قریب وہ سب احباب شریک تھے جو پہلی بیٹھک میں تشریف لائے تھے۔

—— ایڈیٹر

برکت صاحب۔ دوستو، ہم نے پہلی بیٹھک میں اپنی اس بات چیت کو جس نقطے پر ملتوی کیا تھا، وہ یہ تھا کہ اب سرکاری ایجنسیاں ہوں یا غیر سرکاری، وہ لوگوں کو اپنی فلاح و بہبود کے لئے اپنی تنظیمیں آپ قائم کرنے پر اُبھاریں اور اس کا طریقہ یہ ہو کہ ان ایجنسیوں کے کارکن اب بستی بستی اپنی نگرانی اور اہتمام میں کمیونٹی سنٹر نہ قائم کریں بلکہ بستی والوں کو اپنے لئے خود کمیونٹی سنٹر قائم کرنے کے لئے آمادہ کریں۔ البتہ اپنے اہتمام میں اپنے اپنے صدر مقام پر "مددگار مرکز" (فیڈنگ سنٹر) بنائیں جو ان نوخیز انجمنوں کی حوصلہ افزائی اور ٹریننگ کی غرض سے عارضی طور پر فنی خدمات بہم پہنچائیں......

مشتاق صاحب۔ جی ہاں میں نے بھی اس موقعے پر کہا تھا کہ یہ بحث واقعی بہت معنی خیز اور دلچسپ رہے گی لیکن برکت صاحب...

برکت صاحب۔ آپ کا قطع کلام ہو رہا ہے، میں اس کے لئے معافی چاہتا ہوں، میں اپنی افتتاحی گذارش اس بات پر ختم کرنا

چاہتا تھا کہ اگرچہ کمیونٹی سنٹر کا وسیلہ اب تک کے تجربے سے ناکام ثابت ہوا ہے مگر مجھے پورا یقین ہے کہ اس کے راستے میں جو دشواریاں حائل رہی ہیں، انھیں اگر دور کیا جا سکے، تو یہ آج بھی کامیاب ہو سکتا ہے۔

کمیونٹی سینٹر کا طریق کار (Approach) میرے خیال میں اپنے اندر بہت وسعت رکھتا ہے اور ہندوستان کے لوگوں کو اچھی زندگی کی تعلیم دینے اور اس کے تقاضوں سے باخبر رکھنے کا نہایت موثر ذریعہ ہے۔

مشتاق صاحب، آپ کمیونٹی سینٹر کو طریق کار کا نام کیوں دیتے ہیں؟ اس کے اوپر آپ جتنا زور دے رہے ہیں اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ کمیونٹی سنٹر کے بغیر کوئی پروگرام چل ہی نہیں سکتا۔

برکت صاحب۔ عوام کی تعلیم کے لئے ہم مختلف وسیلے (Instruments) اختیار کرتے ہیں جیسے خواندگی اور تہذیبی و تفریحی مشاغل وغیرہ۔ مگر کمیونٹی سینٹر کا وسیلہ ایسا ہے کہ اس میں کہ اس میں یہ سب چیزیں موجود ہوتی ہیں۔ اس کا ثبوت درکار ہو تو اندور سیمینار، جو اسی موضوع پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوا تھا، اس کی رپورٹ ملاحظہ فرمائیے جس میں یہ بات بالکل واضح کر دی گئی ہے۔

شمس صاحب! مشتاق صاحب کی بات پہلے سمجھ لینی چاہئے۔ یہ ایک اہم بات ہے۔ اندور سیمینار جس وقت منعقد ہوا تھا اس وقت کمیونٹی ڈیولپ منٹ کا پروگرام ابھی شروع بھی نہیں ہوا تھا اور نہ جمہوری لامرکزیت اور پنچایتی راج کا خیال ہی لوگوں کے سامنے آیا تھا۔ مگر اب اس نو سال کے عرصے میں کمیونٹی ڈیولپ منٹ کی اسکیم سے بہت سے نئے نئے تصورات کا جنم ہو گیا ہے۔ خود کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی اسکیم کا منشا یہی ہے کہ لوگوں کے اندر اپنی فلاح و بہبود کے لئے خود کوشش کرنے کی عادت پڑے۔ اس سے آگے بڑھ کر دیکھئے تو اب یہ اصول مان لیا گیا ہے کہ جمہوری لامرکزی تنظیم کے ذریعے کمیونٹی ڈیولپ منٹ کا سارا کام گاؤں کی پنچایتوں کے سپرد کر دیا جائے۔ اس پس منظر میں ہمارے سوچنے کا پیرایہ مختلف ہونا چاہئے۔

برکت صاحب۔ جمہوری لامرکزیت کی بات مانی جا چکی ہے۔ میرا خیال ہے کہ کمیونٹی سینٹروں کی تنظیم کی ضرورت اس اصول کے مان لینے کے بعد اور بھی اہم ہو جاتی ہے اس لئے کہ یہ ایک ایسا طریق کار ہے جو عوام کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس دلانے میں سب سے زیادہ کارگر ہو سکتا ہے۔

مشتاق صاحب۔ برکت صاحب، کمیونٹی سینٹر کو ایک طریق کار کہنے پر آپ کو اس قدر اصرار کیوں ہے۔ اس کی حیثیت تو ایک ملاقات گاہ کی ہوتی ہے!!

برکت صاحب۔ کمیونٹی سینٹر کو آپ عوام کے مل جل کر بیٹھنے کی ایک جگہ ضرور کہہ سکتے ہیں، مگر کمیونٹی سینٹر صرف اس عمارت کا نام نہیں ہوتا، وہ عمارت تو دراصل کمیونٹی ایسوسی ایشن کے عزم و ارادے کو ایک ٹھوس شکل دینے کی غرض سے

وجود میں آتی ہے۔ میرے نزدیک واقعہ یہ ہے کہ کمیونٹی ایسوسی ایشن سے الگ رہ کر کمیونٹی سینٹر کی کوئی حیثیت ہی نہیں رہ جاتی۔

مشتاق صاحب۔ کمیونٹی ایسوسی ایشن کی بات تو سمجھ میں آتی ہے، مگر اس سے آپ کی مراد کیا ہے؟

برکت صاحب۔ کمیونٹی ایسوسی ایشن سے مراد بستی والوں کا وہ ارادہ (WILL) ہے جو وہ اپنی ترقی و خوشحالی اور تہذیب و تعلیم کے لئے مل جل کر کرتے ہیں۔ ہمارے یہاں ابتک اس طرح کی کوئی چیز وجود میں نہیں آئی، اور قومی تعمیر کے لئے ابتک جس ڈھنگ سے کام ہوا ہے اس میں شاید ان کے وجود میں آنے کا موقع بھی نہیں تھا۔ لوگوں میں اپنا کام آپ کرنے کا جذبہ تو کبھی تھا ہی نہیں مگر قومی تعمیر کی کوششوں میں بھی اس کی طرف دھیان نہیں دیا گیا۔ لیکن باہر کے لوگوں کی طرف سے چاہے وہ سرکاری محکمے تھے یا رضاکار ادارے، اس نوعیت کا اب تک جو کچھ کام ہوا ہے اس سے اتنا تو ہو گیا ہے کہ لوگ اپنے اپنے بل بوتے پر کچھ کرنے کی بات سوچنے لگے ہیں۔

مشتاق صاحب۔ کیا پہلے کے مقابلے میں دوسروں پر تکیہ کرنے کا جذبہ اب لوگوں میں کم ہوا ہے؟ مجھے اس میں شبہ ہے۔ ویسے آج کل لوگوں کے مل جل کر کچھ کام کرنے کی جو مثالیں ملتی ہیں، تو وہ کوئی نئی بات نہیں اس سے پہلے بھی بعض کام گاؤں کا گاؤں مل کر کر لیا کرتا تھا۔

نیکی رام گپتا جی۔ جی ہاں! اس کے نشانات تو آج بھی مل جاتے ہیں پنچایتی دھرم شالے، پنچایتی کنوئیں اور چوپالیں وغیرہ آج بھی گاؤں کے لوگ مل کر بناتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں میں پنچایتی جذبہ یا کمیونٹی اپروچ موجود تھا چنانچہ ہم نے کمیونٹی سینٹروں کا جو خیال باہر سے لیا، اس کی تحریک بھی اسی بنیادی خیال سے ہوئی کہ بستی کے لوگ اپنے مشترک کاموں کے لئے خود پیش قدمی کریں اور بستی کی ضرورت کے کاموں کو اپنے فرصت کے اوقات میں مل جل کر پورا کریں۔ اس غرض سے لوگوں کے مل جل کر بیٹھنے کے لئے مستقل طور پر ایک مقررہ جگہ کا ہونا ضروری ہو جاتا ہے۔ ورنہ اگر ساری بستی کے لئے کوئی پروگرام چلانے کا منصوبہ مرتب ہو تو ایک مشترک جگہ کے بغیر اس منصوبے کا پورا ہونا ناممکن ہو جائے۔

برکت صاحب۔ مجھے اس سے بھی انکار نہیں کہ بعض کام جن کی طرف آپ حضرات نے اشارہ کیا ہے پورے گاؤں یا بستی کے لوگ مل جل کرتے رہے ہیں اور اب تک کرتے ہیں۔ لیکن یہ کام ہنگامی نوعیت کے ہوتے تھے۔ زندگی کی بہت سی ضرورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں زندگی ہی کا سا تسلسل ہوتا ہے۔ سماجی ضرورتیں بھی انھی ضرورتوں کی صف میں آتی ہیں اور ان کو پورا کرنے کے لئے سماجی ارادے میں بھی تسلسل ضروری ہے اور اس مسلسل سماجی ارادہ کے قیام کے لئے ضروری ہے کہ

ایک مستقل تنظیم ہو۔ اس طرح کی مستقل سماجی تنظیم ہندوستانی بستیوں میں کم سے کم ماضی قریب میں کبھی نہیں تھی۔

مشتاق صاحب۔ آج ہمارے گاؤں میں پنچایتیں تو موجود ہی ہیں، پھر یہ الگ سے کمیونٹی ایسوسی ایشن کیوں؟

شمس صاحب۔ جی ہاں! آج حالات بدل چکے ہیں۔ ڈیولپ منٹ کے کاموں کے لئے پنچایت، کوآپریٹو اور اسکول کی قسم کے گاؤں کے اداروں کی حیثیت تسلیم کی جا چکی ہے۔ لامرکزی تنظیم کا اصول مانا جا چکا ہے اور ان پر تیزی سے عمل بھی ہو رہا ہے۔ اسپنسر ہیچ نے جس زمانے میں کمیونٹی سنٹروں کا خیال پیش کیا تھا کہ بستی کی ایک مرکزی جگہ ہو جہاں لوگ جمع ہوں، جہاں ان کی دلچسپیوں کی مختلف سرگرمیوں کا انتظام ہو اور جسے آہستہ آہستہ بستی کے لوگ خود اختیار کرلیں، اس وقت یہ حالات نہیں تھے۔ دوسری طرف یہ ہوا کہ بستیوں میں جو مرکز قائم کئے گئے بستی کے لوگوں نے ان کی طرف توجہ نہیں کی۔ اندور سیمینار کی رپورٹ جو کمیونٹی ڈیولپ منٹ کی تحریک سے پہلے کی ہے۔ کیا اسے ہم آج اسی طرح تسلیم کر سکتے ہیں جس شکل میں وہ ہمارے سامنے آئی تھی؟ ہمیں اب نئے حالات کی روشنی میں غور کرنا چاہیئے۔ آج پنچایتوں کی اہمیت ایک مسلمہ بن چکی ہے۔

نیکی رام گپتا جی: تو کیا آپ پنچایتوں ہی کو کمیونٹی سنٹر کا نام دیں گے؟

شمس صاحب۔ میری مراد صرف یہ ہے کہ ان باتوں کی طرف سے ہمیں اپنا ذہن صاف کر لینا چاہیئے؟ آج منصوبہ یہ ہے کہ پنچایت ہی تمام ترقیاتی سرگرمیوں کا محور ہو۔ اس منصوبے کی روشنی میں اب کمیونٹی سنٹر کے تصور میں ترمیم کرنی ہوگی۔ ترقیاتی سرگرمیاں بغیر تعلیمی عمل کے کوئی نمایاں اثر نہیں چھوڑ سکتیں۔ چنانچہ اب تعلیم کے میدان میں پوری مستعدی سے کام کرنے کی ضرورت ہے اور اس بات کی بھی کہ تمام تعلیمی پروگرام، مثلاً نمائشیں، مختصر مدت کے کورس، ڈرامے اور مظاہرے وغیرہ پنچائت ہی کے اشتراک کے ساتھ منظم کئے جائیں۔ پنچائتیں بغیر تعلیمی ماحول کے کامیاب نہیں ہوسکتیں، اسی لئے ترقیاتی پروگراموں کے ساتھ تعلیمی توسیع Educational Extension کا پروگرام بھی چلایا جانا چاہیئے

گپتا جی! پنچائت کی حیثیت تو ترقیاتی منصوبوں کو انجام دینے والی ایک ایجنسی کی ہوگی۔ اس کے ان کاموں کے ساتھ ساتھ اس بات کی بھی ضرورت ہوگی کہ لوگوں کے اخلاقی اور ذہنی معیار میں بلندی پیدا کی جائے۔ اس طرح کی سرگرمیاں منظم کرنے کے لئے کوئی ایک ایجنسی یا کوئی ایک مرکز ہونا چاہیئے، جس کے لئے ہم بجا طور پر کہہ سکتے ہیں کہ یہ مرکز بستی کا اپنا مرکز ہو۔ اس قسم کے مرکزوں کو کمیونٹی سنٹر کا نام آسانی سے دیا جا سکتا ہے۔

مشتاق صاحب! مانا کہ بستی والوں کی اپنی ایک تنظیم ہو، جو کمیونٹی سنٹر چلائے۔ مگر یہ کام کون کرے؟ بستی والے

کو اس کے لئے کون اُبھارے؟ میرے خیال میں آج اس کام کے لئے ایک پورا کا پورا عملہ موجود ہے جسے اس طرح کا کام سپرد ہے اور کر چاہے جس طرح بھی رہا ہو، مگر وہ یہ کام کر بھی رہا ہے۔ میری مراد یہ ہے کہ ان باتوں پر ہم آج کے واقعات کو سامنے رکھ کر غور کریں اور یہ دیکھیں کہ یہ باتیں سارے ہندوستان کے لئے کہاں تک مناسب اور قابل عمل ہیں!

برکت صاحب۔ میں یہ پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ سرکاری اہتمام میں یا باہر کی دوسری کسی غیر سرکاری ایجنسی کے اہتمام میں جو کام ہوتے ہیں ان میں صرف ایک بندھے ٹکے ڈھرے پر کام ہوتا ہے۔ یہ ایجنسیاں اس مقصد کے لئے ملازم رکھنے اور ان کے توسط سے کام کرنے پر مجبور ہوتی ہیں مگر اس طریقے پر کام کرنے سے اس بات کا موقع نہیں ہوتا کہ یہ کمیونٹی سنٹر بستی والوں کا اپنا سنٹر بن جائے۔

شمس صاحب۔ یہ تو صحیح ہے کہ حکومت جب اپنے اہتمام میں کام کراتی ہے تو اس میں بہت سی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں مگر اسی کے ساتھ حکومت کو اپنا نہ سمجھنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔ پنچائت راج کا مقصد ہے حکومت کے ڈھانچے میں ایسی تبدیلی لانا جس سے وہ عوام کے زیادہ سے زیادہ قریب آسکے۔ یہ اس لئے ہے کہ حکومت عوام سے دُور ہوتی جا رہی ہے۔

نیکی رام گپتا جی۔ پنچائت تو خود حکومت ہی کا ایک حصہ ہے۔

برکت صاحب۔ جی ہاں! گارگوٹی سیمینار میں بھی یہ مسئلہ زیر بحث آیا تھا۔ یہ پنچائتیں دراصل سرکاری تنظیم ہی کا ایک جزو ہوں گی جو قانون کے ماتحت وجود میں آئیں گی۔

مشتاق صاحب۔ وجود میں تو چاہے وہ قانون کے ذریعے آئیں مگر مزاج کے لحاظ سے وہ خالصتاً سرکاری نہیں ہوں گی ذرا سوچئے ایک چھوٹا سا گاؤں اور اس کے چنے ہوئے پنچ جو گاؤں کی بھلائی کا کام کریں گے اب اگر ہم ان کو بھی سرکاری کہیں تو اس کا تو مطلب یہ ہوا کہ خود ہماری اپنی حیثیت بھی سرکاری ہے۔

برکت صاحب۔ انگلینڈ میں مقامی حکومت کے اداروں کے ہوتے ہوئے بھی لوکل ایجوکیشن اتھارٹیاں اور کمیونٹی ایسوسی ایشنیں موجود ہیں۔ سرکار بستی کے لئے جو خدمات فراہم کرتی ہے ان کا شدت کے ساتھ مطالبہ کرنا انھی کمیونٹی ایسوسی ایشنوں کا کام ہوتا ہے۔ کمیونٹی ایسوسی ایشن کے پاس جو بھی پیسہ ہوتا ہے وہ سارا کا سارا حکومت کا ہی ہوتا ہے مگر اس کے کام کا ڈھنگ بالکل مختلف ہوتا ہے۔

مشتاق صاحب۔ گویا آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہر گاؤں میں پنچایت، کوآپریٹو سوسائٹی اور اسکول بھی ہو اور ایک کمیونٹی ایسوسی ایشن بھی! یہ کس لئے؟

دھرم دیر۔ گاؤں والوں میں ہمسائیگی کے جذبے کو فروغ دینے کے لئے۔

مشتاق صاحب۔ پنچائت بھی گاؤں والوں کی منتخب جماعت ہے!!

نیکی رام گپتا جی۔ یوں تو ریاستی اسمبلیاں اور پارلیمنٹ بھی عوام کے منتخب ادارے ہوتے ہیں مگر ان میں اور پنچایتوں میں فرق ہوتا ہے۔ اسمبلیاں اور پارلیمنٹ قانون ساز جماعتیں ہوتی ہیں۔ قانون کو لاگو کرنے کا کام ان سے الگ ہوتا ہے۔ پنچایتوں کی سطح پر پہنچ کر یہ دونوں کام مل جاتے ہیں اور اپنے چھوٹے سے علاقے میں پنچایتوں کی حیثیت قانون ساز جماعت اور انتظامیہ، دونوں کی ہو جاتی ہے۔

برکت صاحب۔ پنچایتوں اور کمیونٹی سینٹروں کے کام میں بھی فرق ہوتا ہے۔ کمیونٹی سینٹروں کا کام مہیلا منڈل، نوجوان برادریوں کی طرح کی جماعتیں بنانا اور ان کو سرگرمی پر ابھارنا ہوتا ہے۔

مشتاق صاحب۔ اگر پنچایتیں ہی مہیلا منڈل اور نوجوان برادریوں کی تنظیم کریں تو اس میں کیا ہرج ہے؟

نیکی رام گپتا جی۔ کوئی ایسی جماعت بھی گاؤں میں ہونی چاہئے جو پنچائت کو اس کی ذمہ داریوں کا احساس دلاتی رہے۔ چونکہ پنچایت حکومت ہی کی ایک شکل ہوگی اس لئے اس کے کاموں میں وہی سب خرابیاں آسکتی ہیں جو ریاستی اور لوکل بورڈوں کے اہتمام میں چلنے والے کاموں میں پیدا ہو جاتی ہیں۔

دھرم ویر۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟

گپتا جی۔ اختیار و اقتدار سے نیتوں میں کچھ نہ کچھ کھوٹ آہی جاتی ہے۔ اس کی ایک دو نہیں ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔

مشتاق صاحب۔ گاؤں والوں کی دوسری سرگرمیوں کے لئے ایک الگ جگہ ہو۔ یہ بات عمل میں کہاں تک آسکتی ہے؟ خاص طور پر ایسی حالت میں جبکہ گاؤں میں اور بھی جگہیں ہوں گی اور ہیں جہاں لوگ آپس میں مل بیٹھ سکتے ہیں۔ ہم پنچایت گھر میں اپنے پروگرام منظم کر سکتے ہیں اور وہی گاؤں والوں کے لئے ایک مرکزی جگہ اور ملاقات گاہ ہو سکتی ہے۔

برکت صاحب۔ گاؤں والوں کے لئے ملاقات گاہ کا کام پنچایت گھر بھی دے سکتا ہے، یہ صحیح ہے مگر معاملہ صرف ملاقات گاہ کا ہی تو نہیں ہے۔ ضرورت کمیونٹی ایسوسی ایشن بننے کی ہے!

مشتاق صاحب۔ کمیونٹی ایسوسی ایشن کا خیال بلاشبہ جاندار ہے،

شمس صاحب۔ جی ہاں کمیونٹی سینٹر کا مفہوم ہمارے ذہنوں میں ایک عمارت رہا ہے، چنانچہ اگر صرف ملنے جلنے کی جگہ کا ہی سوال ہو تو پھر تو کمیونٹی سینٹر کے تمام پروگرام پنچایت گھر میں بھی کئے جا سکتے ہیں اور کوآپریٹو سوسائٹی یا اسکول میں جگہ ہو تو وہاں بھی۔

مشتاق صاحب۔ مگر بات کمیونٹی ایسوسی ایشن کی ہو رہی ہے اور اس خیال میں میں سمجھتا ہوں جان بھی بہت ہے۔

مگر اس مسئلے پر ذرا عملی نقطۂ نظر سے سوچئے کہ ایک چھوٹی سی بستی ہے، وہاں پنچایت بھی ہے، کوآپریٹو سوسائٹی بھی اور اسکول بھی اور انھی اداروں کے لوگ پنچایت میں بھی ہوتے ہیں، کوآپریٹو میں بھی۔ یہاں تک کہ گاؤں کا کوئی بھی کاروبار ہو ہر جگہ ایک ہی طرح کے لوگ نظر آتے ہیں۔ اب اگر کمیونٹی ایسوسی ایشن بھی بنائی جائے تو وہاں بھی یہی لوگ ہوں گے۔ اس صورت میں پنچایتوں کو اپنی ذمہ داریوں سے باخبر رکھنے کا کام شاید یہ ایسوسی ایشنیں نہ کرسکیں۔

برکت صاحب۔ اسکول کوآپریٹو اور پنچایت کے ممبر اس ایسوسی ایشن کے ممبر بھی ہوسکتے ہیں اور اس کا کام جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، وہ ہوگا جو روزمرہ کی سماجی ضروریات سے متعلق ہوتا ہے اور جو نہ پنچایتیں کریں گی، نہ کوآپریٹو نہ اسکول۔

مشتاق صاحب۔ یہ کام کرے گا کون؟ میں ان امکانات پر غور کر رہا ہوں۔

شمس صاحب۔ رضاکار کارکن یہ کام کرسکتے ہیں۔

مشتاق صاحب۔ گویا کارکن باہر سے آئے گا۔ اگر آپ یہ کہتے ہیں تو مسائل تو جوں کے توں اپنی جگہ پر رہے!!

برکت صاحب۔ یہ آپ نے بہت اہم سوال اٹھایا ہے۔ اس پر میں نے سوچا ہے اور اپنا خیال پہلے بھی ظاہر کرچکا ہوں کہ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ سرکاری ادارے اور رضاکار جماعتیں اپنے کام کے طریقے میں تبدیلی کریں۔ یہ تبدیلی اس طرح کی ہو کہ یہ ادارے اور جماعتیں اپنے اہتمام میں کمیونٹی سنٹر قائم نہ کریں بلکہ بستی کے لوگوں کو اپنی کمیونٹی ایسوسی ایشن بنانے بنانے پر آمادہ کریں اور ابتداءً میں ان کی مدد اور رہنمائی کرنے کی غرض سے اپنے اپنے یہاں امدادی مرکز (Feeding centres) قائم کریں۔

مشتاق صاحب۔ ہندوستان کے پانچ لاکھ گاؤوں میں!

برکت صاحب۔ جی ہاں، پانچ لاکھ گاؤوں ہی میں نہیں، بلکہ ان گاؤوں میں بھی اور شہروں اور قصبوں کی بستی بستی میں۔

مشتاق صاحب۔ کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام کی ایک پوری ایجنسی موجود ہے جس کا کام بھی کچھ اسی طرح کا ہے، ذرا یہ سوچئے کہ الگ سے صرف اس مقصد کے لئے کوئی جماعت بنانا کہاں تک مناسب رہے گا!! ہمیں اس مسئلے پر سارے ہندوستان کو سامنے رکھ کر غور کرنا چاہیے۔

شمس صاحب۔ اصل میں ضرورت ہے کام کی موجودہ شکل کو بدلنے کی۔ ہمارے کام کی موجودہ شکل یہ ہے کہ جتنے نماز پڑھنے والے ہیں اتنی مسجدیں ہیں۔ یہ جامعہ کے کمیونٹی سنٹر ہیں، یہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ والوں کے کمیونٹی سنٹر ہیں۔ یہ ایجوکیشن ڈائرکٹریٹ کے کمیونٹی سینٹر ہیں، یہ کارپوریشن کے ہیں، یہ یونیورسٹی کے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ مسئلہ یہ ہے کہ ایکسٹنشن کا کام تو ہو رہا ہے مگر اسی

کے ساتھ اس کام کو مستحکم کرنے (consolidation) کا کام بھی ہونا چاہئے۔ ایکس ٹنشن کے کام کو پختہ کرنے کے لئے تعلیمی اداروں کو سامنے آنا چاہئے اور یہی کام بدقسمتی سے ہمارے یہاں نہیں ہو رہا ہے۔

مشتاق صاحب۔ یہ بات ذرا الگ ہے۔ ایکس ٹنشن میں پختگی پیدا کرنے کے لئے یقیناً تعلیمی اداروں کو کام کرنا چاہئے۔

برکت صاحب۔ میں جو فیڈنگ سنٹر کی بات کہتا ہوں تو میرے ذہن میں یہی بات ہوتی ہے جس کی طرف شمس صاحب نے اشارہ کیا ہے۔ جو ادارہ یا ایجنسی لوگوں کی تعلیم کا کام کرتی ہے، اُسے اب اپنے اہتمام میں کمیونٹی سنٹر نہ کھول کر لوگوں کو خود اپنے کمیونٹی سنٹر قائم کرنے پر آمادہ کرنا چاہئے۔ اور اپنے یہاں ایک تنظیم ایسی کھڑی کرنی چاہئے جس میں عوام کی بہبود کا کام کرنے والی تمام مقامی ایجنسیوں کا اشتراک و تعاون ہو۔ ان ایجنسیوں میں تعلیمی ادارے بھی، چاہے وہ اسکول ہوں یا کالج یا یونیورسٹیاں، شامل ہونے چاہئیں۔

مشتاق صاحب، یونیورسٹیاں تو بیشتر شہروں میں ہوتی ہیں۔ کالج بھی ہر جگہ نہیں ہوتے۔

برکت صاحب۔ میری مراد وسائل کو یکجا کرنے سے ہے۔ انگلینڈ کے نمونے پر یونیورسٹیاں اپنے آس پاس کے دیہی علاقوں کی تعلیمی خدمت کے لئے ڈپارٹمنٹ قائم کرسکتی ہیں اور یہ ڈپارٹمنٹ سماجی تعلیم کے ورکرز ایجوکیشنل ایسوسی ایشن جیسے مقامی اور مرکزی دونوں طرح کے اداروں کے اشتراک سے یہ کام کرسکتے ہیں۔ اسی طرح اب تو کم سے کم دس مقامات پر رورل انسٹی ٹیوٹ کھل گئے ہیں۔ چنانچہ کم سے کم جہاں جہاں رورل انسٹی ٹیوٹ ہیں، وہاں اس نئے طریقۂ کار کا تجربہ آسانی سے کیا جاسکتا ہے۔

شمس صاحب۔ مگر بات وہی ہے۔ یہ ادارے اپنے اپنے کمیونٹی سنٹر نہ کھولیں۔

مشتاق صاحب۔ جی ہاں۔ یہ شرط ہے۔ مگر یہ فیڈنگ سنٹر کا لفظ کچھ........

برکت صاحب۔ مجھے لفظ پر اصرار نہیں ہے۔ اس تنظیم کا نام آپ کچھ ہی رکھ لیجئے۔ مقصد تو کام ہے اور وہ کام ہے کمیونٹی ایسوسی ایشنیں قائم کروا کے انھیں اس قسم کی امدادی تنظیم کے ذریعے پختہ اور مستحکم کرنا۔

ایویلوئیشن رپورٹ سائنٹفک نہیں کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی چھٹی نیشنل کانفرنس نے اپنے کشمیر کے حالیہ اجلاس میں رائے ظاہر کی ہے کہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے پروگرام کا اندازہ کرنے والی کمیٹی نے جو رپورٹ دی ہے وہ سائنٹفک نہیں ہے۔ تین ہزار سے زیادہ میں سے معائنہ کے لئے صرف ۱۸ بلاکوں کو منتخب کرنے سے کام کا صحیح اندازہ نہیں ہو سکتا۔

بات یہ ہے کہ کمیٹی کے لوگ معائنے کے لئے بلاکوں کا انتخاب کرتے وقت زیادہ تر اس بات کو ذہن میں رکھتے ہیں کہ وہ ان کے صدر مقام سے قریب پڑتے ہوں۔ ابھی حال ہی میں "نیشنل سیمپل سروے" کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ ڈیولپمنٹ بلاکوں کے علاقوں میں عام علاقوں کی بہ نسبت پندرہ بیس فیصدی زیادہ پیداوار ہوتی ہے حالانکہ ایویلوئیشن رپورٹ میں اس کے خلاف کہا گیا ہے۔　　　　(اسٹیٹسمین)

کتاب پڑھئے

اس شمارے سے ہم رسالہ تعلیم و ترقی میں ایک نئے عنوان "کتاب پڑھئے" کا آغاز کر رہے ہیں۔ اس میں شبہ نہیں کہ جوں جوں زندگی زیادہ سے زیادہ مصروف ہوتی جاتی ہے اُسی قدر مطالعے کا دائرہ تنگ ہوتا جاتا ہے اور خواہش ہوتی ہے کہ کوئی ترکیب ایسی ہو جس سے زیادہ سے زیادہ معلومات کم سے کم وقت اور محنت صرف کئے بغیر حاصل ہو جائے، چنانچہ نمائشوں، ریڈیو اور ٹیلی وژن جیسے ذرائع معلومات کا چلن غالبًا مصروف زندگی کی اسی خواہش کا نتیجہ ہے۔

مگر اس کے باوجود کم سے کم ہم جیسے تعلیمی کارکنوں کو جن کے اوپر زندگی کو حسین اور مسرت خیز بنانے کی ذمہ داری ہے اپنے دائرۂ علم کو وسیع کرنا بہت ضروری ہے لیکن یہ وسعت اس وقت تک ممکن نہیں ہوتی جب تک علوم و فنون کا مطالعہ اُن مفکروں اور مصنفوں کی صحبت میں رہ کر نہ کیا جائے جو ایک کتاب لکھنے کے لئے مدّتوں خونِ جگر پیتے ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ ان مفکروں اور مصنّفوں کی صحبت حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ان کی کتابیں ہیں، چنانچہ علم کی پیاس کتاب کے مطالعے سے جس حد تک بجھتی ہے اتنی پمفلٹ اور اخباری قسم کے مضامین کے مطالعے سے ممکن نہیں ہوتی۔

اس ضرورت کے پیشِ نظر ہم کوشش کریں گے کہ ناظرین کو مطالعہ کا مشورہ دینے کی غرض سے ہر شمارے میں ایک نہ ایک کتاب کا مفصّل تعارف پیش کیا جائے۔ کتاب کے انتخاب میں کوشش کی جائے گی کہ وہ یا تو بازار میں ملتی ہو یا کم سے کم کتب خانوں میں موجود ہو۔ ایڈیٹر

پائلٹ پروجیکٹ انڈیا

زیرِ نظر کتاب در اصل ایک مفصّل داستان ہے اُس تجربے کی جو ہندوستان میں "اٹاوہ پائلٹ پروجیکٹ" کے نام سے مشہور ہے اور جس کے بارے میں کتاب کا دیباچہ لکھنے والے حضرات مسٹر میکم میریٹ اور مسٹر ریچارڈ۔ ایل۔ پارک نے لکھا ہے کہ "سہکار (امدادِ باہمی) کی تحریک کے لئے جو حیثیت انگلینڈ کے "راشڈیل" کے تجربات کو حاصل ہے یا دنیا

کی بڑی بڑی ندیوں سے فائدہ اٹھانے کے سلسلے میں جو مقام "ٹینیسی ویلی اتھارٹی" کا ہے وہی مرتبہ اور مقام دنیا کے کسانوں کی زندگی کو خوش حال بنانے کی تحریک کے لئے "اٹاوہ پائلٹ پروجیکٹ" کو حاصل ہے۔"

پروجیکٹ کی مختصر تاریخ

ملک کے آزاد ہونے سے پہلے ہندوستان میں قریب قریب ہر حیثیت سے بدیسی لوگوں کا اقتدار رہا۔ اگرچہ اس اقتدار کی نوعیت بیشتر سیاسی تھی تاہم کچھ لوگ ہر زمانے میں ایسے بھی آتے رہے جو انسان دوست تھے۔ لیکن انسان دوستی کا یہ جذبہ بھی حاکمانہ ہمدردی ہی کا رنگ لئے رہتا تھا اور بدیسی لوگ ہندوستانیوں سے الگ تھلگ ہی رہا کرتے تھے۔

انھی انسان دوستوں میں اٹاوہ پائلٹ پروجیکٹ کے ہیرو مسٹر البرٹ مائر بھی تھے جو ہندوستان اُس وقت آئے جب غلامی کی تاریکی چھنٹ رہی تھی اور آزادی کی صبح صادق نمودار ہو چکی تھی۔ لیکن بدیسیوں کے سوچنے اور ہندوستانیوں کے ساتھ ان کے برتاؤ کا طریقہ اس وقت بھی قریب قریب وہی تھا جو پہلے رہ چکا تھا۔ چنانچہ البرٹ مائر صاحب اسی کتاب میں خود لکھتے ہیں

"ایک اجنبی اور بظاہر معمہ قسم کے ملک میں جب کوئی پہلے پہل داخل ہو تو اس کے لئے بڑا آسان ہے کہ وہ زندگی کا وہی طریقہ اختیار کرے جو نو آبادکاروں کا ہوتا ہے یعنی اپنے آپ کو دیسیوں سے الگ کر کے بدیسیوں کے کلبوں تک محدود کرلے۔ مگر یہ طریقہ ایک طرح کا فرار ہے۔ اس کے مقابلہ میں ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ وہ اپنے چاروں طرف دوستانہ انداز میں نظر دوڑائے، لوگوں سے ملے جُلے، انھیں سمجھے اور اُن سے نئی نئی باتیں سیکھنے کی کوشش کرے۔ میں نے بہرحال یہی طریقہ اختیار کیا، اگرچہ اس کے لئے مجھے بہت جدوجہد کرنی پڑی اس لئے کہ اس طرز عمل کی حوصلہ افزائی نہ انگریز حاکم کرتے تھے اور نہ ہماری امریکی فوج کے افسران ہی اسے پسندیدہ نظروں سے دیکھتے تھے اور انھیں بھی یہی پسند تھا کہ اپنے آپ کو اپنے ہی حلقوں تک محدود رکھیں۔"

البرٹ مائر صاحب ہندوستان میں امریکی فوج کے ساتھ فوجی انجینئر کی حیثیت سے ۱۹۴۲ء میں آئے تھے اور ۱۹۴۵ء تک فوج ہی میں رہے ۱۹۴۵ء میں اپنے گھر امریکہ چلے گئے اور پھر ۱۹۴۶ء میں واپس آکر کچھ عرصہ تک بمبئی، کانپور اور چنڈی گڑھ شہروں کی پلاننگ میں حصہ لیا اور ۱۹۴۸ء سے حکومت اترپردیش کے پلاننگ اینڈ ڈیولپ منٹ ایڈوائزر کی حیثیت سے کام کیا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب اُنھوں نے اٹاوہ میں کمیونٹی ڈیولپ منٹ کا تجربہ شروع کیا، اور اُسے انجام تک پہنچایا۔

اٹاوہ پائلٹ پروجیکٹ کی پہلی اینٹ دراصل اُس وقت رکھی گئی جب ۱۹۴۵ء میں البرٹ مائر صاحب نے وزیر اعظم شری

جواہرلال سے الہ آباد میں ملاقات کی تھی اور اس کے تقریباً سال بھر بعد انھی کے بلاوے پر ہندوستان واپس آئے تھے
پنڈت جی نے مائر صاحب کو ۱۹۴۶ء میں جو خط لکھا تھا، اس کے دو ٹکڑے خاص طور پر توجہ کے قابل ہیں۔ لکھتے ہیں:

"جیسا کہ آپ نے ملاقات کے دوران میں کہا تھا، نوعیت کے اعتبار سے یہ بالکل نیا کام ہوگا۔ یوں تو اس قسم کے کام کے بارے میں بہت سے لوگوں نے سوچا ہے اور پلان بنائے ہیں، مگر یہ سب پلان اصل مسئلے سے کٹے کٹے سے رہے ہیں اس لئے کہ انھوں نے مسئلے کے ایک ہی پہلو کو سامنے رکھا ہے۔ اسے حل کرنے کا صحیح طریقہ، جیسا کہ آپ نے مجھے بتایا تھا یہ ہے کہ پورے مسئلے کو ایک اکائی کے طور پر لیا جائے جس میں اس کے تمام رُخ ایک دوسرے سے جُڑے ہوئے سامنے ہوں۔"

"آپ سے باتیں کرنے کے بعد میرا خیال ہے کہ آپ کی فنی معلومات اور تجربہ ہی نہیں بلکہ اس سے زیادہ ان مسائل کے بارے میں آپ کا نفسیاتی نقطۂ نظر ہمارے بڑے کام کا ثابت ہوگا۔ امریکہ سے آئے ہوئے نو وارد بجا طور پر ہندوستان کی بہت سی باتوں سے جو اُن کے لئے سرے سے نئی ہوں گی بددل اور مکدر ہو سکتے ہیں اس لئے کہ یہ باتیں ان کی زندگی کے طور طریق سے میل نہیں کھائینگی مگر مجھے کچھ ایسا احساس ہے کہ آپ کے سوچنے کا ڈھنگ ان عام امریکنوں جیسا نہیں ہوگا۔"

بمبئی کا نپور اور چنڈی گڑھ کی پلاننگ میں دو تین مہینے تک مصروف رہنے کے بعد یو۔ پی کے چیف منسٹر پنڈت گوبند بلبھ پنت کی فرمائش پر مائر صاحب نے رورل ڈیولیپ منٹ کے تجربے کی مہم شروع کی۔ سب سے پہلے آپ تین مہینے تک یو۔ پی کے مختلف ضلعوں میں چکر لگاتے اور حالات کا مطالعہ کرتے رہے۔ اس سے پہلے تجربے کی ایک اسکیم وہ پیش کر چکے تھے۔ مگر اس سفر کے بعد اُنھوں نے محسوس کیا کہ جو اسکیم وہ پیش کر چکے ہیں اس کا ابھی ہندوستان کے گاؤوں میں موقع نہیں ہے چنانچہ اس پر نظر ثانی کی، اس کے لئے ایک بجٹ بنایا اور آخری بار چیف منسٹر صاحب کی خدمت میں پیش کیا۔ پنت جی نے اسکیم اور اس کے بجٹ کو ریاستی اسمبلی میں پیش کر کے منظوری لے لی، اور مائر صاحب کو دعوت دی کہ اب وہ اپنا تجربہ شروع کریں۔

اس قانونی اور دفتری کارروائی کے بعد اکتوبر ۱۹۴۸ء میں مسٹر مائر نے ضلع اٹاوہ کے تقریباً ستر گاؤوں کے ایک بلاک کو اپنے تجربے کے لئے منتخب کیا۔ اس انتخاب سے پہلے جگہ کا فیصلہ کرنے کی غرض سے مائر صاحب اور اُن کے ساتھیوں نے چند ضلعوں کا سروے کیا تھا اور اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ اس تجربے کے لئے اٹاوہ۔ پرتاپ گڑھ اور اعظم گڑھ میں سے کوئی ایک ضلع موزوں رہے گا۔ اٹاوہ کو ان لوگوں کی نظر میں چند مخصوص اسباب کی بنا پر ترجیح حاصل تھی۔

کتاب کی دو حیثیتیں

(ا)

زیر نظر کتاب اس حیثیت سے کہ اس کی تیاری میں ترتیب و تالیف (ایڈیٹنگ) کے فن کو کس حد تک پیش نظر رکھا گیا ہے اور تجربے کی داستان میں نظریے اور عمل کے درمیان توازن کس قدر ہے، کچھ زیادہ اہم نہیں ہے۔ چنانچہ اس کا احساس خود کتاب کے ایڈیٹروں کو بھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں

"ہماری پیشکش اس لحاظ سے ترتیب و توازن کے ساتھ لکھی ہوئی کوئی مرتب کہانی نہیں ہے اور نہ اصول و نظریات پر کوئی مربوط مقالہ ہے۔"

اس معیار پر اگر پرکھا جائے تو یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ تجربے کے دوران میں جو یادداشتیں اور کاغذات جمع ہو گئے تھے، یہ کتاب انہی کاغذات اور دستاویزوں کا ایک دفتر ہے جسے ذرا جھاڑ پونچھ کر اور سجا بنا کر نمائش کے لئے رکھ دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ مرتب اور متوازن (اور اس زمانے میں مختصر بھی) کتابیں پڑھنے کے عادی ہیں ان کے لئے اس پوری کتاب کا پڑھنا اس طرح کہ لکھی ہوئی باتیں کسی حد تک دماغ میں محفوظ ہو جائیں، آسان نہیں ہے۔ چنانچہ اس قسم کے لوگ اس کتاب کے باب میں ایک بے بسی اور حسرت کی کیفیت محسوس کریں گے کہ کاش موتیوں سے بھرے ہوئے اس سمندر کی تھاہ ہوتی کہ ایک ہی غوطے میں دامنِ امید مالا مال ہو جاتا۔

(ب)

لیکن ہر کتاب کی فائدہ مندی کے لحاظ سے بھی ایک حیثیت ہوتی ہے اور اس اعتبار سے "پائلٹ پروجیکٹ انڈیا" کا بہت بڑا مرتبہ ہے، یہاں تک کہ اگر ہو سکے تو کمیونٹی ڈیویلپ منٹ اور سہکار کی وزارت کو چاہئے کہ وہ اس کا ہندی میں ترجمہ کرائے اور اُسے چھاپ کر گرام سیوکوں، پنچایتوں کے ممبروں، پردھانوں اور سکریٹریوں میں جو اونچے معیار کی انگریزی سمجھنے سے عموماً قاصر ہوتے ہیں، تقسیم کرائے۔ یہ اس لئے ضروری ہے کہ ان کارکنوں کے حق میں اس کتاب کا مرتبہ ٹکسٹ بک یا مینول کا ہے جس سے وہ اپنے کام میں ہر قدم پر مدد لے سکتے ہیں۔ کمیونٹی ڈیویلپ منٹ کے کارکنوں کے لئے یہ کتاب اس لئے ضروری ہے کہ اٹاوہ پائلٹ پروجیکٹ ہی کی اس میں داستان لکھی گئی ہے، دراصل موجودہ کمیونٹی ڈیویلپ منٹ اسکیم کا جنم داتا تھا۔ اس نقطۂ نظر سے دیکھئے تو کتاب کی یہی ترتیب جو اس کی علمی حیثیت کو کم کرتی ہے، کارکنوں کی گائڈ ہونے کے اعتبار سے اس کی فائدہ مندی کو دوبالا کر دیتی ہے اس لئے کہ پائلٹ پروجیکٹ کے کارکنوں کے سامنے جو مسئلہ جس

شکل میں آیا، انھوں نے اس کو حل کرنے کے لئے جو کچھ کیا، اس میں انھیں جس حد تک کامیابی یا ناکامی ہوئی، اور اس کامیابی یا ناکامی کے جو کچھ اسباب تھے، یہ سب کچھ اسی طرح بیان کردیا گیا ہے جس طرح واقع ہوا ہے۔ کمیونٹی ڈویلپمنٹ کا کارکن ہو یا کسی اور پروجیکٹ کا، اُسے اگر کسی نمونے سے اپنے کام میں مدد مل سکتی ہے تو اس کا یہی طریقہ ہے کہ نمونہ جس شکل میں قائم کیا گیا ہے، حرف بہ حرف اُسی شکل میں پیش بھی کیا جائے۔

مثال کے طور پر تجربے کے شروع ہونے سے پہلے ڈیویلپمنٹ کے کام میں تنظیم کا جو طریقہ رائج تھا اور اصل محاذ پر کام کرنے والے نیچے درجے کے کارکنوں کی جو حیثیت تھی، اس کے اوپر البرٹ مائر صاحب کی تنقید سنئیے اور فیصلہ کیجئے کہ اس میں وہ کس حد تک صحیح راستے پر تھے اور اس سے ہم آج کتنا سبق لے سکتے ہیں! مائر صاحب اپنے امریکی احباب کو ایک خبرنامے میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

> اس صورت حال کا سب سے زیادہ تشویشناک سبب یہ ہے: فیلڈ ورکروں کو کام کی نوعیت اور مقدار کے بارے میں اوپر سے ایسے لوگوں کی طرف سے احکام جاری ہوتے ہیں جنھوں نے یہ کام خود کبھی نہیں کئے۔ چنانچہ ان کاموں کے لئے وہ وقت اور سرمائے کا جو تخمینہ کرتے ہیں، وہ سب خیالی ہوتا ہے۔ فیلڈ ورکر سے جسے گاؤں والوں سے کچھ واقفیت ہوتی ہے کوئی مشورہ نہیں نہیں کیا جاتا، اور چونکہ اس سے مشورہ نہیں کیا جاتا اس لئے وہ بھی اپنے اوپر کوئی ذمہ داری یا اخلاقی فرض محسوس نہیں کرتا۔ اُسے اپنی بات کہنے یا اس کی وکالت کرنے کا کوئی موقع نہیں ہوتا نہ اس کے اندر آگے بڑھ کر بہ اصرار اپنی بات سنانے کا حوصلہ ہوتا ہے۔ اونچے اونچے افسروں کے معائنے کے موقعوں پر جس کا اعلان پہلے سے ہو جاتا ہے، اُسے جس طرح حکم ملتا ہے، اُسی طرح وہ دکان سجا دیتا ہے۔ افسر لوگ بھی اسی سجاوٹ کو اصلیت تسلیم کر لیتے ہیں۔ چنانچہ جس طرف دیکھئے دوسروں کو اور اپنے آپ کو فریب دینے کا دور دورہ ہے۔ البتہ اگر کوئی اصلیت کو جانتا ہے تو وہ گاؤں کے لوگ ہیں جنھیں اچھی طرح معلوم ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے، اس میں ان کا کچھ بہت فائدہ نہیں ہے۔ اس صورت حال کے متعلق یہاں تک بات کہی جا سکتی ہے کہ بیداری سے پہلے کے زمانے میں ہندوستانی کام کی یہی خصوصیت رہی ہے۔"

کتاب کے ابواب

کتاب کو ۹ بابوں میں تقسیم کیا گیا ہے جن کے بنیادی اور ماتحت عنوانات حسب ذیل ہیں:

۱۔ پراجیکٹ کا جنم

ا۔ پروجیکٹ شکل اختیار کرتا ہے۔

ب۔ پلان تیار

۲۔ کام کی تنظیم کا مسئلہ

ا۔ ضلعے کے نظم و نسق اور محکموں کی تنظیم کا قدیم ڈھچر

ب۔ پروجیکٹ کے لئے نئی تنظیم کی جدوجہد۔

۳۔ پروجیکٹ کی اپنی جمہوری تنظیم

ا۔ کام کے سلسلے میں سوچنے اور فیصلہ کرنے کے کتنے درجے ہوں؟

ب۔ کام جم کر کرنے کی ضرورت۔ ریاست میں، ضلعوں میں

ج۔ عوام سے مشورہ اور تبادلۂ خیال۔

د۔ کارکنوں سے بے تکلف ربط ضبط اور مسلسل میل جول ان کے لئے سب سے بڑا انعام ہے۔

۴۔ دیہی کام کا فلسفہ اور طریقۂ کار

ا۔ ترقیاتی کاموں کے انتخاب کا معیار

ب۔ صحیح پلاننگ کے اصول

ج۔ گاؤں اور گاؤں والوں تک پہنچنے کا اصول

د۔ مشترک کوشش کے چند کاموں کا مطالعہ

۵۔ گاؤں والوں کی شرکت

ا۔ گاؤں کسی پروگرام میں شرکت کیوں کرتا ہے؟

ب۔ گاؤں کی شرکت یقینی کرنے کے لئے کچھ کام۔

۶۔ نتائج اور ان کے مختلف پہلو

ا۔ کام جو کیا گیا

ب۔ لاگت اور حاصل کا مقابلہ

۷۔ چھان بین (ریسرچ) اور کام

ا۔ چھان بین کے کام کی تنظیم

ب۔ چھان بین کا ادارہ قائم

ج۔ چھان بین کے لئے چند نمونے کے کام

۸۔ کام کے پھیلاؤ کے مسائل

ا۔ کامیابی (نفع) کا خانہ: ناکامی (نقصان) کا خانہ۔ پروجیکٹوں کا "سرچشمہ" ایک تجویز

ب۔ کام کے پھیلاؤ کے لئے عملے کی ضروریات۔

۹۔ کام کا مستقبل اور امیدیں

ا۔ اِس ہاتھ دے، اُس ہاتھ لے۔

ب۔ دیہی زندگی کا مزید جواز

ج۔ کام آخر میں کیا رُخ اختیار کرسکتا ہے۔

کتاب کے وہ صفحات خصوصیت کے ساتھ دلچسپ ہیں جو مائر صاحب کے خطوط پر مشتمل ہیں۔ خطوط خصوصًا ایسے خطوط جو بے تکلف احباب کو لکھے جاتے ہیں، لکھنے والے کی سیرت، مزاج، طریقۂ فکر اور اندازِ تنقید کا صحیح آئینہ ہوتے ہیں۔ مائر صاحب اپنے کام اور تجربے سے متعلق وقتًا فوقتًا اپنے امریکی احباب کو طویل اور مفصل خط لکھتے رہے ہیں جن میں وہ کوشش کرتے تھے کہ ان کی سرگرمیوں اور خیالات کی پوری پوری تصویر آجائے۔ یہ سب کے سب خطوط تو کتاب میں نہیں دیئے جاسکے ہیں۔ اور نہ دیئے جاسکتے تھے، تاہم جو کچھ ہے اس میں بڑے پتے کی باتیں کہی گئی ہیں۔

کتاب (صرف داستان داستان) بڑے سائز کے ۳۳۸ صفحوں پر مشتمل ہے۔ کاغذ، چھپائی اور ظاہری خوبصورتی کے بارے میں صرف امریکہ کا نام لے لینا کافی ہے۔ قیمت فیلڈ میں کام کرنے والوں کے بس سے باہر یعنی ۲۰ روپے ہے۔ ہندوستان میں "آکسفورڈ بک اینڈ اسٹیشنری، نئی دلی" سے مل سکتی ہے۔ کیلیفورنیا (امریکہ) میں ۱۹۵۸ء میں چھپی ہے۔

کتاب کمیونٹی ڈیویلپ منٹ کے کارکنوں کے لئے بڑے کام کی چیز ہے۔

تعلیم و ترقی کے مضامین

چوتھا سال ۱۹۵۳ء

جنوری ۱۹۵۳ء

کدال گیت ..... نظم

اصول اور طریقے

سماجی مرکزوں کے ذریعہ اچھی صحت اور اونچا رہن سہن

.... وی۔ ایم۔ بسودیو بی۔ اے

سوشل ایجوکیشن کی تحریک (بدیس میں)

برازیل میں تعلیم بالغان کی تحریک۔ ایم۔ بی۔ لورنکو فلہو

میکسیکو کے عوامی مدرسے۔ رام کشور پاشان۔

امریکہ میں ایڈلٹ ایجوکیشن۔

سوشل ایجوکیشن کی تحریک (دیس میں)

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن

... ایس۔ سی۔ دتا

سماجی کارکن کام کو فرض سمجھ کر کریں

... ڈاکٹر ذاکر حسین

خبریں اور نوٹ

تیسرا نیشنل سیمینار

نویں آل انڈیا اڈلٹ ایجوکیشن کانفرنس

فروری ۱۹۵۳ء

اصول اور طریقے

کمیونٹی پراجیکٹ اور بیسک ایجوکیشن

... ڈاکٹر سلامت اللہ

پیرنٹس انسٹی ٹیوٹ (ایک منصوبہ)

.. اوم پرکاش گوڑ۔

ضروری معلومات

چاول کی پیداوار بڑھانے کا جاپانی طریقہ۔ شری ڈیشکھ

موسیقی اور ڈرامہ اکاڈمی کا افتتاح۔ مولانا آزاد

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

مدھیہ بھارت میں تعلیم بالغان۔ دھرم دیر پرشاد بھٹناگر

روس میں عوامی تعلیم اور پنج سالہ منصوبہ۔ الیگزینڈر سولوویو

کمیونٹی پراجیکٹ کی ترقی کی سرکاری رپورٹ۔

تیسرے سیمینار اور نویں کانفرنس کی تجویزیں

مارچ ۱۹۶۰ء

اسکولوں میں دستکاری کی تعلیم۔ اوم پرکاش گوڑ

اصول اور طریقے

سماجی طب ۔ لفٹنٹ کرنل پی۔ سی۔ دت

بالک اور بالک ۔ شانتا نارولکر

دو ادارے

اڈہر شہتوت سنبھل

سماجی تعلیم کی تحریک

آنند کے مرکز میں دیہی کارکنوں کی ٹریننگ

ڈنمارک کے دیہاتی ہائی اسکول

گاڈرڈ کالج ۔ لیونارڈ ۔ بی ۔ آرچر

سمعی بصری سامانوں پر سیمینار

دہلی کے دیہاتوں میں خواندگی کی مہم

اپریل ۱۹۵۳ء

شفیق صاحب کی یادیں ۔ سیدہ فرحت

شفیق صاحب .. برکت علی فراق

ایک اطلاع، ایک اپیل .. برکت علی فراق

کمیونٹی لیڈروں کی ٹریننگ .. یعقوب فام

تعلیمی مواد کی تیاری ... مس ایلا گریفن

وداد ارو

سماجی طب لفٹنٹ کرنل پی۔ سی۔ دت

امریکہ میں پیشے کی تعلیم

فرانس میں استادوں کی اہمیت ۔ مشتاق احمد

مئی ۱۹۵۳ء

اداریہ

صرف نام بدلنا ہی کافی نہیں ۔ اوم پرکاش گوڑ

اصول اور طریقے

دستور العمل، تحریک مراکز ۔ عزیز الرحمٰن لدھیانوی

دیہی یونیورسٹی کا خاکہ ۔ شالگ رام پتھک

تعلیمی مواد

اچھوت اودھار ۔ چندر شیکھر جھا، ودیارتی

وداد ارو

موم دشنکرات ۔ چھیچھی بوٹی سیم ۔

ضروری معلومات

پیڑ پر لگنے والی مٹھائی

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

جمائکا میں سوشل ایجوکیشن ۔ مشتاق احمد

دیہات سدھار کا جائزہ

پانچ سالہ اسکیم ۔ جے۔ سی۔ کمارپا

(نوٹ :۔ تعلیم و ترقی کا شفیق نمبر اکتوبر ۱۹۵۳ء میں شائع ہوا تھا۔ چار مہینے اور کوئی شمارہ شائع نہیں ہوا)

اکتوبر ۱۹۵۳ء

شفیق نمبر

اشارات

رسالہ تعلیم و ترقی ۔۔ چار مہینے کی خاموشی

شفیق نمبر

تحریک تعلیم بالغان پر ایک نظر

جامعہ ملیہ اسلامیہ میں

ایک دوست ایک ساتھی ۔ پروفیسر محمد مجیب

ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بعشق ۔ ڈاکٹر عابد حسین

شفیق صاحب میرے ساتھ انگلستان میں ۔ پروفیسر محمد عاقل

میرے سب سے قدیم اور گہرے دوست ۔ سی کرشنا نائر ایم۔ پی

انجمن اتحاد کا خطبۂ صدارت ۱۹۲۵ء ۔ شفیق صاحب مرحوم

آزادی کی جنگ میں

ویلور جیل میں ایک قابلِ فخر نوجوان ہم قفس (۱۹۲۲ء)

شری راجگوپالاچاریہ کی ڈائری سے

جنگِ آزادی میں شرکت پر اصرار۔ والد صاحب کے نام خط ۱۹۳۰ء

کانگریس بلیٹن کے ایڈیٹر ۱۹۳۲ء۔ انور حسین خاں

سیاسی باغی کے روپ میں ۱۹۴۲ء

تحریکِ تعلیم بالغان میں

ادارہ تعلیم و ترقی اور تعلیم بالغان کے مفہوم کا ارتقاء

(مختلف مضامین اور خاکے)

تعلیم بالغان (قدیم مفہوم) ۱۹۲۶ء

ادارۂ تعلیم و ترقی کا ابتدائی خاکہ ۱۹۳۸ء

ایک تجویز پر غور فرمائیے (۱۹۴۰ء)

صلائے عام (۱۹۴۰ء)

خاتمہ ناخواندگی (خواندگی کی نئی تعبیر (۱۹۵۰ء)

تعلیم - عوام کی اپنی ذمہ داری ۱۹۵۰ء

ہم سفروں کی نظر میں

آنریبل شفیق الرحمن قدوائی - ڈاکٹر امرناتھ جھا

ایس۔ آر۔ قدوائی۔ میری نظر میں۔ ڈاکٹر رنگا ناتھن

شفیق الرحمن قدوائی۔ ایک سچا ہندوستانی۔ رنجیت ایم جیت سنگھ

شفیق صاحب - ڈی۔ ایس۔ ماتھر

شفیق صاحب کی یاد۔ اے۔ آر۔ دیش پانڈے۔

شفقت اور سادگی کا مجسمہ۔ شانگ رام پھک۔

احباب و اعزہ کی طرف سے خراجِ عقیدت

مولوی شفیق الرحمن قدوائی۔ مولانا حبیب الرحمن صاحب لدھیانوی

شفیق الرحمن قدوائی مرحوم کی یاد میں۔ پروفیسر رشید احمد صدیقی

شفیق انسان کی حیثیت سے۔ خواجہ غلام السیدین

رہنمائے اہلِ طریق (نظم) آل احمد سرور

زندگی کیا ہے؟ عناصر میں ظہورِ ترتیب }
موت کیا ہے انھیں اجزا کا پریشاں ہونا } محترمہ شفیع قدوائی (دائیں اپا)

شہیدِ خدمت، نثارِ قوم شفیق (نظم) معین الرحمن قدوائی

ایک مخلص خادم - حیات اللہ انصاری

ریاست دہلی کی وزارت میں

خاموش خدمت کی منہ بولتی تصویر۔ چودھری برہم پرکاش

شفیق صاحب - ڈاکٹر سوشیلا نائر

شفیق صاحب - چند ذاتی تاثرات۔ گوپی ناتھ امن

شفیق صاحب - گووند ایچ سیٹھ

راہ دکھانے والا ستارہ - جگدیش سنگھ

کچھ یادداشتیں - رام لال ورما

گھر کے اندر

شوہر کی حیثیت سے (چند خطوط)

چھوٹوں کے مربی اور اُستاد کی حیثیت سے۔

عارث رشید قدوائی

باپ کی حیثیت سے۔ صدیق الرحمن قدوائی

بچوں کی نظر میں

افضال الرحمن (چھٹی جماعت)، اقبال مہدی (پانچویں جماعت)، خالدہ انجم (پانچویں جماعت)

نومبر ۱۹۵۳ء
اشارات
ایک اپیل
ایڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کا مبارک قدم
اصول اور طریقے
تعلیم بالغان، خود کفیل زندگی کا واحد ذریعہ۔ رام کرشن شرما
مسائل کا حل! بات چیت کے ذریعے۔ منموہن نندن
نمونے
وکاس منڈل۔ اپنی مدد آپ کے اصول پر ایک تجربہ
انڈیا ویلیج سروس۔ آر۔ این سالومن
کلن تنبولی۔ شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم
سوشل ایجوکیشن کی تحریک
چوتھا نیشنل سیمینار۔ کارکنوں کی ٹریننگ
تفریحی پروگراموں میں ٹریننگ

دسمبر ۱۹۵۳ء
اشارات
ایک تجویز پر غور فرمایئے۔
اصول اور طریقے
سوشل ایجوکیشن۔ تعریف، مقصد و منہاج اور تنظیم
۔ شمس الرحمٰن محسنی
ڈرامہ۔ سوشل ایجوکیشن کا مؤثر ذریعہ
۔۔ سوریہ نارائن فنریو استوا
نمونے
دیہی یونیورسٹیاں، ملٹی پرپز سوشیو بیسک اسکول
(پہلی قسط) شالگ رام پتھک
والدین کے لئے
آزردہ خاطر بچے۔ ونشی دھر
شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم
انڈونیشیا میں ایک پیدل سفر۔ شفیق صاحب۔
سوشل ایجوکیشن کی تحریک
چوتھے سیمینار کی سفارشات
تفریحی پروگراموں کی ٹریننگ۔ نصاب اور افتتاحی تقریر

مزدوروں کی تعلیم کے لئے رات کا انسٹی ٹیوٹ

مزدوروں کی تعلیم کے لئے پہلا رات کا انسٹی ٹیوٹ اندور میں ۱۶ مئی ۱۹۶۳ء کو کھولا گیا ہے جس کا افتتاح حکومت ہند کے وزیر تعلیم ڈاکٹر کے۔ ایل شریمالی نے کیا۔

انسٹی ٹیوٹ کا مقصد ہے مزدوروں میں سماجی اور شہری ذمے داریوں کے شعور اور علم حاصل کرنے کی خواہش کو بیدار کرنا یہ انسٹی ٹیوٹ مزدوروں کے لئے سماجی تعلیم کا ایک پائلٹ پروجیکٹ ہوگا اور ان کے لئے عام تعلیم کے موقعے اور تفریحی سہولتیں مہیا کرے گا۔ (انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن)

Registered No. D 1125

Printer and Publisher: BARKAT ALI Firaq
Printed at Rama Krishna Printing Press, DELHI

ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

جولائی سنہ ۱۹۶۰ء

جلد ۱۱
شمارہ ۷

بانی:- شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:- پروفیسر محمد مجیب
برکت علی فراق
رفیق محمد شاستری

دفتر:- ماہنامہ تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی

قیمت:- سالانہ چار روپے۔ فی پرچہ ۳۱ نئے پیسے

ٹیلیفون: ۲۳۳۴۳

(پرنٹر و پبلشر برکت علی فراق نے کوہ نور پریس لال کنواں دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا)

اشارات

سوشل ایجوکیشن میں کمیونٹی آرگنائیزیشن کا درجہ

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کا گیارھواں نیشنل سیمنار جو اس سال اکتوبر کے آخری ہفتے میں گجرات میں منعقد ہونے والا ہے' اس کا موضوعِ بحث "سوشل ایجوکیشن میں کمیونٹی آرگنائیزیشن کا درجہ" قرار پایا ہے۔ بحث کا یہ موضوع وقت کے تقاضے کے اعتبار سے بہت مناسب ہے۔ کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے حلقوں میں جن کے ہاتھ میں سوشل ایجوکیشن کی پوری اسکیم کا انتظام ہے' ابھی کچھ عرصہ پہلے تک اس کا بڑا چرچا تھا اور اندیشہ ہو چلا تھا کہ خود سوشل ایجوکیشن کو کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے میدان سے نکال دیا جائے گا۔ اس کشمکش کا تقاضا تو یہ تھا کہ جب یہ چرچا شروع ہوا تھا' اور موضوع کی موافقت اور مخالفت میں گرما گرم بحثیں ہو رہی تھیں اُسی زمانے میں ایسوسی ایشن اپنے کسی سیمنار میں اس پر پوری پوری بحث کا موقع نکالتی۔ لیکن اب بھی یہ سیمنار کچھ بہت زیادہ بے وقت نہیں ہے اور اس کے فیصلوں اور سفارشات سے خوشگوار نتائج نکلنے کی امید ہے' لیکن اس موضوع کے ساتھ ایسوسی ایشن کی ذمے داری بہت بڑھ جاتی ہے۔ ہمیں یقین ہے ایسوسی ایشن کو معلوم ہوگا کہ کمیونٹی آرگنائیزیشن خالصتًا امریکن سوشل ورک کی ایک اصطلاح ہے اور وجہ چاہے کچھ بھی رہی ہو، سوشل ایجوکیشن کے حلقوں میں لوگ کمیونٹی آرگنائیزیشن سے اکثر و بیشتر بے خبر رہے ہیں۔ ہم یقین کے ساتھ تو نہیں کہہ سکتے لیکن کسی حد تک یہ واقعہ ضرور ہے کہ سوشل ایجوکیشن کی تحریک کے بڑے بڑے لیڈر بھی کمیونٹی آرگنائیزیشن کی صحیح صحیح تعریف شاید نہ کر سکیں۔ ان حالات میں سیمنار اور اس کے موضوعِ بحث کے ساتھ اُس وقت تک انصاف نہ ہوگا جب تک ایسوسی ایشن سیمنار میں شریک ہونے والے نمائندوں کو اس موضوع پر کافی مقدار میں مطالعے کا مواد فراہم نہیں کرے گی۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو ہمیں ڈر ہے کہ سیمنار سوشل ورک کی ٹکنیک کے چند ماہروں کی مشاورتی مجلس کا روپ لے لے گا اور دوسرے نمائندے بیٹھے منہ تکا کریں گے اور جو کچھ وہ ماہرین کہہ یا لکھ دیں گے وہی برہما کی لکیر بن جائے گی۔

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی حیثیت سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کے حق میں ان کے مضمون کے استاد کی ہے۔ استاد کا فرض ہوتا ہے کہ وہ طالب علموں کے سامنے مضمون کی اچھی طرح وضاحت کرے' انھیں بتائے کہ اس سلسلے میں انھیں کیا کیا کتابیں پڑھنی چاہئیں، پھر انھیں اپنے شکوک و شبہات کو ظاہر کرنے کا موقع دے اور ان شبہات کو دور کرے' تب کہیں جا کر اُسے حق پہنچتا ہے کہ اپنے طالب علموں کو امتحان کی آزمائش

میں ڈالے اور مضمون سے متعلق بعض مسائل میں ان کی رائے طلب کرے۔ ہونے والے سیمنار اور اس کے موضوع کو دیکھتے ہوئے ہو بہو یہی مثال ایسوسی ایشن کے اوپر بھی صادق آتی ہے۔ ایسوسی ایشن کی طرف سے ایک ماہانہ پرچہ انگریزی میں اور ایک ہندی میں نکلتا ہے۔ ابھی سیمنار ہونے میں دو مہینے کی مدت باقی ہے۔ ایسوسی ایشن کو چاہیئے کہ وہ سوشل ورک کے ماہروں سے کہہ سن کر خاص کمیونٹی آرگنائیزیشن کے موضوع پر مضامین لکھوائے، ان مضامین کو اپنے انگریزی اور ہندی کے ماہنامے میں خود بھی شائع کرے اور ان کی کاپیاں کرا کے ایک ایک کاپی دوسری علاقائی زبانوں میں شائع ہونے والے پرچوں کو بھیجے اور ان سے فرمائش کرے کہ وہ بھی ان کے ترجمے اپنے اپنے پرچوں میں شائع کریں۔ مضامین کمیونٹی آرگنائیزیشن کی تاریخ، اس کی درجہ بدرجہ ترقی، موجودہ زمانے میں اس کی کیفیت، اس کے بنیادی فلسفے اور طریقۂ کار جیسے عنوانات پر ہوں تو بہت اچھا ہوگا۔

ایک آدھ سال سے یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن سیمنار کے موقعے پر اسپیشل نمبر کی شکل میں اپنا ایک پرچہ شائع کرتا ہے جس میں بعض بڑے اچھے مضامین ہوتے ہیں، لیکن سیمنار کا موقع تقسیم اوقات کے اعتبار سے اتنا بھرا ہوا ہوتا ہے کہ بعض اوقات نمایندوں کو خط تک لکھنے کی فرصت نہیں ملتی۔ ایسی صورت میں یہ سمجھنا کہ عین سیمنار کے موقعے پر نمایندے کسی ایسے رسالے کو پڑھیں گے صحیح نہیں ہے۔ اس حالت میں موضوع سے متعلق نمایندوں کی تعلیم کی صرف دو شکلیں رہ جاتی ہیں۔ ایک وہ جس کی طرف ہم نے اوپر کی سطروں میں اشارہ کیا ہے یعنی انگریزی، ہندی اور دوسری علاقائی زبانوں میں خصوصی مضامین کی اشاعت اور دوسری عین سیمنار کے موقعے پر ایک دن کا فورم۔ ایسے موقعوں پر جب سیمنار کا موضوع نیا نیا ہو، ایک دن کا یہ فورم بہت ضروری ہے جو صرف اس مقصد کے لئے ہونا چاہیئے کہ اس میں موضوع کی تشریح اور وضاحت کی جائے گی۔ اس فورم کے لئے موضوع کے ماہروں کو خاص طور پر دعوت دی جانی چاہیئے اور ان سے فرمائش کرنی چاہیئے کہ وہ یہ مان کر کہ شریک ہونے والے نمایندے موضوع سے قطعاً ناواقف ہیں، اس پر مقالات لکھیں اور ان کی مزید تشریح اور وضاحت کی غرض سے خود تشریف لائیں۔ ہندوستان میں اور خاص دلی میں بھی سوشل ورک اور کمیونٹی آرگنائیزیشن کی ٹکنیک کے ماہروں کی کمی نہیں ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی خوشی کی ہے کہ یہ ماہرین ایک عرصے سے سوشل ایجوکیشن کی تحریک سے بھی وابستہ رہے ہیں اس لئے اگر انھیں خاص اس مقصد کے لئے دعوت دی جائے تو وہ اسے خوشی سے قبول کریں گے۔

ورکنگ پیپر

ادھر کئی سال سے یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ سیمنار کا ورکنگ پیپر (عنوانات بحث کا خاکہ) ضرورت سے زیادہ طویل اور تفصیلات سے بھرا ہوا بنایا جاتا ہے۔ اس قدر طویل ورکنگ پیپر کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ ورکنگ پیپر ہی چند چھوٹی موٹی تبدیلیوں کے ساتھ سیمنار کی رپورٹ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس صورت میں سیمنار صرف ایک شخص یعنی ورکنگ پیپر کے مصنف کا تختۂ مشق بن جاتا ہے جہاں لوگ اس لئے جمع ہوتے ہیں کہ اس مصنف

کی تصنیف کو سنیں اور اُسے داد دیں۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے شعر و ادب کی کسی مجلس میں کوئی شاعر یا ادیب اپنا شاہکار پیش کرے اور سننے والے
اُس کے بارے میں اپنی اپنی رائے دیں جن کو ماننا یا نہ ماننا ادیب کی مرضی پر منحصر ہوتا ہے۔ یہ کیفیت سیمینار کی تکنیک کے بالکل خلاف ہے اور اُس
کے ساتھ ناانصافی کرنے کے برابر ہے۔ اس سے اچھی صورت تو کانفرنس ہی کی تکنیک کی ہے جہاں بولنے کی قوت رکھنے والے ہر شخص کو موضوع
کی موافقت یا مخالفت میں بولنے کی آزادی ہوتی ہے اور اس کے بارے میں فیصلہ کثرتِ رائے سے ہوتا ہے۔ کانفرنس کی تکنیک کو ترک کر کے
سیمینار کا طریقۂ کار اسی لئے اختیار کیا گیا تھا کہ موضوعِ گفتگو خطابت کے جادو کا شکار نہ ہونے پائے اور اس سے متعلق شرمیلے سے شرمیلے اور کم گو
سے کم گو نمائندے کی رائے اور ذہنی رجحان معلوم کیا جا سکے اور اس طرح ایک متفقہ فیصلہ کیا جا سکے اس لئے کہ جمہوری انداز میں سوچنے اور
فیصلہ کرنے کا یہی طریقہ سمجھا جاتا ہے۔

کام کے اس طریقے پر ایسوسی ایشن کو نظرثانی کرنی چاہیے۔ ہونا یہ چاہئے کہ ایسوسی ایشن تحریک کے کارکنوں کو اس بات پر آمادہ کرے کہ
وہ ورکنگ پیپر کے رنگ روپ کے بارے میں اپنے اپنے خیالات ایسوسی ایشن کو یا براہِ راست ڈائرکٹر کے پاس بھیجیں پھر ڈائرکٹر یا جو بھی
ورکنگ پیپر کا مصنف چُنا گیا ہو، وہ ان خیالات اور تجاویز کی روشنی میں ورکنگ پیپر تیار کرے، یہی ورکنگ پیپر نمائندوں کے پاس بھیجا جائے
اور اس کے بارے میں پھر ایک دفعہ رائے مانگی جائے۔ ان رایوں کی روشنی میں سیمینار کے موقعے پر حسبِ معمول ایک بیٹھک میں بات چیت ہو جائے
اور پھر جو بات طے پائے اُس کی بنیاد پر کھلے اجلاس اور گروپوں میں بحث ہو۔

مگر اس تمام عمل میں کوشش یہی ہونی چاہئے کہ جو مسائل ممکن طور پر سیمینار میں اُٹھنے والے ہوں، اُن کا صرف ذکر ہو، اُن کی وضاحت
اور اُن کے بارے میں فیصلہ ورکنگ پیپر میں نہ کیا جائے بلکہ اُسے سیمینار کے اوپر چھوڑ دیا جائے۔

محنت کی یہ کم سے کم مقدار ہے جو سیمینار کی تنظیم کرنے والوں کو کرنی چاہئے ورنہ وہ دن دور نہیں ہے جب ہمارے سیمیناروں پر بھی فارسی
کی وہ مثل صادق آئے گی جسے ہندوستانی زبان میں کہیں تو اس طرح کہیں گے کہ

"بیٹھے، کھایا پیا، کچھ گپ شپ کی اور چل دیئے۔"

سماج سدھار میں خواندگی کی مہموں کا درجہ

سوراشٹر کا ایک تجربہ

سنہ ۱۹۵۶ء میں جب سوراشٹر کی حیثیت ایک ریاست کی تھی وہاں خواندگی کی مہم چلائی گئی تھی۔ اس مہم کو پھر سنہ ۱۹۵۸ اور سنہ ۱۹۵۹ء میں دہرایا گیا۔ ان مہموں کے نتائج کا جب اندازہ کیا گیا تو معلوم ہوا کہ ان سے اتنا ہی نہیں ہوا کہ ان پڑھوں کی بہت بڑی تعداد خواندہ ہو گئی، بلکہ ان سے کچھ ایسے فائدے بھی ہوئے جن کی ہمیں امید نہیں تھی۔

پہلے کے تجربوں سے معلوم ہوا تھا کہ اگرچہ بالغ لوگ پڑھنا لکھنا سیکھنے کے خواہشمند ہوتے ہیں لیکن جب خواندگی کی کلاس مکمل جاتی ہے تو وہ ان میں ٹکتے نہیں، کچھ لوگ اس وجہ سے کہ زندگی کے افکار میں گھرے ہوتے ہیں، کچھ اس لئے کہ کام زیادہ ہوتا ہے جس سے وقت نہیں بچتا، اور کچھ اس لئے کہ لوگ انھیں کلاس میں پڑھتے دیکھیں گے تو مذاق اڑائیں گے۔ اس تجربے کی بنیاد پر ایک پروگرام ایسا بنایا گیا جس میں ان مسائل کو ہر پہلو سے حل کرنے کی گنجائش تھی اور جس سے تعلیم کے لئے موافق ماحول بن سکتا تھا۔ پروگرام کے مطابق

(۱) ریاست کے تمام وزیروں نے مہم میں دلچسپی لی اور دوستانہ اور گشتی چٹھیاں لکھیں

(۲) ریاست کے تمام محکموں خصوصاً پنچایت ڈپارٹمنٹ، ڈیولپ منٹ، تعلیم اور کوآپریشن کے محکموں کو چھانا گیا اور ان سے حاصل ہونے والے جتنے وسائل ممکن تھے ان سے کام لیا گیا۔

(۳) تعلقوں (تحصیلوں) میں پنچایتوں کے سرپنچوں اور دوسرے مقامی لیڈروں کے جلسے کئے گئے۔ ان جلسوں میں وزیر تعلیم نے تقریر کر کے انھیں جتلایا کہ ان کے اوپر عوام کی تعلیم اور بھلائی کے سلسلے میں کیا فرائض عاید ہوتے ہیں

(۴) مہم کے لئے گاؤں سے لے کر ریاست تک ہر سطح پر کمیٹیاں بنائی گئیں جنھوں نے مہم کی سنٹرل کمیٹی کے طے کئے ہوئے اصولوں کے مطابق اپنے طور پر پروگرام بنائے۔

(۵) روزانہ اور ہفتہ وار اخباروں کو آمادہ کیا گیا کہ وہ دوسری ریاستوں اور باہر کے ملکوں میں خواندگی کے جو تجربے ہوئے ہیں، اُن پر مضامین لکھیں اور بالغوں کو پڑھانے کے لئے اسباق چھاپ دیں۔ ریڈیو کے پروگرام پہلے سے طے کر لئے گئے تھے جن کے مطابق وہ دیہاتی پروگرام کے ماتحت بالغوں کے لئے تعلیم بالغان سے متعلق سبق آموز کہانیاں اور فیچر نشر کرتے تھے۔

(۶) خواندگی کی کلاسوں میں پڑھانے کے لئے ہر ضلعے میں استاد تیار کئے گئے جس کے لئے پندرہ پندرہ دن کا کیمپ کیا گیا تھا۔

(۷) خواندگی کی مہمیں ناکام اس وجہ سے بھی ہوئی ہیں کہ ضرورت کا سامان وقت پر فراہم نہیں ہو پاتا۔ اس تجربے سے فائدہ اُٹھا کر اس بات کا پہلے سے انتظام کر لیا گیا تھا کہ جس سامان کی جس وقت ضرورت ہو وہ اُسی وقت مہیا ہو جائے۔

(۸) عوام زیادہ تر اُن لیڈروں کی بات مانتے ہیں جنھیں وہ اچھی طرح جانتے پہچانتے ہیں۔ اس لئے یہ سوچ لیا گیا تھا کہ جس بستی میں مہم چلنے والی ہو اُس بستی کے مقامی لیڈروں اور نئے نئے پڑھے ہوئے بالغوں کو اپنا نمونہ پیش کرنے کے لئے تیار کیا جائے۔ لوگوں میں عام طور پر مثلیں مشہور ہیں کہ "بوڑھے طوطے بھی کہیں پڑھ پائے ہیں" یا "پکے گھڑے میں کہیں کوئی سدھار ہوتا ہے!" ان مثلوں کی بنیاد پر پہلے تو وہ بھی یہی کچھ سمجھتے تھے مگر جب اپنے ہی بھائی بندوں اور اڑوسیوں پڑوسیوں کو پڑھتے دیکھا تو اُنھیں بھی سمجھ آئی اور سوچنے لگے کہ وہ بھی پڑھ لکھ سکتے ہیں۔

درسی کتابیں اور پڑھانے کا طریقہ

سوراشٹر میں مبتدیوں کے لئے ایک ابتدائی کتاب ہے "واچن پاٹ" (پڑھائی کی کتاب) اس میں اسباق کے ساتھ ساتھ اُستادوں کے لئے پڑھانے کا طریقہ بھی دیا ہوا ہے۔ یہی کتاب خواندگی کی کلاسوں کے لئے منظور کی گئی اور یہ طے پایا کہ اسے دو مہینے میں ختم کرا دینا چاہئے۔

پڑھانے کا طریقہ طے کرنے کی غرض سے میں نے بہت سے رائج طریقوں کو آزمایا اور آخر میں اس نتیجے پر پہنچا کہ جو طریقہ یہاں پہلے سے رائج ہے اور جسے عام طور پر "ترییڈ" کا طریقہ کہتے ہیں وہی مناسب رہے گا اس لئے کہ

(۱) اس طریقے کو اس علاقے میں گذشتہ ۲۰ سال تک آزمایا جا چکا تھا۔

(۲) پڑھانے والے اس طریقے سے اچھی طرح واقف ہیں۔
(۳) اس کے مطابق درسی کتابیں بازار میں عام طور پر مل سکتی تھیں۔
(۴) اس کی بنیاد انھی حروف پر رکھی گئی ہے جن سے ٹیچر واقف ہیں اور عام طور پر انھی کو استعمال کرتے ہیں۔
(۵) اس طریقے کے مطابق کسی بھی بالغ کو ۵ منٹ کے اندر سبق پڑھایا جاسکتا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بالغ مبتدی کو اپنے اوپر پہلے ہی دن سے بھروسا پیدا ہونے لگتا ہے۔

ٹیچروں کی بھرتی اور تیاری

اس مہم میں کام کرنے کے لئے چار طرح کے کارکنوں کی بھرتی کی گئی تھی یعنی ٹیچر، مقامی کارکن اور لیڈر، رضا کار اور کالجوں اور ہائی اسکولوں کے طالب علم۔ دوسری اور تیسری مہم میں کارکنوں کی کل تعداد ۴،۰۹۳ تھی جن میں ۲،۱۸۷ ٹیچر تھے باقی میں سب لوگ، ان سب کارکنوں کو مندرجہ ذیل باتوں کی عملی ٹریننگ دی گئی تھی:

(۱) کلاس میں بالغوں کو کس طرح پڑھایا جائے! (۲) پڑھنا لکھنا سیکھنے کے لئے مناسب ماحول کس طرح بنایا جاسکتا ہے (۳) بالغوں کی کلاس کس طرح شروع کرنی چاہیئے (۴) پڑھائی کو دلچسپ بنانے کا گر۔ (۵) روزانہ کے پروگرام میں نئی نئی دلچسپیاں پیدا کرنے کا طریقہ (۶) بالغوں کے ساتھ برتاؤ۔ بالغوں اور بچوں کی پڑھائی کا فرق۔ (۷) مختلف قسم کے فارم بھرنے کا طریقہ۔

طالب علموں کا داخلہ

ہر بستی میں اس مقصد کے لئے ایک ایک پلاننگ کمیٹی بنائی گئی معمول یہ رکھا گیا کہ پنچایت کا سکریٹری بستی کے ان پڑھ بالغوں کی فہرست تیار کرے۔ اس فہرست کو لے کر مقامی لوگ اور ٹیچر کلاس شروع ہونے سے پندرہ دن تک ان بالغوں سے ملاقاتیں کرتے رہے۔ ان بالغوں نے اپنے لئے جو وقت اور مقام پسند کیا، وہی خواندگی کی کلاس کے لئے مقرر کیا گیا۔

بہت سے گاؤں ایسے تھے جن میں ایک ہی کلاس کافی ہوئی۔ بعض میں ایک سے زیادہ کلاسیں چلائی گئیں اور بعض میں ایک وقت میں دس سے بھی اوپر کلاسیں قائم ہوئیں۔ ۹۰ گاؤں ایسے تھے جنھوں نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ ان کی آبادی میں ۱۴ سے ۴۰ سال تک کے جتنے بھی ان پڑھ ہوں گے، ان سب کو خواندہ بنایا جائے گا۔ شیہور بلاک کے

ایک گاؤں میں ۴۰ سنٹر منظم کئے گئے تھے اور ایک وقت میں ایک ہزار کے لگ بھگ بالغ طالب علم کلاسوں میں آتے تھے بیشتر گاؤوں کی پنچائتیں ان تعلیمی مرکزوں کی مدد کو ہر وقت تیار رہتی تھیں۔ مرکز کو کوئی دشواری پیش آتی تھی تو وہ اُسے فوراً دور کرتی تھیں اور اگر کوئی طالب علم کلاس سے غیر حاضر ہوتا تھا تو اُسے سمجھا بجھا کر لاتی تھیں اور اس طرح کلاس کی حاضری سو فیصدی رکھنے کی کوشش کرتی تھیں۔

مشقی پروگرام

مشقی پروگرام کا زمانہ برسات کے موسم میں آیا معلوم ہوا کہ اس موسم میں بالغ مبتدیوں کے پاس کلاس میں حاضر ہونے کے لئے وقت نہیں ہوتا۔ اس دشواری کے پیش نظر مشقی پروگرام کا حسب ذیل پروگرام بنایا اور چلایا گیا۔

۱۔ گیارہ جملے ایسے تصنیف کئے گئے جن میں سب کے سب حروف آ گئے تھے۔ ان جملوں کو بازاروں میں اور ایسی جگہوں پر آویزاں کیا گیا جہاں لوگوں کی زیادہ سے زیادہ آمد و رفت ہو سکتی تھی۔

۲۔ "واچن پاٹ" کا ایک ایک جیبی ایڈیشن ہر نوخواندہ بالغ کو دے دیا گیا تاکہ جب بھی اُسے وقت ملے وہ اُسے پڑھ سکے۔

۳۔ پنچایت لائبریری سے منتخب کر کے چند مفید کتابوں کی ایک فہرست بنائی اور بالغوں میں تقسیم کی گئی اور اسی کے ساتھ یہ اہتمام بھی کیا گیا کہ یہ کتابیں نوخواندہ بالغوں کو جس وقت وہ چاہیں فراہم کر دی جائیں۔ مشقی کلاس کے لئے حسب ذیل انتظام کیا گیا۔

۴۔ ہر سنٹر کو تعلیمی تاش تقسیم کئے گئے تھے۔

۵۔ قاعدہ اور ابتدائی کتاب کے علاوہ تین پہلی، دوسری تیسری کتاب کے نام سے تین قاعدے اور آسان آسان تین عام کتابیں مشقی پڑھائی کے لئے ہر کلاس کو فراہم کی گئیں۔

۶۔ نوخواندہ بالغوں کو حوصلہ دلایا گیا کہ وہ گاؤں میں چلنے والی باقاعدہ کلاسوں میں شریک ہوا کریں۔

نیچے دیئے ہوئے نقشے سے ان مہموں کے نتیجے کے طور پر جو کچھ کام ہوا اس کا موٹا موٹا اندازہ ہو سکتا ہے۔

سال	بلاک جن میں کام ہوا	داخلوں کی تعداد پہلے دن	آخر تک حاضر رہے	امتحان میں کامیاب ہوئے	اوسط فیصدی کامیاب طلباء	پہلے دن کے داخلے پر کامیاب طلباء کا اوسط فیصدی
(۱)	(۲)	(۳)	(۴)	(۵)	(۶)	(۷)
۱۹۵۶	۵۲	۱,۳۴,۹۰۰	۹۱,۰۰۰	۷۰,۴۰۰	۷۷.۴	۵۲.۲
۱۹۵۸	۲۹	۵۳,۵۰۰	۴۷,۰۰۰	۳۶۸۰۰	۷۸.۲	۶۸.۸
۱۹۵۹	۴۵	۵۹,۲۰۰	۴۵,۰۰۰	۳۴,۹۰۰	۷۷.۵	۵۹.۰۰
میزان		۲,۴۷,۶۰۰	۱,۸۳,۰۰۰	۱,۴۲,۱۰۰	۷۷.۶	۵۷.۴

پہلی مہم میں ریاست میں جتنے گاؤں تھے، سب کو لیا گیا تھا، مگر بعد کی دو مہموں میں انھی ڈیولپ منٹ بلاکوں کو منتخب کیا گیا تھا جو ۱۴ سے ۴۰ سال تک کی عمر کے کم سے کم ایک ہزار بالغ طالب علم لا سکتے تھے۔

تیسرے اور چوتھے کالموں سے پہلے دن اور ۲ مہینے کی مدت کے ختم پر طلباء کی تعداد کے اوسط معلوم ہوتے ہیں جن میں کافی کمی نظر آتی ہے۔ ہم نے اگرچہ حاضری کو برقرار رکھنے کی اپنی ہر ممکن کوشش کی مگر بعض دشواریاں مثلاً شادیوں کا موسم، سماجی اور اقتصادی رکاوٹیں وغیرہ ایسی ہیں جو تعداد کو کم کر دیتی ہیں اور ان کے اوپر ہمارا کوئی قابو نہیں چلتا۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جب جوشیلے کارکن اپنی کسی خانگی مجبوری کی وجہ سے گھر چلے جاتے ہیں اُس وقت بھی حاضری پر اثر پڑتا ہے۔

نتائج کا جائزہ

الف: وہ باتیں جن کی بدولت کامیابی حاصل ہوئی۔

(۱) محکموں کے درمیان ربط و اشتراک۔ پروگرام میں حکومت کے جتنے محکمے تھے، سب نے دل کھول کر تعاون کیا۔

(۲) لیڈروں کی دلچسپی۔ کلکٹر صاحبان اور دوسرے افسران نے کلاسوں کا گشت کیا اور بعض مقامات پر خود بھی ایک آدھ کلاس لئے۔

(۳) سامان تعلیم کی بروقت فراہمی۔ سامان تعلیم اگرچہ منظور شدہ تھا، مگر اس کی فراہمی مرکزی دفتر کی طرف سے نہیں کی جاتی تھی بلکہ ہر منتظر کو آزادی تھی کہ وہ منظور شدہ تفصیل کا لحاظ رکھ کر جہاں سے آسانی ہو، سامان

خرید لیں۔ اس سے یہ ہوا کہ مطلوبہ سامان جس وقت ضرورت ہوئی، اسی وقت مہیا ہو گیا۔

۴۔ تعلیم کا شوق دلانے والے قصے کہانیاں۔ تعلیم کی مدت میں جن قصے کہانیوں سے کام لیا جاتا تھا، وہ پہلے سے بتا دی گئی تھیں۔ پنچ تنترا اور اکھیان اس مقصد کے لئے منظور تھے۔ ان قصے کہانیوں کے استعمال کا طریقہ بھی ٹریننگ کیمپ کے دنوں میں بتا دیا گیا تھا چنانچہ ان سے بالغوں کو تعلیم کے لئے ابھارنے میں بڑی مدد ملی۔

۵۔ ٹیچروں کا جوش اور حوصلہ۔ بیشتر استادوں نے اپنا فرض اسے صرف اپنے معمول کا ایک کام سمجھ کر انجام نہیں دیا بلکہ اس مہم میں کام کرنے کو اپنے لئے عزت اور فخر کی بات سمجھی۔

۶۔ مہم کی منصوبہ بندی میں چھوٹے سے چھوٹے آئیٹم پر نظر۔ ہم نے کوشش کی تھی کہ مہم کا پلان بناتے وقت ہر وہ بات نظر میں رہے جس سے ناکامی کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ اسی طرح منصوبہ بندی میں ہم نے ہر قدم پر تجربہ کار کارکنوں کو مشورے میں شریک رکھا۔

ب۔ دشواریاں جن سے دوچار ہونا پڑا

۱۔ اگرچہ پڑھانے والے ٹیچر بالغوں کو تعلیم دینے کی مخصوص ٹریننگ حاصل کر چکے تھے۔ مگر بہت سے ٹیچر پھر بھی اسی پرانے روایتی طریقے پر چلے جس سے کورس کو پورا کرنے میں دیر لگی۔

۲۔ بالغ طالب علم کلاس کی گھنٹی بجتے ہی فوراً کلاس میں نہیں آتے بلکہ اپنی آسانی اور مرضی کو مقدم رکھتے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوا کہ کلاس روم کی پڑھائی کا طریقہ اس قسم کی مہموں کے لئے موزوں نہیں ہوتا اس سلسلے میں ضرورت ہے کہ ٹیچر خود وقت اور حالات کے تقاضے کے مطابق کوئی طریقہ ایجاد کریں۔

۳۔ کم پڑھے بالغوں، امتحان میں ناکام ہونے والے طالب علموں اور پڑھنا لکھنا سیکھنے کے بعد پھر ان پڑھ بن جانے والے لوگوں کا مسئلہ بہت مشکل ہے۔ استاد ایسے طالب علموں کو مزید معاوضہ لئے بغیر کلاس میں داخل کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اسی وجہ سے ٹیچروں کو کچھ مزید معاوضہ دینے کا فیصلہ بھی کرنا پڑا۔

۴۔ ہر مرکز کا وقت مقامی ضرورتوں کی مطابقت سے مختلف رکھا گیا تھا اس لئے ایک وقت میں تمام مرکزوں کا گشت اور معائنہ مشکل تھا۔

ج۔ مہم ختم ہونے کے بعد کا جائزہ

یہ دیکھنے کے لئے ۱۹۵۶ء اور ۱۹۵۸ء کی مہموں کے مستقل طور پر کیا نتائج نکلے، دو ضلعوں کے ۲۰ گاؤں کو نمونے کے طور پر منتخب کر کے ان کا جائزہ لیا گیا۔ اس جائزہ سے معلوم ہوا کہ جانچ میں پاس ہونے والے طالب علموں میں سے ۲۰ فیصدی تعداد کچھ عرصہ کے بعد پھر جوں کی توں ان پڑھ ہو گئی۔

۳۰ فیصدی تعداد پڑھنے لکھنے کے قابل ہو سکی اور باقی تعداد ان لوگوں کی تھی جو بس کچھ حروف شناس کرسکتے تھے

دوسرے فوائد

ان مہموں سے عوام میں پڑھنے لکھنے کا چرچا پیدا ہوگیا ہے۔ ان کے اثر سے خواندگی کا اوسط تو بڑھا ہی ہے اس کے علاوہ دوسری تبدیلیاں بھی رونما ہوتی ہیں۔ مثلاً

(۱) جو بالغ مبتدی کلاسوں میں پہلے پہل آئے، مگر آخر تک تعلیم کو جاری نہیں رکھ سکے، وہ اپنے بچوں کو اسکولوں میں بھیجنے لگے۔

(۲) ریاست کے پچھڑے ہوئے علاقوں کی عورتیں ہزاروں کی تعداد میں اپنے گھروں سے باہر آگئیں۔ یہ ایسی بات ہے جو اس سے پہلے سوراشٹر کی تاریخ میں کبھی واقع نہیں ہوئی تھی۔

(۳) بہت سے لوگوں نے اس مقصد سے تعلیم حاصل کی کہ انھیں گاؤں کے انتظام میں ایک نہ ایک ذمہ داری سنبھالنی تھی مثلاً پنچایت کی صدارت۔

(۴) اس سے مقامی آدمیوں کو اپنے مسائل آپ حل کرنے کا موقع ملا اور اس کا ان کو حوصلہ ہوا۔

(۵) نوجوانوں کی انجمنیں پہلے سے زیادہ مستعد ہوگئیں۔ انھوں نے ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لئے اپنی سرگرمیوں کا جال بچھادیا۔

(۶) جن مرکزوں میں استانیوں کا انتظام نہیں ہو سکا تھا وہاں عورتیں مردوں کے ساتھ مل کر پڑھنے کو تیار ہوگئیں۔

(۷) کالجوں اور ہائی اسکولوں کے طلبا، کام کرنے کے لئے گاؤوں میں نکل آتے تھے جس سے ان کے اندر خدمت کا جذبہ پیدا ہوا۔

(۸) بہت سی جگہوں پر ایسا ہوا کہ ہریجن لوگ دوسری ذات کے لوگوں کے ساتھ بیٹھ کر پڑھتے تھے اور ایک بار تو یہاں تک بات پہنچی کہ ایک ہریجن لیڈی کو گاؤں کی پنچایت کے سرپنچ کے گھر میں کلاس پڑھانے کے لئے دعوت دی گئی۔

غرض خواندگی کی مہموں سے پڑھنا لکھنا سیکھنے کا ماحول تو پیدا ہو ہی جاتا ہے۔ اس کے علاوہ علاقے کے سماجی حالات میں بھی خوشگوار تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

امید کی موت

(۱)

لکھراجی کی تمام امیدیں مٹی میں مل گئی تھیں۔ کیا کیا خواب نہیں دیکھے تھے اس نے بھینس بیائے گی تو ساری کا پاکٹ جائے گی۔ ساڑھی کے نام کا یہ بدبودار چیتھڑا تو اسی دن پھینک دوں گی چاہے دو چار دن ان کی آدھی دھوتی ہی پھاڑ کر پہنی پڑے۔ میکے والوں کے طعنے سنتے سنتے جی پک گیا۔ پہلے نئی نئی مور چھاپ ساڑھی لوں گی اور پھر جھمک ۔ ۔ ۔ ۔ اُس کے اوپر بجلی سی گری۔ بھینس ایکدم سے دو دورے پڑنے لگے تھے۔ جانے کیا جی میں آئی، دوڑی دوڑی لاکھن کے پاس گئی اور اُسے زور زور سے جھنجھوڑنے لگی۔ بولی، "بڑے کماؤ بنتے ہو، دس روپے نہ لاسکے؟ صرف دس ہی روپے کی تو بات تھی اور اس کی خاطر سات سو کا مال مٹی میں مل گیا۔ ڈوب مرو چلو بھر پانی میں جاکے!"

لاکھن اپنی بیوی کی حالت سے واقف تھا پر یہ طعنہ اس سے نہ سہا گیا۔ ڈنڈا اٹھا اس کے اوپر چڑھ دوڑا ۔ ۔ ۔

لکھراجی بولی "اب مردانگی میرے اوپر دکھاؤ گے! کیوں نہیں! پر مجھے مار کر کیا بھینس کو جِلا لوگے؟" لاکھن کا غصہ ٹھنڈا ہوگیا۔ تھوڑی دیر چپ اُسے دیکھتا رہا۔ وہ رو رہی تھی۔ لاکھن بولا "بھاگوان! تو مجھے طعنہ دیتی ہے! یہ نہیں سوچتی کہ دس روپے تو دس روپے ہیں، میرے پاس تو جب سے میں نے بھینس خریدی ایڑی چوٹی کو دو پیسے بھی نہیں جڑے۔ پر بھگوان نے ہاتھ پیر تو ابھی نہیں توڑے۔ بھینس ہی تو مری ہے۔ دوسری بھینس آجائے گی! پر دیکھ تو نے اگر جی چھوڑا تو میری ہمت بھی جواب دے دے گی۔ لکھراجی کے آنسو خشک ہوگئے تھے پر دل کا گھاؤ ابھی ہرا تھا، کہنے لگی "وہ داڑھی جار پھر دس روپے مانگے گا اور تمہارے پاس پھر دس روپے نہ ہوں گے!" اُس کے دل کی دُکھن لاکھن کو معاف کرنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔

پدم سنگھ تھے تو بس نام ہی کے زمیندار لیکن دل کے شاہ واقع ہوئے تھے۔ بڑے ٹھاٹ باٹ کی زندگی گذارتے تھے۔ لاکھن سنگھ ان کا اکلوتا لڑکا تھا، اس لئے اس کا بھی بڑا لاڈ پیار ہوتا تھا۔ اسی لاڈ پیار کی بدولت وہ ان پڑھ بھی رہ گیا۔ ابھی لاکھن جوان بھی نہ ہونے پایا تھا کہ زمینداری کے خاتمے کا قانون پاس ہوگیا۔ پدم سنگھ کی عیش کی زندگی کا یہی ایک سہارا تھا جس کی بنیاد پر گاؤں کا بنیا رام سہائے انھیں قرض بھی دیتا تھا اور دونوں وقت سلام بھی کرتا تھا۔ پر اب اس نے یہ سلسلہ بند کر دیا۔ شرابی سے شراب کی عادت یکدم چھڑا دی جائے تو کہتے ہیں اس کی جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ کچھ اسی طرح کی بات پدم سنگھ کے ساتھ بھی ہوئی۔ اُن کی بیوی

تو پاگل ہو کر قانون پاس ہونے کے دوسرے ہی سال چل بسی تھیں، رہ گئے تھے پدم سنگھ تو وہ بھی مُرجھا چلے تھے اور اگلے سال ہی وہ بھی چل بسے

لاکھن سنگھ کی شادی ہو چکی تھی لیکن ابھی اُسے زندگی کی اونچ نیچ کا تجربہ نہیں تھا۔ ساہو جی کو معلوم ہو گیا تھا کہ زمینداری کے بدلے پدم سنگھ کو دس پندرہ ہزار کے بانڈ ملے ہیں۔ وہ ان کی تاک میں تھا۔ پدم سنگھ کے دیہانت پر وہ لاکھن سنگھ کے پاس آیا اور بے مانگے اُسے باپ کے کریا کرم کے واسطے روپے دیئے اور بولا "فکر نہ کرنا بھیا، میرے پاس جو کچھ ہے، وہ تمہارا ہی ہے۔ ٹھاکر صاحب کی آتما کو دُکھ نہ پہنچنے پائے!"

(۲)

"کچھ بہت زیادہ نہیں، یہی سود سمیت کوئی دس ہزار ہوتے ہیں۔" ساہو جی روکڑ بہی بند کرتے ہوئے بولے۔ لاکھن باپ کی آتما کو دکھ سے بچانے کے لئے ساہو جی کے پاس ان کا قرض چکانے گیا تھا!"

"پر میرے پاس تو دھیلا بھی نہیں ہے۔ بیوی کے پاس کچھ زیور ضرور ہیں، پر ابھی تیسرے ہی سال تو وہ بیاہ کر آئی ہے!!" لاکھن کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

"تو من کیوں میلا کرتے ہو بھیا!" بنئے نے دلاسا دیا۔ "زمینداری کے بدلے ٹھاکر صاحب کو بانڈ تو ملے ہی ہوں گے۔ چلو وہ ہی لے لوں گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور یہ بھی میں مانگتا تھوڑے ہی، پر دیکھو نا اُن کی آتما ادھر میں پڑی ہو گی۔ جس نے عمر بھر عیش کیا، مرنے کے بعد اس کی آتما ادھر میں پڑی رہے، ٹھیک نہیں!"

اب لاکھن کے پاس اس کی بیوی کے زیوروں کے سوا کچھ نہ رہا۔ عیش کی زندگی کے مزے آسانی سے نہیں بھلائے جاتے۔ جب تک زیور اور کپڑے تھے، لاکھن کی زندگی بڑے آرام سے گذر رہی تھی، زمینداری کی بو باس اُس پرسوں پرانے عطر کی مانند ہوتی ہے جو ڈھل جانے پر بھی دل و دماغ کو معطر کئے رہتا ہے۔

(۳)

لاکھن بمبئی سے واپس آیا تو لکھراجی ــ اسے دیکھ کر سر پیٹ لیا۔ بولی "تم تو کمانے گئے تھے میرے سرتاج، پر تمہاری یہ کیا گت بن گئی ہے؟"

"او پنیرے ہی اوپر کون سا جوبن آ گیا لاکھو! کچھ نہیں ہماری قسمت ہی خراب ہے!"

"میری تو کچھ نہ پوچھو، بابا کے گھر کھانے پینے کا تو دُکھ نہیں تھا، پر بھابھی جی کے طعنے کب تک سہتی، پر اب تو تمہارے پاس آ گئی ہوں، دو ہی چار دن میں دیکھنا اچھی ہو جاؤں گی!"

لاکھن کو محسوس ہوا کہ اس کے اوپر پہاڑ گر پڑا۔ اس نے گردن نیچی کر لی اور سوچ میں پڑ گیا۔

(۴)

جب سے لال پور میں بوڑھے سری کانت سنگھ کی رہنمائی میں سہکاری قرضہ سوسائٹی بنی، اُسی وقت سے رام سہائے ساہو کے کاروبار کو گھن لگنے لگا تھا۔ وہ اس سوسائٹی کو توڑنے کی بڑی کوشش کرتا تھا، پر سری کانت سنگھ کے آگے اس کی کچھ چل نہیں پاتی تھی۔ وہ اب بات بات پہ جھلانے لگا تھا اور بنئے کے مزاج کا قدرتی ٹھنڈا پن باقی نہیں رہ گیا تھا۔ اُس دن سری کانت سنگھ کسی کام سے رام سہائے ساہو کی دکان پر آگئے تھے۔ وہ ان سے باتیں کر رہا تھا کہ لاکھن سنگھ لاٹھی لئے آگیا۔ وہ ابھی بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ رام سہائے برس ہی پڑا۔ ”اب بھلائی کا زمانہ نہیں رہا۔ انھیں دیکھئے، میں نے انھیں ان کی بپتا دیکھ کر اپنے یہاں سرن دی تھی کام بھی کوئی نہیں، بس اتنی سی بات کہ کچھ وصول تحصیل کر لیا کریں۔ پر آج دو مہینے ہوگئے، ایک دھیلا لاکر نہیں دیا۔ الٹے ہر مہینے پیشگی تنخواہ لے لیتے ہیں اور پڑے پڑے مزے کیا کرتے ہیں۔ نہیں تو بمبئی تک تو ہو آئے تھے ٹھاکر صاحب روزگار کی کھوج میں، ڈالی کسی نے گھاس؟“

لاکھن سنگھ کو زمانے کے دھکے کھاتے کھاتے سخت سُست سننے کی عادت ہوگئی تھی۔ پر یہ جھوٹا الزام سُن کر اُس کا خون کھول گیا۔ وہ روزانہ پابندی سے ساہو جی کے قرض داروں کے پاس تقاضا کرنے جاتا تھا۔ لیکن غریب کسان ہاتھ جوڑ کر اور رو رو کر معافی مانگتے تھے تو اس کا دل بھر آتا تھا اور وہ اُن کو معاف کر دیا کرتا تھا۔ رام سہائے کے اوپر اُسے غصّہ تو بہت آیا پر کچھ اپنی مجبوری اور کچھ شری کانت سنگھ کا لحاظ، خون کے گھونٹ پی کر رہ گیا اور گردن نیچی کر لی۔

”لاکھن، تم آخر کب تک اپنی ٹھکرائی کے زعم میں پڑے رہوگے۔ آج اس بنئے نے تم کو اتنی باتیں سُنائی ہیں، کل اس سے بھی گرا ہوا کوئی آدمی تم کو طعنے دے گا۔ بیٹا اب وہ مسند پر بیٹھے بیٹھے کھانے پینے اور عیش اڑانے کے دن گئے۔ تم جوان ہو، ہاتھ پاؤں میں ابھی تازہ خون ہے۔ محنت کیوں نہیں کرتے؟“

شری کانت سنگھ کو بھی رام سہائے کی جھڑکی سے تکلیف ہوئی تھی۔ سری کانت سنگھ اور پدم سنگھ کے درمیان پشتینی عداوت تھی، اور دونوں میں کبھی بناؤ کی نوبت نہیں آئی تھی۔ پدم سنگھ کے انتقال کے بعد لاکھن کے اوپر جو مصیبت پڑی اُسے دیکھ دیکھ کر شری کانت سنگھ بہت دُکھی ہوتے تھے، پر عمر میں بڑے ہی نہیں، لاکھن کے باپ کے برابر تھے اور لاکھن خود کبھی اُن کے پاس گیا نہیں تھا اس لئے ان کا بھی جی پہل کرنے کو نہیں چاہتا تھا۔ پر آج اُن سے نہ رہا گیا۔

”پھر کروں کیا کاکا!“ لاکھن شری کانت سنگھ کے پدرانہ سلوک سے پسیج گیا تھا ”گھر کا حال تو آپ سے چھپا نہیں ہے!“ وہ پکے ہوئے پھوڑے کی طرح پھوٹ پڑا۔

”دیکھو لاکھن، راجپوت کے آنسو بہت قیمتی ہوتے ہیں۔“ شری کانت کی راجپوتیت جوش میں آگئی۔ انھوں نے لاکھن کو ڈانٹ بتائی۔ ”تم اور کچھ مت کرو۔ بس ایک سو روپے کہیں سے جٹا لو، میں تم کو قرضہ سوسائٹی کا ممبر بنا لیتا ہوں۔ ایک بھینس میری نظر میں ہے۔

تھوڑے ہی دنوں میں بیانے والی ہے۔ ممبر بننے کے بعد اپنے حصّے کا آٹھ گن تم کو قرض مل جائے گا۔ گوالا بھینس کے آٹھ سو مانگتا ہے، چھ سو لگ رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں سات سو میں آجائے گی۔ ۔ ۔ ۔"

"پر میں سات سو کا قرضہ چکاؤں گا کیسے؟" لاکھن زمانے کے ہاتھوں اتنا پٹ چکا تھا کہ اُسے اپنی جوانی کا بھی احساس نہ رہا تھا وہ مجبوری ظاہر کرتے ہوئے بولا۔

"قرض کی قسطیں بندھ جائیں گی اور ادائگی اس وقت سے ہوگی جب بھینس بیا جائے گی۔" سری کانت سنگھ نے جواب دیا۔

لاکھن سوچ میں پڑ گیا۔ سری کانت سنگھ کی بات تو اس کی سمجھ میں آرہی تھی، پر سوچ رہا تھا کہ وہ کنجی کہاں سے آئے گی جس سے دودھ کی اس نہر کا پھاٹک کھلتا تھا۔ رہے شری کانت سنگھ تو اوّل تو وہ خود اِس قابل نہیں تھے کہ سو روپے کی مدد کر سکیں اور دوسرے لاکھن کی خودداری بھی اُن کے سامنے منھ کھولنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔

(۵)

"ہونے کو تو صلاح ٹھیک ہے لاکھو، پر وہ ایک سو روپے کہاں سے آئیں گے؟"

لکھراجی تھوڑی دیر سوچتی رہی۔ پھر اٹھی اور اپنی سہاگ رات کی انگوٹھی اٹھا لائی اور لاکھن کے ہاتھ میں دیتی ہوئی بولی "دیکھو شاید سو روپے میں بک جائے۔ بس یہی ایک دھروہر میرے پاس اور رہ گئی تھی ــــــ اُسے میں اب تک چھپائے ہوئے تھی۔ یہ تم نے دی تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔" اُس نے آنکھوں میں آنسو بھرے نظریں نیچی کر لیں۔

(۱۶)

"بھینس تو اچھی ہے۔" لکھراجی نے بھینس کی پیشانی پر تیل ملنے کے بعد سیندور کا ٹیکا لگاتے ہوئے کہا "بابا کے گھر دو دو تین تین بھینسیں بندھی رہتی تھیں، پر ایسی ایک نہیں تھی۔ جمنا پاری لگتی ہے۔ کچھ نہیں تو دس بارہ سیر دودھ ہوگا۔ اس کے نیچے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اب بھگوان کی دیا ہوگی تو سکھ کے دن آئیں گے۔" لکھراجی کے پاؤں دھرتی پر نہیں پڑ رہے تھے۔

"ارے اور سُنا!" لاکھن نے کہا "آج شری کانت کاکا آئیں گے۔ کیا ہوگا کچھ جل پان وَل پان کا سوچ لیا ہے؟ آج وہ پہلی بار ہمارے گھر آئیں گے"!

"ہاں ہاں سوچ لیا ہے، تم ہی نہ جانے کہاں کھوئے رہتے ہو۔ تمھارے جتلانے سے پہلے ہی میں نے انتظام کر لیا تھا۔ مجھے برساتی سے معلوم ہو گیا تھا۔" آج بہت دنوں کے بعد لکھراجی کے لہجے میں جوانی کی لہک آئی تھی۔ وہ بہت مصروف تھی، ایسی مصروف جیسے گھر میں برات آنے والی ہو۔

"جیتے رہو بیٹا!" شری کانت سنگھ نے لاکھن کو اپنے قدموں سے اٹھا کر گلے لگاتے ہوئے دعا دی۔ "پدم سنگھ کے لاڈ پیار اور

نواب شاہی نے تم کو بگاڑ دیا نہیں تو کیا تم امر کانت سے پیچھے تھے!! آج اُسی کی بدولت میں بے فکر ہو کر لوگوں کی تھوڑی بہت جو سیوا ہو سکتی ہے کر رہا ہوں، نہیں تو میرے پاس بھی کیا رکھا تھا۔ زمینداری تو تم بھی جانتے ہو میرے پاس پدم سے کم ہی تھی پر پدم میں اور مجھ میں یہ انتر تھا کہ انھوں نے رام سہائے کے روپوں سے عیش کیا اور میں نے وہ روپے امر کی تعلیم پر لگائے"!

"امر تو فوج میں ہے نہ کاکا!" لاکھن نے آج پہلی بار امر کو نہایت ادب کے لہجے میں یاد کیا۔

"ہاں، اب تو بھگوان کی دیا سے میجر ہو گیا ہے ۔ ۔ ۔ ہاں تو بھینس آ گئی؟ دیکھ لاکھن تو اب تک راستہ بھولا ہوا تھا"!

"ٹھکرانی جی آپ کو ہاتھ جوڑ کر نمستے کر رہی ہیں بابو" برساتی سری کانت کے سامنے جل پان رکھتے ہوئے بولا۔

"جیتی رہو بٹیا! پر یہ سب کیا؟ کیوں لاکھن وہ جو سو روپے بچ گئے ہیں وہ اسی لئے ہیں؟" سری کانت نے پریم بھرے غصے میں ٹوکا۔

"اور میرے گھر کیا رکھا ہے کاکا! سوسائٹی کا ممبر بننے سے پہلے آپ آتے تو مجھے منہ چھپا کر کہیں بھاگ ہی جانا پڑتا"!

"جوان راجپوت اور ایسی ہاری ہوئی باتیں کرے!! اسکے جو کچھ کرا دے کم ہے"! سری کانت تھوڑی دیر سوچتے رہے اور اور پھر ایک لڈو کھا کر پانی کا گلاس اٹھاتے ہوئے بولے "اچھا اب کیا تو کیا، پر اس کے بعد اس میں سے کچھ نہ اُٹھے۔ تم نے بھی سن لیا بٹیا! ایسا سمجھ لینا جیسے ڈیڑھ مہینے تمھارے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ یہ رقم بھینس کی کھلائی پلائی کے لئے ہے۔ جتنا گُڑ ڈالو گے اتنا ہی میٹھا ہوگا' جانتے ہو نا!!"

"میں تو کاکا کچھ جانتا وانتا نہیں، ہاں لاکھو کچھ جانتی ہے وہی کرے گی"۔ لاکھن نے لڑکپن کے انداز میں کہا۔

"بیٹے کس کے ہو آخر! مورکھ!! اور کچھ نہیں تو گھاس تو لائے گا! بھینس کو تال میں لے جا کر نہلا تو لائے گا!! بنئے کی دکان سے دانہ کھلی تو لا دے گا!! تو بس اتنا ہی کر، باقی لاکھو کرے گی کیوں بٹیا کر لے گی نا!" سری کانت نے اونچی آواز میں کہا۔

"اور سنو" سری کانت سنگھ نے نصیحت جاری رکھی "تم کو دودھ بیچنے بھی کہیں نہیں جانا ہے۔ وہ شیوپور ہے نا ہمارے گاؤں کے اُدھر وہاں دودھ بیچنے والوں کی بھی ایک سہکاری سوسائٹی بنی ہے۔ تم اس کے بھی ممبر بن جاؤ، اس کی ممبری کی فیس قسطوں میں لی جاتی ہے۔ ان لوگوں نے ایک ٹھیلہ بنوایا ہے۔ وہ ٹھیلہ تمھارے گھر آجایا کرے گا اور تم جتنا دودھ بیچنا چاہو گے اتنا اٹھا لے گا اور ٹھیلے کا تھوڑا سا کرایہ کاٹ کر تمھیں دام دے دے گا۔ تمھارا اس سے بچے گا اس سمے میں بھینس کی سیوا کرنا"!

"یہ تو بڑی اچھی ترکیب بتائی کاکا۔ لو میں آج ہی ممبر بنا جاتا ہوں اُس کا!" لاکھن کھل اٹھا۔

"اچھا ایک بات کہنے آیا تھا" سری کانت سنگھ چارپائی پر سے اٹھتے ہوئے بولے "میں دو ڈھائی مہینے کے لئے تیرتھ کرنے ہردوار جاؤں گا۔ تم کو اس عرصے میں کوئی صلاح، مشورہ کرنا ہو تو شیوپور میں وہ لڑکا رہتا ہے نا ـــ بھلا سا نام ہے' سوشل ورکر ہے' اس سے

کر لیا کرنا ۔ ۔ ۔ ۔"

"ہاں ہاں، وہی نا جنھیں لوگ بھائی جی کہتے ہیں۔ ہر وقت بات بے بات پر ہنستے رہتے ہیں!!"

"وہ امریکہ سے پڑھ کر آیا ہے۔ بڑی اونچی نوکری مل رہی تھی اُسے پر اُسے سیوا کا شوق ہے۔ اس لئے اُس نے گاؤں میں رہ کر یہی چھوٹی سی نوکری پسند کی۔ کہتا ہے 'مجھے پیسوں کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ میرے پاس بہت ہے!!'"

"اچھا کاکا!! کتنی طلب ملتی ہے انھیں یہاں؟" لاکھن سوچنے لگا ایک وہ ہیں جو سامنے رکھی ہوئی دولت کو ٹھکراتے ہیں اور ایک ہم ۔ ۔ ۔ ۔"

"یہی کوئی ڈھائی تین سو روپے ملتے ہیں بھئی بہت بڑے باپ کا بیٹا ہے وہ۔ کیا جانتے ہو تم!! ۔ ۔ ہاں تو تم اسی سے صلاح مشورہ کر لیا کرنا۔ بڑے پریم سے ملتا ہے وہ"

(۷)

جیسا کہ جیٹھ کی تپش ختم ہو چلی تھی، اساڑھ کا مہینہ تھا اور برسات کے موسم کی آمد آمد تھی۔ لاکھن کی بھینس ساون چڑھتے ہی بیانے والی تھی۔ گھرا جی نے اس کے پیچھے کھانا پینا اور نیند سب کچھ حرام کر لیا تھا۔ لاکھن نے بھی سکھ کے دنوں کی امید میں بھینس کے رکھ رکھاؤ میں دن رات ایک کر دیا تھا۔ اس سیوا ٹہل کا نتیجہ یہ تھا کہ بھینس ابھی خاصی تھنی معلوم ہونے لگی تھی۔

لاکھن نے شیو پور کے بھائی جی سے بھی دوستی کر لی تھی۔ بھائی جی کو جب معلوم ہوا کہ لاکھن کو شری کانت سنگھ نے اس کے پاس بھیجا ہے تو وہ خود بھی لاکھن کے بہت قریب آ گئے تھے۔ وہ شری کانت کے بڑے مداح تھے۔ وہ لاکھن کی بڑی دلجوئی کرتے رہتے تھے اور اُسے پڑھنا لکھنا سیکھنے پر راضی کر لیا تھا۔ "دودھ کا کاروبار کریں گے آپ تو سوچئے اُس کا حساب کتاب کیسے رکھیں گے؟" بھائی جی نے اُسے پڑھنے لکھنے کی ضرورت ذہن نشین کرا دی تھی۔ ایک موقعے پر وہ اُسے اپنے ساتھ شہر بھی لے گئے تھے۔ وہاں مویشیوں کی ایک نمائش لگی تھی، بھائی جی نے نمائش گھماتے ہوئے اُسے بتایا تھا کہ مویشیوں کے ہسپتال کے ڈاکٹر ضرورت پڑنے پر گھروں پر بھی جا کر علاج کرتے ہیں اور اُس کا کوئی محنتانہ یا فیس نہیں لیتے۔ اس بات کی انھیں محکمے کی طرف سے بڑی تاکید کی گئی ہے۔

ابھی بھینس کے بیانے میں پندرہ بیس دن باقی تھے۔ گھرا جی نے سب تیاریاں مکمل کر لی تھیں۔ "اس بالٹی میں دودھ نکالا جائے گا۔ اِس مٹکے میں گھی بنا کر رکھوں گی۔ گھی کے پیسے اچھے ملتے ہیں۔ بیانے کے بعد بھینس کو گڑ دینا ہوگا۔ برساتی سے من آدھ من گڑ ابھی منگوانا ہے۔ برساتی نے اِس زمانے میں بڑی سہایتا کی ہے اور اب تک زبان نہیں کھولی۔ خیر اب اچھے دن قریب ہیں، اُسے بھی خوش کر دوں گی۔ ۔ ۔ ۔"

"ارے تم ابھی تک پڑے سو رہے ہو! اور دیکھو بھینس کو کیا ہوا؟" گھرا جی نے لاکھن کو جھنجھوڑ کر جگایا۔

"کیا ہو گیا بھینس کو رات ہی رات میں" لاکھن بڑبڑا کر اٹھ بیٹھا "ابھی تو کل شام کو جب میں چرا کر لایا تھا تو بھلی چنگی تھی وہ!!"

"دیکھو چل کے، وہ تو جیسے مرگئی ہو! نہ جگالی کرتی ہے، نہ کچھ کھا پی رہی ہے، پیٹ اتنا پھول گیا ہے کہ دیکھ کر ڈر لگتا ہے۔ جلدی کرو کچھ، نہیں تو یہ بیماری اُسے لے بیٹھے گی"۔ لکھراجی نے گھبراہٹ ظاہر کی۔

"اٹھ! اٹھ!! ہے یا! ہے یا!!" لاکھن بھینس کو کھڑے ہونے کی ہدایت کرنے لگا۔

بھینس نے اٹھنے کی کوشش کی مگر پھر گھٹنوں کے بل بیٹھ گئی "اس سے تو اٹھا بھی نہیں جاتا! ہے رام کیا ہوا میری ہتھنی کو۔" لاکھن روہانسا ہو کر بولا "لاکھو تم اس کا پیٹ ویٹ ذرا ملو، میں شیو پور جاتا ہوں، اتوار تو ہے آج، پر بیماری سخت ہے، شاید آجائے مویشیوں کا ڈاکٹر، بھائی جی کہہ رہے تھے کہ ضرورت پڑنے پر یہ ڈاکٹر گھروں پر جاکر بھی علاج کرتے ہیں۔ اس کی اُن کو تاکید ہے"

"پر روپے پیسے تو جو کچھ تھے ختم ہو گئے۔ اب تو گھر میں من ڈیڑھ من کھلی اور دانہ پڑا ہے جو میں نے اکٹھا ہی برساتی سے منگوا لیا تھا۔ ڈاکٹر کی فیس ویس کہاں سے دوگے"۔ لکھراجی اُسے ہوشیار کرتی ہوئی بولی۔

"ڈاکٹر فیس نہیں لے گا لاکھو! لاؤ میری لاٹھی، دیر کرنے سے نقصان ہو جائے گا۔ ابھی ایک کوس جانا اور ایک کوس آنا بھی ہے۔ دو تین گھنٹے لگ جائیں گے"۔ لاکھن نے جلدی کی۔

(۸)

"اونہہ، یہ بھینس تو بچنے والی نہیں۔ ہے ٹھاکر صاحب!" ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"نہیں ڈاکٹر صاحب۔ ایسا نہ کہئے۔ اسی بھینس کے اوپر تو میں نے اپنی امیدوں کا محل کھڑا کر رکھا ہے۔ کچھ کیجئے"۔ لاکھن نے منت کی۔

"بھئی ایک نیا انجکشن ابھی حال میں امریکہ سے آیا ہے۔ شاید اس سے بچ جائے۔ پر یہ بتاؤ مجھے کیا ملے گا!" ڈاکٹر سودا کرتے ہوئے بولا۔

"اس سمے تو میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے ڈاکٹر صاحب۔ اور قرض مجھ غریب کو کون دے گا! آپ بھینس کو اچھا کر دیجئے۔ میں آپ کو بچن دیتا ہوں کہ جب تک یہ دودھ دیتی رہے گی، آپ کو اور آپ کے بچوں کو دودھ گھی کی کمی نہ ہونے دوں گا"۔ لاکھن نے جواب دیا۔

"اجی وہ سمے کس نے دیکھا ہے۔ بھینس کی حالت خراب ہے۔ دس روپے دیتے ہو تو انجکشن لگاؤں نہیں تو بھگوت بھجن کرو"۔ ڈاکٹر اپنا بیگ اٹھا کر چلا گیا۔ "جلدی کرو، پیسے آجائیں تو مجھے خبر کر دینا۔ میں پرسرام ادھیر کے گھر پہ رہوں گا"۔ وہ چلتے ہوئے ہدایت کر گیا۔ (باقی ص ۲۸ پر)

رورل اڈلٹ ایجوکیشن

(Rural Adult Education)

امریکہ میں بالغوں کی تعلیم کا کوئی بندھا ٹکا اور واضح نظام نہیں ہے جس کو وضاحت کے ساتھ بالغوں کی تعلیم کے نظام سے موسوم کیا جا سکے۔ اس کے برخلاف اگر یہ کہا جائے کہ بالغوں کی زندگی کو ہر پہلو سے حسین، مہذب اور خوشحال بنانے کے لئے جو جو وسیلے اختیار کئے جا سکتے ہیں وہ صرف اختیار ہی نہیں کئے جاتے بلکہ ان کے درمیان بڑا ربط اور تال میل ہے تو میرے خیال میں یہ بات امریکی تعلیم بالغان کے بارے میں صحیح ہوگی۔

امریکہ کے دیہی علاقوں میں بالغوں کی تعلیم کے لئے کیا کیا ہوتا ہے، یہ سمجھنے کے لئے زیر نظر کتاب "رورل اڈلٹ ایجوکیشن" نہایت مفید اور موزوں ہے اور اس نقطۂ نظر سے کتاب کا دیباچہ لکھنے والے مسٹر کینیان ایل۔ بٹر فیلڈ کا خیال بالکل صحیح ہے۔ مسٹر بٹر فیلڈ کتاب کے دیباچے میں فرماتے ہیں:

> "اسکول کے زمانے کی تعلیم سے آگے اپنی تعلیم کو جاری رکھنے میں گاؤں کے لوگوں کی مدد کرنے کی غرض سے جو ادارے کام کر رہے ہیں اور اس کام میں وہ جو طریقے اختیار کرتے ہیں، اس کی داستان کی حیثیت سے یہ کتاب نمایاں حیثیت کی حامل ہے۔"

یہ کتاب اڈلٹ ایجوکیشن کی امریکی ایسوسی ایشن (امریکن ایسوسی ایشن فار اڈلٹ ایجوکیشن) کی طرف سے شائع ہوئی ہے جو امریکہ میں اڈلٹ ایجوکیشن کے بارے میں واحد نمائندہ جماعت کہی جا سکتی ہے۔

ایسوسی ایشن نے ۱۹۲۸ء میں امریکہ کے دیہی علاقوں میں بالغوں کی تعلیم کی کیفیت کا اندازہ کرنے کی غرض سے کارنیگی کارپوریشن کی امداد سے ریسرچ کا ایک منصوبہ بنایا تھا۔ یہ کتاب اسی تحقیقی منصوبے کی گویا رپورٹ ہے۔ اس کام میں پہلے کولمبیا یونیورسٹی کے استاد تعلیمات پروفیسر جان۔ ڈی۔ ویلانڈ کی خدمات حاصل کی گئی تھیں۔ پروفیسر موصوف نے تحقیق کا بہت سا کام کر لیا تھا اور کتاب کے ایک حصے کے مسودے بھی تیار ہو گئے تھے لیکن اسی درمیان میں ان کا انتقال ہو گیا اور کام نامکمل رہ گیا۔ ان مکمل حصے کو پورا کرنے کے لئے مسٹر بنین ای لینڈ

کی خدمات حاصل کی گئیں جو ایسوسی ایشن کے فیلڈ کے نمائندے ہیں۔

کتاب کے مصنفوں نے اپنی تحقیق کی بنیاد تعلیم بالغان کے جدید ترین تصور پر رکھی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ "تعلیم بالغان کے میدان میں منظم طور پر جو تجربے ہوئے ہیں ان سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ تعلیم میں بنیادی چیز عمر نہیں بلکہ ضرورت اور خواہش ہے؛ چنانچہ اس نئے نظریئے نے تعلیم کے میدان میں اصول تعلیم اور طریقۂ تعلیم کی دنیا ہی بدل دی ہے۔"

ان مصنفوں نے لفظ تعلیم بالغان کی تعریف اور اس کے مقاصد پر بھی کتاب کے مقدمے میں روشنی ڈالی ہے۔ اور میرا خیال ہے اپنی تحقیق میں انھوں نے اسی تعریف اور انہی مقاصد کو بنیاد بنایا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ

"اڈلٹ ایجوکیشن کی تعریف مختلف پیرایوں میں کی گئی ہے — تقریباً اتنے ہی مختلف پیرایوں میں جتنے پیرایوں میں خود تعلیم کی تعریف کی گئی ہے۔ جن لوگوں کو تعلیم بالغان کی تحریک میں سند سمجھا جاتا ہے انھوں نے اس کے جو مقاصد ٹھہرائے ہیں وہ مختصراً یوں ہیں: علم اور ہنر میں اضافہ کرنا؛ رواداری اور کشادہ دلی کو فروغ دینا؛ شخصیت کی چوطرفہ نشوونما؛ زندگی کے لئے ایک فلسفے کی تعمیر؛ اظہار نفس کے لئے موقعے بہم پہنچانا؛ انسان کے تجربات سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت پیدا کرنا؛ دلچسپیوں کے دائرے کو وسیع کرنا اور سماج کا فرد ہونے کی حیثیت سے فرد کی سماجی کارکردگی کو ترقی دینا۔

تعلیم بالغان کے ان رنگارنگ مقاصد کی بنیاد پر ان عالموں نے اپنی طرف سے بھی ایک رائے قائم کی ہے۔ کہتے ہیں:-

"غالباً سب سے زیادہ محفوظ تعریف جو کی جا سکتی ہے، یہ ہے کہ تعلیم بالغان سے مراد بالغ کی طرف سے کی جانے والی وہ تمام بامقصد اور منظم کوششیں ہیں جو علم، مہارت یا سمجھ بوجھ میں اضافہ کرنے کی غرض سے کی جائیں۔ اس میں یہ بات بہرحال پہلے سے مانی ہوئی سمجھی جانی چاہئے کہ ان کوششوں میں مطالعے کی وہ شکل شامل نہیں ہے جو یونیورسٹی یا کالج میں باقاعدہ طالب علم کی حیثیت سے کیا جاتا ہے۔ اسی تعریف میں یہ بات بھی آتی ہے کہ تعلیم بالغان کی بنیاد اس نظریئے پر ہے کہ انسان میں عمر بھر سیکھنے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے۔"

پوری کتاب کو تین حصوں میں اور پھر ہر حصے کو مختلف بابوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے کے دو باب ہیں جن میں سے ایک میں "امریکی تہذیب میں دیہی زندگی کی اہمیت" کے عنوان کے ماتحت گاؤوں کی زندگی پر جغرافیائی، سیاسی، معاشی اور تاریخی روشنی میں بحث کی گئی ہے۔ اور دوسرے باب میں "اڈلٹ ایجوکیشن کے اوپر سماجی اور اقتصادی حالات کا اثر" کے عنوان کے ماتحت یہ وضاحت کی گئی ہے کہ مختلف زمانوں میں امریکہ کے سماجی اور اقتصادی حالات کیسے رہے ہیں، امریکہ کی دیہی زندگی پر ان کے کیا اثرات ہوئے ہیں اور ان اثرات کی بنیاد پر اڈلٹ ایجوکیشن کے اوپر کس قسم کی ذمے داریاں عائد ہوتی تھیں۔ اس باب میں (۱۹۳۳ء سے پہلے تک جس وقت یہ کتاب لکھی گئی ہے)

زیادہ تر گاؤوں کے لوگوں کی قریب قریب ہر حیثیت سے زبوں حالی کا ذکر ہے ۔۔۔ زندگی کا زیادہ تر زراعت کے اوپر دار و مدار، معاشی بدحالی، گاؤوں کے مقابلے میں شہروں کی ترقی اور شہری زندگی کی کشش یعنی قریب قریب وہ سب کچھ جو آج کل ہندوستان کے گاؤں میں دیکھنے میں آتا ہے۔ پھر گاؤں کے لوگوں کی شہروں کو ہجرت، اور پھر شہروں میں جا کر مایوسی کا عالم، وہی مسئلہ جس سے ان دنوں ہندوستان کے گاؤں دوچار ہو رہے ہیں۔ اس مسئلے کا ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ کہا گیا ہے کہ

"زمین سے محروم اِدھر اُدھر مارے مارے پھرنے والے لوگ دیہی تہذیب کی تعمیر کے نہیں تخریب کے باعث بنتے ہیں۔"

کتاب کے دوسرے حصے میں ان اداروں اور خدمات کا بیان ہے جو گاؤوں میں رہنے والے بالغوں کی تعلیم کے لئے کام کر رہی ہیں اور یہی حصہ ہم لوگوں کے لئے جو ہندوستان کے گاؤوں میں بالغوں کی تعلیم کا کام کرتے ہیں، خاص طور پر مطالعے کے قابل ہے۔ اس ریسرچ کے مطابق جس کی بنیاد پر یہ کتاب مرتب کی گئی ہے، بالغوں کی تعلیم میں جو سنستھائیں اور ایجنسیاں مصروف ہیں ۔۔۔ اور جن کا اس حصے میں ذکر کیا گیا ہے، یہ ہیں

۱۔ کتب خانے ۲۔ پبلک اسکول ۳۔ زراعتی ایکس ٹنشن ۴۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں کے توسیعی کام ۵۔ والدین کی تعلیم کے ادارے ۶۔ مذہبی سنستھائیں ۷۔ کسانوں کی انجمنیں ۸۔ تہذیبی آرٹ ۹۔ ریڈیو کے پروگرام ۱۰۔ فوک اسکول ۱۱۔ بستیوں کا جائزہ اور تنظیم

یہ سب کے سب ادارے اور خدمات سوائے چند کے، ہمارے یہاں بھی بالغوں کی تعلیم میں مصروف ہیں، فرق صرف درجے کا ہے۔ امریکہ کے ان اداروں اور خدمات کے کام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ سب کے سب ادارے ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور اشتراک کرتے ہیں اور اپنے کام کی بنیاد اس معلومات پر رکھتے ہیں جو یونیورسٹیوں اور ریسرچ کے دوسرے اداروں کی تحقیق سے حاصل ہوتی ہیں۔ ہمارے اور امریکہ والوں کے درمیان کام کے طریقے میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ ہم اندھیرے میں ہاتھ پاؤں مارتے ہیں اور اُسے تجربے کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ وہ لوگ کوئی نیا تجربہ بھی کرنا چاہتے ہیں تو اس سے پہلے بنیادی تحقیق اور جائزے کی منزل پار کر لیتے ہیں۔

کتاب میں ان سب وسائلِ تعلیم کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور وہ سب کچھ ہمارے لئے غور و فکر کی بنیاد بن سکتا ہے لیکن میں چند اداروں مثلاً زراعتی ایکس ٹنشن، کسانوں کی انجمنوں اور کمیونٹی آرگنائزیشن کا خاص طور سے تعارف دینا چاہتا ہوں:

زراعتی ایکس ٹنشن

ہمارے ملک میں جب سے کمیونٹی ڈیولپمنٹ کا پروگرام شروع ہوا ہے، اُس وقت سے ایکس ٹنشن اور خاص کر زراعتی

ایکس ٹنشن (اگریکلچرل ایکس ٹنشن) کی اصطلاح بہت سننے میں آتی ہے لیکن ہم میں غالباً بہت کم لوگ ہوں گے جو اس اصطلاح کا صحیح مطلب سمجھتے ہوں۔ کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے ساتھی مجھے معاف کریں اگر میں یہ کہوں کہ جن لوگوں کو خاص زراعتی ایکس ٹنشن ہی کا کام سپرد ہے، وہ بھی شاید اس کا مطلب اچھی طرح نہیں سمجھتے۔ اس صورت حال میں ان کے لئے اگر پوری کتاب نہیں تو کم سے کم اس باب کا مطالعہ بہت مفید ہوگا۔

اس باب میں اگریکلچر ایکس ٹنشن کی مختصر تاریخ دی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ کس طرح یہ تصور ایک معمولی سے واقعے سے ترقی کرکے ملک گیر تحریک کے مرتبے تک پہنچ گیا، اور اب (یعنی کتاب کی تالیف کے وقت ۱۹۴۳ء تک) حکومت کے محکمۂ زراعت کا ایک نہایت اہم جزو بن گیا ہے۔

اگریکلچرل ایکس ٹنشن، ان مصنفوں کا کہنا ہے، خالصتاً ایک تعلیمی عمل ہے نہ کہ زراعت سے متعلق آلات و اوزار اور سامان کی تقسیم۔ یہ بات کتاب کے مندرجۂ ذیل اقتباس سے بخوبی واضح ہوگی:

"ایکس ٹنشن کا کام بڑی حد تک تعلیم کا کام ہے۔ یہ صرف ایکس ٹنشن کے کارکن (کاونٹی ایجنٹ) ہی کا کام نہیں ہے بلکہ اس عمل میں کسان اور ان کی بیویاں جن کے اوپر خانہ داری کی ذمے داری ہوتی ہے — ان کی پوری پوری شرکت ضروری ہوتی ہے۔ کھیت اور گھر گویا اسکول ہوتے ہیں اور کسان اور ان کی بیویاں ٹیچر یا کم سے کم اسسٹنٹ ٹیچر۔ اس عمل میں مقامی مسائل میں سے جو سب سے زیادہ شدید ہوتا ہے اسی سے تعلق ہوتا ہے۔ مسئلے کی یہی شدت آگے کے پروگرام کو طے کرنے میں مدد دیتی ہے۔ پروگرام کا ایک سب سے نمایاں پہلو یہ ہو کہ جن گرہستوں کے لئے یہ منظم کیا جاتا ہے وہ اس پیشہ ور معلم (کاونٹی ایجنٹ) کے کام کی بڑی سختی سے نگرانی کرتے ہیں جو اسی کام کے لئے متعین ہوتا ہے۔

"ایکس ٹنشن کا کام کرنے والے ضلعے کے کارکنوں (کاونٹی ایکس ٹنشن ایجنٹ) کے باقاعدہ دفتر ہوتے ہیں، جہاں سے وہ سوالات کے جواب دیتے ہیں — جو وہ کبھی کبھی خود گھر دں پر پہنچ کر دیتے ہیں، کبھی خط و کتابت کے ذریعے اور کبھی ٹیلیفون پر — اور خبرنامے اور پرچے تقسیم کرتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں ان کا دفتر معلومات کا ایک منظم مرکز ہوتا ہے۔

اُس کے علاوہ یہ کارکن ریاستی محکموں کے ماہروں سے ملاقاتیں کرتے ہیں اور ان سے برابر معلومات اور رہنمائی حاصل کرتے رہتے ہیں، اگر کوئی منصوبہ پیش نظر ہوتا ہے تو اسے منظم کرتے ہیں ان سے مدد اور مشورہ لیتے ہیں اور مقامی ضرورت کے لئے لیڈروں کی ٹریننگ میں اُن کا تعاون حاصل کرتے ہیں۔ کاونٹی ایجنٹوں کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ فنِ زراعت کے ماہر ہوں، اگرچہ جہاں کھیتی انڈسٹری بن جاتی ہے، وہاں ان کا مشورہ بہت وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔"

اس پروگرام کو چلانے کے لئے کس طرح کے نظام پر عمل ہوتا ہے، اس کا جواب بھی کتاب کے مصنفوں ہی کی زبان سے سنئے:

"انتظام اور مالیات کے نقطۂ نظر سے دیکھئے تو یہ کام امریکہ کے محکمۂ زراعت، ریاستوں کے اگریکلچرل کالجوں ضلعے کی حکومتوں اور بعض ریاستوں میں کسانوں کی انجمنوں کا ایک مشترک پروگرام ہے۔"

اسکیم کے لئے مختلف قسم کے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں جن میں زیادہ اہم اور رائج طریقے یہ ہیں:

۱۔ خبروں کی فراہمی ۲۔ گشتی چٹھیاں ۳۔ عام جلسے اور سبھائیں ۴۔ دفتر میں ملاقاتیں ۵۔ خبرناموں اور پرچوں کی اشاعت ۶۔ کھیتوں اور گھروں کا گشت ۷۔ لیڈر تیار کرنے کی غرض سے جلسے ۸۔ مظاہرے ۹۔ خط و کتابت کے ذریعے تعلیم ۱۰۔ ٹیلیفون پر بات چیت ۱۱۔ ایکس ٹنشن کے فن کے اسکول ۱۲۔ نمائشیں۔

کسانوں کی انجمنیں

کتاب کا یہ باب جس کا عنوان ہے "فارم آرگنائیزیشن" ہے خاص طور پر ہمارے گرام سیوکوں، زراعتی ماہروں اور سوشل ایجوکیشن آرگنائیزروں کے لئے بہت کار آمد ثابت ہوگا۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ ایگریکلچرل ایکس ٹنشن کے علاوہ خود کسانوں کی چند انجمنیں ہیں جو کسانوں کی زندگی میں خوشحالی اور لطف و مسرت پیدا کرنے کے لئے کام کرتی ہیں۔ انجمنیں زیادہ تر رضا کار جماعتیں ہیں جنھیں حکومت ہر طرح سے سہارا دیتی ہے۔ ان انجمنوں میں خصوصیت کے ساتھ قابلِ ذکر "گرانج" (THE GRANGE) ہے جس کے معنی 'باڑی' کے ہوتے ہیں یعنی کسان کا مکان جو کھیتوں کے بیچوں بیچ واقع ہو۔

گرانج ایک طرح سے کسانوں کی انجمن ہے جس کی ابتدا پریسیڈنٹ جانسن کے زمانے میں تعمیر و ترقی کے ایک جانکار اولیور کیلے نے اپنی بیوی کے ایک طنزیہ فقرے سے متاثر ہو کر کی تھی۔ اُسے پریسیڈنٹ جانسن نے جنوبی علاقے میں دیہات سُدھار کے کام کے لئے بھیجا تھا۔ وہ واپس آیا تو بہت مایوس تھا اور اپنی بیوی سے کہا "امریکہ کا کسان کسی کی بات نہیں سُنے گا۔ اس کی شامت آگئی ہے اور اس سے وہ اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا۔" اس مایوسانہ کیفیت ذہنی کو سُن کر اس کی بیوی نے کہا "مگر میرے چچا کی وصیت تو یہ ہے کہ محنتی اور تن دہی سے کام کرنے والا شخص بادشاہوں کے سامنے بھی گردن اونچی کر کے کھڑا ہو سکتا ہے۔"

اس بات کو سُن کر اولیور کیلے اور اُس کے ساتھیوں نے نئے جوش سے کام شروع کیا۔ انھوں نے اپنے تجربوں کی بنیاد پر یہ سوچنا شروع کیا کہ خود کسانوں کی ایک کلیان کاری سنستھا بنانی چاہیئے جس میں اپنی مدد آپ کے اصول پر زور ہو اور جس کا پہلا فرض کسانوں کی پست ہمتی کو دور کر کے ان کے اندر نئی زندگی کی گرمی پیدا کرنا ہو۔ اس خیال کو لے کر پہلا "گرانج" واشنگٹن میں قائم ہوا۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ یہ تحریک پھیلی اور وہ منزل بھی آگئی جب ان مقامی گرانجوں کے ریاستی اور قومی وفاق منظم ہو گئے اور آج کسانوں کی زندگی میں ان کو اتنا دخل ہے کہ اس تحریک کو وہ "آرڈر" (مذہبی فرقہ) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

۱۹۲۱ء میں نیشنل گرانج (تحریک کی کُل امریکی تنظیم) کے سالانہ جلسے میں جو رپورٹ پیش کی گئی تھی اُس کے مطابق . . . وہ مقامی گرانجوں کے فیس رکنیت چکا دینے والے ممبروں کی تعداد ۸ لاکھ ۵۶ ہزار تھی۔ گرانج تحریک پورے ملک کے تین چوتھائی حصے میں پھیلی ہوئی ہے اور تین ہزار

مقامی گرانجوں کے پاس گرانج ہال موجود ہیں جہاں ان کے جلسے اور دوسری سرگرمیاں منعقد ہوتی ہیں۔

گرانج کے قیام و استحکام کے لئے مقامی گرانجوں میں ایک اچھی طرح سوچے سمجھے ہوئے اور رنگا رنگ پروگرام کا چلتا رہنا شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان پروگراموں کی حیثیت اسی قدر تعلیمی اور سماجی ہوتی ہے جس قدر اقتصادی ان پروگراموں کا اثر اتنا زبردست ہے کہ ملک کی قانون ساز جماعتیں بھی اُن سے متاثر ہوتی ہیں، چنانچہ کتاب کے مصنفوں کا بیان ہے کہ "دلچسپیوں کی عملی خدمت جس حد تک ان گرانجوں نے کی ہے، اتنی کسی دیہی جماعت یا سنستھا سے نہیں ہو سکی ہے"۔

گرانج میں لکچر کی بنیادی اور اولین حیثیت ہے یہاں تک کہ جب لکچر کا وقت آتا ہے تو اس کی طرف لوگ اسی جوش اور عقیدت کے ساتھ لپکے ہوئے جاتے ہیں جیسے جمعے کی نماز یا اتوار کی سروس میں شرکت کی غرض سے لوگ لپکتے ہیں۔ لیکچر کے وقت کا "دولہا" لیکچرر ہوتا ہے جسے اسی مقصد کے لئے ٹریننگ ملی ہوتی ہے۔ وہی بحث و مباحثے اور بات چیت کو چلاتا ہے اور صرف لیکچر یا بات چیت ہی تک پروگرام کو محدود نہیں رکھتا بلکہ اس خشک زمین میں ہریالی کی کیفیت پیدا کرنے کے لئے ادبی، تہذیبی اور تفریحی چیزیں بھی پیش کرتا ہے۔ گرانج کے لیڈروں کا بیان ہے کہ "ان کے مقامی گرانج بجھ کر رہ جائیں اگر لیکچر ٹائم کا پروگرام دلچسپ اور مسرت خیز نہ ہو"۔ زیر بحث موضوع کے علاوہ لیکچر ٹائم میں موسیقی، مختصر ڈرامے اور افسانہ خوانی پر خاص طور پر زور دیا جاتا ہے اور وقتاً فوقتاً چھوٹے پیمانے کی نمائشیں بھی لگائی جاتی ہیں۔

پروگرام کے علاوہ گرانجوں کے لئے نیشنل اور اسٹیٹ گرانج کی طرف سے کتب خانے کی سروس بھی بہم پہنچائی جاتی ہے۔ کتب خانوں کی فہرست میں عموماً مطالعۂ فطرت، صحت، مکان سازی، شعر و شاعری، سوانح حیات، ناول اور افسانہ اور پرورش اطفال کے مضمونوں پر کتابیں ہوتی ہیں۔

نیشنل گرانج کی طرف سے ایک ماہوار پرچہ "نیشنل گرانج منتھلی" کے نام سے شائع ہوتا ہے جس میں ہر مہینے ایک گوشہ مقامی گرانجوں کے لیکچراروں کی رہنمائی کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ اس پرچے کے علاوہ یہ مرکزی ادارہ ہر سال انہی لیکچراروں کے مطالعے کے لئے ایک ہینڈ بک بھی شائع کرتا ہے۔ اس لٹریچر کے علاوہ نیشنل اور اسٹیٹ گرانجوں کے اہتمام میں علاقائی کانفرنسیں بھی ہوتی ہیں جو عام ممبروں اور مقامی لیکچراروں کے لئے ٹریننگ کیمپ کا حکم رکھتی ہیں۔

گرانج کے علاوہ کسانوں کی چند اور انجمنیں مثلاً فارم بیوریو اور ہوم بیوریو بھی ہیں جو کاونٹی ایکس ٹنشن ایجنٹ اور ہوم اکنامکس ایجنٹ کے ساتھ تعاون اور اشتراک کرتی ہیں۔

کمیونٹی آرگنائیزیشن

کمیونٹی آرگنائیزیشن سوشل ورک کی تکنیک کا ایک اہم حصہ ہے اور آج کل کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے حلقوں میں اس کا چرچا ہے۔

لیکن اس کے باوجود سچی بات یہ ہے کہ ایگریکلچرل ایکسٹینشن ہی کی طرح اس اصطلاح کو بھی اچھی طرح بہت کم لوگ سمجھتے ہیں۔ کیمونٹی ڈیولپمنٹ میں سوشل ایجوکیشن آرگنائیزر کے عہدے کو بدل کر اس کا نام کیمونٹی آرگنائیزر رکھنے کی تحریک چل رہی ہے۔ ان حالات میں زیر نظر کتاب کا یہ باب مطالعے کا بڑا دلچسپ اور وقت کے حسب حال موضوع ہوگا۔ اس کے مطالعے سے کیمونٹی ڈیولپمنٹ کے کارکنوں کو کیمونٹی آرگنائیزیشن کی تعریف اور اس کے مطابق کام کرنے کی عملی شکل سمجھنے میں بہت مدد مل سکتی ہے۔

کتاب میں کیمونٹی آرگنائیزیشن کے لفظ کے ساتھ ساتھ کیمونٹی اسٹڈی (بستی کا مطالعہ) کا لفظ بھی آیا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کیمونٹی آرگنائیزیشن بعد کا کام ہے، اس سے پہلے کیمونٹی اسٹڈی کی ضرورت ہوتی ہے چنانچہ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ کیمونٹی آرگنائیزیشن کے مقصد میں اسی حد تک کامیابی ہوگی جس حد تک کیمونٹی اسٹڈی میں کامیابی ہوگی۔

کیمونٹی اسٹڈی کو ضروری اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ بقول پروفیسر جے۔ ایچ۔ کولب "سیکھنے اور سمجھنے کا عمل اُن چیزوں سے شروع ہوتا ہے جو پہلے سے معلوم ہوں، اپنی پہنچ کے اندر ہوں، جانی بوجھی ہوئی ہوں اور تجربے میں آ چکی ہوں پھر جو باتیں آپ خود اپنی تلاش و جستجو سے حاصل کریں ان سے ان باتوں کے مقابلے میں جو دوسروں نے آپ کو بتادی ہوں، زیادہ اپنائیت اور وابستگی ہو جاتی ہے اور اُن کی بنیاد پر کام کرنے کے لئے انسان نسبتاً جلد تیار ہو جاتا ہے۔" یہی وجہ ہے کہ کیمونٹی آرگنائیزیشن اور کیمونٹی اسٹڈی دونوں میں جتنا کچھ کام ہوتا ہے، وہ سب کا سب کیمونٹی (بستی) کے ممبروں ہی کے سپرد کیا جاتا ہے۔

کیمونٹی آرگنائیزیشن کے ماتحت جس نوعیت کا کام ہوتا ہے یا کم سے کم جس نوعیت کے کام کے اس باب میں نمونے دیئے گئے ہیں، اُن سے ایسا اندازہ ہوتا ہے کہ اس تکنیک کے مطابق جو کام ہوتا ہے وہ ہنگامی اور اصلاحی نوعیت کا ہوتا ہے یعنی اسٹڈی کی بنیاد پر بستی کو کوئی ضرورت محسوس ہوتی ہے تو وہ اس کو پورا کرنے کی غرض سے منظم ہو جاتی ہے اور خوب منظم ہوتی ہے۔ اگر میرا یہ اندازہ صحیح ہے تو اس کے مقابلے میں انگلینڈ کے کیمونٹی ایسوسی ایشن اور کیمونٹی سینٹر کا تصور زیادہ جامع اور سائنٹفک ہے، اس لئے کہ کیمونٹی ایسوسی ایشن اور کیمونٹی سینٹر انسان کو سماجی نقطۂ نظر سے ہمیشہ اور ہر وقت ضرورت مند تسلیم کر کے قائم ہوتے ہیں اور کیمونٹی آرگنائیزیشن کے ماتحت جو تنظیم ہوتی ہے وہ بستی کی جس ضرورت کو پورا کرنے کے لئے عمل میں آئی تھی، اس کے پورے ہو جانے کے بعد ختم بھی ہو سکتی ہے۔

کتاب کا تیسرا حصہ دیہی تعلیم بالغان کی تحریک کے سامنے جو مسائل درپیش ہیں اُن سے متعلق ہے اگرچہ اُن میں سے بہت سے مسائل ہمارے ملک کے مسائل سے ملتے جلتے ہیں، پھر بھی اُن کے مطالعے سے ہمیں کوئی خاص رہنمائی نہیں مل سکتی۔ آخری باب میں کتاب کے مصنفوں نے دیہی تعلیم بالغان کے لئے اپنے خیال کے مطابق پروگرام کا ایک خاکہ پیش کیا ہے۔ کتاب سنہ ۱۹۳۳ء میں میکملن کمپنی نیویارک کی طرف سے شائع ہوئی تھی۔ یہ نہیں معلوم کہ اب بھی ملتی ہے یا نایاب ہے اسے حاصل کرنا مقصود ہو تو امریکن لائبریری سروس 117 W. 48th New York 36 N.Y. کے توسط سے منگوانے میں آسانی رہے گی۔ ہو سکتا ہے ہندوستان میں یونیورسٹیوں کے کتب خانوں میں اس کی ایک سے زیادہ کاپیاں موجود ہوں۔

سوشل ایجوکیشن کا نیشنل سیمنار

اور

اڈلٹ ایجوکیشن کی ۱۷ویں کانفرنس

سوشل ایجوکیشن کا اگلا نیشنل سیمنار جو ۲۶ر اکتوبر سے ۳۰ر اکتوبر تک ریاست گجرات میں جام نگر کے پاس علیہ واڑہ کے مقام پر ہونا طے پایا ہے' اس کے افتتاح کے لئے گجرات کے گورنر عالیجناب نواب مہدی نواز جنگ نے منظوری دے دی ہے۔ سیمنار کا موضوع بحث "سوشل ایجوکیشن میں کمیونٹی آرگنائزیشن" ہے۔

اُسی مقام پر اڈلٹ ایجوکیشن کی ۱۷ویں سالانہ کانفرنس پہلی اور دوسری نومبر کو ہونا طے پائی ہے۔ کانفرنس کی صدارت کے لئے ریاست گجرات کے وزیر خاص ڈاکٹر جیوراج مہتہ نے منظوری دیدی ہے۔

دوسری نومبر سنہ کو ایک بزم مقالات منعقد ہوگی جس کا موضوع بحث ہوگا "پنچایتوں کی ترقی میں سوشل ایجوکیشن کی اہمیت"۔ جو حضرات بزم مقالات میں حصہ لینا چاہیں اُن سے درخواست ہے کہ وہ اپنے مقالات ۱۵ر اکتوبر تک انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری 17.B اندر پرستھ مارگ نئی دہلی کے پتے پر عنایت فرمادیں۔

سیمنار اور کانفرنس میں شرکت کرنے والے نمائندوں کے لئے ریلوے نے رعایتی ٹکٹ جاری کرنے کی منظوری دیدی ہے۔

جمہوری لامرکزی تنظیم میں ویلفیر بورڈ کے پراجیکٹوں کی نئی تنظیم

سنٹرل سوشل ویلفیر بورڈ کی ایک دو روزہ میٹنگ ۲۵ر اور ۲۶ر جون سنہ کو نئی دہلی میں ہوئی جس میں جمہوری لامرکزی تنظیم کے ماتحت کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام کے ساتھ ویلفیر ایکس ٹنشن پراجیکٹ کے کاموں کی نئی تنظیم پر غور کیا گیا۔

جن ریاستوں میں پنچایت سمتیوں کو ڈیولپمنٹ کے سارے پروگرام سونپ دینے کا قانون پاس ہو چکا ہے' ان ریاستوں میں ویلفیر ایکسٹنشن پروجیکٹ کے کاموں کے بارے میں بورڈ نے فیصلہ کیا کہ موجودہ پروجیکٹس کا کام ان علاقوں میں ویلفیر بورڈ کے ماتحت اس وقت تک بدستور جاری رہے گا جب تک کہ عورتوں کی کوئی ایسی رضا کار اور آزاد جماعت وجود میں نہیں آجاتی ہے جو ان کاموں کو اپنی نگرانی میں سرانجام دے سکے۔

کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے مقاصد

چنڈی گڑھ میں سیمنار

کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے موضوع پر چنڈی گڑھ (پنجاب) میں ۲۵ رسے ۳۰ رجولائی تک ایک سیمنار منعقد ہوگا۔ زیر بحث موضوع میں کمیونٹی ڈیولپمنٹ کا پروگرام اور مختلف سطحوں پر اس کی تنظیم' قومی' ریاستی' ضلع اور بلاک کی سطحوں پر کمیونٹی ڈیولپمنٹ کا دائرہ عمل اور اس کی ضروریات اور کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام میں عوام' ان کے نمائندوں اور نمائندہ جماعتوں جیسے پنچایت کوآپریٹیو اور اسکولوں کا منصب اور کام۔

یہ سیمنار جو پنجاب میں اپنے ڈھنگ کا پہلا سیمنار ہوگا، بلونت رائے مہتہ کمیٹی کی جمہوری لامرکزی تنظیم کی سفارشات پر مبنی ہوگا۔

اس سیمنار میں شرکت کے لئے جن لوگوں کو مدعو کیا گیا ہے' ان میں پنجاب کے پارلیامنٹ کے ممبران' ودھان سبھا اور کونسل کے ممبر، غیر سرکاری اداروں کے نمائندے اور کمیونٹی ڈیولپمنٹ سے متعلق حکومت پنجاب کے افسران شامل ہیں۔

مزدور نیتاؤں کی ٹریننگ

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن نے مزدوروں کی تعلیم کے لئے مقامی رہنماؤں کی ٹریننگ کی آزمائشی اسکیم کے تحت ایک کورس شروع کرنے جا رہی ہے۔ تین مہینے کا یہ کورس اس سال نومبر کے دوسرے ہفتے میں شروع ہوگا۔ یہ ٹریننگ سیمنار، مباحثوں، اور عملی مظاہروں کے ذریعہ دی جائے گی۔

یہ اسکیم مزدوروں کی تعلیم کے اداروں کے بین الاقوامی وفاق (انٹرنیشنل فیڈریشن آف ورکرز ایجوکیشنل ایسوسی ایشن) اور یونیسکو کے تعاون سے شروع کی جا رہی ہے۔

دہلی میں سوشل ایجوکیشن کی گرمائی مہم

دہلی ڈائرکٹریٹ کے محکمۂ تعلیمات نے ہائر سکنڈری اسکولوں کے ۱۳۰ لڑکوں کے جوش عمل سے فائدہ اٹھا کر سوشل ایجوکیشن کے پروگراموں

میں لوگوں کی دلچسپی پیدا کرنے کی غرض سے گرمیوں کی چھٹیوں میں ۶ ہفتے کی ایک مہم چلائی۔ یہ مہم خواندگی کی مہموں سے مختلف ہے، جس کا مقصد ہے لوگوں میں لکھنے پڑھنے اور نئی نئی باتیں معلوم کرنے کا شوق پیدا کرنا۔

اسکول کے ان لڑکوں کو جنہیں اپنے اپنے گاؤں میں جاکر یہ مہم چلانی تھی اس مقصد کے لئے تین دن کی ٹریننگ دی گئی اور انھیں کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور مذہبیات اور دوسرے مفید اور دلچسپ موضوع پر کتابیں فراہم کی گئیں۔

یہ لڑکے روزانہ صبح پربھات پھیریاں کرتے اور گاؤں میں صفائی کی مہمیں چلاتے، چھوٹے چھوٹے حلقوں میں بیٹھ کر کتابیں پڑھ کر سناتے اور پھر ان پر بحثیں کرتے۔ شام کو کھیل کود اور ریڈیو سننے کا پروگرام چلتا۔

یہ مہم اس سال ملی پور اور شاہدرہ بلاک تک ہی محدود رکھی گئی۔

لٹریسی ہاؤس لکھنؤ کی طرف سے خواندگی کی کلاسوں کو ایک عطیہ

دیہی اور شہری علاقوں سے ناخواندگی کے بدنما داغ کو مٹانے کے لئے لٹریسی ہاؤس لکھنؤ اور کیئر نے مل کر ایک خواندگی بیگ تیار کیا ہے۔ یہ تھیلے خواندگی کا کام کرنے والے غیر سرکاری اور سرکاری اداروں کو تحفۃً پیش کئے جاتے ہیں۔ گذشتہ اٹھارہ مہینوں میں ۵۲۳ تھیلے ہندی علاقوں میں تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ اِس جولائی سے دسمبر تک ۵۰۰ خواندگی کے بیگ تقسیم کرنے کا پروگرام بنایا گیا ہے۔

ان تھیلوں میں پرائمر، سلیٹیں اور لکھنے پڑھنے کے دوسرے سامان ہوتے ہیں، مزید معلومات لٹریسی ہاؤس لکھنؤ کے کیئر کٹ کے انچارج کے پتے سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

امید کی موت —— بقیہ ص۱۸ کا

"اب کیا ہوگا لاکھو! یہ تو بڑا دھوکہ ہوا۔ بھائی جی تو کہتے تھے ڈاکٹر فیس نہیں لے گا!" لاکھن مجبور تھا۔

"میری مانو تو کہوں" لکھراجی نے لڑکھڑاتی آواز میں کہا "ستے پڑنے پر سبھی کچھ کرنا پڑتا ہے سوامی! رام سہائے کے پاس جاؤ، اور چاہے وہ دُگنے سود پر دے۔ دس روپے لے آؤ۔"

"وہ مجھ سے ستری کانت کاکا کے کارن جلا بیٹھا ہے دے گا نہیں، پر جاتا ہوں" لاکھن نے لکھراجی کی رائے مان لی۔

لاکھن لاٹھی لے کر گھر سے سو ہی دو سو قدم گیا ہوگا کہ لکھراجی کے چیخنے کی آواز آئی۔

"ارے اب تجھے کیا ہوگیا لاکھو!" لاکھن دور ہی سے چلّایا اور الٹے پاؤں گھر واپس آگیا۔ بھینس مری پڑی تھی اور لکھراجی بے ہوش ۔۔۔

تعلیم و ترقی کے مضامین

پانچواں سال سنہ ۱۹۵۴ء

جنوری سنہ ۱۹۵۴ء

اشارات

چوتھا نیشنل سیمنار

اصول اور طریقے

ڈراما۔ سوشل ایجوکیشن کا ایک موثر ذریعہ (دوسری قسط)

سری واستوا

تفریح:۔ جمہوری زندگی کی تربیت کا بہترین ذریعہ ۔ پروفیسر مجیب

تجربات

دیہی یونیورسٹی: ملٹی پرپز سوشیو میک ہائی اسکول (دوسری قسط)

شالگ رام تیھک

بستی کا ایک مرکز — حسین احمد قیصر

والدین کے لئے

بچوں کے ذہنی میلانات

شفیق الرحمٰن صاحب قدوائی مرحوم

شفیق صاحب اور انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن

آر۔ کے بلبیر

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کی ٹریننگ ۔ چوتھے سیمنار کی

سفارشات (قسط دوم)

فروری سنہ ۵۴ء

اشارات

تفریحی پروگرام اور سوشل ایجوکیشن

اصول اور طریقے

سوشل ایجوکیشن — شمس الرحمان محسنی

نمونے

اٹاوہ پائلٹ پروجیکٹ

امریکہ کے دیہات اور ایکسٹنشن سروس

والدین کے لئے

والدین اور بچہ

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

چوتھے سیمنار کی سفارشات

آل انڈیا اڈلٹ ایجوکیشن کانفرنس

مارچ سنہ ۵۴ء

اشارات

سماجی تعلیم کے تین اہم عناصر

اصول اور طریقے

سوشل ایجوکیشن (دوسری قسط) شمس الرحمان محسنی

جھے کام میں امداد باہمی کی تحریک

نمونے

اناو، پائلٹ پروجیکٹ

والدین کے لئے

بچہ کی اہمیت

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

چوتھے سیمنار اور کانفرنس کی سفارشات

اپریل ۱۹۵۴ء

اشارات

اتر پردیش کی پنچائتیں

شفیق میموریل فنڈ

اصول اور طریقے

گرونڈوگ اور ڈنمارک کے فوک ہائی اسکول

شفیق صاحب کے ساتھ ادارہ تعلیم و ترقی میں دو سال۔ فراق

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

ہندی کا علاقائی سیمنار، میسور لٹریری ورکشاپ

ڈاکٹر پیٹر مانیکے دہلی میں

مئی ۱۹۵۴ء

اشارات

جنتا کی تعلیم، دو فوک ہائی اسکول

اصول اور طریقے

گرونڈوگ اور ڈنمارک کے فوک ہائی اسکول (دوسری قسط)

تاثرات

کمیونٹی پروجیکٹ کے چند علاقوں میں میرا گذر

ایس۔ وی کرشنا موتی راؤ

شفیق الرحمٰن قدوائی

انڈونیشیا کی چند ملاقاتیں

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن... تین مہینے کا ٹریننگ کورس

انڈین کانفرنس آف سوشل ورک... پنچسالہ پروگرام کی

انجام دہی میں غیر سرکاری سماج سیوا کی سنستھاؤں کا حصہ

نوسکھ بالغوں اور بچوں کے لئے کتابیں۔ حکومت ہند کی اسکیم

سالہا سال کی پرانی عداوت اور مقدمہ بازی ختم... جامعہ رورل

ڈیولپمنٹ بلاک میں ایک کام ڈاکٹر پیٹر مانیکے

شفیق میموریل فنڈ

جون ۱۹۵۴ء

اشارات

ریجنل سیمنار کی سفارشات

اصول اور طریقے

گرونڈوگ اور ڈنمارک کے فوک ہائی اسکول (قسط سوم)

سروے شری ڈاکٹر ٹی۔ اے۔ کوشی

نمونے

خضرآباد دہلی میں ڈھائی مہینے سید افضل حسین شاہ حسینی

گرام سیوک کے ساتھ ایک دن

سوشل ایجوکیشن کی تحریک: گوہاٹی کے ریجنل سیمنار کی سفارشات

جولائی ۵۴ء

اشارات

چند کام کی باتیں

اصول اور طریقے

ان سروس ٹریننگ اور سپرویژن — شمس الرحمٰن محسنی

بالغوں کی تعلیم اور اس کے بدلتے ہوئے تصورات — از کوبی ورز

نمونے

وکاس منڈل — مدھیہ پردیش کا ایک نیا تجربہ

"نوجوان بیوی" — کہانی

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

ویلفیر ایکس ٹنشن پروجیکٹس — دہلی اسٹیٹ میں سماجی تعلیم کی مہم

اگست ۵۴ء

اشارات

دہلی میونسپلٹی کا سوشل ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ اور موسیقی پروگرام

اصول اور طریقے

سوانگ — یا — دیہاتی ڈراما

گاؤں گاؤں میں منصوبہ بندی — شری ترلوک سنگھ

نمونے

یوپی میں اینٹوں کے بھٹوں کے کوآپریٹیو

سماجی تعلیم کا ایک تجربہ — ز محنت کا ہفتہ جو کشمیر کے اسکولوں میں ۱۹۳۹ء سے ۱۹۴۵ء تک ہر سال منایا گیا۔ خواجہ غلام السیدین

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

سماجی تعلیم دینے کا ایک نیا انداز — ٹریننگ کورس ختم

دہلی میونسپلٹی کی طرف سے پروگرام ایکس ٹنشن سروس کی پہلی سالانہ تقریب

ستمبر ۵۴ء

اشارات

ادارہ تعلیم و ترقی اور دیہات میں سماجی تعلیم کا کام

اصول اور طریقے

بستی کی خدمت کے طریقے

دیہات کی خوش حالی کا مسئلہ — شری جی رام چندرن ڈائرکٹر گاندھی گرام

نمونے

پروگرام ایکس ٹنشن سروس

بڑودہ اسکول آف سوشل ورک اور دیہات سدھار کا کام

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

یوپی میں کمیونٹی پروجیکٹس کی کامیابی

سماجی کام کے مرکزوں کے لئے ریڈیو سیٹ

ڈنمارک سے ایک خط

اکتوبر ۵۴ء

اصول اور طریقے

بستی کے لیڈروں کی ٹریننگ — یعقوب خان

دستکاریاں اور دیہات کی ترقی — رینی الگزینڈر

نمونے

بالک ماتا سینٹر — بیگم صدیقہ قدوائی

نئے چین میں امداد باہمی کا تجربہ

دیہی سماجی تعلیم کا پروجیکٹ

فنڈامنٹل ایجوکیشن دیہی تھیٹر کا تجربہ — الفریڈ وینڈ فنڈا گوٹیرز

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

ادارہ تعلیم و ترقی میں انڈونیشیا کے وزیر اعظم کی تشریف آوری

پنجاب میں سماجی تعلیم

دیہی تعلیم بالغان پر یونسکو سیمینار

سوشل ایجوکیشن کے ڈائرکٹروں کی کانفرنس

نومبر ۱۹۵۴ء

اشارات

بالغوں کی تعلیم — ایک منظم تحریک کی ضرورت

ادارے کا نیا نام : اوکھلا ویلفیر پروجیکٹ

جنتا کا بچوں کا ملک ڈنمارک

حکومت ہند کا ڈنمارک پروجیکٹ — برکت علی فراق

مدرسہ اور سماج کا تعلق : ڈاکٹر محمد اکرام خاں

سستے مکانات کی بین الاقوامی نمائش

خضر آباد رورل سنٹر کا حصہ — سید افضل حسین حسینی

مدھیہ پردیش میں خواندگی کا میلہ — دائی سرینڈ پال

جامعہ ملیہ کا تعلیمی میلہ — تماشائی

دسمبر ۱۹۵۴ء

اشارات

نیک شگون

ایک نئی راہ — ڈاکٹر ٹی۔ اے۔ کونسی

ہندوستان کا پانچواں مینشل سیمینار — شری نیکی رام گپتا

میسور نیشنل سیمینار کی سفارشات

والدین کے لئے

بچوں کی تعلیم و تربیت میں صحت مند ماحول کی اہمیت

جنتا کا بچوں کا ملک ڈنمارک

پندرہ دن ایک گاؤں میں — برکت علی فراق

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

حکومت مدراس کا ایک حوصلہ شکن قدم

آل انڈیا ایڈلٹ ایجوکیشن کانفرنس : پٹنہ میں گیارھواں اجلاس

تعلیم و ترقی

(سوشل ایجوکیشن کا رسالہ)

ادارۂ تعلیم و ترقی، جامعہ نگر، نئی دہلی

ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

اگست ۱۹۶۰ء

جلد: ۱۱ — شمارہ: ۸

بانی:- شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:- پروفیسر محمد مجیب
برکت علی فراق
رفیق محمد شاستری

دفتر:- ماہنامہ تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر۔ نئی دہلی

قیمت:- سالانہ چار روپے۔ فی پرچہ ۳۷ نئے پیسے

ٹیلیفون: ۷۲۶۲۳

پرنٹر پبلشر برکت علی فراق نے کوہ نور پریس لال کنواں دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا۔

اشارات

سوشل ایجوکیشن میں کمیونٹی آرگنائیزیشن کا درجہ

اِس سال کے اسپشل نمبر کا موضوع

سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کے نیشنل سیمنار کے موقعے پر اسپشل نمبر کی اشاعت تعلیم و ترقی کا معمول بن گئی ہے۔ اسپشل نمبر کے مضامین بہت بڑی مدتک نیشنل سیمنار ہی کے موضوعِ بحث سے متعلق ہوتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر معلوماتی مضامین ہوتے ہیں جن سے فائدہ اٹھا کر سیمنار کی بحثوں میں حصہ لینے والے نمائندے بھروسے اور اعتماد کے ساتھ اپنی رائے دے سکتے ہیں اور خاموش تماشائی کی حیثیت اختیار کرنے کے بجائے اس میں مستعدی سے حصّہ لے سکتے ہیں۔

بعض مضامین میں اڈیٹروں اور سوشل ایجوکیشن کی تحریک سے تعلق رکھنے والے تجربہ کار احباب سیمنار کے موضوع پر بحث کرتے اور رائے دیتے ہیں۔ اس سے یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس سوال کے بارے میں تحریک میں کام کرنے والے کارکن اور رہنما کس ڈھنگ پر سوچ رہے ہیں۔ اس طرح تعلیم و ترقی کے اسپشل نمبر دو حیثیتوں سے نیشنل سیمنار کی خدمت انجام دیتے ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے ذریعے موضوع کے بارے میں لوگوں کو مستند معلومات کا علم ہوجاتا ہے جو سیمناروں کے لئے بہت ضروری چیز ہے۔ دوسرے یہ کہ نمائندوں کو یہ پہلے سے معلوم ہوجاتا ہے کہ تحریک کے اہل رائے لوگوں کا اس موضوع کے بارے میں کیا خیال ہے اور ان کے اس طرح سوچنے کی کیا اور کتنی اہمیت ہے۔

اس لحاظ سے اگر یہ کہا جائے کہ تعلیم و ترقی کے اسپشل نمبر سوشل ایجوکیشن کی تحریک سے متعلق مختلف سوالوں کے بارے میں مفصل اور مستند معلومات کا ذخیرہ ہوتے ہیں اور ان کے مطالعہ سے اُس خاص سوال کے ہر پہلو کو اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے، تو یہ کہنا کوئی بہت بڑی بات نہ ہوگی۔

اس سال اکتوبر کے آخری ہفتے میں گیارھواں نیشنل سیمنار گجرات میں ہونے والا ہے۔ اِس سیمنار میں بحث کا موضوع یہ ہے کہ "سوشل ایجوکیشن کی تحریک میں کمیونٹی آرگنائیزیشن کی کیا جگہ ہے؟" ہر سال کے معمول کے مطابق یہی موضوع تعلیم و ترقی کے اس سال کے اسپشل نمبر کا بھی ہے اور ہماری کوشش ہے کہ یہ نمبر بھی حسبِ معمول اس موضوع کے بارے میں حوالے کی کتاب کا مرتبہ حاصل کر لے۔ اِس

ارادے اور مقصد کو سامنے رکھ کر ہم نے اسپیشل نمبر کی ترتیب کا ایک موٹا خاکہ یہ بنایا ہے:

۱۔ اشارات: سوشل ایجوکیشن اور کمیونٹی آرگنائزیشن ۔ چند غلط فہمیوں کی صفائی۔

۲۔ اصول اور طریقے

(۱) گجرات سیمنار کے عنواناتِ بحث کا خاکہ

(۲) کمیونٹی آرگنائزیشن: مفہوم کی وضاحت

(۳) کمیونٹی کاونسل: ڈاکٹر آرتھر مارگن کا نظریہ

(۴) انگلینڈ کے کمیونٹی سینٹر اور کمیونٹی آرگنائزیشن: اصول اور طریقۂ کار کا تقابلہ

۳۔ افکار و مسائل

ا۔ ہندوستان کے عوام کا مزاج اور کمیونٹی آرگنائزیشن کی تکنیک۔

ب۔ کمیونٹی آرگنائزر کی صفات

(۱) تحریک کے اہلِ رائے احباب کی رائیں۔

(۲) افسانہ یا ڈراما: کمیونٹی آرگنائزر ایک گاؤں میں

۴۔ کمیونٹی آرگنائزیشن میدان میں

(۱) باہر کے ملکوں کے چند تجربے۔

جیسا کہ اس خاکے سے معلوم ہوگا، ہماری کوشش یہ ہے کہ کمیونٹی آرگنائزیشن کا مقصد اور مفہوم پوری طرح سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کے سامنے آجائے۔ ہمارے خیال میں یہ اس لئے ضروری ہے کہ کمیونٹی آرگنائزیشن سوشل ورک کی ایک اصطلاح ہے اور سوشل ورک کا سائنٹفک علم، سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کو عام طور پر نہیں ہوتا یہی لاعلمی غالباً اُس افسوسناک اختلاف کی جڑ تھی جو کمیونٹی آرگنائزر اور سوشل ایجوکیشن کے حامیوں کے درمیان کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے اکھاڑے میں اٹھ کھڑا ہوا تھا اور جو اس وقت بھی کسی حد تک موجود ہے۔ ہو سکتا ہے ہماری اِس کوشش سے اس اختلاف کو دور کرنے میں کسی حد تک مدد ملے۔

اوپر جو خاکہ پیش کیا گیا ہے اُسے آخری نہیں سمجھنا چاہیے۔ نمبر کی اشاعت کی تاریخ ۳۰ اکتوبر مقرر کی گئی ہے۔ اس اعتبار سے ابھی بیچ میں ڈیڑھ دو مہینے کی مدت باقی ہے۔ ہمیں بہت خوشی ہوگی اور ہمارے اس مشن میں بڑی مدد ملے گی اگر تحریک میں کام کرنے والے ساتھی نمبر کو اور زیادہ مفید اور بامقصد بنانے کی غرض سے اپنے مشورے اور سجھاؤ ہمیں لکھ بھیجیں اور اُسی کے ساتھ یہ کوشش بھی کریں کہ اس سجھاؤ سے متعلق مضامین بھی خود لکھ دیں یا اپنے اثر سے کام لے کر کسی اہلِ رائے ساتھی یا بزرگ سے لکھوا دیں۔ لیکن اس فرمائش

کے ساتھ ایک درخواست یہ بھی ہے کہ صرف مشورہ اور تجاویز بھیجنا ہو یا اس کے ساتھ مضمون یا مختصر نوٹ بھی بھیجنا ہو، دونوں حالتوں میں اُن کا مراسلہ ہمارے پاس زیادہ سے زیادہ ستمبر کے دوسرے ہفتے تک پہنچ جانا چاہیئے ورنہ اسپیشل نمبر میں جگہ دینا ہمارے لئے ممکن نہیں ہوگا۔

نوٹ کر لیجئے

(۱)

اسپیشل نمبر عام طور پر معمولی پرچوں کے مقابلے میں تین گنی ضخامت کا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے بھی اس کی ترتیب و تالیف میں معمولی پرچوں کے مقابلے میں قدرتاً زیادہ محنت اور وقت لگ جاتا ہے۔ اس مجبوری کے پیشِ نظر اگلے مہینے یعنی ستمبر کا پرچہ ڈاک خانے کے قانون کو مطمئن کرنے کی غرض سے صرف آٹھ صفحے کا ہوگا جس میں زیادہ تر تحریک کی خبریں ہوں گی۔ اس کے بعد اسپیشل نمبر آپ کی خدمت میں ۱۵ سے ۲۰ اکتوبر کو بھیجا جائے گا۔ یہ آٹھ صفحے کا بلیٹن نما پرچہ پہنچنے سے کسی ساتھی کو یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ ستمبر کا پرچہ شائع نہیں ہوا یا بھیجا نہیں گیا۔

(۲)

اسپیشل نمبر عام طور پر معمولی پرچوں کے مقابلے میں تین گُنی قیمت کا ہوتا ہے اور اگر کوئی اُسے الگ سے خریدنا چاہے تو اُسے وہی قیمت ادا کرنی پڑے گی۔ لیکن اس خیال سے کہ یہ پرچہ زیادہ سے زیادہ تعداد میں تحریک کے کارکنوں کے ہاتھ میں پہنچے، ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اگر کوئی قدیم یا نیا ساتھی پرچے کا خریدار اکتوبر ۱۹۶۰ء سے بنے گا تو اُسے یہ اسپیشل نمبر بھی پرچے کی سالانہ قیمت ہی میں بھیج دیا جائے گا۔ بہت سے پُرانے ساتھی اپنی معروفیت کی وجہ سے اپنی خریداری کی تجدید نہیں کرا سکے ہوں گے۔ اور اُن کا پرچہ بند ہو گیا ہوگا۔ انہیں اس موقعے سے فائدہ اٹھانا چاہیئے اور اپنی خریداری کی تجدید کا خط جلد از جلد بھیج دینا چاہیئے۔

کیا کیجئے: کیا نہ کیجئے
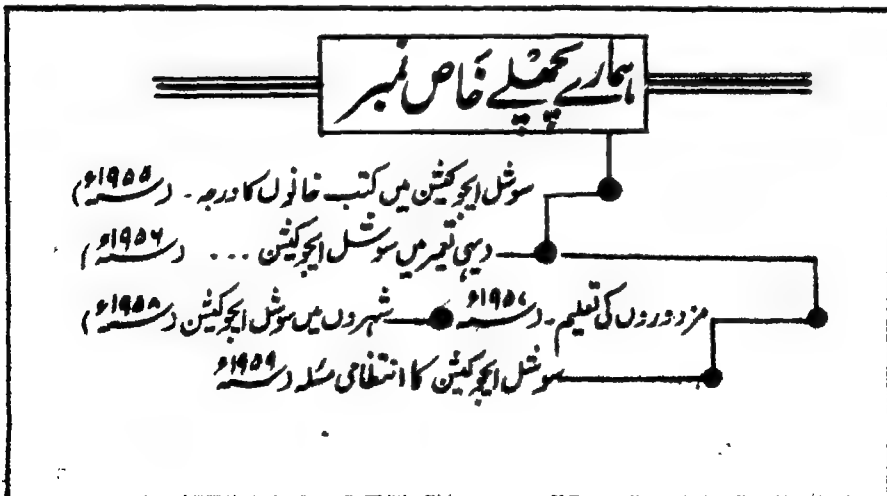
ڈیولپمنٹ کے کام میں کچھ تجربے کی باتیں

اڈاوہ پائلٹ پروجیکٹ کے تجربے میں شری بھاتہ سنگھ کی بڑی نمایا حیثیت تھی۔ پروجیکٹ کی کہانی میں جو "پائلٹ پروجیکٹ انڈیا" کے نام سے انگریزی میں چھپی ہے، شری بھاتہ سنگھ نے اپنا ایک تجربہ بیان کیا ہے جسے کچھ مختصر کرکے ہم یہاں شائع کر رہے ہیں۔ ہمیں امید ہے کہ ناظرین خصوصاً کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے ساتھی اس تجربے سے فائدہ اٹھائیں گے ——— ایڈیٹر

ہم ایک عرصے سے کچھ ایسا محسوس کر رہے تھے کہ کھیرا کے علاقے میں ہمارے پروگرام سے متعلق لوگوں کا جوش ٹھنڈا ہوتا جا رہا ہے اس لئے گروپوں پر کام کرنے والے کارکنوں کی ایک بیٹھک میں یہ طے کیا گیا کہ چھوٹے چھوٹے جلسے کرکے لوگوں کے دلوں سے شکوک وشبہات کو دور کرنا چاہیئے۔ اِنھی جلسوں سے ہمیں اپنے کام کی خرابیوں کا بھی علم ہوگا جس سے ہمیں اپنی اصلاح کا موقع ملے گا۔

میں یہاں کام کے چند نقائص کا ذکر کروں گا اور اُن سے متعلق اپنے سجھاؤ بھی پیش کروں گا۔

ا۔ میں نے دیکھا کہ ولیج لیول ورکروں کے واسطے سے ہمارا کام کرنے کا طریقہ کارگر ثابت نہیں ہوتا۔ یہ ویلیج لیول ورکر اکثر اوقات متوسط یا اعلیٰ طبقے کے لوگوں ہی سے ربط ضبط رکھتے ہیں اور اُنھیں تک اپنے کام کو محدود رکھتے ہیں۔ اُنھی سے وہ گاؤں کی ضرورتوں کا گوشوارہ بنواتے ہیں، ساز وسامان اور آلات وا وزار بھی اُنھی کے یہاں رکھتے ہیں اور اُنھی تک اپنے کام کو محدود رکھتے ہیں۔ حالانکہ متوسط اور اونچے طبقے کی آبادی دیہی آبادی کا کل ۲۰ فی صدی ہوتی ہے۔ یہ کارکن نہ عوام کے جلسے کرتے ہیں اور نہ گاؤں کے عام لوگوں کو اپنے کام سے واقف کراتے ہیں۔ پنچایتوں کی وقتاً فوقتاً کچھ بیٹھکیں ضرور کرائی جاتی ہیں، مگر ان بیٹھکوں میں گاؤں کے سب لوگ جمع نہیں ہوتے۔

اب حالات کا جائزہ لینے کے بعد یہ طے کیا گیا ہے کہ ویلیج لیول ورکروں کے لئے یہ مقرر کر دیا جائے کہ وہ اپنے اپنے گاؤں میں فلاں فلاں تاریخوں میں لوگوں کے جلسے بلائیں، ان جلسوں میں بھجن، کیرتن اور ستسنگیت کے ذریعے زیادہ سے زیادہ لوگوں کو جمع کریں اور لوگوں کو اگلے پندرہ دنوں کا کام سمجھا دیا کریں۔ اس مقررہ پروگرام کے ساتھ پھر اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ اس کی سختی سے نگرانی کی جائے اور گرد پوں میں کام کرنے والے کارکنوں کے کام سے اس کو ملایا جائے ورنہ اس کا بھی کچھ نتیجہ نہیں نکلے گا۔

۲۔ بعد ساں، کھتورا اور سرائے الہی کے لوگوں نے شکایت کی تھی کہ کوئی ان کی دشواریوں پر کان نہیں دھرتا۔ انھیں اپنی مشکلوں کے لئے درجنوں افسروں کے پاس بھاگا بھاگا پھرنا پڑتا ہے۔ مگر نتیجہ کچھ نہیں نکلتا۔ یہ شکایت بجا تھی اور اس کی وجہ یہ تھی کہ کام کا علاقہ پھیل گیا تھا اور اس پھیلاؤ کی وجہ سے اسٹاف کو جس کی تعداد اب بھی وہی تھی جو پھیلاؤ سے پہلے تھی، کام زیادہ پھیل کر کرنا ہوتا تھا۔ ان گاؤں کے لوگوں کا کہنا تھا کہ وہ لوگ بات تک سنتے نہیں۔

میری رائے ہے کہ ہم سب لوگوں کو عوام کی دشواریاں سمجھنے کے لئے تیار رہنا چاہیئے اور ان کی طرف اُن ساتھیوں کی توجہ مبذول کرانی چاہیئے جن کا ان مسائل سے تعلق ہو۔ اگر کسی مسئلہ میں کسی افسر سے ملنے کی ضرورت ہو تو ہمیں اپنا فرض سمجھنا چاہیئے کہ اس افسر سے ملنے کے لئے ضرورت مند شخص کے ساتھ جائیں تاکہ اس کے دل میں یہ خیال نہ آنے پائے کہ اُسے ٹالا جا رہا ہے۔ ہمارے کام کا طریقہ جوابی ہونا چاہیئے یعنی جو بات سامنے آئے اس کے بارے میں ہاں یا نہیں جو بھی صورت ہو، فوراً عمل کیا جائے۔ انتظام میں ایک کے اوپر ایک افسروں کی تہیں کم سے کم ہونی چاہئیں کیونکہ اس سے لوگ الجھن میں پڑ جاتے ہیں۔

۳۔ نیواری، بہرا، بعد ساں، اکاری بیر پور اور انیہہ پور کے کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ ہم لوگوں کو جو ڈیولپمنٹ کے کام کے لئے مقرر کئے گئے ہیں، بڑی بڑی تنخواہیں ملتی ہیں اور ہماری تعداد بہت بڑی ہے۔ ان کو اندیشہ تھا کہ یہ سارا خرچ ڈیولپمنٹ ٹیکس کی شکل میں انہی سے وصول کیا جائے گا۔

یہ بہت بُرا ہوا کہ اس ٹیکس کا نام ڈیولپمنٹ ٹیکس رکھدیا گیا جس سے ڈیولپمنٹ کے علاقے کے لوگ الجھن اور اندیشے میں پڑ گئے۔ ہم نے جو اصل بات تھی، اس کو بائیسوں گاؤں میں خوب سمجھا سمجھا کر بیان کیا مگر اس کے باوجود اس بارے میں ابھی اور زیادہ سمجھانے بجھانے کی ضرورت ہے۔ اُن کی بیٹھکوں میں جو بات چیت اور چرچے ہوئے، اُن سے کچھ لوگ تو بہرحال قائل ہو گئے۔ لیکن اگر اس ٹیکس کی تفصیلی باتیں ہمیں پہلے سے بتا دی گئی ہوتیں تو اُن کے بارے میں لوگوں کے ذہن اور زیادہ صاف ہو سکتے تھے۔

۴۔ پروجیکٹ میں کام کرنے والے افسروں اور ویلیج لیول ورکروں کو چاہیئے کہ اپنے رہن سہن اور پہناوے میں سادگی برتیں۔ دراصل سادگی اور انکساری ہمارے کام کی بنیاد ہونی چاہیئے۔ مثال کے طور پر ہیٹ کو لیجئے۔ اگرچہ اس سے بڑا آرام رہتا ہے۔ مگر اس کے باوجود ہیٹ ہمارے گاؤں کے طرز زندگی کے مناسب حال چیز نہیں ہے۔ ہم جو بھانوں کے ساتھ موٹر گاڑیوں میں

بیٹھ کر نکلتے ہیں۔ یہ بھی لوگوں کو پسند نہیں ہے۔ میرا خیال ہے کہ جس زمانے میں ہم مہمانوں کے بغیر موٹر گاڑیوں میں بیٹھ کر کسانوں سے ملنے جلنے جاتے تھے اُس وقت ہماری یہ ادا اُن کو اتنی ناپسند نہیں تھی اِس لئے کہ اُس وقت ہم اس طرح پہنچکر ان کی مشکلیں آسان کرتے تھے اور ان کی مدد ہو جاتی تھی۔ مہمانوں کو لے جا کر پروجیکٹ دکھانے کا یہ ایک مسئلہ ہے جس کا حل ریاست کے ذمے دار لوگوں کو ڈھونڈھنا چاہیئے۔ مقامی ضرورتوں کے لئے موٹر گاڑیوں میں بیٹھ کر آنے جانے سے ہم لوگوں کو زیادہ سے زیادہ پرہیز کرنا چاہیئے۔

۵۔ ایتھہ پور، ہیرا اور چند دوسرے گاؤں کے لوگ سمجھتے تھے کہ جہاں تک قانونِ اراضی کا تعلق ہے، ہماری کوئی حیثیت نہیں ہے (یعنی اگر قانون میں کوئی خرابی ہے تو ہم اُسے دور نہیں کرا سکتے) اسی طرح ان کے نزدیک ہماری کوئی حیثیت اس لئے بھی نہیں تھی کہ ہمیں پنچایتوں اور اسی طرح کی دوسری سنستھاؤں کے بارے میں کسی قسم کا اختیار حاصل نہیں تھا۔

۶۔ موضع پتھیاں کے کچھ با اثر لوگوں کا خیال تھا کہ ویلیج لیول ورکروں کے دلوں میں اب فرق آگیا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ یہ ورکر بجائے کے ٹٹو ؤں کے جذبے کے ماتحت کام کرتے ہیں، ان میں اب وہ روح نہیں رہ گئی جو دھرم پرچار کے کارکنوں میں ہوتی ہے۔

مجھے بھی اس خیال سے اتفاق ہے۔ بات یہ ہے کہ آخری بار ویلیج لیول ورکروں کا انتخاب اچھا نہیں ہوا تھا۔ آیندہ جو انتخاب کیا جائے اس میں ہمیں بڑی احتیاط رکھنی چاہیئے اور اِس وقت جو ورکر کام کر رہے ہیں ان میں بھی نگرانی اور رہنمائی کے ذریعے نیا جوش پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔ "نگرانی اور رہنمائی" سے میری مراد سرسری قسم کے معائنے نہیں ہیں بلکہ ایسے معائنے جو پہلے سے سوچے سمجھے ہوئے ہوں اور ہر ویلیج لیول ورکر کے ساتھ کافی وقت صرف کرنے کی نیت سے کئے جائیں تاکہ کام کے بارے میں ان کی شخصی مشکلات کو سمجھ کر اُن کے جوش کو قائم رکھنے میں اُن کی مدد کی جا سکے۔ میری رائے ہے کہ ہر ایک اسسٹنٹ ڈیولپمنٹ کمشنر کو ہر پکھواڑے میں کم سے کم چھ دن اس طرح کے معائنوں کے لئے الگ کر لینا چاہیئے اور اُسے یہ چھ دن کم سے کم چار ویلیج لیول ورکروں کے ساتھ گذارنے چاہئیں۔ ان ورکروں کے ساتھ تفریحی اور سماجی تعلقات اور صحبتیں بھی رہنی چاہئیں۔ ان سے ان کا حوصلہ بند ھا رہتا ہے مگر یہ صحبتیں اس ڈھنگ پر ہونی چاہئیں کہ ان سے وہ لطف اندوز ہوں، یہ نہ سمجھیں کہ ان سے ان کی آزادی میں فرق آرہا ہے۔

۷۔ پروگرام کے غیر مادّی پہلوؤں پر اور زیادہ توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ غیر مادّی پہلوؤں سے میری مراد ایسے کاموں سے ہے جن کا پیداوار سے براہِ راست تعلق نہیں ہوتا جیسے جلوس نکالنا، پربھات پھیری منظم کرنا، عام جلسے منعقد کرنا، کھیل کود اور ورزشوں کے اکھاڑے قائم کرنا اور پرائمری اور جونیر ہائی اسکولوں کے بچوں کی سرگرمیاں منظم کرنا۔ اس طرح کے کام اگر علحدہ سے کئے جائیں تو ان سے ویلیج لیول ورکر کے اوپر سے کام کا بوجھ کچھ ہلکا ہو جائے گا جو افراد سے مل کر کام کرنے کی

شکل میں اس کے اوپر لدا رہتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ افراد سے مل کر کام کرنے کا طریقہ بہت ضروری اور اہم ہے مگر اسی کے ساتھ ٹولیوں کو اپنے ساتھ ملا کر کام کرنے کا طریقہ بھی کم ضروری نہیں ہے اور ان دونوں طریقوں کو ملا کر ایک نیا طریقہ نکالنا بے حد ضروری ہے۔

۸۔ بہت سے گاؤں میں لوگوں کا کہنا تھا کہ ہم لوگ اپنے وعدوں پر قائم نہیں رہتے، اور بہت سے وعدے ایسے کر لیتے ہیں جنھیں پورا کرنا ہمارے بس کا کام نہیں ہوتا۔ یہ شکایت ظاہراً طور پر بالکل صحیح ہے۔ ہم اس بات سے بے خبر نہیں تھے کہ ہمیں ایسے وعدے نہیں کرنے چاہئیں جو ہم سے پورے نہ ہو سکیں چنانچہ اس بات کو ہم اپنے اصول کے طور پر بیان کرتے رہے ہیں۔ مگر منتہا کی سیوا کے جوش میں، چیزوں کی بہم رسانی کا غلط اندازہ کر کے اور پروجیکٹ کے قاعدوں اور ضابطوں کا غلط مطلب نکال کر اس اصول کی خلاف ورزی ہوئی ہے۔ اس سے ہمارے اوپر سے عوام کا اعتبار اٹھ جاتا ہے۔ ہمیں وعدے کرنے کے معاملے میں بہت احتیاط سے کام لینا چاہیے اور اس وقت تک کوئی وعدہ نہ کرنا چاہیے جب تک وعدہ نبھانے کے موقعے پوری طرح ہمارے قبضے میں نہ آ جائیں۔ اور اگر کوئی وعدہ کر لیا جائے تو چاہے اس کی کتنی ہی قیمت ادا کرنی پڑے اُسے پورا کرنا اپنا مذہبی فرض سمجھنا چاہیے۔

۹۔ سرکاری محکموں کے درمیان تال میل نہ ہونے کی وجہ سے بعض اوقات ہمیں اپنی مرضی کے خلاف ایسے کام کرنے پڑتے ہیں جن کا وجود محض کاغذ پر ہوتا ہے۔ اس سے بعض اوقات بڑا نقصان ہوتا ہے۔ مثلاً محکمۂ زراعت نے اگر یہ حکم نکالا کہ اگر کوئی کام نہ ہوا ہو تو اس کی اطلاع کے ساتھ اس کی وجہ بھی نتھی کی جائے تو اس سے ہماری ساکھ کو بہت بڑا دھکا پہنچا۔ مثلاً کسی سبب سے کوئی کام نہیں ہوا تو رپورٹ دی گئی کہ کام نہیں ہوا۔ کام کے نہ ہونے کا سبب خود محکمے کے فائل میں پڑا ہوا ہے لیکن سبب نتھی نہ کرنے کی وجہ سے چونکہ کارروائی پوری نہیں ہوئی اس لئے محکمے کی طرف سے مطلوبہ منظوری نہیں آئی اور کسان کی امید مٹی میں مل گئی۔ ظاہر ہے اس سے ہماری ساکھ کو نقصان پہنچا تھا اور پہنچا۔ اب محکمے والے اپنی غلطی مان رہے ہیں لیکن ہماری ساکھ تو ختم ہو گئی! اور جب ساکھ ایک بار ختم ہو جائے تو پھر مدتوں قائم نہیں ہوتی۔ دراصل ہم لوگوں میں اُس کے ڈھنگ پر کام کرنے کا رجحان پیدا ہو چلا ہے جس سے ہمیں اپنے آپ کو بچانا چاہیے۔

دیہی صنعتوں کی کمی

دیہات کی ترقی کے سلسلے میں کام کے مختلف پہلوؤں پر تبصرہ کرتے ہوئے مصنف نے دیہی صنعتوں کی کمی پر خاص طور سے نکتہ چینی کی ہے اور اس کے بارے میں اپنے سجھاؤ پیش کئے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں:

منصوبہ بندی: مقاصد اور وسائل

ہندوستان میں منصوبہ بندی کا مقصد، جیسا کہ پہلے پنجسالہ پلان میں بتایا گیا تھا، قومی ترقی کی ایسی بنیادیں ڈالنا جن کے اثر سے معیارِ زندگی اونچا ہو اور لوگوں کے لئے ایسے مواقع پیدا کرنا ہے جن سے زندگی میں خوشحالی اور رنگارنگی پیدا ہو سکے۔ "معاشی منصوبہ بندی کو (مذکورہ بالا پلان کے مطابق) اس نظر سے دیکھا جانا چاہیئے کہ وہ ایک وسیع تر عمل کا ایک لازمی حصہ ہے، جس کا مقصد صرف وسائلِ دولت کو ترقی دینا نہیں ہے بلکہ انسانی صلاحیتوں کو اُبھارنا اور عوام کے اندر ایسے رسم و رواج اور عادات و خصائل کی تخلیق کرنا ہے جو اُن کے حوصلوں اور ضرورتوں کے مطابق ہوں۔

دوسرے پلان میں مقصد کی تشریح ایک قدم اور آگے بڑھ کر کی گئی ہے اور اس کے ذریعے "ملک میں اشتراکی رنگ و روپ کا سماج" قائم کرنے کا منصوبہ باندھا گیا" جس میں یہی نہیں کہ قومی آمدنی میں قابلِ قدر اضافہ ہوگا بلکہ لوگوں کی آمدنی اور دولت میں زیادہ سے زیادہ مساوات ہوگی۔"

اب تیسرے پلان کی آمد آمد ہے۔ اس پلان کا مسودہ تیار کرنے سے پہلے پچھلے دنوں طرح طرح کی رپورٹوں اور کانفرنسوں میں اس کے رنگ روپ کے بارے میں بات چیت اور بحث مباحثے ہوتے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ابھی پچھلے دنوں کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور کوآپریشن کے موضوع پر کانفرنس ہوئی تھی، وائس چانسلروں کی بیٹھک ہوئی تھی جس میں طالب علموں کے لئے قومی خدمت لازمی کرنے کی تجویز پر غور ہو رہا تھا۔ دیہاتی قرضے کے مسئلے پر ڈی۔ ایل۔ مہتہ کمیٹی کی رپورٹ آئی تھی۔ کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور این ای ایس سے متعلق پلان ای ویلوایشن آرگنائیزیشن (پلان کے ماتحت ہونے والے کاموں کا اندازہ کرنے والی کمیٹی) کی ساتویں رپورٹ شائع ہوئی تھی، اور اسی طرح کے دوسرے سجھاؤ، مشورے اور لٹریچر سامنے تھے۔ تیسرے پلان کا منصوبہ یہ ہے کہ سنہ ۶۶-۱۹۶۵ء تک قومی آمدنی کی میزان دگنی ہو جائے گی اور سنہ ۱۹۷۵ء کے آتے آتے فی کس آمدنی بھی دوچند ہو جائے گی۔ اس منصوبے سے یہ امید بھی باندھی گئی کہ سنہ ۵۰-۱۹۴۹ء کی پیداوار کو ۱۰۰ مان کر سنہ ۶۱-۱۹۶۰ء میں ملکی پیداوار کا جو اندازہ لگایا تھا یعنی ۱۷۵، وہ سنہ ۶-۱۹۶۵ء تک

۔۔۔ ہو جائے گا۔ یہ بڑے حوصلہ مندانہ منصوبے ہیں اور اگر حرف بحرف پورے ہو جائیں تو بلاشبہ اس سے ہر شخص کو خوشی ہوگی۔

مگر بدقسمتی سے موجودہ رجحانات ایسے ہیں کہ یہ امیدیں پوری ہوتی ہوئی معلوم نہیں ہوتیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت ملک کی جو کیفیت ہے اگر اس کا پورا پورا جائزہ لیا جائے مثلاً یہ دیکھا جائے کہ عوام کے سوچنے سمجھنے کا ڈھنگ کیا ہے، سیاست داں لوگ کس طرح سوچتے سمجھتے ہیں، منصوبے بنانے والوں کے سوچنے اور انتظام کرنے والوں کے کام کرنے کا ڈھنگ کیا ہے، اس جائزے سے وہ باتیں جو نیک اور مقدس ریزولیوشنوں، موٹی موٹی رپورٹوں اور بار بار دہرائے جانے والے بھاشنوں اور بیانات میں ظاہر کی جاتی ہیں، صحیح معلوم نہیں ہوتیں۔ مستقبل کے خواب اور حال کے واقعات ایک دوسرے سے اتنے الگ الگ ہیں کہ اُن میں آپس میں کوئی رشتہ نہیں قائم ہو پاتا۔ غرض پلان کے مقاصد اور وسائل کے بارے میں جو کم سے کم بات کہی جا سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ ان کا ایک دوسرے سے کوئی میل نہیں ہے۔

اس بحث کے سلسلے میں جمہوری لامرکزیت کے پروگرام کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ "جمہوری لامرکزی تنظیم ایک نئے ہندوستان کا پیامی ثابت ہوگی۔ ایک ایسا ہندوستان جس میں دیہی بستیاں اپنے اپنے علاقے کی ترقی کے منصوبے خود بنائیں گی اور خود ہی اُن کو پورا کریں گی البتہ جب اور جہاں ضرورت ہوگی، وہ حکومت سے اور دوسرے ذریعوں سے ٹکنیکل اور انتظامی معاملات میں مدد لیں گی۔" یہ ہے وہ مقصد جو اس پروگرام کے بارے میں ٹھہرایا گیا تھا۔ مگر یہ پروگرام اس وسیع مقصد سے ہٹ کر اب ایک تنگ وادی میں داخل ہوتا ہوا نظر آتا ہے۔ اور عوام کو "پھنسانے" کا ایک نیا طریقہ' ایک نرالا ڈھنگ بنتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ سری نگر کانفرنس کے فیصلوں کی زبان میں ایڈمنسٹریٹروں اور افسروں کو اب "جنتا کے چنے ہوئے حاکموں کو مطمئن کرنا اور انھیں اپنے ساتھ ملانا ہوگا اور اس طرح پروگراموں کو اپنی پوری قوت کے ساتھ چالو کرنا ہوگا۔" اور آگے چلئے، گرام سیوک اب "خاص طور پر پنچایتوں کے دوست، فلسفی اور رہنما ہوں گے۔"

تعجب ہوتا ہے جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ کیا یہی سب کچھ اب سے آٹھ دس سال پہلے نہیں ہوتا تھا؟ اور ان سب باتوں کا نتیجہ کیا ہوا؟ لیکن اگرچہ یہ الگ سے کوئی نئی باتیں نہیں ہیں، بلکہ لکھنے اور بات کہنے کا ایک نیا ڈھنگ ہے، تاہم ہمیں امید یہی رکھنی چاہیے کہ ان سے سوچنے اور کام کرنے کا وہی پرانا اور گھسا ہوا طریقہ مراد نہیں ہوگا۔

ایک دوسری مثال جسے اس موقع پر پیش کیا جا سکتا ہے، طالب علموں کے لئے قومی خدمت لازمی کرنے کی اسکیم ہے۔ اس اسکیم پر سوچ بچار کرنے کے بعد رپورٹ دینے کے لئے شری سی۔ ڈی۔ دیشمکھ کی صدارت میں ایک کمیٹی بنی تھی۔ اس نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ "کمیٹی نے جو پروگرام تجویز کیا ہے اُسے پورا کرنے کے لئے ایک ایسے تنظیمی ڈھچر کی ضرورت ہوگی جو اپنے طور پر خود مختار اور مستحکم ہو۔ پروگرام کی حیثیت خیال اور کام دونوں پہلوؤں سے قومی ہونی چاہیئے اور اس کی منصوبہ بندی اس ڈھنگ سے ہونی چاہیئے کہ

اس کے اندر پھیلنے کی گنجائش ہو اور وہ آگے چل کر یونیورسٹیوں کے طالب علموں کے علاوہ اپنے احاطے میں مناسب عمر کے دوسرے شہریوں کو بھی سمیٹ لے۔" اس بنیادی اصول کو مان کر کمیٹی نے یہ سجھاؤ دیا تھا "قومی خدمت کے پروگرام کو مرتب کرنے اُسے پورا کرنے اور اس کے نتائج کا اندازہ کرنے کی غرض سے ایک نیشنل بورڈ بنانا چاہیئے۔"

قومی خدمت کی اس تجویز میں قوم کی نئی تعمیر کے لئے ایک باقاعدہ تحریک بننے کی صلاحیت موجود ہے اور اس کے پیچھے جو مقصد ہے اس کو دیکھتے ہوئے اس کے اندر ہلا بول کر قوم کی خدمت کرنے کا مادہ ہے اور قومی خدمت کرنے کا یہ وہ طریقہ ہے جس میں وہ تمام اختلافات اور جھگڑے ہماری قومی زندگی میں دوسرے سوالوں کے بارے میں اٹھتے رہتے ہیں، پیچھے کو جا پڑتے ہیں۔

مگر معلوم ایسا ہوتا ہے کہ ملک کی ترقی کی منصوبہ بندی کرنے والوں کی نظر میں اسکیم کے امکانات کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ ان کے رویّے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے مقابلے میں وہ گول مول قسم کی اصطلاحوں مثلاً "قومی ڈسپلن" کو زیادہ جگہ دیتے ہیں اور یہاں تک کہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں کہ اسکیم کی انتظامی ذمے داری ریاست کے ڈائرکٹر تعلیمات کے اوپر ڈال دینی چاہیئے جو اس مقصد کے لئے ایک ڈپٹی یا جوائنٹ ڈائرکٹر مقرر کر کے اسے چلا سکتا ہے۔

ہماری قومی زندگی میں جو بدمزگی اور بے لطفی ہے اس کی جڑیں اس سے بھی زیادہ گہری ہیں۔ پبلک کے سامنے آنے والے ہمارے بیانات اور ہماری ذاتی رائے میں، ہمارے خیال اور عمل میں، ہمارے خوابوں اور اصل زندگی میں ایک نہ ایک رشتہ اور کچھ نہ کچھ جوڑ ہونا بہت ضروری ہے۔ یا تو ہمیں یہ کرنا چاہیئے کہ ہمارے وہ تمام وسائل وہ تمام تمنائیں اور وہ سب طریقے جو ہم مقصد کو پورا کرنے کی غرض سے مرتب کرتے ہیں اسی مقصد سے میل کھاتے ہوئے ہوں جو ہم اپنے سامنے رکھتے ہیں، یا، اگر یہ بات کسی وجہ سے ممکن نہ ہو تو پھر ہم اپنی نگاہیں بھی رکھیں پبلک کے سامنے آنے والے اپنے بیانات اور اپنی زبان کو قابو میں رکھیں، اور سب سے بڑی بات یہ کہ اپنی مزاجی، سماجی اور اقتصادی مجبوریوں کا احساس رکھیں۔

انسان کی شخصی زندگی میں خواب کی غالباً بڑی اہمیت ہے۔ اپنے خوابوں کی بدولت وہ مایوسیوں سے بھری ہوئی جھک جھک کی زندگی اور شکست خوردگی کے عذاب سے نجات پا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے خواب کا شخصی زندگی میں بڑا مفید کردار ہوتا ہے۔ مگر خوابوں کی جنت، ایسی حالت میں کہ نہ اس حیثیت کا شعور ہو، نہ اس سے میل کھاتے ہوئے حالات نہ وسائل موجود ہوں، قوموں اور جماعتوں کے حق میں بہت مہنگی اور خطرناک ثابت ہوتی ہے۔

(ایڈیٹر کا مضمون نگار کے خیالات سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔)

—— ایڈیٹر

گرم خون

اساڑھ کا زمانہ تھا مگر چار پانچ دن سے بارش نہیں ہوئی تھی اس لئے جب تک بادل چھائے رہتے تھے، بڑا پُرلطف موسم رہتا تھا، لیکن جب بادل چھٹ جاتے تھے اُس وقت دھوپ کی تیزی برداشت سے باہر ہو جاتی تھی۔

دھام پور پہنچنے میں ابھی چار پانچ میل کا سفر باقی تھا۔ صبح کے وقت جب آسمان پر بادل منڈلا رہے تھے اُس وقت تو بس کا سفر نہایت پُرلطف تھا لیکن اب بادل کٹ رہے تھے اور دھوپ کی تیزی قیامت کی یاد دلانے لگی تھی۔

"اب کی تو آم خوب ہوا ہے" ہماری سیٹ سے تین چار سیٹ پیچھے ایک بوڑھا آدمی کھانسی پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے بغل میں بیٹھے نوجوان سے بولا "تونے برائی کرالی؟ پیسے دینے کا انتجام ہوگیا تھا؟"

"نہیں کاکا کچھ پھیر پڑ گیا ہے۔ ابھی دفتر ہی سے تو آرہا ہوں۔ کہنے کو تو بابو لوگ چار مہینے سے کہہ رہے ہیں کہ قرضہ منظور ہو چکا ہے اور جلد ہی مل جاوے گا۔ پر جب مل جائے تو جانوں! اپنی سمجھ میں کچھ آتا نہیں ہے"۔

بس میں پھر خاموشی چھا گئی اور چند منٹ کے بعد بس ایک جھٹکے کے ساتھ جیسے ہی کچے راستے پر مڑی بہت سے لوگ ایک ساتھ چونک پڑے اور اپنے اپنے اسباب سنبھالنے شروع کر دیئے۔ پٹرول کے دھوئیں سے گھٹے ہوئے خاموش ماحول میں پھر حرکت ہوئی اور بس کنڈکٹر نے آواز لگائی "سادھو پور"

سادھو پور کا نام سنتے ہی میں بھی کچھ چونکا۔ یہ نام میں نے پہلے بھی کئی بار سُن رکھا تھا۔ یہاں کچھ لوگ اتر پڑے۔ وہ نوجوان بھی وہیں اتر گیا۔ معلوم ہوا کہ بس اب دھام پور ہی جا کر رُکے گی۔ جو یہاں سے کوئی میل بھر کے فاصلے پر ہے۔

مجھے کچھ اطمینان ہوا۔ صبح آٹھ بجے سے بس میں بیٹھا بیٹھا اکتا گیا تھا اور اب ایک کا عمل تھا۔ تیز دھوپ اور تکان کی وجہ سے کوفت تو ضرور تھی مگر ترقی کے زمانے کے آج کے گاؤں کا جو نقشہ میرے ذہن نے بنا لیا تھا، اس کا دل کش تصور اور مدتوں کے

بچھڑے ہوئے ایک دوست کی ملاقات کا لطف انتظار اس کوفت کو دور کرنے کے لئے کافی تھا اور میں ان جغرافیائی اور موسمی ستم ظریفیوں کے باوجود مگن تھا۔

دھام پور کے پردھان کے لڑکے رام سروپ سے میری پرانی اور گہری دوستی تھی۔ اسی کے اصرار پر میں نے دھام پور کا سفر اختیار کیا تھا۔ رام سروپ جب اسکول میں پڑھتا تھا تو بڑے اونچے خواب دیکھا کرتا تھا۔ اسکول کے بعد یونیورسٹی میں داخلہ لوں گا اور پھر قانون کا امتحان پاس کرکے وکالت کروں گا، لیکن خواب اگر پورے ہی ہو جایا کریں تو خواب ہی کیوں کہلائیں! رام سروپ کو میٹرک سے آگے اپنی تعلیم جاری رکھنے کا موقع نہیں ملا۔ وہ تین چار سال نوکری کی تلاش میں دربدر مارا مارا پھرا۔ شہر کی بارونق زندگی اور سفید پوشی کے خواب دیکھے تھے آخر! مگر کب تک خود فریبی کی جنت میں رہتا! آ جب کوئی صورت نظر نہیں آئی تو آخر اپنے گاؤں ہی میں قسمت آزمانے کا فیصلہ کیا۔ آدمی حوصلہ مند اور تعلیم یافتہ تھا اس لئے گاؤں کے جہنم ہی کو اپنے خیال کی جنت میں تبدیل کرنے کی ٹھان لی تھی۔

کنڈکٹر کے آواز لگانے سے پہلے ہی میں دھام پور کو پہچان گیا۔ اسٹاپ پر رام سروپ سات آٹھ نوجوانوں کے حلقے میں کھڑا میرے استقبال کو موجود تھا۔

"ابے گوپال! تو، تو سچا نکلا!" رام سروپ مجھ سے بغلگیر ہوتے ہوئے بولا۔

"کیا مطلب ہے تیرا بے!" میں آنکھوں میں خوشی کے آنسو بھرے راموکے گال پر ایک چپت رسید کرتا ہوا بولا۔ کلاس میں سب لڑکے رام سروپ کو رامو کہا کرتے تھے۔

"شہر والے کبھی بات کے سچے ہوئے ہیں جو تو ہوتا۔ پر تو تو اپنے وعدے پر آ ہی گیا!" رام سروپ شہر کے خلاف بھرا بیٹھا تھا۔

"بہت لاتیں کھائی ہیں تونے شہر میں نا! پر پانچوں انگلیاں تو برابر نہیں ہوتیں بیٹا!" اور ہم دونوں پھر بغلگیر ہو گئے۔

"یہ سب میرے ساتھی ہیں" رام سروپ نوجوانوں کا تعارف کراتے ہوئے بولا "وہ بدمعاش کالکا نہیں آیا نا بیٹو!! ٹھیک جمے گی نہیں اس کے بغیر!" رام سروپ اپنے ایک ساتھی سے کہنے لگا۔

"بھئی میں نے آپ سب لوگوں کی بڑی تعریف سنی ہے۔ یہ رام سروپ میرا پرانا لنگوٹیا یار ہے۔ پیارا یار ہے مگر اس کے خطوں کا تو مجھے اعتبار نہیں، آپ لوگوں کے کارناموں کا حال مجھے اخبار سے معلوم ہوا ہے" رام گوپال ان نوجوانوں کے خاموش استقبال کا جواب دیتے ہوئے کہنے لگا "اخباروں میں بیان نکلا تھا کہ دھام پور اس بلاک کے تمام گاؤں میں اوّل آیا ہے۔ رامو بھی نہیں رہتا ہو، اس لئے میں نے سوچا چلوں ذرا سیر کر آؤں میں بھی ایک اخبار میں کام کرتا ہوں۔"

* * * * * * * *

"بڑی ڈینگیں مارتا ہے رامو تو!" رام گوپال کھانا کھانے کے بعد بستر پر ٹانگیں پھیلاتے ہوئے بولا "مجھے تو بلاک کے سب

گاؤں میں دھام پور کے اوپر آنے کی کوئی علامت نظر آئی نہیں!! نہ کہیں گلیوں میں کھڑنجے نظر آتے ہیں، نہ کوئی خاص صفائی ہے، وہی کیچڑ ہے، وہی گھاس پھوس کے مکانات! وہی تنگ و تاریک راستے! وہی میلے کچیلے بچّے، پھٹے حال نوجوان، کھانستے ہوئے بوڑھے!! کہاں ہے وہ تیری دھام پور کی جنّت!!"

"اچھا سو جا تو، اب آرام سے۔ بہت تھک گیا ہے معلوم ہوتا ہے، بڑی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے!!" رام سروپ میرے تنبیہ کا جواب ابھی نہیں دینا چاہتا تھا۔

دھام پور کسوٹی بازار ڈیولپمنٹ بلاک کے حلقے میں پڑتا تھا۔ کسوٹی بازار ڈیولپمنٹ بلاک کمیونٹی ڈیولپمنٹ اسکیم کے ابتدائی زمانے ہی میں قائم ہو گیا تھا، مگر دھام پور اتنا زمانہ گذر جانے کے بعد بھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں تھا۔ ڈیولپمنٹ بلاک والے ناک رگڑ رگڑ کر تھک گئے تھے، مگر دھام پور کے بڈھوں کی سمجھ میں اُن کی بات نہ آنی تھی نہ آئی۔ "کہتے ہیں باپ دادا کی ریت چھوڑ دو جاپان والوں کی طرح دھان کی کھیتی کرو۔ کھاد کے لئے لیو صاحب ایک فصل اور بو دو۔ کوئی پوچھے زمین تو کھالی چھوڑی اسی واسطے جاتی ہے کہ ایک فصل سستا لے! کھاد کے لئے ایک فصل اور بو دو، یہ اچھی رہی۔ اور وہ نمک کے روڑوں کی طرح کی نہ جانے کون سی کھاد ہے۔ کہتے ہیں اسے کھیتوں میں ڈالو۔ مانو زمین میں جو بھی رہی سہی طاقت ہے، وہ بھی اس نمک سے صاف!! بھگوت بھجن کرو۔ اور تو اور جس نے عمر بیت گئی، کالا اچھر بھینس برابر سمجھا، اُس سے پڑھنے کو کہتے ہیں۔ سوچو، یہ لونڈے جو اسکولوں میں پڑھتے ہیں، وہ سب ہم کِہ کا کھا، گا گھا پڑھتے دیکھیں گے تو ہنسیں گے نہیں!! اور۔۔۔ اور، کلجگ آگیا ہے کلجگ۔ کہتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ کہتے ہیں، عورتیں بچّے نہ جنیں۔ اب بھگوان کے کاموں میں بھی دخل دینے لگے۔ سب راکششی باتیں ہیں، اور کچھ نہیں۔ بس پرلے قریب آگئی ہے اور کیا کہا جائے!" یہی رٹ تھی گاؤں والوں کی۔

گاؤں کے نوجوان، ظاہر ہے کتنا ہی گرم خون ہو اُن کا، جب ایک خاص قسم کے ذہنی ماحول میں تربیت پائیں تو وہی کچھ نقطۂ نظر اُن کا بھی ہوگا۔ وہ ان بوڑھوں کے آگے چوں نہیں کر پاتے تھے۔ لیکن نوجوان تھے۔ ہاتھ پاؤں میں طاقت اور دل میں اُمنگ تھی، ذرا کھل کر کھیلنا کودنا اور ہنسنا بولنا چاہتے تھے، اِس کام کے لئے انھوں نے گاؤں کے مندر کو اپنا اڈّا بنا لیا تھا کہ وہاں اٹھنے بیٹھنے پر بزرگوں کو اعتراض نہ ہوگا۔

گاؤں کی قسمت کھلنی تھی کہ جب رام سروپ نے دھام پور میں بود و باش اختیار کی تو اُس کے سر سے بزرگوں کا سایہ اٹھ چکا تھا۔ وہ آزاد تھا اور اپنی مرضی کے مطابق جو چاہتا کر سکتا تھا۔ اس کی آزادی پر گاؤں کے بوڑھوں نے کچھ ناک بھوں تو چڑھائی مگر رام سروپ نے دیکھا کہ اگر انہی کے اشاروں پر چلا تو میری قسمت میں بھی مکھیاں مارنا ہی لکھا جائے گا اور میرے خواب کبھی پورے نہ ہوں گے۔ یہ سوچ اُس نے گاؤں کے بوڑھوں سے تو سلام دعا ہی تک تعلق رکھا، البتہ گاؤں کے نوجوان جو اس کے ارد گرد منڈلانے لگے تھے، اُن کو دوست بنایا۔ ڈیولپمنٹ بلاک کے بی۔ ڈی۔ او کی نظریں بھی اُس کے اوپر پڑنے لگی تھیں، چنانچہ وہ ذرا سا کسی بات کے لئے اشارہ بھی کر دیتا تو

بلاک کی پوری مشینری دھام پور کے چکر کاٹنے لگتی تھی۔ رام سروپ نے اپنے یہاں ٹیوب ویل بھی لگوا لیا تھا۔ اپنے کھیتوں کو ٹریکٹر کے ذریعے جتوا لیا تھا۔ پچھلی برسات میں ہری کھاد کی فصل بو کر کاٹ دی تھی، مشین کی کھاد کی بوریاں اس کے گھر پڑی تھیں اور اب گیہوں ربیع کی فصل کاٹی تھی، تو گاؤں کے نوجوانوں کی آنکھیں کھل گئیں۔ کئی گھروں میں باپ بیٹے میں جھگڑے ہو گئے تھے۔ ان جھگڑوں کا سلسلہ جب ایک کے بعد ایک پھیلنا شروع ہوا تو بوڑھے بھی پیچھے ہٹ گئے کوئی اپنے بازوؤں کے شل ہونے کا احساس کر کے، اور کوئی اس اکڑ میں کہ اچھا دیکھیں گے باپ دادا کی ریت چھوڑ کر کہاں جاتے ہیں۔ غرض ادھر دو تین سال سے دھام پور کا یہ چھوٹا سا گاؤں کیا تھا، جدید اور قدیم کی کشمکش کا اچھا خاصا اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔

* * * * * * * * *

"بڑی اچھی جگہ ہے بھئی رامو! شیوجی کا مندر ہے نا!!" رامو گو مجھے دھام پور یوک منڈل کا دفتر دکھانے لے گیا تھا

"اب تو بھیا اپنا ہے۔ شیوجی کا رہا ہوگا کبھی!" رام سروپ نے جواب دیا۔ "پہلے یہاں بھگوان کا بھجن ہوتا تھا، اب اپنا ہوتا ہے!"

"بڑی دور کی لے رہے ہو یار۔ بہت اونچے نہ اُڑو، یہ ہندوستان ہے!" میں نے اُسے ٹوکا۔

"نہ دور کی لے رہا ہوں نہ اُونچا اُڑ رہا ہوں۔ بات یہ ہے کہ جب سے رمضان اور یار محمد (دو مسلمان نوجوانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) بھی ہمارے منڈل کے ممبر ہوئے ہیں اور یہیں ہم لوگوں کے ساتھ کھانے پینے لگے ہیں، اُس وقت سے گاؤں والوں نے مندر کو بھرشٹ قرار دے کر پوجا پاٹ ترک کر دی اور شیوجی کی پنڈی ایک دور جگہ ذرا اونچائی پر نصب کی ہے۔ یوک منڈل کے لئے بیٹھے بٹھائے مفت میں دفتر ہاتھ آ گیا۔" رام سروپ نے صورتِ حال کی تشریح کی۔

نوجوان ایک ایک کر کے بیس پچیس کی تعداد میں آ گئے تھے۔ مگر ابھی پروگرام شروع نہیں ہوا تھا، اور مجھے رامو سے باتیں کرنے کا موقع مل گیا تھا۔

"تم کو دھام پور کے اوّل آنے پر تعجب ہو رہا تھا نا! ابھی وہ کالکا نہیں آیا ہے۔ اور جب تک وہ نہیں آتا پروگرام شروع نہیں ہوگا۔ ابھی تھوڑی سی روشنی ہے، چلو تمہیں کھیتوں کی سیر کرا لاؤں اور تمہاری حیرت دور کر دوں" رام سروپ نے تجویز پیش کی۔

"یہ کالکا کون ہے؟ میں نے ان سب کو اس کا نام لیتے سُنا ہے!"

"یہاں سے کوئی میل بھر کے فاصلے پر ایک گاؤں ہے دھام پور یہ وہاں کے یوک منڈل اور سہکاری قرضہ سوسائٹی کا سکریٹری ہے۔ بڑا زندہ دل آدمی ہے، اور بھجن میں تو اس کی دور دور تک شہرت ہے۔" رامو نے کالکا کا تعارف کرایا۔

دیکھو یہ دھان کے کھیت ہیں جاپانی طریقے پر بوئے گئے ہیں۔ پچھلے سال یہاں اس شان کا بس میرا ہی کھیت تھا۔ اور یہ سب مایا ہے اسی ذرا سی بغاوت کی جو نوجوانوں نے اپنے بزرگوں سے کی ہے۔" رام سروپ بڑے موڈ میں تھا۔ "وہ دیکھو وہاں جھونپڑی کے پاس

میرا اور اس سے ذرا آگے آگے یار محمد کا ٹیوب ویل ہے۔ جانو چاچا نے تو یار محمد کو کافر ٹھہرا کر اس سے بولنا تک چھوڑ دیا ہے۔ چلو اب اندھیرا ہو چلا اب گاؤں میں چلیں —— یہ کنواں برسوں سے اندھا پڑا تھا۔ اب یہاں غسل خانہ بھی ہے اور کنواں تو جیسے نیا نیا کھدا ہے۔ بڑا میٹھا اور صاف پانی ہے۔ ابھی جو زور کی بارش ہوئی تھی، اس سے اِدھر اُدھر کی مٹی بہہ کر آ گئی اور گلیوں کے کھڑنجے چھپ گئے ہیں۔ ویسے اب پورے گاؤں کی گلیاں پکی ہو گئی ہیں جس سڑک سے تم سادھو پور سے دھام پور آئے ہو وہ بھی ابھی حال ہی میں بن کر تیار ہوئی ہے۔ یہ سب اسی یووک منڈل کی بدولت ہوا ہے۔ ہم نے اس کی رجسٹری کرا لی ہے اور ابھی پانچ چھ مہینے ہوئے، یہی منڈل سہکاری قرضہ سوسائٹی بھی بن گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔"

میں رام سروپ کی باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا مگر ابھی یہ معمہ حل نہیں ہوا تھا کہ یہ سب کچھ تو قریب قریب ہر گاؤں میں ہوگا، یہ دھام پور میں کون سا سُرخاب کا پر لگ گیا کہ اُسے تمام گاؤں میں اوّل ٹھہرایا گیا۔

"۔۔۔ مگر گوپال یہ کھڑنجے سڑنجے تو ہر گاؤں میں ہیں، یہ کوئی نئی بات نہیں، مجھے سب سے زیادہ خوشی اس بات کی ہے کہ نوجوانوں سے میں نے جو امید باندھی تھی وہ پوری ہوئی اور یہی بات شاید بلاک والوں کو بھی بھائی ہے۔ ورنہ کہاں آٹھ سال اور کہاں دو سال۔ ابھی تیسرے ہی سال تو میں یہاں آیا تھا۔ آٹھ سال میں جو کام نہیں ہو سکے تھے، وہ دو سال میں پورے ہو گئے۔ اور سچی بات تو یہ ہے گوپال کہ تمھارے ڈیولپمنٹ بلاک والے ہانکتے تو بہت ایران توران کی ہیں، مگر کرتے دھرتے کچھ نہیں۔ رہا اُن سے کام لینے کا معاملہ تو بوڑھے کہاں سے کام لیں گے! ضرورت تو اُن کی چھاتی پر سوار رہنے کی ہے، اور یہی دراصل تمھارے شبہے کا جواب ہے کہ جب سے گاؤں کے ان گرم گرم خون والوں نے ان کے اوپر سواری گانٹھنی شروع کی ہے، یہ تیز تیز چلنے لگے ہیں، اب سے پہلے یہ گاؤں والوں کے اوپر سواری گانٹھا کرتے تھے۔"

ہم اب مندر میں واپس آ گئے تھے۔ ہم ابھی بیٹھے ہی تھے کہ کالکا بھی آ گیا۔

"ابے کہاں رہ گیا تھا تو، کالکا آج ہی غائب ہونا تھا تجھے۔ یہ لے تو گوپال بھائی کے آنے کا ذکر تجھ سے کر دیا تھا۔" رام سروپ نے کالکا سے میرا تعارف کراتے ہوئے اُسے ڈانٹا۔ "اوّل انعام پایا ہے نا تم لوگوں نے، یہ اس کی کہانی سننے آئے ہیں۔ اجاریں کام کرتے ہیں۔"

"میں تو سیدھا کوآپریٹیو بنک سے آرہا ہوں۔ گھر بھی نہیں گیا۔ اب تو دوڑتے دوڑتے تھک گیا بھیا!" کالکا نے کہا

"کیا ہوا، تمھاری سوسائٹی کو قرضہ ابھی نہیں ملا؟" رام سروپ نے دریافت حال کیا۔

"چار مہینے تو ہو گئے! ابھی تک تو ملا نہیں، اور اب مل بھی جائے تو اپنے کس کام کا! قرضہ ملنے سے اساڑھ کیا واپس آ جائے گا؟"

"ہاں آئے گا واپس!" رام سروپ نے اپنی آواز کو جما کر کہا۔ "بس تھوڑے سے گرم خون کی ضرورت ہے۔"

ڈھولک پر تھاپ پڑی، ملئی نے سارنگی سنبھالی اور کالکا اور اس کے ساتھ نوجوانوں کا پورا دل دُھرپد کے راگ میں کھو گیا۔

دی فور ایچ اسٹوری

امریکی کسان لڑکوں کی انجمن ــــــ تنظیم و ارتقاء کی کہانی

ایک زراعتی ملک ہونے کے باوجود ہندوستان کی زرعی پیداوار زمین کی زرخیزی اور قدرتی وسائل کی فراہمی کے پیشِ نظر کچھ بہت اطمینان بخش نہیں ہے۔ یہ بات نہیں ہے کہ ہمارے ملک میں زرعی پیداوار کو بڑھانے کی کوشش نہیں ہو رہی ہے یا یہ کہ ہمارے ملک کے اکابرین کے سامنے آئندہ ہندوستان کا جو نقشہ ہے اس میں زراعت کو کوئی خاص اہمیت حاصل نہیں ہے۔ برخلاف اس کے زرعی پیداوار کو بڑھانے اور دیہی زندگی کو دلکش اور خوشحال بنانے کی کوشش ہمارے ملک میں پورے خلوص، انہماک اور جوش کے ساتھ جاری ہیں۔ نہریں بنائی جا رہی ہیں اور آبپاشی کے دوسرے انتظامات بھی کئے جا رہے ہیں اور اس سلسلے میں کم مدت اور لمبی مدت کے بہت سے منصوبوں پر عمل درآمد ہو رہا ہے۔ زراعتی تعلیم اور زرعی تحقیق کے کام بھی ملک کے مختلف حصوں میں بڑی سرگرمی سے چل رہے ہیں۔ اعلیٰ قسم کے بیج اور کھاد کی تقسیم اور نمونے کے زراعتی فارموں کے مظاہرے بھی سرگرمی سے جاری ہیں مگر منصوبہ بند ترقی کے نو سال گذر جانے کے بعد بھی ملک کی زرعی پیداوار ابھی اس مرحلے پر ہے کہ تیسرے پلان کے مجوزہ خاکے میں ا سے حسب معمول اوّلیت دیئے جانے کا ایک بار پھر وعدہ کرنا پڑا ہے اور زرعی پیداوار میں ملک کو خود کفیل بنانے کے عزم میں اور زیادہ شدت دکھانے کی ضرورت محسوس کی گئی ہے۔

اس پس منظر میں دیکھئے تو زرعی پیداوار بڑھانے اور دیہی زندگی کی ترقی اور خوشحالی کا کام کرنے والوں پر اس وقت ایک بہت بڑی ذمہ داری عائد ہے اور ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ان مسائل پر نہایت سنجیدگی سے غور کریں اور حتی الامکان اس بات کو جاننے کی کوشش کریں کہ جہاں کہیں بھی اس قسم کے تجربے ہوئے ہیں وہ کس طرح کامیاب ہوئے ہیں اور ان کی کامیابی کے پیچھے کون سے محرکات کارفرما تھے

زرعی پیداوار اور دیہی زندگی کے معیار کو بلند کرنے میں امریکہ نے جو مثال پیش کی ہے اس کی بڑی اہمیت ہے۔ اس کے

اس کا جائزہ لیا جائے تو اس میں امریکہ کے سرکاری اور غیر سرکاری اداروں کی صرف وہ کوششیں ہی شامل حال نہیں ہیں جو زراعت کے ایکس ٹنشن پروگرام کی شکل میں امریکہ کے گاؤں میں شروع کی گئی تھیں اور نہ اس کا سہرا صرف زراعتی کالجوں کے سر ہی باندھا جاسکتا ہے جنہوں نے زراعتی تعلیم کا وسیع پیمانے پر انتظام کرکے زراعت کے ترقی یافتہ طریقوں کو رواج دیا اس کی کامیابی میں سب سے نمایاں ہاتھ خود امریکہ کے نوجوان کسان طالب علموں اور ان سے بھی زیادہ ان مخلص اساتذہ اور زراعت کے ماہرین کا رہا ہے جنہوں نے امریکی نوجوانوں میں دیہی زندگی اور زراعتی پیداوار کے کاموں سے دلچسپی پیدا کردی۔ گو ہندوستان میں جو پروگرام شروع کئے گئے ہیں اس میں ہم اپنے نوجوان ہاتھوں کو پوری طرح سرگرم نہیں رکھ سکے ہیں۔

انیسویں صدی کے آخیر میں امریکی گاؤں کے اسکولوں میں جن میں محض نظریاتی تعلیم ہی کا چلن تھا، بیداری کی ایک جھلک دکھائی دینے لگی اور ان میں سے کچھ اسکولوں میں جہاں خوش قسمتی سے وقت کے تقاضوں پر نظر رکھنے والے اور دور اندیش مخلص اساتذہ موجود تھے تعلیم کو زندگی سے قریب لانے کے کچھ منصوبے شروع کئے گئے۔ اُن میں زراعت اور فن خانہ داری کے منصوبوں کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ ان اسکولوں کے گرد اپنے اپنے طور پر حلقے سے بننے لگے جنہوں نے رفتہ رفتہ نوجوان کسانوں کی ایک ملک گیر تحریک کی شکل اختیار کرلی۔ نوجوان کسان طالب علموں کی زراعت اور دیہی زندگی میں دلچسپی نے دیہاتوں میں زراعت کے نئے طریقوں کو رواج دیا اور بالغ اور پختہ عمر کے لوگوں کو جو کسی بھی نئی چیز کو اختیار کرنے میں جھجک سے کام لیتے ہیں زراعت کے نئے اور ترقی یافتہ طریقوں سے روشناس کرایا اور ان پر عمل پیرا ہونے میں انھیں ذہنی اور عملی طور پر آمادہ کیا۔

زیر نظر کتاب "دی فور ایچ اسٹوری" دراصل امریکہ کے نوجوان کسانوں کی انجمن "فور ایچ کلب" کی تنظیم اور ارتقاء کی ایک منظم اور مربوط داستان ہے جس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ نوجوان کسانوں کی یہ تحریک اس میں امریکہ کی اقتصادی، سماجی اور تہذیبی زندگی کے ہمہ گیر پس منظر میں ابھرتی ہوئی دکھائی گئی ہے۔ یہ تحریک آج ساری دنیا میں فور ایچ تحریک کے نام سے مشہور و معروف ہے۔

کتاب کی تیاری

اس طرح کی ایک مکمل اور مربوط داستان لکھنے میں خاص طور سے ایسی حالت میں جب کہ ان تنظیموں کی شروعات خالصتہً مقامی لوگوں کی پیش قدمی پر مختلف علاقوں میں مختلف وقت میں اور ایک دوسرے سے آزاد رہ کر ہوئی ہو، کتنی عرق ریزی کرنی پڑی ہوگی اس کا اندازہ فور ایچ کی ہسٹری کمیٹی کے چیرمین مسٹر پال۔ سی۔ ٹاف کے مختصر پیش لفظ سے با آسانی لگایا جاسکتا ہے۔ ابتداً ان الفاظ کے ساتھ ہوئی ہے۔

> "ایک مدت سے ہمارے ملک کے لوگوں کے سامنے یہ سوال رہا ہے کہ فور ایچ کلبوں کی شروعات کب اور کہاں سے ہوئی۔ یہ کتاب دراصل اس سوال کا جواب پیش کرتی ہے۔ . . . ."

ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں مصنف کو اس سلسلے کی تمام مطبوعہ اور غیر مطبوعہ تحریروں کو کھنگالنا پڑا ہوگا۔

فور ایچ کلب کی مقبولیت اور امریکہ کی دیہی زندگی میں اس کے نمایاں کردار کو دیکھتے ہوئے سنہ ۱۹۴۰ء میں اس کی باقاعدہ تاریخ مرتب کرنے کی تحریک شروع ہو گئی تھی اور امریکہ کے ایکس ٹنشن تحریک کے ماہر مسٹر ایم - ایل - ولسن نے اس سلسلے میں ایک کمیٹی بھی مقرر کی تھی، مگر دوسری عالمگیر جنگ کی وجہ سے یہ کام اس وقت اٹھا رکھا گیا اور سنہ ۴۶ء میں دوبارہ شروع ہوا۔ اس کمیٹی نے مصنف کے تیار کئے ہوئے خاکے کو پسند کیا اور اس کی منظوری دیدی۔

تحریک کی ابتدا

امریکہ میں فور ایچ کلب کی ابتدا کہاں سے ہوتی ہے اس کا جواب کسی خاص نقطے پر انگلی رکھ کر اس طرح نہیں دیا جا سکتا کہ فلاں جگہ پر فلاں وقت اس کلب کی بنیاد پڑی۔ "فور ایچ کلب" کا خیال زیر نظر کتاب کے مصنف کے مطابق "یکایک سامنے نہیں آیا ہے بلکہ رفتہ رفتہ ایک مدت میں اس نے موجودہ شکل اختیار کی ہے۔" دراصل بیسویں صدی کے شروع ہونے سے کچھ عرصہ پہلے زراعتی کالجوں، کاؤنٹی اسکولوں اور تعلیم کے مفکروں کی کوششوں سے ایک ایسا ماحول تیار ہو چکا تھا جس میں زراعتی ایکس ٹنشن کا کام نوجوان کسان طالب علموں کے درمیان مقبول ہونے کے پورے امکانات موجود تھے۔"

آج نصف درجن سے بھی زائد بستیاں فور ایچ کلب کی جنم بھومی ہونے کی دعویدار ہیں۔ مصنف کی رائے ہے کہ جہاں کہیں اس طرح کے آثار ملتے ہیں وہاں یہی سمجھنا چاہیئے کہ اس علاقے کے کسی شہری یا معلم نے لڑکے اور لڑکیوں کے پروگراموں کے ذریعہ یہاں کی دیہی زندگی میں ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا کر دیا تھا۔

دیہی زندگی میں نوخیزوں کی اہمیت

اوہیو کے قصبہ اوں فیلڈ کے اسکول سپرنٹنڈنٹ البرٹ۔ بی گراہم اور ونے باگو کاؤنٹی کے اسکول سپرنٹنڈنٹ او جے ۔ کرن نے ایک ہی وقت میں ایک ہی جیسا کام اپنے اپنے علاقے میں شروع کیا۔ انھوں نے تعلیم کو زندگی اور بستی کی ضرورتوں سے قریب تر لانے کے مختلف منصوبے بنائے ان کا خیال تھا کہ بستی والوں تک پہنچنے میں اسکول کے لڑکے اور لڑکیاں سب سے زیادہ مددگار ثابت ہو سکتے ہیں اور ان کی نوزندگی کے سہارے بستی کی زندگی میں بھی حوصلہ اور امنگ پیدا کی جا سکتی ہے۔ ان کے خیال کو تقویت دراصل ان تجربوں سے ملی تھی جو اس سے پہلے کسان اداروں کی طرف سے کئے جا چکے تھے ان پروگراموں کے ذریعہ یہ بات محسوس کر لی گئی تھی کہ بستی کے بالغ افراد نئے پروگراموں میں قطعی دلچسپی نہیں لیتے اور نوجوان البتہ پیش پیش رہتے ہیں۔

نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے اناج اور زرعی پیداوار کے مقابلے کی مثال یوں تو ۱۸۸۲ء کے اوہیو کے مقابلے سے ہی مل جاتی ہے مگر اس وقت تک یہ مقابلے باقاعدہ نہیں ہوتے تھے اور نہ ان میں کوئی تسلسل ہی ہوا کرتا تھا۔ اسی طرح فطری مشاہدے کے کلب بھی یہاں وہاں قائم تھے جنھوں نے دیہات کی سادہ اور پرسکون زندگی میں لوگوں کی دلچسپی قائم کی تھی۔

فور ایچ تحریک کو اس راہ سے بھی کافی فروغ ملا۔

اوٹیوں نے ۱۹۰۱ء میں زرعی موضوع پر ماہرین کا ایک تقریری سلسلہ شروع کیا اور کسانوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی، اور جب کسانوں نے اس طرف بے توجہی برتی تو اس نے اپنے پروگرام کے لئے ایک نئی راہ تلاش کر لی اور نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو اس طرف دلچسپی دلائی۔ اسے اس میں جو کامیابی نصیب ہوئی اسکا اندازہ اس ایک واقعے سے لگایا جا سکتا ہے کہ جب اس نے کارلن وائیل میں نوجوان کسان لڑکوں اور لڑکیوں کو گھوڑوں پر سوار وردی پوش جلوس نکالنے کی دعوت دی تو آٹھ ریاستوں کی ۱۴ کاؤنٹیوں سے اتنے لوگ آکر جمع ہو گئے کہ چار گھوڑوں کی قطار میں چار میل لمبا جلوس نکالا گیا جس کا امریکہ کے نائب صدر نے بنفس نفیس معائنہ کیا۔

اناج اور کسانی کے ان مقابلوں کو کلب کا نام تو نہیں دیا جا سکتا مگر اتنا ضرور کہا جا سکتا ہے کہ ان کے گرد مقامی طور پر کچھ حلقے بننے لگے اور باقاعدہ ان کی نشستیں بھی ہونے لگیں۔

۱۹۰۰ء سے ۱۹۰۸ء تک دیہی تعلیم و ترقی کے یہ سارے تجربے ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہ کر ہو رہے تھے مگر انھوں نے ایک ایسی فضا ضرور تیار کر دی تھی جس میں اسکول، گھر اور کھیت کی زندگی میں ایک ربط پیدا ہو چلا تھا۔ زراعتی ایکسٹنشن کا پروگرام جو امریکہ میں پہلے سے رائج تھا اس میں زراعتی کالجوں کے ساتھ ساتھ امریکہ کی حکومت نے بھی براہ راست دلچسپی لینی شروع کر دی اس نے بھی اس تحریک کو کافی تقویت ملی ۔

۱۹۰۸ء میں "کاؤنٹی لائف کمیشن" مقرر ہوا۔ یہ کمیشن اس مقصد سے مقرر ہوا تھا کہ اُن لوگوں کے لئے جو کہ دیہی ماحول میں رہتے ہیں اور زمین پر محنت کر کے اپنا گذارہ کرتے ہیں ایک شہری اور مہذب زندگی کی راہ تلاش کی جائے۔" اس کمیشن کی سفارشات نے گویا کسانوں کے سماجی حقوق کی ضمانت کر دی۔

کتاب کے پہلے چار ابواب میں یہی داستان تفصیل کے ساتھ پیش کی گئی ہے۔ پانچواں باب اس پروگرام میں حکومت کی دلچسپی سے متعلق ہے۔

زراعت اور فن خانہ داری کے یہ پروگرام جو وسط مغرب ٹکساز اور جارجیا میں چل رہے تھے مرکزی حکومت سے براہ راست ان کا کوئی تعلق نہیں تھا لا کہ ۱۹۰۴ء میں محکمۂ زراعت کی سالانہ رپورٹ میں ان کاموں میں جو حوصلہ اور جوش عمل دکھایا گیا تھا۔ اس کی بہت تعریف کی گئی ہے۔

پہلی بار فیڈرل حکومت نے اپنے انتظام میں اس طرح کا جو کام شروع کیا وہ تبتی میں ایک کلب کا قیام تھا اس میں ولیم ہال اسمتھ نے خاص سرگرمی دکھائی۔ جنوبی علاقے کے اسکولوں کی حالت نہایت ابتر تھی اسمتھ چاہتا تھا کہ کسان ان اسکولوں میں دلچسپی لینے لگیں۔ اس کام میں اُسے اس سے پہلے کے تجربوں سے بہت مدد ملی۔ اس طرح جنوبی امریکہ میں بھی کارن کلب (Corn clubs) قائم ہونا شروع ہوئے اور وہاں بھی تبتی کے تجربوں کی بنیاد پر لڑکوں اور لڑکیوں کے پروگراموں کا ایک جال پھیل گیا۔

جنوبی امریکہ میں ۱۹۰۸ء تک کارن کلبوں کا قیام اتنی تیزی سے ہونے لگا تھا کہ اس کے لئے اونچی سطح پر ایک ایسی تنظیم کی ضرورت محسوس کی جانے لگی جو ان کلبوں کی امداد اور رہنمائی کر سکے اور اس طرح زراعتی کالج، کاونٹی، مقامی بستیوں اور فڈرل ایکس ٹنشن سروس کے مابین باہم اشتراک و تعاون کی ایک راہ کھل گئی اور آج تک یہ کام اسی اشتراک و تعاون کے ساتھ جاری ہے یہ بات بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ زراعتی ایکس ٹنشن کا کام خواہ وہ بالغ کسانوں یا نوجوانوں کے لئے ہو، آج مختلف ایجنسیوں کے جس اشتراک و تعاون کے ساتھ جاری ہے اس کے لئے انھیں کلبوں نے راہ ہموار کی تھی۔

اسی درمیان کلبوں کے ریاستی لیڈر اور کلب کے ماہرین اور کارکنوں کی باقاعدہ تقرری کا خیال بھی زور پکڑ گیا، جس میں ڈاکٹر اے نیپ (Dr. A Knapp) نے بہت نمایاں کردار ادا کیا۔ ان کی کوششوں سے کلبوں کے ریاستی چیمپئیوں کو حکومت کی طرف سے اعزاز بھی ملنے لگے۔

کتاب کا پانچواں، چھٹا اور ساتواں باب اسی طرح کی بے شمار مثالوں سے پُر ہے اور آٹھویں باب میں لڑکیوں کی فنِ خانہ داری سے متعلق سرگرمیوں کا تفصیلی ذکر ہے۔ نواں باب مختلف علاقوں میں کلبوں کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں کا آئینہ دار ہے شمال اور مغرب کے علاقوں میں کلب کے کاموں کی شروعات "دسویں باب میں بیان کی گئی ہے۔

اسمتھ لیور ایکٹ

۱۹۱۴ء میں امریکی کانگریس نے اسمتھ لیور ایکٹ پاس کر دیا۔ یہ ایکٹ دراصل زراعتی ایکس ٹنشن کے کاموں کو زیادہ مضبوط بنیادوں پر منظم کرنے کی غرض سے بنایا گیا تھا۔ نوجوانوں کے کلب اور ان کی سرگرمیوں سے اس کا براہ راست کوئی تعلق تو نہیں تھا لیکن اس کے باوجود اس نے نوجوان کلبوں کی تحریک کے فروغ دینے میں بہت مدد پہنچائی۔ بل کے مصنف مسٹر اسمتھ اور مسٹر لیور نہ صرف یہ کہ ان کلبوں کی اہمیت کو تسلیم کرتے تھے بلکہ ان کی نشو و نما کے لئے پورے خلوص کے ساتھ کوشاں بھی تھے

گیارہویں باب میں اس بل کے مختلف مرحلوں، ایکس ٹنشن کے کاموں کی قانونی حیثیت اور ایکس ٹنشن کے کام اور لڑکوں اور لڑکیوں کے پروگراموں میں جو باہم تعلق رہا ہے اس پر تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

دیگر دلچسپیوں میں ایکسٹینشن کے کاموں کے پھیلاؤ پر بھی ایک علیحدہ باب دیا گیا ہے۔

ایک نیا موڑ

اس کتاب کا تیرہواں اور چودھواں باب ہمارے یہاں سوشل ایجوکیشن اور کمیونٹی آرگنائزیشن کا کام کرنے والوں کے لئے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ ان ابواب میں بتایا گیا ہے کہ کلب کا کام جو مختلف چھوٹے چھوٹے منصوبوں کو لیکر شروع کیا گیا تھا کس طرح بستی کی زندگی میں رچ بس گیا۔ سنہ ۱۹۱۴ء کے آس پاس تک بیشتر کلبوں کے کام کی نوعیت کچھ اس طرح کی تھی۔

ان کلبوں کی باقاعدہ نہ تو کوئی تنظیم ہوتی تھی نہ ان کے باقاعدہ عہدہ دار ہی ہوا کرتے تھے اور نہ باقاعدہ نشستیں ہی ہوا کرتی تھیں۔ ان کلبوں کا وجود بس اس حد تک تھا کہ وہ مختلف منصوبوں (Project) کی اطلاع لڑکوں اور لڑکیوں کو کر دیتے تھے اور لڑکے ان کی تیاری میں لگ جایا کرتے تھے۔ اس کے لئے بستی کی کوئی لازمی طور پر نہیں ہوا کرتی تھی۔ ان پروگراموں میں یہ لڑکے اور لڑکیاں اس حیثیت سے دلچسپی نہیں لیا کرتے تھے کہ وہ کسی کلب کے ممبر ہیں۔ ان کا مقصد تو بس یہ ہوتا تھا کہ وہ کسی خاص منصوبے یا مقابلے میں شرکت کرکے انعام حاصل کریں اسی نسبت سے ان کلبوں کا نام بھی انہی منصوبوں کے نام پر ہوا کرتا تھا جیسے کارن کلب (Corn clubs) یا پولٹری کلب وغیرہ۔

یہ پروگرام بیشتر اسکولوں کے توسط سے اور اُن کے گرد چلا کرتے تھے۔ اس وقت تک اسکولوں میں تو ایک خاص بیداری آگئی تھی، مگر یہ کلب بستی سے اس حد تک منسلک اور وابستہ نہیں تھے جس حد تک انھیں امریکہ کی دیہی زندگی میں خوشحالی اور ترقی لانے کے لئے وابستہ ہونا چاہیئے تھا۔ اس سلسلے میں یہ محسوس کیا گیا کہ یہ کلب اپنا نمایاں کردار اُسی وقت ادا کر سکتے ہیں جب ان کا بستی سے اٹوٹ رشتہ قائم ہو جائے گا اور ان کی رہنمائی اسکول کے بجائے بستی کے ہاتھ میں آجائے گی۔

دراصل یہ اِس تحریک میں ایک زبردست موڑ تھا اور یہیں سے اِس تحریک میں پختگی پیدا ہوئی اور اُس نے جنگ کے زمانے کے ہنگامی پروگراموں سے آگے بڑھ کر امریکہ کی دیہی زندگی میں اپنی مستقل جڑیں جمالیں اور امریکہ کو معاشی بحران میں گرفتار ہونے سے بچانے میں نمایاں کام انجام دیا۔

یہ کلب جو مختلف علاقوں میں اپنے اپنے طور پر کام کر رہے تھے اُن کی ایک قومی انجمن کے قیام کی بہت عرصہ سے ضرورت محسوس کی جا رہی تھی۔ ۳۰ ستمبر سنہ ۱۹۲۱ء میں شکاگو میں اس سلسلے میں پہلا جلسہ ہوا جس میں باقاعدہ لڑکوں اور لڑکیوں کے کلب کی نیشنل کمیٹی قائم کرنے کی تجویز مان لی گئی۔ دسمبر سنہ ۱۹۲۱ء میں کمیٹی کے اگلے سال کے پروگرام کے لئے ۳۰ ہزار ڈالر کی رقم بھی منظور کی گئی شکاگو میں اس کا پہلا صدر دفتر قائم ہوا۔ مسٹر نوبل اس کے ایگزیکیٹو سکریٹری منتخب ہوئے، امریکی فارم بیورو سے جس کی عمارت میں اس کا صدر دفتر تھا،

ایک جزوی وقت کا سکریٹری مستعار لے لیا گیا۔ اس دفتر کے اثاثے میں اس وقت سوائے ایک میز کے اور کوئی چیز نہ تھی۔
اس کمیٹی کا جریدہ "نیشنل بوائز اینڈ گرلس کلب نیوز" جو ۱۹۲۳ء تک سائیکلو اسٹائل پر نکلتا تھا باقاعدہ مطبوعہ شکل میں شائع ہونے لگا۔ قریب قریب اسی زمانے میں اس کمیٹی کا نام "بوائز اینڈ گرلس نیشنل کانگریس" پڑ گیا۔

مقامی لیڈروں کی ٹریننگ

پہلی جنگ عظیم کے بعد امریکہ کی زندگی میں جو اقتصادی بحران آیا اس نے اس کلب کے انتظام و انصرام کی ایک نئی راہ متعین کردی۔ کلب کو بستی کی زندگی سے قریب تر لانے کی بات تو مانی ہی جا چکی تھی اب اس کے انتظام کی ساری ذمہ داری بستی کے اوپر چھوڑنے کا خیال بھی زور پکڑنے لگا۔ اس سلسلے میں جہاں ایک طرف کلبوں کی ریاستی اور قومی انجمنیں وجود میں آئیں وہاں یہ بھی محسوس کیا جانے لگا کہ مقامی سطح پر اس کے کاموں میں مقامی رضاکار زیادہ سے زیادہ دلچسپی لیں۔ اس طرح مقامی لیڈروں کی ٹریننگ کی ضرورت بہت شدت کے ساتھ محسوس کی جانے لگی اور جگہ جگہ ٹریننگ کیمپ لگنے لگے۔

فور ایچ کلب کا نام

امریکہ کے دیہاتوں میں نوجوان کلبوں کا ایک جال سا بچھ چکا تھا مگر ان کے لئے اب تک کوئی ایسا نام نہیں تلاش کیا جا سکا تھا جو ان مختلف النوع سرگرمیوں کا قومی سطح پر احاطہ کر سکے۔ یہ کلب کہیں لڑکے اور لڑکیوں کے کلب کے نام سے پکارے جاتے تھے تو کہیں کسان اور فن خانہ داری کے کلب کے نام سے۔
۲۱-۱۹۲۰ء کے آس پاس یہ بات مختلف حلقوں میں اٹھائی جانے لگی اور ایک کانفرنس میں اس مسئلہ پر باقاعدہ غور کیا گیا۔ کچھ لوگوں نے اس کے لئے فور ایچ کلب کا نام تجویز کیا جو اس وقت تک ملک کے مختلف حصوں میں کثرت سے مستعمل تھا۔ دوسرے لوگوں نے اس کی مخالفت کی اور اس کے لئے جونیر ایکس ٹنشن ورک کا نام تجویز کیا۔ اُن کا خیال تھا کہ نوجوان کلبوں کا کام ایکس ٹنشن سروس کا ہی ایک حصہ ہے۔ مگر فور ایچ کلب کا نام اس وقت تک کافی مقبول ہو چکا تھا اور ۱۹۲۳ء کی رپورٹوں میں یہ نام مل جاتا ہے۔
کتاب کے سترھویں باب تک یہی داستان چلتی ہے اٹھارھویں باب کا عنوان ہے "نیشنل کیمپ کا قیام اور سمندر پار کے دیشوں میں فور ایچ کلبوں کا قیام"
۱۹۲۷ء میں فور ایچ کلب کے ایک نیشنل کیمپ کے قیام کی تجویز ایکس ٹنشن پروگرام کے ریاستی ڈائرکٹروں نے پیش کی تھی جو منظور کر لی گئی اس نیشنل کیمپ کا مندرجہ ذیل مقصد تھا۔

- کلب کے کاموں میں سرگرمی کے ساتھ دلچسپی لینے والے جونیئر لیڈروں کی حوصلہ افزائی کرنا
- کلب کے ممبروں کو حکومت کے کاموں سے اور حکومت کو کلب کے کاموں سے باخبر رکھنا۔
- کلب کے ریاستی لیڈروں کی میٹنگ بلانا۔

سنہ ۱۹۲۷ء میں پہلا نیشنل کیمپ منعقد ہوا جس میں ہر ریاست سے چار چار نمائندے، دو لڑکے اور دو لڑکیاں، بھیجے گئے۔ اس کیمپ میں سارے ملک کے لئے فور ایچ کلب کے موجودہ عہد نامے کے الفاظ، جسے اوٹس ہال نے قلمبند کیا تھا، منظور کیا گیا

دل و دماغ و دم و دست وقف ہوں گے مرے

دماغ با صحتِ فکر، و دل بہ جوشِ وفا

دو دست با عملِ نیک، و دم بہ لطف بقا

دل و دماغ و دم و دست وقف ہوں گے مرے

مرے کلب، مری بستی، مرے وطن کے لئے (ترجمہ برکت علی فراقؔ)

سنہ ۱۹۲۷ء کا نیشنل کیمپ کئی اعتبار سے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں پہلی بار شمال اور جنوب کے علاقے کے لیڈروں نے ایک جگہ بیٹھ کر کلب کے آیندہ پروگرام کے بارے میں غور و خوض کیا۔ اس کیمپ کے بعد کلب کے ممبروں کے لئے منظوم ادب کا ایک تانا بانا بن گیا۔ یہ نظمیں آج بھی امریکی نوجوان کے دلوں کو گرمائے ہوئے ہیں اور اپنے اندر اپنے گھر، اپنی بستی اور اپنے گرد و پیش کے ماحول سے محبت کا ایک پرفسوں پیغام چھپائے ہوئے ہیں۔

فور ایچ کلب کا چار پتیوں والا تمغہ جو آج امریکہ کی دیہی زندگی کی بیداری اور خوشحالی کا نشان بن گیا ہے، اسی وقت اختیار کیا گیا۔ یہ تمغہ امریکہ کے نوجوانوں کو ایک صاف ذہن (Head) ایک محبت بھرے دل (Heart) مضبوط بازوؤں (Hands) اور صحت و توانائی (Health) کا پیغام دیتا ہے۔

یہ تحریک امریکہ کی سرحدوں کو پار کر کے دوسرے مشرقی اور مغربی ملکوں میں کس طرح پھیلی اور ایک بستی کی زندگی میں ان کلبوں کا کیا کردار رہا ہے، اُن کے اوپر علیحدہ علیحدہ اسباق موجود ہیں۔

امریکہ کے مخصوص سماجی، اقتصادی اور سیاسی حالات میں سنہ ۱۹۵۰ء تک اس تحریک کی ہمہ گیر ترقی کی داستان بقیہ تین اسباق میں بیان کی گئی ہے۔

اس تحریک کی ابتدا چھوٹے چھوٹے حلقوں کی شکل میں ایک بہت ہی سیدھے سادے اور بنیادی خیال کو سامنے رکھ کر ہوئی تھی۔ اُس وقت مقصد یہ تھا کہ لڑکوں اور لڑکیوں سے گھروں پر کچھ مفید کام بہتر اور منظم طریقے پر کرائے جائیں۔ ان کام

کے لئے ان کلبوں نے جو طریقہ اختیار کیا وہ یہ نہیں تھا کہ ممبروں کے سامنے کچھ بنے بنائے نمونے پیش کر دیئے جائیں اور ان سے ان کے مطابق کام کرنے کی فرمائش کی جائے۔ ڈاکٹر اے۔ ینپ نے جن کا اوپر ذکر آچکا ہے یہ محسوس کیا تھا کہ حکومت کی طرف سے نمونے کے جو کھیت تیار کئے جاتے ہیں اور زراعت کے بہتر اور ترقی یافتہ طریقوں کے جو مظاہرے ہوتے ہیں لوگ ان میں قطعی دلچسپی نہیں لیتے ہیں اس لئے ان کے بارے میں لوگوں کے سوچنے کا طریقہ کچھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ ان طریقوں پر عمل کرنا قدم قدم پر حکومت کی رہنمائی اور امداد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ اس تجربے نے نہ صرف امریکہ کے نوجوان کلبوں بلکہ ایکس ٹنشن کے تمام پروگراموں کے سامنے ایک نئی راہ کھول دی۔ ان کلبوں نے اس تجربے سے سب سے زیادہ فائدہ اٹھایا اور اپنے کام کا طریقہ یہ رکھا کہ نوجوانوں کے سامنے کوئی بنا بنایا نمونہ پیش کرنے کے بجائے انھیں تیار کیا کہ وہ نئے نئے طریقوں کو برت کر سکیں سمجھیں اور ان پر عمل کر کے دکھائیں

بقیہ صفحہ ۸ کا — تجربے (باقی ص ۲۷ پر)

ایک اور صورتِ حال جو بہت زیادہ اہم ہے یہ ہے کہ دیہی آبادی کا ۲۰ فی صدی حصہ زمین سے محروم ہے اور ۳۰ فی صدی حصہ غریب کسانوں پر مشتمل ہے۔ اگرچہ ان غریبوں کو بھی ہمارے پروگرام سے فائدہ پہنچتا ہے پھر بھی ان کو بہت ہی کم آمدنی ہوتی ہے اور ہمارے پروجیکٹ سے ان کو اتنا فائدہ نہیں ہو پاتا جتنا ہم چاہتے ہیں۔ زراعت ہماری سرگرمیوں کا پہلا اور خصوصی پہلو ہے، جس پر ہم ساڑھے تین لاکھ کے بجٹ میں سے دو لاکھ کے لگ بھگ روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ دو لاکھ روپے اور ہوں، جو کپڑا، مکان سازی اور تعلیمی ضرورت کی چیزیں تیار کرنے والی صنعتوں کو بڑھاوا دینے کے لئے خرچ کئے جائیں۔ دیہاتی زندگی کی رہائشی چیزیں تیار کرنے والی صنعتوں کو بھی فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ ہم نے جو نیا علاقہ لیا ہے اس میں چٹائی بنانے کی صنعت کو ترقی دینے کا بہت موقع ہے۔ ہمارے ملک نے جو معاشی پالیسی اختیار کر رکھی ہے، اس میں دیہی صنعتوں کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ ڈیولپمنٹ کا کام کرنے والے ہم کارکنوں کو چاہیئے کہ معاشی پالیسی کے اس پہلو پر زور دیں اور اپنے اصل کام کے ضمن میں اس میدان میں بھی اچھے کام کر دکھائیں۔

آخر میں مجھے ایک بات اور کہنی ہے اور وہ یہ کہ کام کے سلسلے میں ہمیں دفتر شاہی اور نوکری کی ذہنیت کا جم کر مقابلہ کرنا چاہیئے تاکہ ایسا نہ ہو کہ اس کا ہمارے اوپر غلبہ ہو جائے۔ ہمیں آپس میں سر جوڑ کر کام کرنا چاہیئے۔ ہمارے کام کا ایک پہلو لوگوں کو پروجیکٹ میں حصہ لینے پر ابھارنا بھی ہے اور اس کام کے لئے ایک کارکن مقرر ہے۔ لیکن اگر ہم چاہیں کہ تنہا اسی کارکن کے بل پر ہم عوام کا اعتماد حاصل کر لیں گے تو یہ بھول ہوگی ہم سب لوگوں کو پالیسی اور کام کے ڈھنگ کے معاملے میں یک زبان ہو کر اپنے آقا (جنتا) کی خدمت کرنا ہے۔ پروجیکٹ کے انتظامی افسر کے پاس ـــ جو پنچایتوں کا انچارج ہے، کچھ انتظامی اختیار بہرحال ہونا چاہیئے تاکہ اس کا اثر قائم ہو سکے۔ دوسرے کارکن اسی کی مدد سے موثر طور پر کام کر سکتے ہیں۔

تعلیم بالغان کی بین الاقوامی کانفرنس

تعلیمِ بالغان کے موضوع پر بین الاقوامی کانفرنس کا اجلاس اس سال مانٹریال (کناڈا) میں منعقد ہونا قرار پایا ہے۔ یہ کانفرنس ۲۲ سے ۳۰ اگست ۱۹۶۰ء تک جاری رہے گی۔

اس اجلاس میں ہندوستان کی نمایندگی انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے ایک نائب صدر شری رنجیت ایم چیت سنگھ اور وزارتِ تعلیم حکومت ہند کے جوائنٹ سکریٹری شری آر۔ پی۔ نائک کریں گے۔

اِن نمایندوں کے علاوہ آل انڈیا ریڈیو کے ڈائرکٹر جنرل شری جے۔ سی۔ ماتھر آئی۔ سی۔ ایس کو بھی اجلاس کی ایک عام نشست میں تقریر کرنے کے لئے دعوت دی گئی ہے۔ شری ماتھر کی تقریر کا موضوع ہوگا "دنیا کے اس بدلتے ہوئے ماحول میں اطلاعاتِ عامہ کے ذرائع خصوصاً بالغوں کی تعلیم میں معلومات کے دکھانے سُنانے والے آلات و وسائل"

شری چیت سنگھ اجلاس میں شرکت کرنے کی غرض سے ۲۰ جولائی ہی کو روانہ ہوگئے۔ البتہ شری آر۔ پی۔ نائک ابھی ۱۷ اگست کو تشریف لے گئے ہیں۔

ایشیائی ملکوں میں عوام کے مطالعے کی کیفیت

یونیسکو کے مُشیر مسٹر ورِنگ گارڈنر کی رائے

مسٹر ورنگ گارڈنر انگلینڈ کی لوٹن پبلک لائبریری کے چیف لائبریرین کی حیثیت سے گذشتہ ۲۰ سال سے اس کی خدمت کرتے رہے ہیں۔ اپنے تجربے کی بنیاد پر وہ کچھ عرصے تک ہندوستان کی دہلی پبلک لائبریری کے قیام کے زمانے میں اس کے مُشیر بھی رہ چکے ہیں۔

پچھلے دنوں یونیسکو نے عوام کے مطالعے کی کتابیں تیار کرانے کا ایک پروجیکٹ دے کر انھیں جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں میں بھیجا تھا۔ مسٹر گارڈنر نے تین مہینے تک اس سلسلے میں ان ملکوں کا گشت کیا اور اپنی رپورٹ پیش کی۔ اس رپورٹ میں انھوں نے

کتابوں کی اشاعت اور لوگوں میں مطالعے کا ذوق پیدا کرنے کے بارے میں نئی اور نہایت مفید باتیں بتائی ہیں۔

یونیسکو ہاؤس پیرس کی ایک ملاقات کے دوران میں موصوف نے کہا کہ ایشیا میں کتابوں کے پبلشر یہ سمجھ کر کہ اُن کی مطبوعات کے لیے بازار وسیع نہیں ہے، اپنی کتابوں کی ڈیڑھ یا دو ہزار سے زیادہ کاپیاں نہیں چھپواتے۔ اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ یورپ کے ملکوں کے مقابلے میں یہاں کی کتابوں کی قیمت بہت زیادہ ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں مسٹر گارڈنر کا ایمان ہے کہ پبلک لائبریری کا طریقہ کار عوام میں کتابوں کی مانگ بڑھانے کا سب سے اچھا طریقہ ہے جس کے بارے میں ایشیا کے پبلشروں کا کہنا ہے کہ وہ ہمارے یہاں ہے ہی نہیں۔ ۵۲-۱۹۵۱ء میں جب مسٹر گارڈنر دہلی پبلک لائبریری کے منیجر تھے اس لائبریری کے کل ۵ ہزار ممبر تھے، ۱۵ ہزار کتابیں تھیں اور سال بھر میں جاری ہونے والی کتابوں کی تعداد ایک لاکھ تھی۔ مسٹر گارڈنر کا کہنا ہے کہ اور ۰ سال کے بعد جب انھوں نے پھر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اب اس کے ۳۰ ہزار ممبر ہیں، ایک لاکھ سے اوپر کتابیں ہیں اور سال بھر میں جاری ہونے والی کتابوں کی تعداد ساڑھے سات لاکھ ہے۔ مسٹر گارڈنر نے کہا کہ اس لائبریری کے کارناموں سے صاف پتہ چل سکتا ہے کہ پڑھنے والے کیا کچھ چاہتے ہیں۔

پبلک لائبریریوں اور خصوصاً دہلی پبلک لائبریری کا تجربہ صاف بتاتا ہے کہ اگر کتابیں مفت ملا کریں اور لائبریری میں جانے کے لیے کسی قسم کی پابندی نہ ہو تو پڑھنے والوں کی دلچسپی کی کوئی حد نہیں ہے۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ جنوب مشرقی ایشیا کے ملکوں میں کتابوں کی مانگ نہیں ہے۔ دہلی پبلک لائبریری کا تجربہ گواہ ہے کہ مطالعے کا ذوق رکھنے والے بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں۔ (اکنامک ریویو)

بقیہ کتاب پڑھیے ـــــــــــــــــــــــــ صـ ۲۵

کلب کے لیڈروں سے انھیں ضروری مشورے مل جایا کرتے تھے۔

بنیادی خیال اور طریقۂ کار تو آج بھی وہی ہے مگر آج توجہ کا مرکز کام نہیں بلکہ افراد ہیں، جن کی شخصیت کی نشو و نما کلبوں کا بنیادی مقصد بن چکا ہے۔

غرض اس کتاب میں ایسے ان گنت تجربے مل جائیں گے جن سے زراعت اور ڈیولپمنٹ کے کارکن بہت فائدہ اٹھا سکیں گے اور یہ بات انھیں اچھی طرح ذہن نشین ہو جائے گی کہ کسی گاؤں یا بستی میں کوئی ایک تنظیم کھڑی کر لینا ایک بات ہے اور گاؤں اور بستی کی زندگی میں ان کے ذریعے کوئی نمایاں کردار ادا کرنا ایک بالکل ہی مختلف بات ہے جو صرف اسی وقت ممکن ہے جب یہ تنظیمیں خود افراد اور بستی کی زندگی سے ابھریں گی۔ کتاب کے مصنف فرینکلن ایم۔ ریک ہیں جو ـــــــ IOWA STATE PRESS AMES IOWA امریکہ سے چھپی ہے۔

تعلیم و ترقی کے مضامین

چھٹا سال ۱۹۵۵ء

…یں بچے - شریمتی پدمنی سین گپتا

لنکا میں دیہی سماجی کارکنوں کی ٹریننگ

ستیا سیاہی - ڈی۔ پال چودھری۔

جون ۵۵ء

اشارات

دیہی تعلیمی ادارے

دہلی اسٹیٹ کی گرمائی تعلیمی مہم

اصول اور طریقے

بستی کی زندگی میں تفریح کی اہمیت - ڈاکٹر آرتھر ای۔ مارگن

ہمارے مسائل

سوشل ایجوکیشن کس لئے؟ پروفیسر محمد عاقل

جنتا کالجوں کا دیس: ڈنمارک

ڈنمارک میں امداد باہمی کی تحریک - برکت علی فراق

قومی تعمیر کی تحریک

دیہی تعلیم کے ادارے (رورل انسٹی ٹیوٹس)

سنٹرل سوشل ویلفیر بورڈ کی سرگرمیاں

بچوں کی فلاح وبہبود کا دفتر - ڈاکٹر میر جیولنا شاہ

ویلفیر بورڈ کے نئے منصوبے - بیٹابھی وادریہ

جرائم پیشہ بچوں کی کایا پلٹ - رونلڈ فنش

جولائی ۵۵ء

اشارات

ہائی اسکول اور کالج کے طالب علموں کی تربیت

اصول اور طریقے

بے پڑھے اور کم پڑھے بالغوں کے لئے تعلیمی سامان کی تیاری - پروفیسر محمد عاقل

جنتا کالجوں کا دیس: ڈنمارک

ڈنمارک میں امداد باہمی کی تحریک - برکت علی فراق

قومی تعمیر کی تحریک

دیہی اعلیٰ تعلیم کے ادارے

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

ہندوستان کا چھٹا نیشنل سیمنار • تعلیم بالغان کے لئے میسور کا منصوبہ • بھوپال میں حمیدیہ کالج میں خواندگی کی تحریک • فنڈامنٹل ایجوکیشن سینٹر • مدھیہ پردیش میں خواندگی کی ہمہ گیر مہم

سنٹرل سوشل ویلفیر بورڈ کی سرگرمیاں

سماجی کام اور دیہات سدھار - ہیرن وکھاریا

بچے کی بازیابی - ایک جوان سال ماں

اگست ۵۵ء

اشارات

ہندوستان کا ہونے والا چھٹا نیشنل سیمنار

اصول اور طریقے

سوشل ایجوکیشن میں کہانیوں کا درجہ - چھٹے سیمنار کا موضوع بحث

جنتا کالجوں کا دیس: ڈنمارک

ڈنمارک میں امداد باہمی کی تحریک - برکت علی فراق

تجربات

سوشل ایجوکیشن میں میرے تجربے - شری [illegible]

تبادلۂ خیال

• کمیونٹی پروجیکٹ کے ماتحت سوشل ایجوکیشن کا کام
یونیورسٹیوں میں ترقی کے کاموں کی اسکیم • سوشل ایجوکیشن
کے لئے ٹریننگ کورس • بمبئی سٹی سوشل ایجوکیشن کمیٹی • خواندگی کا مسئلہ
میسور اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن کاؤنسل کا نیا انتخاب

سینٹرل سوشل ویلفیئر بورڈ کی سرگرمیاں

• کچھ اپنے متعلق • سنٹرل سوشل ویلفیئر بورڈ عمل کے میدان میں
• نوجوانوں کی قیام گاہوں کی کہانی

ستمبر ۵۵ء

اشارات

ڈاکٹر امرناتھ جھا مرحوم

اصول اور طریقے

سوراج ملنے کے بعد اب ہمیں کیا کرنا ہے۔ پنڈت گوبند ولبھ پنت
خدمت کے کام میں احتساب نفس کی ضرورت۔ شری یو۔ این۔ ڈھیبر

تعارف

ایشین ٹریڈ یونین کالج کلکتہ۔ شری وی۔ ایس ماتھر

تجربات

لوک ودیالے ایک تجربہ۔ شری رام ساگر شاہی
میسور کے ایک گاؤں میں۔ شری کے جنار دھن نائر

کارکنوں کے خیالات

تعلیم بالغان: ایک سماجی انقلاب۔ شری رام گوپال گرگ

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

• آل انڈیا اڈلٹ ایجوکیشن کانفرنس • دیہی علاقوں میں اعلیٰ تعلیم
• ایشیا میں پبلک لائبریری کے موضوع پر یونیسکو کا سمینار۔
• ہندوستان میں یونیسکو کی ہونے والی جنرل کانفرنس • آسام
میں سوشل ایجوکیشن کی تحریک • کرگ میں سوشل ایجوکیشن

تنقید و تبصرہ

پندرہ روزہ "رہبر" بمبئی

سینٹرل سوشل ویلفیئر بورڈ کی سرگرمیاں

• ویلفیئر ایکس ٹینشن پراجیکٹ: ایک نظر • پریم کا ساگر۔
• مصر میں جرائم پیشہ بچوں کی اصلاح کے مرکز۔ فتح الباب

اکتوبر ۵۵ء (ضمیمہ)

اگلے اسپیشل نمبر کا خاکہ
سوشل ویلفیئر بورڈ کی سرگرمیاں
ہمارا گمنام سپاہی۔ ڈی پال چودھری
پونا کو آرڈینیٹنگ کاؤنسل۔ ایس ڈی گوکھلے
امریکہ میں بوڑھوں کی خبرگیری۔ ایولن ڈبلیو ہرسی

نومبر ۵۵ء (خاص نمبر)

سوشل ایجوکیشن میں کتب خانوں کی اہمیت

اشارات

یہ شمارۂ خصوصی
جامعہ ملیہ اسلامیہ: مقصد اور آدرش۔ پروفیسر محمد مجیب

سوشل ایجوکیشن میں کتب خانوں کی اہمیت

۱۔ چھٹے نیشنل سمینار کی رپورٹ
۲۔ سمینار کی سفارشات
عوامی کتب خانوں اور تعلیم بالغان کے اداروں کا تعاون۔ ایڈورڈ سڈنی

تعلیم و ترقی

[illegible] میں کتب خانوں کا مقام - بی آئی ترویدی

بچوں کے کتب خانے - ایچ میکاسکل

ہندوستان میں دو مثالی کتب خانے

۱- دہلی پبلک لائبریری

۲- شری شاردا سدن پیٹکالے

بدیس میں کتب خانوں کی تحریک

جامعہ ملیہ کا تعلیمی میلہ - نامہ نگار

دلی کے کسان عمل کے میدان میں - نامہ نگار

سنٹرل سوشل ویلفیر بورڈ کی سرگرمیاں

لڑکیوں اور عورتوں کو بھگانے کے خلاف جنگ - شریمتی وی۔ ٹی۔ لکشمی

عورتوں کی فلاح و بہبود میں ترقی کے رجحانات - مارگریٹ چٹرجی

کانگریس کا نامکمل گیت : انڈونیشین خواتین کی تحریک آزادی کی ابتدا -

دسمبر ۵۵ء

اشارات

سماجی کام میں تعاون کا مسئلہ

اصول اور طریقے

قومی زندگی میں سوشل ایجوکیشن کا درجہ - جناب کے جی سیدین

نمونے

اتر پردیش میں آزمائشی رہائی کے کام - جناب پرکاش نرائن سکسینہ

تعارف

امریکہ میں تعلیم بالغان

عوامی کتب خانوں کی تحریک

میڈلین پبلک لائبریری

کارکنوں کے خیالات

دیہی ترقی - جناب ڈی۔ ڈی۔ گوئل

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

• آل انڈیا ایجوکیشن کانفرنس • شری کے۔ جی سیدین انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے قائم مقام صدر • کتابیں تیار کرنے کا قومی ادارہ • انڈین کانفرنس آف سوشل ورک

سنٹرل سوشل ویلفیر بورڈ کی سرگرمیاں

سنٹرل سوشل ویلفیر بورڈ کے نئے پروگرام - شریمتی درگابائی دیشمکھ

سماج سیوا کی بین الاقوامی جماعت اور ہندوستان

الفریڈ کناڈس
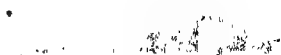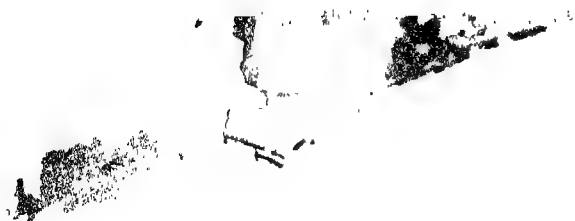
ندی کنارے بسنے والے - سرسوتی گوری شنکر

ادارۂ تعلیم و ترقی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

بانی:- شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ایڈیٹر:- برکت علی فراق
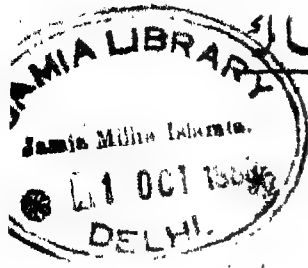
جلد ۱۱ | ستمبر [illegible] | شمارہ ۹

بیداری کی جھلک

نئی پولیس

دادو بھائی نے جب پہلی بار گاؤں میں جیپ گاڑی آتی دیکھی تو وہ اسے گاؤں والوں کے لئے کوئی نئی مصیبت سمجھ کر چپکے سے اپنا حقہ سنبھالے گھر کے اندر چلے گئے۔ ان کا خیال تھا کہ پڑوس کے گاؤں میں پچھلے ہفتے جو چوری ہوئی تھی پولیس اس کی تفتیش کے لئے آئی ہوگی۔ دادو بھائی سرکاری دفتروں، پولیس والوں اور عدالت کے معاملوں سے ہمیشہ اپنا پنڈ چھڑایا کرتے تھے۔

جیپ گاڑی انھیں کے دروازے پر آکر رکی تو ان کی پریشانی اور بھی بڑھ گئی اور یہ دیکھ کر کہ یہ بلا اب تو سر سے ٹلتی نہیں ہے ناچار گھر سے باہر نکلے۔ دور ہی سے ہاتھ جوڑ کر پرنام کیا اور ایک کونے میں جا کھڑے ہوئے۔ گاؤں کے ایک دو نوجوان ایک آدھ ادھیڑ عمر کے آدمی اور بہت سے بچے جیپ گاڑی کے گرد جمع ہو گئے تھے۔ دادو بھائی نے ان پولیس والوں کو اور ان کے بات چیت کے ڈھنگ کو دیکھا تو انہیں تھوڑی سی حیرت ہوئی۔ یہ عجیب و غریب پولیس تھی۔ تھانیدار تو خیر وردی میں نہیں تھا منشی نے بھی خاکی رنگ کی ترچھی ٹوپی بھی نہیں لگا رکھی تھی۔ نہ داروغہ کے ہاتھ میں رول تھا نہ منشی کے ہاتھ میں بڑی سی لاٹھی۔ نہ رعب دار چہرہ نہ کڑکتی ہوئی آواز۔ ایک نے سادی قمیص پتلون اور دوسرے نے کرتا پاجامہ پہن رکھا تھا۔ دادو بھائی ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ بات کروں تو کیا کروں کہ اتنے میں تھانیدار نے خود ہی پہل کی۔ "آپ ہی دادو بھائی ہیں۔ میں آپ سے ملنا چاہتا تھا۔ پڑوس کے گاؤں کے لوگ بتا رہے تھے کہ آپ کے کھیت میں کچھ کیڑے لگ رہے ہیں۔ ۔ ۔ ۔"

پبلشر برکت علی فراق نے کوہ نور پریس لال کنواں دہلی میں چھپوا کر دفتر تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا۔

داؤ بھائی کی اجنبیت ذرا دور ہوئی تو وہ کچھ آگے بڑھے۔ "ہاں جی میں ہی ہوں کہو کیا سیوا کروں؟"

"آپ کیوں مجھے لجّت کر رہے ہیں۔ آپ تو ہمارے بزرگ ہیں۔ سیوا کرنے تو ہم آئے ہیں"۔ تھانیدار اب داؤ بھائی کے بالکل قریب آگیا تھا۔

پھر جیپ والوں نے داؤ بھائی کے کھیت میں پچکاری سے کچھ دوا چھڑکی اور چلے گئے

چار پانچ سال پہلے کا یہ واقعہ داؤ بھائی کو آج بھی اُسی طرح یاد ہے۔

یہ جیپ گاؤں میں برابر آتی رہی۔ گاؤں کی خاموش اور سست زندگی میں یہ تیز رفتار سواری ایک حرکت پیدا کرنے لگی۔ گاؤں کو ترقی کرنا چاہیے گاؤں والوں کو ترقی کرنا چاہیے اگر بیل گاڑی کی رفتار سے نہیں جیپ کی رفتار سے یہ ایک بڑا چیلنج تھا۔ جو گاؤں کے لوگوں نے کبھی اتنی تیزی سے آگے بڑھنے کی بات سوچی تک نہیں تھی، مگر یہ جیپ گاڑی انھیں ان کی سستی اور کاہلی پر جھنجھوڑنے ہر مہینے پندرہویں دن آجاتی۔ جیپ والے گاؤں والوں سے ملتے جلتے باتیں کرتے اور انھیں تیزی سے آگے بڑھنے کا حوصلہ دلاتے ہر ممکن مدد کا یقین دلاتے۔ ان باتوں سے اور کچھ ہوا نہیں گاؤں والوں کی اجنبیت ذرا دور ہوئی۔ وہ دوسرے سرکاری افسر اور وِکاس ادھیکاری کا فرق سمجھنے لگے اور گرام سیوک' جو پہلی بار جیپ پر کرتا پیجامہ پہنے آیا تھا' وہ تو اُن کا دوست ہی بن گیا تھا۔ آہستہ آہستہ لوگ اُن کی باتوں کو زیادہ توجہ سے سننے لگے اور اپنی چوکھٹ پر انھیں بٹھانے بھی لگے۔

داؤ بھائی جو پہلے سرکاری افسروں سے بہت کتراتے تھے اب انھیں جیپ والوں سے باتیں کرنے میں کسی قسم کی جھجک نہیں محسوس ہوتی۔ اُن کے پاس پچاس بیگھے زمین تھی اُس پر خود ہی کھیتی کراتے تھے۔ اپنے کام کی ہر وقت چوکسی رکھتے۔ وقت پر سینچائی اور نرائی کراتے۔ بار بار ہل چلا کر زمین کو اچھی طرح گوڑ لیتے چلچلاتی دھوپ اور موسلا دھار بارش میں دن رات کھٹ کر کام کرتے مگر ہر بار فصل کٹنے پر حساب وہی برابر سرابر رہتا۔ اُن کی زبردست خواہش تھی کہ وہ ایک بھینس پالیں مگر ہر فصل پر سب کو لے دے کر جو اُن کے حصّے کا بچ رہتا وہ اتنا بھی نہیں ہوتا کہ دوسری فصل تک چین سے دو وقت روٹی مل سکے۔ وہ اپج بڑھانے کی لگن میں اور زیادہ محنت سے کام لیتے مگر قسمت کبھی یاوری نہ کرتی۔

جیپ والے جب سے گاؤں میں آنے لگے تھے انھوں نے نئے طریقے سے کھیتی کرنے اور اچھے بیج اور ولایتی کھاد کے استعمال کا پرچار شروع کر دیا تھا۔ پہلے پہل تو داؤ بھائی بھی باپ دادا کی ریت کو چھوڑ کر نئے طریقے سے کھیتی کرنے پر کسی طرح تیار نہیں تھے مگر جب ہر طرف سے ہار گئے تو سوچا کیوں نہ ان لوگوں کا کہنا بھی کر کے دیکھ لیا جائے۔ وِکاس ادھیکاری کے مشورے سے انھوں نے قریب کے ایک لوک ودیالے میں داخلہ لے کر ایک مہینے کی باقاعدہ ٹریننگ حاصل کر لی۔ داؤ بھائی کو یہاں رہ کر کھیتی باڑی اور گاؤں کی فلاح و بہبود کے کاموں کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔

ودیالے کے ایک ماہ کے قیام نے گویا داؤد بھائی کی آنکھیں کھول دیں۔ ان کے سامنے گاؤں کی زندگی کا ایک حسین اور دل کش تصور تھا۔ وہ اس تصور کی عملی شکل دینے کے لئے اپنے دل میں حوصلہ اور بازو میں قوت بھی محسوس کرنے لگے۔ انھوں نے نہ صرف یہ کہ کھیتی کے نئے طریقوں کو اختیار کر کے اپنی قسمت کو جگانے کا فیصلہ کیا بلکہ سارے گاؤں میں زندگی کی ایک نئی لہر پیدا کرنے کا عزم بھی کر لیا۔ ان کے سامنے گاؤں کی زندگی کا جو حسین خواب تھا اُسے حقیقت میں بدلنے کے لئے انھوں نے سب سے پہلے گاؤں کی پنچایت میں ایک نئی روح پھونکنے کی ٹھان لی جو گذشتہ آٹھ نو سال سے بے جان پڑی ہوئی تھی۔ وہ اس کے لئے جی جان سے لگ گئے۔

داؤد بھائی کی دن رات کی محنت کی بدولت پنچایت کے کاموں میں گاؤں کے نوجوان اور بوڑھوں سب نے دلچسپی لینی شروع کی۔ لوگ ایک دوسرے کے قریب آئے۔ شک و شبہات دور ہوئے۔ اور بہت سے ایسے معاملے جن کو لے کر عدالت کے دروازے کھٹکھٹائے جاتے تھے اب پنچایت کی بیٹھکوں اور اس سے بڑھ کر آپس کی بے تکلف صحبتوں میں طے ہونے لگے۔ داؤد بھائی کو سب سے زیادہ خوشی اسی بات کی تھی کہ اب گاؤں میں ذرا ذرا سی بات پر پولیس نہیں آتی اور نہ گاؤں کے لوگوں کو عدالتوں میں بھاگنا پڑتا ہے۔

داؤد بھائی نے جب پنچایت کے کاموں میں لوگوں کو دلچسپی دلائی تھی تو اُن کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ پنچایت کے ذریعہ مشکل سے مشکل کام بھی اس قدر آسان ہو جائیں گے اور پنچایت جس کام کے لئے فیصلہ کرے گی لوگ ہنستے کھیلتے اسے پورا کرنے میں فخر محسوس کریں گے۔ پنچایت نے جس وقت یہ فیصلہ کیا کہ گاؤں کا کوئی بھی آدمی چاہے وہ بوڑھا ہو یا جوان، عورت ہو یا مرد ان پڑھ نہیں رہے گا تو اُس وقت بس گنتی کے کچھ لوگ ہی لکھے پڑھے تھے۔ مگر آج نہ صرف یہ کہ گاؤں کے تمام مرد بلکہ عورتیں اور بچے بھی پڑھنا لکھنا سیکھ چکے ہیں اور اب تو وہ اِس لکھنے پڑھنے سے فائدہ بھی اٹھانے لگے ہیں۔ پہلے ڈیولپمنٹ بلاک کی طرف سے گاؤں میں جو کتابیں آتی تھیں ان کا کوئی پڑھنے والا نہیں ہوا کرتا تھا۔ مگر لوگ اب ان کتابوں کو پڑھنے لگے ہیں۔ اس سے انھیں سارے ملک میں ہونے والے ترقیاتی پروگراموں کی واقفیت ہوتی ہے۔ وہ گاؤں کی تعمیر و ترقی کی خبروں میں خاص دلچسپی لینے لگے ہیں۔ اس سے انھیں نہ صرف یہ کہ کھیتی باڑی اور گاؤں کی ترقی کے بارے میں نئی نئی باتوں کا علم ہوا ہے بلکہ اب وہ یہ بات بھی سمجھنے لگے ہیں کہ سارے ملک کو اونچا اٹھانے میں ان کے گاؤں اور ان کے گاؤں کے ایک ایک آدمی کو ہاتھ بٹانا ہوگا۔ جب گاؤں اونچا ہوگا تو دیش بھی اونچا ہوگا۔ اور گاؤں اُسی وقت اُونچا اٹھے گا جب سب لوگوں میں ایکا ہوگا اور لوگ مل جل کر گاؤں کی بھلائی اور خود اپنی بھلائی کا کام کریں گے۔ گاؤں خوشحال ہوگا تو ملک بھی خوشحال ہوگا۔

کنور پھیڑا گاؤں کے کسانوں نے داؤد بھائی کی دیکھا دیکھی جب سے کھیتی باڑی کے نئے ڈھنگ کو اپنایا ہے۔

ان کی پیداوار میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے۔ پہلے کے مقابلے میں اب گاؤں کی مجموعی پیداوار ۶۰ سے ۷۰ فی صدی تک بڑھ گئی ہے۔ مگر دادو بھائی کو سب سے زیادہ خوشی اس بات سے ہے کہ اب گاؤں کے لوگ ایک دوسرے کے سہوگ سے کام کرنے میں دلچسپی لینے لگے ہیں اور اسے سب سے زیادہ خوشی اس وقت ہوتی ہے جب وہ گاؤں کی بڑی سڑک پر سے گذرتا ہے جسے خود گاؤں والوں نے مل کر پختہ بنائی ہے، جس کے چورستے پر ڈاک کا ایک کھلا بکس رکھا ہوا ہے۔

یہ بکس دادو بھائی کے خواب کی زندہ تعبیر ہے۔ جو نہ صرف یہ کہ گاؤں والوں کی ایمان داری اور سچائی کا ایک جیتا جاگتا نمونہ ہے بلکہ گاؤں کی زندگی میں گذشتہ سات آٹھ سال میں جو زبردست تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں اُن کا سچا آئینہ دار بھی ہے۔

ڈاک ٹکٹوں کا یہ غیر مقفل بکس چورستے پر رکھا ہوا ہے۔ ڈاک ٹکٹ اور پوسٹ کارڈ اور روپے پیسے اس کھلے بکس میں پڑے رہتے ہیں اس کے انتظام یا نگرانی کے لئے کوئی آدمی بھی مقرر نہیں ہے۔ گاؤں کے لوگ جس کی آبادی ایک ہزار کے قریب ہے اس بکس میں پیسے ڈال کر حسب ضرورت پوسٹ کارڈ وغیرہ نکال لیتے ہیں۔ مگر گذشتہ دو سال میں کوئی ایسا واقعہ سرزد نہیں ہوا ہے جس سے گاؤں کے کسی بھی فرد پر جان یا انجان میں کسی غلطی یا بے ایمانی کا شبہ بھی کیا جا سکے۔

دادو بھائی جب اس چورستے سے گذرتا ہے تو اُسے یہ نئی پولیس اور ان کی جیپ گاڑی بے اختیار یاد آجاتی ہے۔

مسائل

مزدوروں کی تعلیم: مزدور سبھاؤں کا ایک لازمی کام

اغراض و مقاصد میں بہت زیادہ الجھنے کی ضرورت نہیں

یہ ایک حقیقت ہے اور جس کی طرف اسٹیٹسمین کے زیر نظر اداریئے میں خاص طور سے اشارہ بھی کیا گیا ہے کہ ہمارے ملک میں بالغوں کی تعلیم اور مزدوروں کی تعلیم کا اس قدر چرچا نہیں ہے جتنا کہ ابتدائی مدرسوں اور کالجوں کی تعلیم کا چرچا عام ہے۔ حالانکہ ملک کے ترقیاتی پروگراموں میں صنعتوں کو جو اہمیت حاصل ہے اس کے پیش نظر مزدوروں کی تعلیم ملک کی ایک اشد ضرورت بن گئی ہے۔

اس موضوع پر تعلیم و ترقی کے صفحات میں اکثر و بیشتر مضامین شائع ہوتے رہے ہیں اور دسمبر ۱۹۵۷ء میں اس موضوع پر ایک خاص نمبر بھی شائع کیا جا چکا ہے۔ یہاں ہم ملک کے مشہور انگریزی روزنامہ اسٹیٹسمین کے اس اداریہ کا ترجمہ پیش کر رہے ہیں جو ندکورہ جریدے کی ۲۶ ستمبر کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ ہم اس کے لئے روزنامہ اسٹیٹسمین کے شکر گذار ہیں ——— ایڈیٹر

یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارے ملک میں مزدوروں کی تعلیم کا چرچا اتنا عام نہیں ہے جتنا کہ ابتدائی، ثانوی یونیورسٹیوں کی تعلیم کا چرچا عام ہے اس کی ایک وجہ جو سمجھ میں آتی ہے شاید یہ ہو کہ صنعتی مزدوروں کی مجموعی تعداد اتنی نہیں ہے جسے ہندوستان کی وسیع آبادی کا کوئی قابلِ لحاظ حصہ سمجھا جائے۔ مگر جب کبھی بھی اس مسئلے پر بحث چھڑتی ہے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ ساری کی ساری دلیلیں بے بنیاد مفروضات پر مبنی ہیں۔ مزدوروں کی تعلیم کے اغراض و مقاصد، دائرۂ عمل، طریق کار اور اصولِ فن کی تشریح و توضیح کے لئے تقریباً ہر سال کانفرنسوں میں غور و خوض ہوتا ہے مگر مزدوروں کی تعلیم کا اصل کام (خواہ وہ سوشل ایجوکیشن کے نام سے ہو یا فنڈامنٹل یا ماس ایجوکیشن کے نام سے) بہت کم آگے بڑھ پاتا ہے۔ مزدور سبھاؤں کا حال یہ ہے کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ اس کی طرف خاطر خواہ توجہ نہیں کی ہے بلکہ اس کی طرف سے بے اعتنائی اور بے توجہی بھی برتی ہے۔ ان کے اوپر سنگٹھن اور جماعتی سودے بازی کا بھوت اس بُری طرح سوار رہتا ہے کہ انھیں اور کسی کام کا ہوش ہی نہیں رہتا۔ اور یہ بات ایسی نہیں ہے جو عام روایت سے ہٹ کر ہو۔ ہر جگہ یہی بات دیکھنے میں آئی ہے کہ مزدور سبھائیں تعلیمی کام میں دلچسپی اس وقت لیتی ہیں جب انھیں خوشحالی اور سماجی تحفظ کا یقین ہونے لگتا ہے۔

مگر اس کے باوجود مزدوروں کی تعلیم اور مزدور سبھاؤں کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو بظاہر کتنی ہی بے میل کیوں نہ معلوم ہوتی ہو مگر اُس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس تعلیم کا مقصد اگر یہ مانا جائے کہ مزدوروں کو اپنے گرد و پیش کے ماحول سے باخبر رکھے تو اس میں ان باتوں کا شامل ہونا ضروری ہے جن کا تعلق عام طور سے مزدور سبھاؤں سے ہوتا ہے یعنی صنعت اور محنت سے متعلق قوانین اور قواعد و ضوابط کا علم، جماعتی سودے بازی کا فن اور متعلقہ صنعتوں کی معلومات۔ مزدور چونکہ عام طور سے گاؤں کی سادہ زندگی سے نکل کر شہروں کی بظاہر پُر رونق زندگی میں داخل ہوتا ہے اور چونکہ اس تبدیلی کے درمیان کے عبوری مرحلوں کو پار نہیں کر چکا ہوتا ہے۔ اس لئے ظاہر ہے اس کی تعلیم کا رنگ روپ ایسا ہونا چاہیئے جو اس عبوری دور کے تقاضوں کو پورا کر سکے۔ اسی بنیاد پر اکثر ماہرین مزدوروں کی تعلیم کے نصاب میں شہری سماجیات اور صنعتی نفسیات جیسے بھاری بھرکم مضامین کو داخل کرنے پر اصرار کرتے ہیں۔ اسے یوں سمجھئے کہ اس نصاب سے اُن کا مقصد یہ بتانا ہوتا ہے کہ اسے اپنے اہل و عیال کے ساتھ کس طرح صحت مند اور خوشحال زندگی گذارنی چاہیئے اور کام کے دوران میں خطرات سے اپنے آپ کو کس طرح محفوظ رکھنا چاہیئے۔

مزدوروں کو تعلیم دینے کا ڈھنگ کیا ہے، یہ بڑا اہم سوال ہے۔ ایک دوسرا اہم مسئلہ ہے اور اس سلسلے میں ہماری عالمانہ بحثوں میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ وہی پُرانے اور رائج طریقے ہیں یعنی لیکچر، سیمنار، مباحثے اور نمائشیں یا تعلیم کے آڈیو ویژول سامان یعنی فلم اور فلم اسٹرپ اور ان کے اپنے فوائد و نقصانات کی طرف اشارہ ہوتا ہے جو نسبتاً ذہین اور ہوشیار لوگوں کی مجلسوں میں سامنے آتے ہیں۔ البتہ تبصرہ اور نکتہ چینی کتابوں اور مطالعے کے دوسرے مواد پر کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ نو خواندہ بالغوں کو جو کتابیں

پڑھنے کے لئے دی جاتی ہیں وہ بے حد خشک اور غیر دلچسپ ہوتی ہیں۔ جس کا ثبوت پنچایت گھروں کی میزوں پر پڑی ہوئی کسی بھی کتاب پر ایک نظر ڈالنے سے بہ آسانی مل سکتا ہے لیکن اصول اور طریقے سے متعلق ایک ہی قسم کی باتوں کو بار بار دہرانے کے بجائے اگر مزدور سبھائیں اور دوسری جماعتیں مزدوروں کی تعلیم کے بارے میں جم کر کام کرنے کے لئے کمر بستہ ہو جائیں تو بڑا اچھا ہو۔ مزدوروں کو کام دینے والے سرمایہ داروں کو بھی مختصر سے عبوری زمانے کے بعد خون چوسنے والے "خونخوار ویمپائر" کا کردار ترک کر کے سچا جمہوریت پرست بننا ہے چنانچہ وہ بھی مزدوروں کی تعلیم کو فروغ دینے میں بہت کچھ کر سکتے ہیں اور کرنا چاہیئے۔

"اسٹیٹسمین"

سوشل ایجوکیشن کی تحریک

اڈلٹ ایجوکیشن کی دوسری عالمی کانفرنس

اڈلٹ ایجوکیشن کی دوسری عالمی کانفرنس یونیسکو کے زیر اہتمام اگست کے آخری ہفتے میں مونٹریل (کینیڈا) میں منعقد ہوئی۔ کانفرنس نے مختلف سماجی، تہذیبی اور ملکی حالات میں اڈلٹ ایجوکیشن کے موضوع اور منصب اور اس کے تنظیمی پہلوؤں پر غور و خوض کیا۔ کانفرنس نے آخیر میں ایک بیان کے مسودے کی منظوری دی جس میں دنیا کے تمام ترقی یافتہ ملکوں سے درخواست کی گئی ہے کہ وہ دنیا سے ناخواندگی کے بدنما داغ کو مٹانے کے لئے اقوام متحدہ کی طرف سے باقاعدہ مہیں چلانے میں مدد پہنچائیں۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے تیزی سے ترقی پذیر ملک ناخواندگی کے خاتمے کے زبردست دباؤ کا مقابلہ کر رہے ہیں۔ ان ملکوں کے سامنے یہ ایک بڑا اہم کام ہے کہ وہاں کے لوگ لکھ پڑھ کر وہ ضروری صلاحیتیں حاصل کر لیں جو ایک نئے سماج کی تشکیل کے لئے ضروری ہیں۔

کوآپریٹیو فارمنگ کو مقبول بنانے کی کوشش

۳۲۰۰ آزمائشی فارم قائم کرنے کی تجویز

نیشنل ڈیولپمنٹ کونسل نے جس کی دو روزہ نشست ۱۲ اور ۱۳ ستمبر ۱۹۶۰ء کو دہلی میں منعقد ہوئی تھی، ملک میں تعاونی کھیتی کو مقبول بنانے کے لئے ۳۲۰۰ آزمائشی فارم قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ یہ فارم ان اسکیموں کے علاوہ ہوں گے جو مختلف ریاستی

حکومتیں اگلے تین ماہ میں اپنی ریاستوں میں اسی طرح کے کاموں کے لئے بنائیں گی۔

کونسل نے اپنے سابقہ فیصلے کو دہراتے ہوئے اس بات پر خاص زور دیا کہ کوآپریٹیو سوسائٹیوں کی تنظیم اور تشکیل میں کسی طرح کی زبردستی سے کام نہیں لیا جائے گا۔ کونسل نے یہ بھی اعلان کیا کہ کوآپریٹیو فارمنگ کے لئے کوئی آخری نشانہ ابھی مقرر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ مگر یہ امید بھی ظاہر کی گئی کہ دس سال بعد زیر کاشت زمین کے ایک خاصے بڑے حصے پر کوآپریٹیو طریقے سے کھیتی کی جانے لگے گی۔

سماجی بہبود کے اداروں کے لئے عملے کی ضروریات

انڈین کانفرنس آف سوشل ورک کی دہلی شاخ کے زیر اہتمام "سماجی بہبود کے اداروں کے لئے عملے کی ضروریات" کے موضوع پر ایک سیمینار کا افتتاح کرتے ہوئے شری شری من نارائن ممبر پلاننگ کمیشن نے کہا کہ ہمارے یہاں رضاکار ادارے جو مفید کام انجام دے رہے ہیں، حکومت کو ان کی اہمیت تسلیم کرنی چاہیئے اور ان کو ان کاموں کے لئے امداد بھی دینی چاہیئے۔ اسی کے ساتھ شری شری من نارائن نے ہر کام میں حکومت کا منہ تکنے کی زہریلی ذہنیت کی بھی مذمت کی اور کہا کہ رضاکار اداروں کو محض حکومت یا چند مالدار لوگوں کی امداد کا ہی سہارا نہیں لینا چاہیئے بلکہ انھیں چھوٹے چھوٹے چندے کی شکل میں ان لوگوں سے زیادہ سے زیادہ امداد حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے جن کی فلاح و بہبود کے لئے وہ مفید خدمات انجام دے رہے ہیں۔

یہ سیمینار جو ۱۱ ستمبر کو شریمتی من موہنی سہگل کی زیر صدارت دہلی میں ہوا تھا اس میں مختلف اداروں کے پچاس سے بھی زائد نمائندوں نے شرکت کی تھی۔

اطلاع

ماہنامہ تعلیم و ترقی کا اس سال کا اسپیشل نمبر ۲ اکتوبر کے بجائے ۱۰ اکتوبر سنہ ۱۹۶۲ء کو شائع ہوگا۔ اس سال کے نمبر کا خاص موضوع ہوگا "سوشل ایجوکیشن میں کمیونٹی آرگنائزیشن کا درجہ" اس اعتبار سے یہ نمبر ڈیولپمنٹ بلاکوں میں کام کرنے والے ساتھیوں کے لئے ایک مستند ہینڈبک کی حیثیت کا ہوگا۔

اسپیشل نمبر کی قیمت عام پرچوں کے مقابلے میں زیادہ ہوتی ہے چنانچہ اس نمبر کی قیمت بھی کم و بیش ایک روپیہ ہوگی اور جو لوگ اسے الگ سے خریدنا چاہیں گے انھیں یہ قیمت ادا کرنی ہوگی۔ لیکن جو صاحبان اکتوبر سنہ ۱۹۶۲ء سے پرچے کے خریدار رہیں گے۔ انھیں یہ نمبر بھی سالانہ قیمت ہی میں پیش کیا جائے گا۔

ماہنامہ تعلیم و ترقی کا سالانہ چندہ جو صرف چار روپے ہے۔

——— منیجر

REGISTERED NO D-1125

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا

چالیس سالہ جشن

جامعہ ملیہ اسلامیہ نے ۱۹۴۶ء میں اپنی عمر کے پچیس سال پورے کرنے کے ایک سال بعد سلور جوبلی منائی تھی۔ اب ۲۹ اکتوبر ۱۹۶۰ء کو اس کی عمر چالیس سال کی ہو جائے گی چنانچہ اس موقعہ پر اس نے چالیس سالہ جشن منانے کا مبارک فیصلہ کیا ہے۔

اس جشن کی تیاریاں شروع ہو گئی ہیں جشن کمیٹی اور اس کے ماتحت ذیلی کمیٹیاں بن گئی ہیں اور سب نے اپنا اپنا کام شروع کر دیا ہے۔ جامعہ میں کام کا اصول ہمیشہ یہ رہا ہے کہ "اگر کوئی کام اس قابل ہے کہ کیا جائے تو وہ اس قابل بھی ہے کہ اچھی طرح کیا جائے"۔ کمیٹیاں اپنے اپنے کام کے جو منصوبے بنا رہی ہیں ان میں ہر قدم پر یہ اصول کارفرما ہے۔

کوشش کی جا رہی ہے کہ جشن کے خاص جلسے کی صدارت راشٹرپتی ڈاکٹر راجندر پرساد کریں۔ اور جشن کا افتتاح وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو۔ جشن کے موقع پر جامعہ کی تعلیمی نمائش بھی ہوگی۔ کوشش کی جا رہی ہے کہ تعلیمی نمائش کا افتتاح وزیر تعلیم ڈاکٹر کے۔ ایل۔ شریمالی جی فرمائیں۔ جامعہ کا کنووکیشن ایک عرصے سے نہیں ہوا ہے۔ جشن کے اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر کنووکیشن کی تقریب بھی کرنے کا منصوبہ ہے۔ ابھی تک یہ طے نہیں ہو سکا ہے کہ کنووکیشن ایڈریس کے لئے کس سے درخواست کی جائے۔ جامعہ کا ترجمان رسالہ "جامعہ" ۱۹۴۷ء میں بند ہو گیا تھا، اور اب تک اس کی اشاعت نو کا موقع نہیں مل سکا تھا۔ اب یہ طے ہو گیا ہے کہ اس چالیس سالہ جشن سے اس کی از سر نو اشاعت شروع کر دی جائے۔

جامعہ برادری کو جشن کی تیاریوں سے باخبر رکھنے کی غرض سے سائیکلو اسٹائل کیا ہوا ایک ہفتہ وار خبرنامہ "صحیفۂ جشن" کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔ یہ خبرنامہ بہت مفید کام کر رہا ہے۔

یہی زمانہ جامعہ کے مستقبل کے باب میں ایک سنگِ میل کی حیثیت بھی رکھتا ہے۔ جامعہ کو قومی اہمیت رکھنے والا ادارہ تسلیم کر کے اس کے لئے پارلیمنٹ سے قانون پاس کروانے کی بات سوچی جا رہی ہے۔ یہ بھی جامعہ کی بے لوث خدمات کا انعام ہے کہ اس مہم میں ملک کے با اثر اور سربرآوردہ ماہرین تعلیم بھی شریک ہیں اور انھوں نے جامعہ کو اس حیثیت سے تسلیم کرنے اور اسے مستقل طور پر قانونی حیثیت دیئے جانے کی بڑی شد و مد سے تائید کی ہے۔

اگر موقع ہوا تو ہم ناظرین کی دلچسپی کے لئے "تعلیم و ترقی" کی اگلی کسی اشاعت میں اس چالیس سالہ جشن کے آنکھوں دیکھے حالات شائع کریں گے۔

خاص نمبر

سوشل ایجوکیشن کی تحریک میں کمیونٹی آرگنائزیشن کا درجہ

★ کمیونٹی آرگنائزیشن : تعریف و تشریح

★ خیالات اور رائیں : آیا کمیونٹی آرگنائزیشن ہندوستان کے مزاج کے مطابق ہے؟

★ کمیونٹی آرگنائزیشن عمل کے میدان میں : کام کے کچھ نمونے

دہلی

ادارۂ تعلیم و ترقی۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

جلد ۱۱ اکتوبر سنہ ۱۹۶۰ء شمارہ ۱۰

خاص نمبر

بعنوان

سوشل ایجوکیشن میں کمیونٹی آرگنائزیشن کا درجہ

بانی:۔ شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر:۔ پروفیسر محمد مجیب
برکت علی فراق
رفیق محمد شاستری

دفتر ماہنامہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر نئی دہلی

پرنٹر پبلشر برکت علی فراق نے کوہ نور پریس لال کنواں دہلی میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ جامعہ نگر نئی دہلی سے
شائع کیا

ترتیب

اشارات

گجرات نیشنل سیمنار کے ورکنگ پیپرز

کمیونٹی آرگنائیزیشن : تعریف و توضیح

خیالات اور رائیں : آیا کمیونٹی آرگنائیزیشن ہندوستان کے مزاج کے مطابق ہے ؟

کمیونٹی آرگنائزیشن عمل کے میدان میں: کام کے کچھ نمونے

اشارات

سوشل ایجوکیشن اور کمیونٹی آرگنائیزیشن

کمیونٹی آرگنائیزیشن کے منصب اور کردار کو پیش نظر رکھئے تو اس کے اس نام سے کسی قدر غلط فہمی پیدا ہوتی ہے۔ اور جو شخص اس سے واقف نہ ہو اور اصطلاحوں کو ان الفاظ کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کرے وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جائے گا کہ کمیونٹی آرگنائیزیشن کا مقصد کمیونٹی کو آرگنائیز کرنا ہے یعنی کمیونٹی منظم نہیں ہے یہ ٹکنیک اُسے منظم کرے گی، حالانکہ اس کی جو تعریفیں کی گئی ہیں انھیں اور جس سماج میں اس کی نشو و نما ہوئی ہے، اُسے ذہن میں رکھئے تو معلوم ہوگا کہ اس کا عمل اُس سماج میں ہوتا ہے جس کی شکل صورت متعین اور نشو و نما مکمل ہو چکی ہو۔ اس بیان کا ثبوت اُس کام سے ملتا ہے جسے کمیونٹی آرگنائیزیشن کے عمل کی پہلی منزل قرار دیا جاتا ہے یعنی یہ کہ اس ٹکنیک کے مطابق ضرورتوں کی کھوج لگانا اس کا پہلا کام ہے۔ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ اپنے سماجی سانچے میں ڈھلی ہوئی کمیونٹی اتنی منظم ہے کہ اس کے مسائل اور ضرورتوں کی کھوج لگانے کی ضرورت پڑتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں اسے یوں سمجھئے کہ کمیونٹی میں اگر کوئی ضرورت نہ رہ جائے (بشریت کے تقاضے کو تھوڑی دیر کے لئے نظر انداز کر دیجئے جس کے مطابق انسان کی زندگی کسی وقت ضرورت سے خالی نہیں رہ سکتی) تو اس میں کمیونٹی آرگنائیزیشن کی سرے سے ضرورت ہی نہیں ہوگی۔ اس کی ضرورت کا نہ ہونا اس بات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ اس ٹکنیک کے بعض ماہرین کے نزدیک کمیونٹی آرگنائیزیشن کا رول اُس وقت ختم ہو جاتا ہے جب کمیونٹی کا زیر غور مسئلہ حل یا ضرورت پوری ہو جائے۔ کمیونٹی آرگنائیزیشن کے منصب کا غالباً یہی نقص ہے جسے دور کرنے کی غرض سے ڈاکٹر آرتھر ای مارگن نے کمیونٹی کا دستور کا نظریہ پیش کیا ہے جو کمیونٹی ایسوسی ایشنوں کی شکل میں برطانوی نقطۂ نظر سے جا ملتا ہے اور سماج کے لئے کمیونٹی آرگنائیزیشن کی مستقل ضرورت کو تسلیم کرتا ہے۔

مگر یہ بات بر سبیل تذکرہ آ گئی۔ ہماری اس وقت کی بحث کا موضوع یہ ہے کہ آیا کمیونٹی آرگنائیزیشن کی ٹکنیک ہماری دیہی بستیوں (شہری بستیوں کا یہاں ذکر نہیں ہے) میں کس حد تک کارآمد اور نتیجہ خیز ثابت ہو سکتی ہے۔ دہلی اسکول آف سوشل ورک کے استاد پروفیسر گنگراڈے نے اس سوال پر اپنے مضمون میں تفصیل سے بحث کی ہے اور نتیجہ نکالا ہے کہ اگر کمیونٹی آرگنائیزیشن کی ٹکنیک کو ہندوستان میں اختیار کرنا ہے تو اُسے جوں کا توں تسلیم نہیں کیا جا سکتا اور اس کے اصول میں بنیادی ترمیمیں اور تبدیلیاں کرنی

ہوں گی۔ گنگراڑے صاحب نے یہ نتیجہ اس بنیاد پر نکالا ہے کہ کمیونٹی آرگنائزیشن کا سارا زور فرد کے حقِ خود اختیاری اور امتیازِ خود کفیلی کے اوپر ہوتا ہے جس کے بغیر اس کا عمل نہ پورا ہو سکتا ہے نہ کامیاب۔ اُن کا کہنا ہے کہ ہندوستانی تہذیب کی روایات اس کے بالکل برعکس ہیں جن کے مطابق فرد اپنی زندگی کی ہر منزل میں اپنے بڑے بوڑھوں اور اپنے مذہبی پیشواؤں کی سرپرستی اور رہنمائی کا محتاج ہوتا ہے۔ گنگراڑے صاحب نے یہ تو نہیں بتایا ہے کہ وہ بنیادی ترمیمیں اور تبدیلیاں کیا ہو سکتی ہیں لیکن جس بات پر انھوں نے اپنے نظریے کی بنیاد رکھی ہے اُسے ذہن میں رکھیے تو معلوم ہوگا کہ جب ہندوستانی تہذیب اُس اصول ہی کے خلاف ہے جس کے اوپر کمیونٹی آرگنائزیشن کی ٹکنیک کی بنیاد ہے تو اس میں ترمیم اور تبدیلی کا سوال ہی کہاں باقی رہ جاتا ہے؟ وہ تو کمیونٹی آرگنائزیشن نہیں، کوئی اور ہی چیز ہوگی جس کی بنیاد فرد کے حقوق کے بارے میں خالصتہً ہندوستانی تہذیب کی روایات پر ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ کمیونٹی آرگنائزیشن ہو یا سوشل کیس ورک، یا سوشل گروپ ورک، سوشل ورک کی صف میں آنے والے جتنے کام ہیں، اُن کے اصول اور طریقۂ کار کا مطالعہ کیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب اُس وقت کے کام ہیں جب سماج کی شکل و صورت متعین ہو چکی ہو، لوگوں کو آرام و آسائش سے متعلق ضروری خدمات میسر ہوں اور تعلیم کے اثر سے اُن کے دماغ روشن اور اقتصادی خوش حالی کے فیض سے جسم میں جان اور دست و بازو میں قوت ہو، اور پھر اگر بہ تقاضائے بشریت کوئی فرد، کوئی گروہ یا چھوٹی موٹی کوئی جماعت کسی وجہ سے سماج کے سانچے میں فٹ نہ ہو پاتی ہو تو اُسے مختلف ترکیبوں سے اس میں فٹ ہونے کے قابل بنا دیا جائے۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ امریکہ میں جہاں کی یہ ایجاد ہے، سوشل ورک کے قریب قریب ہر کام کو کسی تحریک یا مہم کی نہیں بلکہ پیشے کی حیثیت دی جاتی ہے بالکل اُسی طرح جیسے قانونی اور طبی مشورہ دینے کے کام کو پیشہ سمجھا جاتا ہے۔

اس اعتبار سے دیکھیے تو کمیونٹی آرگنائزیشن کو اُس فرم سے تشبیہ دی جا سکتی ہے جو مکانوں کو اُن کے حسبِ حیثیت آراستہ کرتی ہے۔ ظاہر ہے ان "خانہ آرا" فرموں اور کمپنیوں کا وہاں کیا کام جہاں مکان ہی نہ ہو، اُن کا کام یا تو اُس وقت ہوتا ہے جب پہلے سے بنے بنائے مکان کی آرائش میں کہیں کھوٹ یا کوئی کمی نظر آئے یا کبھی کبھی اُس وقت جب کوئی نیا مکان بن کر کھڑا ہو جائے اور اسے ڈھکنے موندنے اور آراستہ کرنے کی ضرورت ہو۔ — "کبھی کبھی" کا لفظ اس لیے کہنا پڑا کہ اکثر و بیشتر نئے مکانوں کے معاملے میں یہ کام بھی مکان بنانے والوں ہی کے کام کا ایک جزو ہوتا ہے۔ ہمارے یہاں ہندوستان میں کیفیت یہ ہے کہ پرانا مکان اتنا خستہ حال ہو گیا ہے کہ اس میں قدم قدم پر کمی ہی کمی نظر آتی ہے — کمی کی کھوج لگانے کی ضرورت ہی نہیں ہے — اور نئے مکان کا ابھی تک نقشہ ہی نہیں بن پایا ہے۔ اس حالت میں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آ سکتی ہے کہ اِس وقت ہندوستان کو ضرورت "خانہ آرا" کمپنی کی خدمات کی ہے یا اُس "معمار" کی جو مکان کا نقشہ بھی بنائے اور اس کے مطابق مکان کو بنا کر کھڑا بھی کر دے۔ اور مکان کا نقشہ بنانے میں اس بات کا لحاظ رکھے کہ جو مکان بنے گا وہ ہندوستان کے مخصوص "موسم" اور "آب و ہوا" کے مطابق ہوگا تو رہنے والوں کو آرام رہے گا ورنہ انھیں اس کی وجہ سے ہر وقت

کوفت رہے گی۔

دوسری طرف سوشل ایجوکیشن ایک خالصتہً دیسی مال ہے جس کے لئے کچھ پرزے باہر سے منگوائے گئے تھے، اور کچھ یہیں تیار کئے گئے تھے اور ان کی ترکیب سے اپنی ضرورت کے مطابق ایک مشین تیار کر لی گئی تھی۔ اسے ہر حیثیت سے کامل اور پیٹینٹ بھی نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ اسے زیادہ سے زیادہ کارگر بنانے کے لئے اس میں آئے دن ترمیم و اصلاح ہوتی رہتی ہے اور اس وقت تک ہوتی رہے گی جب تک یہ سونی صدی نئے ہندوستان کے مزاج کے مطابق نہ ہو جائے گی۔ یہ کوئی پیشہ نہیں بلکہ ایک تحریک ہے، ایک نعرہ ہے جو زندگی سے بھاگے ہوئے ہندوستانیوں کو زندگی کی طرف بلاتا ہے، اور اس سے لطف اندوز ہونے کی دعوت دیتا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ یہ بھگوڑے ایک جگہ جم کر بیٹھ تو جائیں، پھر ہم انھیں بیٹھنے اور زندگی گذارنے کے اداب سکھا لیں گے۔ غرض سوشل ایجوکیشن ڈینش معلّم کرشٹن کولڈ کے عقیدے کے مطابق "ہندوستانیوں کے اندر زندگی کی حرارت پیدا کرنے والی تحریک ہے، جس کے اثر سے ان کے دل میں 'روشنی' کی خواہش خود بخود پیدا ہو گی۔"

جمہوریت جو کمیونٹی آرگنائزیشن کے عمل کی دوسری لازمی شرط ہے، ہندوستان کے لئے ایک نیا تجربہ ہے۔ ابھی اُسے اس طرزِ زندگی کی سرے سے مشق ہی نہیں ہے۔ اور جب جمہوری طرزِ فکر اور طریقِ عمل کی مشق ہی نہ ہوئی ہو تو کمیونٹی آرگنائزیشن کے عمل کے کامیاب ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ سوشل ایجوکیشن کی تحریک اِس نئے طرزِ فکر اور طریقِ زندگی کی مشق بہم پہنچانے والے ایک مکتب، ایک درسگاہ کے ہم معنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے مصنفوں نے اِسے "جمہوریت کی تعلیم" کے نام سے بھی موسوم کیا ہے اور غالباً اِس تحریک کا یہی وہ پہلو ہے جس کے پیش نظر بہت سے گوشوں سے یہ آواز آتی ہے کہ سوشل ایجوکیشن کا معلّم اگر نرا اجاڑ ہے کا ٹٹو ہوا تو اس سے اس کے مشن کے ناکام ملکہ بدنام ہونے کا خطرہ ہے۔ ڈینش اور اسکینڈی نیوین رہنما اس خطرے سے آگاہ تھے چنانچہ ان کے یہاں فوک ہائی اسکولوں کے نام سے "زندگی اور جمہوریت کی تعلیم کی تحریک جس وقت اٹھی اُس وقت اُسے یونیورسٹیوں کے اساتذہ نے اپنے ہاتھ میں لیا تھا، جنھیں بالغوں اور نوجوانوں کو اپنی شخصیت اور اپنے خیالات سے متاثر کرنے کا تجربہ تھا۔

غرض کمیونٹی آرگنائزیشن اور سوشل ایجوکیشن دونوں کی غرض و غایت اور اصول و منہاج کو سامنے رکھئے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ ابھی ایک عرصے تک ہندوستان میں (خصوصاً ہندوستان کی دیہی بستیوں میں) سوشل ورک بالخصوص کمیونٹی آرگنائزیشن کی ٹکنیک سے مفید نتائج نکلنے کا امکان نہیں ہے، اور اگر کمیونٹی آرگنائزیشن کو سوشل ایجوکیشن کی گدّی پر بٹھا دیا گیا تو بقول پروفیسر گنگرارٹے کے "دماغ الجھنوں کا شکار ہو جائیں گے اور ان سے دوسرے بہت سے مہلک مسائل اٹھ کھڑے ہوں گے۔

لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ دونوں کے راستے الگ الگ ہیں، تو دل بھی الگ الگ ہوں۔ ہندوستان کا مزاج کچھ اس طرح کا ہے کہ ایک ہی بستی میں رہنے والے مختلف راستوں پر چلتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے ساتھی اور مددگار رہتے ہیں،

ان کے راستے الگ الگ ضرور ہوتے ہیں، مگر ان کے دل ملے ہوتے ہیں، ایک دوسرے کی کمی کو پورا کرتا ہے، اور اسے گرتے ہوئے دیکھ کر سہارا دیتا ہے۔ مقصد کمیونٹی آرگنائزیشن اور سوشل ایجوکیشن دونوں کا جمہور کی فلاح و بہبود ہے اور یہ اتحادِ مقصد وہ دولت ہے جس کے اوپر اس کا حامل ہر شخص فخر کر سکتا ہے

شکریہ

ماہنامہ "تعلیم و ترقی" کی یہ اشاعتِ خصوصی ہماری اپنی کوششوں سے زیادہ ہمارے احباب کے اشتراک و تعاون کا نتیجہ ہے، جس کے لئے ہم ان کے ممنون اور احسان مند ہیں۔ ہمیں پوری طرح احساس ہے کہ جن مصنفوں نے اس اشاعت میں کشادہ دلی کے ساتھ حصہ لیا ہے، اگر ان کا تعاون ہمیں حاصل نہ ہوتا تو ہم اتنا ضخیم اور مفید نمبر ہرگز شائع نہیں کر سکتے تھے۔

ہم ان سطور کے ذریعے ان تمام احباب کا جن میں شری ایم۔ سی۔ نانا دتی، شمس الرحمن محسنی صاحب برٹش کاونسل، پروفیسر کے۔ ڈی۔ گنگراڈے، شری این۔ رائے، شری نکی رام گپتا، شری ایس۔ راگھون اور شری شالگ رام پتھک خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں، تہہ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ وہ آئندہ بھی تعلیم و ترقی کے اس مشن میں ہمیں سہارا دیتے رہیں گے۔

گجرات نیشنل سیمینار کے ورکنگ پیپرز

ابتدائی مسودہ

آخری ترمیم شدہ خاکہ

جنرل سکریٹری کا خط

گیارہواں نیشنل سیمنار

موضوع بحث : سوشل ایجوکیشن میں کمیونٹی آرگنائزیشن کا درجہ

بحث کے عنوانات کا خاکہ

کمیونٹی آرگنائزیشن کی اصطلاح کا استعمال شروع ہوئے ابھی بہت زیادہ دن نہیں ہوئے۔ بستی کو ایک سماجی اور معاشی اکائی مان کر سماج کی نئی تعمیر کے سلسلے میں اس کے اردگرد مختلف قسم کی بہت سی سرگرمیاں اور پروگرام منظم کئے جاتے ہیں۔ انہی سرگرمیوں اور پروگراموں کو ظاہر کرنے کے لئے کمیونٹی آرگنائزیشن کی یہ اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ جو لوگ ایک عرصے سے سماج کی نئی تعمیر کے سلسلے میں کام کرتے رہے ہیں، ان کے تجربے سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ سماجی مسائل کو حل کرنے کا ایک ذریعہ بستی سے براہ راست وابستگی قائم کرنا بھی ہے۔ بستی کو منظم کرنے کی بات پر پہلے دھیان نہیں دیا جاتا تھا۔ اب اس مسئلے کی طرف توجہ ہے جسے حل کرنے کے لئے مختلف نقطۂ نظر رائج ہیں۔ سیمنار کو یہ کرنا ہوگا کہ ان مختلف نظریوں کو سامنے لائے اور ان کی خوبیوں اور خامیوں کا جائزہ لے۔ اس مقصد کے لئے سب سے پہلے حسب ذیل بنیادی سوالات پر غور کرنا ہوگا۔

۱۔ بستی (کمیونٹی) کی کیا تعریف ہے؟

جیسا کہ سماجی علوم کی کتابوں میں پہلے سے ذکر چلا آتا ہے، کمیونٹی (بستی) سے مراد ہے ایک جغرافیائی علاقہ جس کی مقررہ قانونی سرحدیں ہوں، جس کے باشندے ایک دوسرے سے جڑے ہوئے اور مربوط معاشی پیشوں اور سرگرمیوں میں مشغول ہوں اور جس کو سیاسی تنظیم کے لحاظ سے ایک خود حکمراں سیاسی اکائی کی حیثیت حاصل ہو۔ تاریخی پس منظر میں دیکھئے تو بستی (کمیونٹی) کا مفہوم مختلف قسم کی تعریفوں اور تشریحوں سے گذرنے کی وجہ سے سیدھی سی بات سے ایک پیچیدہ مفہوم کی شکل اختیار کر گیا ہے۔ موجودہ مفہوم کے لحاظ سے افراد کا ہر وہ مجموعہ کمیونٹی کی تعریف میں آسکتا ہے جو سوچ سمجھ کر منظم ہوا ہو اور ایک مقررہ علاقے کی حدود کے

اندر رہتا ہو، جسے ایک خاص حد تک سیاسی خود مختاری حاصل ہو تاکہ وہ ابتدائی درجے کے اداروں مثلاً اسکول اور پنچایت کا انتظام کرے، اور جو ایک خاص حد تک آپس میں ایک دوسرے کا محتاج رہنے کو تسلیم کرتا ہو۔ کمیونٹی کی تعریف میں قریئے (چھوٹے چھوٹے گاؤں جنھیں پورے بھی کہا جا سکتا ہے)، گاؤں، قصبے اور شہروں کے محلے بھی آ سکتے ہیں۔ اس اعتبار سے بستی یا کمیونٹی صرف افراد کے مجموعے کا نام نہیں ہو سکتا۔ اس کا مفہوم اس کے برخلاف افراد کا ایک ایسا مجموعہ ہوگا جو ایک علاقے کی حدود میں رہتا ہو اور جس کے کچھ مشترک مفاد یا کام ہوں۔ اس کے علاوہ کمیونٹی کی تعریف میں آنے کے لئے افراد کے اس مجموعے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ان کے جذبات ایک جیسے ہوں اور ان کی تاریخ (اور روایات) ایک ہو۔

سیمنار کو اس سلسلے میں طے کرنا ہوگا

۱۔ ہندوستان کی دیہی اور شہراتی بستیوں (کمیونٹیوں) میں آیا کچھ جذبات اور کچھ کام ایسے ہیں جو سب کے لئے یکساں ہوں۔ اگر ہیں تو وہ کیا ہیں؟

۲۔ آیا ان بستیوں میں کچھ جذبات اور کچھ روایات یا تاریخی یادداشتیں ایسی ہیں جن کی بنیاد پر انھیں کمیونٹی تسلیم کیا جا سکتا ہو؟ اگر ہیں تو وہ کیا ہیں؟

۳۔ کمیونٹی کی دوسری خصوصیات کیا ہو سکتی ہیں؟ ایک کمیونٹی میں افراد کے اور گروہوں کے کیا کام ہو سکتے ہیں؟

۲۔ کمیونٹی آرگنائزیشن کیا ہے؟

کمیونٹی آرگنائزیشن سے نیچے لکھی ہوئی باتوں میں سے کوئی ایک یا سب کی سب باتیں مراد ہو سکتی ہیں:

۱۔ ایک غیر منظم کمیونٹی کو منظم کرنا۔ دوسرے الفاظ میں افراد کے ایک مجموعے میں وہ خوبیاں اور اوصاف پیدا کرنا جن کے ہونے سے اُسے کمیونٹی کہا جا سکے۔

۲۔ غلط بنیادوں پر منظم کمیونٹی کی نئی تنظیم۔ اسے یوں سمجھئے کہ ہو سکتا ہے ایک کمیونٹی میں ناپسندیدہ قسم کے گروہ بن گئے ہوں اور پسندیدہ اور صحت مند گروہوں کا وجود نہ ہو۔ اس صورت میں کمیونٹی آرگنائزیشن کا مطلب ہوگا اس کے اندر سے ناپسندیدہ گروہوں کو ختم کرنا اور پسندیدہ گروہوں کی تخلیق کرنا۔

۳۔ افراد میں ایسے اوصاف اور صلاحیتیں پیدا کرنا جن کی مدد سے جماعت کے اندر رہ کر وہ پسندیدہ طریقے پر کام کر سکیں۔

سیمنار کو کمیونٹی آرگنائزیشن کا مفہوم سمجھنے کے لئے

۱۔ سوچنا ہوگا کہ آیا کوئی اور تصور ایسا ہے جسے ہم کمیونٹی آرگنائزیشن کی تعریف میں شامل کر سکتے ہیں۔

۲ - غیر منظم غلط بنیادوں پر منظم اور صحیح بنیادوں پر منظم بستیوں (کمیونیٹوں) کے نمونے متعین کر کے ان کا آپس میں موازنہ کرنا ہوگا۔

۳ - کمیونٹی آرگنائزیشن کے راستے

کمیونٹی آرگنائزیشن کا کام جن راستوں سے ہوتا ہے، ان میں پہلا راستہ، جسے سیدھا راستہ بھی کہہ سکتے ہیں، کمیونٹی کو براہِ راست منظم کرنے کا ہے۔ اس کا ڈھنگ یہ ہے کہ پاس پڑوس کے لوگوں کو ایسے پروگراموں اور سرگرمیوں کے توسط سے متحد و منظم کیا جائے جن میں سب کے سب لوگ حصہ لیں اور شرکت کریں۔ اس راستے سے کام کرنے کی مثال کے لئے ہم اپنے سامنے "اسکول کا اسکول اور کمیونٹی سنٹر کا کمیونٹی سنٹر" (اسکول کم کمیونٹی سنٹر) والا نظریہ رکھ سکتے ہیں۔ یہ نظریہ سب کو معلوم ہے کہ اس میں اسکول ہی بستی کی ایک مقامی جماعت کا صدر مقام بن جاتا ہے۔ اس جماعت میں مختلف دلچسپیاں رکھنے والے مختلف گروہ شامل ہوتے ہیں اور اپنی اپنی دلچسپی کے مطابق سوشل ایجوکیشن، تفریح اور دل بہلاؤ اور شہریت کی تعلیم کے منصوبے بناتے اور چلاتے ہیں۔ اگرچہ اس قسم کے سنٹر میں علاقے کے باشندوں کے تمام افراد شامل نہیں ہوتے مگر پھر بھی اسے کمیونٹی آرگنائزیشن کا ایک طریقۂ عمل اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے کہ اس کی سرگرمیوں میں ایک پڑوس میں رہنے والے تمام افراد کو شامل کرنے کی کوشش ہوتی ہے۔ کام کے اس راستے کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کمیونٹی کے باشندوں سے براہِ راست تعلق قائم کیا جاتا ہے۔

کمیونٹی آرگنائزیشن کے کام کا دوسرا راستہ کمیونٹی کے اندر کام کرنے والے مختلف سماجی اداروں کے درمیان کوشش کر کے ربط اور تال میل پیدا کرنے کا ہے تاکہ ایک ہی طرح کے کاموں میں ٹکراؤ نہ ہو اور اس ٹکراؤ سے محنت اور سرمائے کا جو نقصان ہوتا ہے اس سے بچا جاسکے اور آپس میں اتحاد اور تال میل کا خوشگوار ماحول پیدا کیا جاسکے۔ مغربی ملکوں میں کمیونٹی چیسٹ (بستی کے گلک) کا جو رواج ہے اُسے کام کے اس ڈھنگ کا سب سے اچھا نمونہ کہا جاسکتا ہے۔

سیمنار کو اس بات پر غور کرنا ہوگا کہ ہم اپنے مخصوص حالات میں کمیونٹی آرگنائزیشن کے ان راستوں کو کس طرح اختیار کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی سوچنا ہوگا کہ آیا کمیونٹی آرگنائزیشن کے اور بھی کچھ راستے ہو سکتے ہیں یا نہیں۔

۴ - آیا کمیونٹی آرگنائزیشن بجائے خود کوئی مقصد ہے یا قابلِ قدر مقصد تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہے

کمیونٹی آرگنائزیشن اصلاً ایک تنظیم کا نام ہے جو ایک ہی مقصد کے لئے کام کرنے والے عناصر کے مل جُل کر اور ہم آہنگی کے ساتھ کام کرنے کی غرض سے وجود میں آتی ہے۔ اس اعتبار سے یہ ایک اچھی تنظیم صرف اُسی وقت ہو سکتی ہے جب یہ اپنے مقصد کو

حاصل کرنے میں کامیاب ہو ورنہ اس کی کوئی قیمت نہیں ہے بلکہ یہ مفید ہونے کے بجائے مضر ہو سکتی ہے۔ لہذا نوجوانوں، عورتوں یا بچوں کی محض تنظیم بجائے خود کوئی مقصد نہیں ہو سکتی۔ کیمونٹی آرگنائزیشن پر غور کرتے وقت قدرتی طور پر یہ سوال کیا جا سکتا ہے کہ "آرگنائزیشن یا تنظیم کس لئے ہے؟"۔

۵۔ اوپر جو نتائج نکالے گئے ہیں، اگر وہ سیمنار کے نزدیک معقول اور مسلّم ہوں تو پھر وہ آگے چل کر اس بات پر غور کر سکتا ہے کہ وہ کیا باتیں ہیں جن کے لئے کمیونٹی آرگنائزیشن کی ضرورت ہوتی ہے؟ نیچے مقاصد کی ایک فہرست دی جاتی ہے۔ سیمنار کو غور کرنا ہوگا کہ آیا کمیونٹی آرگنائزیشن کی ضرورت ان سب مقاصد کے لئے ہو سکتی ہے یا ان میں سے کسی ایک یا چند کے لئے؟

۱۔ بستی کے لوگوں کی صحت و توانائی کو برقرار رکھنا اور اس میں مزید اضافہ کرنا۔

۲۔ بستی کے لوگوں کی تعلیم کا انتظام

۳۔ اشخاص کے درمیان معلومات و خیالات کے تبادلے کے ذرائع فراہم کرنا۔

۴۔ معاشی سرگرمیوں اور چہل پہل کا ماحول فراہم کرنا۔

۵۔ لوگوں میں کلا اور آرٹ کا ذوق پیدا کرنا۔

۶۔ کھیل کود اور تربیت جسمانی کی حوصلہ افزائی کرنا۔

۷۔ علم اور فن کو ترقی دینا۔

۸۔ سماجی تنظیم جو قائم ہو اُسے برقرار رکھنا اور اُسے مزید ترقی دینا

۹۔ دین اور دھرم کی تبلیغ کرنا — دین اور دھرم اس معنی میں کہ زندگی کی کچھ بنیادی قدریں ہیں جو بہرحال قابل احترام ہوتی ہیں۔

سیمنار کو غور کرنا ہوگا کہ

۱۔ آیا کمیونٹی آرگنائزیشن کے کچھ اور بھی مقاصد ہو سکتے ہیں؟

۲۔ آیا اوپر کی فہرست میں دیئے ہوئے تمام کے تمام مقاصد کے لئے کمیونٹی آرگنائیزیشن کی ضرورت ہے؟ یا ان میں سے کچھ کو خارج از بحث قرار دیا جا سکتا ہے؟

۶۔ اس بحث میں سوشل ایجوکیشن کا کیا مقام ہے؟ سوشل ایجوکیشن اور کمیونٹی آرگنائیزیشن کے درمیان رشتۂ اتحاد کیا ہے؟ یا یہ دونوں اصطلاحیں ایک ہی معنی رکھتی ہیں؟

آیا سوشل ایجوکیشن اور کمیونٹی آرگنائیزیشن کے درمیان کوئی کشمکش یا تناؤ تو نہیں ہے؟ اگر ہے تو کس معاملے میں؟ یہ مانتے ہوئے کہ کمیونٹی آرگنائیزیشن سے سوشل ایجوکیشن کو فائدہ پہنچے گا کیا یہ صحیح ہوگا کہ کمیونٹی آرگنائیزیشن سوشل ایجوکیشن یا اس کے منصب کی جگہ لے لے؟ اگر یہ نظریہ صحیح ہو تو سوشل ایجوکیشن کے وہ کون سے پہلو ہوں گے جنہیں ترک کیا جائے گا۔

ان سوالوں کا جواب دینے کے لئے ہمیں یہ سمجھنا ہوگا کہ سوشل ایجوکیشن کیا ہے؟ کمیونٹی آرگنائیزیشن کیا ہے، یہ ہم نے سمجھ لیا۔ اب آیئے دیکھیں سوشل ایجوکیشن کیا ہے؟

ظاہر ہے سوشل ایجوکیشن تعلیم کی ایک شکل ہے، پوری تعلیم نہیں اس کا صرف ایک پہلو، ایک حصّہ۔ تعلیم کا وہ پہلو جس کا تعلق غالباً سماج سے ہے یعنی دوسرے الفاظ میں وہ تعلیم جو فرد کو اپنے سماج سے زیادہ سے زیادہ اور اچھے سے اچھے ڈھنگ سے مستفید ہونے کے لئے تیار کرے۔

یہ فرد کو سماج کے اندر مُدغم کرنے والی تعلیم نہیں ہے یعنی اس کا کام یہ نہیں ہے کہ فرد اپنے وجود کو ترک کرکے جس گروہ کا وہ رکن ہے اُس کے اندر گم ہو جائے۔ تو پھر سوشل ایجوکیشن کیا ہے؟

سوشل ایجوکیشن کا ایک پہلو فرد کو سماج میں رہنے کے آداب سکھانا ہے یعنی یہ سکھانا کہ ایک دوسرے سے ملنے جُلنے اور ساتھ مل کر کام کرنے کا کیا گُر ہے تاکہ اُسے استعمال کرکے اُن مقاصد میں کامیابی حاصل کی جا سکے جو سب کے لئے یکساں طور پر مفید اور کارآمد ہوں۔

سیمینار کو غور کرنا ہوگا کہ

۱۔ آیا کمیونٹی آرگنائیزیشن کی تعریف کو سامنے رکھتے ہوئے سوشل ایجوکیشن کی یہ تعریف کسی حد تک بحث کی بنیاد بن سکتی ہے؟

۲۔ اگر نہیں تو اس میں کیا تبدیلی کی جا سکتی ہے اور کمیونٹی آرگنائیزیشن سے اس کا رشتہ کس طرح جوڑا جا سکتا ہے؟

اگر یہ تعریف صحیح یا کم سے کم کام چلاؤ ہو تو پھر ظاہر ہے کمیونٹی آرگنائزیشن اور سوشل ایجوکیشن دو مختلف چیزیں ہیں۔ مگر پھر بھی اُن کا آپس میں بہت قریب کا رشتہ ہے۔

کمیونٹی آرگنائزیشن سے مراد ہے لوگوں کو مخصوص مقاصد حاصل کرنے کی غرض سے گروہوں میں منظم کرنا۔

سوشل ایجوکیشن سے مراد ہے لوگوں کو گروہ بنانے اور انھیں خوبی کے ساتھ چلانے کا گر سکھانا۔

سوشل ایجوکیشن ایک معنی میں کمیونٹی آرگنائزیشن کا ایک آلۂ کار ہے۔

دوسرے معنی میں کمیونٹی آرگنائزیشن سوشل ایجوکیشن کو آگے بڑھانے کا ایک وسیلہ ہے۔

سوشل ایجوکیشن کمیونٹی آرگنائزیشن کا آلۂ کار اس بنیاد پر ہے کہ اس سے کمیونٹی کے اندر مطلوبہ گروہ پیدا کرنے اور انھیں برقرار رکھنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ایک مخصوص حد تک یہ کمیونٹی کو منظم کرنے کی ذمے داری بھی لیتی ہے۔

دوسری طرف کمیونٹی آرگنائزیشن سوشل ایجوکیشن کو آگے بڑھانے کا ایک وسیلہ اس بنیاد پر ہے کہ گروہوں کے ساتھ رہ کر کام کرنے سے مل جل کر سوچنے اور کام کرنے کی نسبتاً زیادہ اہمیت پیدا ہوتی ہے جو شہریت کے لئے ضروری چیز ہے۔ اس کے علاوہ گروہوں کے ساتھ مل کر کام کرنے سے دوسری بہت سی مفید معلومات حاصل کرنے اور کام کے گر سیکھنے میں مدد ملتی ہے۔ اتنی کہ اگر انفرادی طور پر کام کیا جائے تو اتنی حاصل نہیں ہو سکتی یہی وجہ ہے جس کی بنیاد پر یہ کہا جاتا ہے کہ کمیونٹی آرگنائزیشن سوشل ایجوکیشن کا ایک طریقۂ کار ہے۔

۷۔ آئیے اب کمیونٹی آرگنائزیشن کے مقصد پر بحث کریں۔ مقصد کا تعین خواہ وہ ہو جس کا پانچویں باب میں ذکر کیا گیا ہے یا جیسا سیمینار مناسب سمجھے

اس سلسلے میں یہ سوال اٹھ سکتا ہے کہ اس میدان میں کس جگہ کمیونٹی آرگنائزیشن اور سوشل ایجوکیشن ایک دوسرے سے باہم ٹکراتے ہیں یا ایک دوسرے کو کاٹتے ہیں؟ ظاہر بات ہے یہ وہی مقام ہے جسے سماجی تنظیم کہا گیا ہے۔ سماجی تنظیم بہت وسیع میدان ہے جس میں سماجی ادارے، قانون اور رسم و رواج، فرد کے حقوق، ابتدائی اور دوسرے درجے کے ترقی یافتہ گروہ، دوستانہ اجتماعات، لیڈر شپ اور سرداری اور سماجی پابندی وغیرہ بہت سے عنصر شامل ہوتے ہیں، یعنی انسانی سرگرمی کا وہ پورا میدان جس میں فرد اور سماج آپس میں ایک دوسرے کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ مگر سوشل ایجوکیشن کے احاطے میں یہ پورے کا پورا میدان نہیں آیا۔ پھر اس میدان کا کون سا حصہ سوشل ایجوکیشن کے احاطے میں آتا ہے؟

اس سلسلے میں سیمینار نیچے دیئے ہوئے سات امور پر غور کر سکتا ہے۔

۱۔ سوشل ایجوکیشن لوگوں کو اس بات کے لئے ابھارتی ہے کہ وہ اپنے مقاصد کو ان سے متعلق باقاعدہ کام کرنے والے گروہوں کے وسیلے سے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔

۲۔ سوشل ایجوکیشن کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ ایسے گروہوں کو یا تو بدل دے یا نظر انداز کر دے جو سماجی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوتے ہوں ۔ کوئی مثال دی جا سکتی ہے؟

۳۔ سوشل ایجوکیشن افراد کو اس بات کے لئے ابھارتی ہے کہ وہ ایسے مطلوبہ گروہوں کی تخلیق کریں جن کے عمل سے سماجی ہم آہنگی پیدا ہو۔ اس نظر سے دیکھئے تو سماج کی تعمیر و ترقی میں ایک منزل وہ آتی ہے جب کہ اپریٹیو سوسائٹیاں خود اپنے اہتمام میں قائم کرتی ہیں۔ اس منزل میں یہ کام سوشل ایجوکیشن کے احاطے سے باہر ہوگا۔ لیکن جب تک یہ منزل نہیں آتی ہے اُس وقت تک کو اپریٹیو گروہوں کو بڑھاوا اور حوصلہ دلانا سوشل ایجوکیشن کا ایک جزو ہوگا۔

۴۔ سوشل ایجوکیشن کے پروگرام کا ایک اہم پہلو کمیونٹی کے اندر کام کرنے والے مختلف گروہوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی اور یک جہتی کا ماحول پیدا کرنا ہے۔ یہ کام ان گروہوں کے درمیان ربط ضبط اور آمد و رفت کے مواقع کو ترقی دینے سے پورا ہو سکتا ہے۔ اس پہلو کو سامنے رکھتے ہوئے سوشل ایجوکیشن کا صرف یہی کام نہیں ہے کہ باہمی ربط ضبط، خط و کتابت اور تبادلۂ خیالات کے گُر سکھائے جو اسکولوں کے لئے نہیں ہو سکا ہے، بلکہ اس کا یہ بھی کام ہے کہ وہ کمیونٹی سنٹر کی طرح کے ادارے قائم کر کے لوگوں کو ایک مرکز پر لانے اور ایک دوسرے سے ملنے جلنے کا اہتمام کرے۔ ان ذریعوں سے ایک کو دوسرے سے ملانے والی نہریں جو اٹ کر بند ہو چکی ہیں، پھر سے جاری ہو سکتی ہیں۔

۵۔ جن گروہوں سے مل کر کمیونٹی بنتی ہے، ان میں سے بعض کی حیثیت پوری کمیونٹی کے لئے مرکزی ہوتی ہے۔ پنچایت اسی طرح کی ایک جماعت ہے۔ سوشل ایجوکیشن کا منصب یہ ہے کہ وہ لوگوں کو اس طرح کی جماعتوں اور گروہوں سے دلچسپی لینے پر آمادہ کرے۔ اس اعتبار سے پنچایت کے کام کے جو بالکل ٹکنیکل پہلو ہیں، ان کی دیکھ بھال تو پنچایت ڈپارٹمنٹ کا کوئی افسر ہی کرے گا مگر سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کی ذمے داری یہ تعلیم دینا ہوتی ہے کہ لوگ پنچایت کے توسط سے مل جل کر سوچنے، مل جُل کر ذمے داری اٹھانے کا اچھے سے اچھا نمونہ پیش کریں۔ ایک طرف پنچایت کو یہ جمہوریت کے آداب سکھاتی ہے تو دوسری طرف لوگوں کو تلقین کرتی ہے کہ وہ پنچایت سے اپنی یگانگت اور وابستگی کا اظہار کریں اور اس کے بنائے ہوئے قاعدوں اور ضابطوں کی پابندی کریں۔

۶۔ سوشل ایجوکیشن اس بات کی بھی کوشش کرتی ہے کہ جن جماعتوں اور گروہوں سے یہ زیادہ وابستگی رکھتی ہے اُن کو

آگے بڑھائے اور ان کو سرداری کرنے کا اہل بنائے۔

۷۔ سوشل ایجوکیشن کا ایک کام یہ بھی ہے ــــ اور وہ کسی سے کم اہم نہیں ہے کہ وہ یہ اہتمام کرے کہ کمیونٹی کے اندر کام کرنے والی مختلف جماعتیں کمیونٹی کے مسائل کو ہاتھ میں لیتے وقت پوری کمیونٹی کو اپنی نظر میں رکھیں اور یہ کوشش کریں کہ لوگوں میں جماعتیت کا جذبہ پیدا ہو۔

یہ ہیں کام کے سات میدان۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ سوشل ایجوکیشن اور کمیونٹی آرگنائزیشن کا ان میدانوں میں باہم کیا رشتہ ہے؟

۸ ــــ وہ کون سی ٹھوس سرگرمیاں ہیں جن کے ذریعے سوشل ایجوکیشن کمیونٹی کے اندر مختلف قسم کی جماعتیں بناتی اور ان سے کام لیتی ہے؟ وہ کون سے مخصوص گروہ ہیں جنھیں منظم کرنا سوشل ایجوکیشن کی خاص ذمے داری ہے؟ ایک منظم سماج میں ان گروہوں کا کیا درجہ ہے؟

سیمنار کو ان سوالوں کا جواب حسب ذیل باتوں کو ذہن میں رکھ کر ہوئے دینا چاہیے:

ا۔ دیہاتی اور شہری علاقے۔

ب۔ آبادی کی تقسیم کی مختلف شکلیں مثلاً گاؤں، بلاک، ضلع وغیرہ۔

ج۔ کام کے مختلف پہلو مثلاً خواندگی، کتب خانہ وغیرہ

گیارہویں سیمنار کے

عنوانات بحث کا ترمیم شدہ اور آخری خاکہ

سینار کے ورکنگ پیپر کی آخری شکل سامنے آجانے کی صورت میں اس کے پہلے مسودے کی اشاعت ظاہر میں کچھ عجیب سی بات معلوم ہوتی ہے لیکن اس کے باوجود دونوں کو ایک ساتھ شائع کرنے کی ہمارے خیال میں بہر حال ضرورت ہے۔

اگر دونوں خاکوں کو آمنے سامنے رکھ کر دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ یہ آخری خاکہ پہلے مسودے سے بالکل مختلف ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جن احباب نے سینار میں شرکت کرنے کا ارادہ کر لیا ہے انھیں اس کے موضوع بحث سے دلچسپی ہے اور یہ طے ہے کہ انھوں نے اس کے بحث کے خاکے میں اتنی تبدیلیاں تجویز کی ہوں گی کہ پہلے مسودے کی سرے سے شکل ہی تبدیل ہوگئی۔ چنانچہ ان دونوں خاکوں کو ایک ساتھ شائع کرنے سے ہمارا مقصود یہ دکھانا ہے کہ اگر کسی چیز سے صحیح معنی میں دلچسپی لی جائے تو وہ جمہوریت کے عمل سے تپ تپا کر کتنی ٹھوس اور صحت مند شکل اختیار کر لیتی ہے۔

ایسوسی ایشن کے سیناروں کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے جب مجوزہ تبدیلیوں کی بنیاد پر نئے سرے سے ایک دوسرا خاکہ مرتب ہوا اور اُسے سینار کی تاریخوں کا انتظار نہ کر کے گشت کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ قدم ہمارے سیناروں کی جمہوری روح کے عین مطابق ہے اور اس کے لئے تبدیلیوں کے مجوزہ، سینار کے ہونے والے ڈائرکٹر اور ایسوسی ایشن، تینوں مبارک باد کے مستحق ہیں۔

——— ایڈیٹر

موضوع کا تعارف

تیسرے پنج سالہ پلان کی شکل اُبھر اُبھر کر اب سامنے آتی جا رہی ہے۔ سوشل ایجوکیشن میں ہمارے تجربے کی عمر دس سال سے اوپر ہو گئی ہے۔ اِس عرصے میں یہ تجربہ ہم نے زیادہ تر کمیونٹی ڈیویلپ منٹ کے میدانِ عمل میں کیا ہے۔

ہم نے اس عرصے میں کمیونٹی آرگنائزیشن کا بہت چرچا سنا ہے۔ سوشل ایجوکیشن اور کمیونٹی ڈیویلپ منٹ میں اس کا مناسب مقام کیا ہے؟ اس بارے میں ناپ تول اور جانچ کا غالباً موقع آ گیا ہے اور ضرورت ہے کہ اس کے اثرات و نتائج کا اندازہ کیا جائے اور ہمارے تجربے میں اس سے متعلق جو سے اچھی باتیں آئی ہیں، ان کو مزید تقویت پہنچائی جائے۔

تعریف

کمیونٹی آرگنائزیشن کی ایک تعریف: کمیونٹی آرگنائزیشن ایک ایسی اصطلاح ہے جس کے بہت سے معنی ہیں۔ بجائے اس کے کہ بہت سی تعریفیں بیان کر کے آپ کو الجھن میں ڈالا جائے ہم اس کی صرف ایک تعریف بیان کرتے ہیں۔

"کمیونٹی آرگنائزیشن نام ہے ایک تدبیر (عمل) کا جس کے ذریعے کمیونٹی اپنی ضرورتوں یا ارادوں کی کھوج اور شناخت کرتی ہے؛ ان ضرورتوں یا ارادوں کی ایک مرتب شکل قائم کرتی ہے؛ ان ضرورتوں یا ارادوں کو پورا کرنے کے لئے اپنے اندر عزم و اعتماد پیدا کرتی ہے؛ ان ضرورتوں یا ارادوں کی تکمیل کے لئے اندرونی یا خارجی یا دونوں طرح کے وسائل کا پتہ چلاتی ہے؛ ان ضرورتوں یا ارادوں کو پورا کرنے کے لئے عملی قدم اٹھاتی ہے اور اس تمام عمل کے ذریعے کمیونٹی کے اندر اشتراک و تعاون کے اوصاف اور عادات کی نشو و نما کرتی ہے۔ کمیونٹی آرگنائزیشن کا عمل وہ عمل ہے جس کے اثر سے کمیونٹی میں اس کے افراد کے باہم شیر و شکر ہو کر کام کرنے کی صلاحیت بڑھتی اور پروان چڑھتی ہے!"

سوال یہ ہے کہ

"آیا آپ کو اس تعریف سے اتفاق ہے؟ کیا اس تعریف کو بحث کی بنیاد بنایا جا سکتا ہے؟ اگر تیار نہیں ہیں تو مہربانی فرما کر کوئی دوسری تعریف بیان کیجئے جو آپ کی رائے میں ..."

۳۔ کمیونٹی کی تعریف

کمیونٹی آرگنائیزیشن ہی کی طرح لفظ "کمیونٹی" کے بھی بہت سے معنی ہیں۔ بہر حال ہمارا جس طرح کی کمیونٹی سے تعلق ہے اس کا مطلب ہے مفادات کا اشتراک جس کی ترجمانی گاؤں کے سب لوگ کریں۔ گاؤں سے مراد چاہے ایک واحد گاؤں ہو یا اس سے بڑا کوئی علاقہ جیسے کمیونٹی ڈیولپمنٹ کا علاقہ کا علاقہ۔ ہمیں ذاتوں کی کمیونٹیوں (برادریوں)، مذہبی کمیونٹیوں (فرقوں) اور اس طرح کی دوسری جماعتوں سے جو چاہے ایک ہی جغرافیائی حد کے اندر ہوں، کوئی تعلق نہیں ہے۔

کمیونٹی کے مذکورۂ بالا مفہوم کے مطابق اس کی حسب ذیل خصوصیتیں ہیں:۔

۱۔ اس کا ایک مقررہ علاقہ ہوتا ہے۔ اس مقررہ علاقے کے حدود کے اندر آرام ہو تو، تکلیف ہو تو، کمیونٹی دونوں میں برابر کی شریک ہوتی ہے۔

۲۔ اس کی ایک آبادی ہوتی ہے ــ کمیونٹی میں جو لوگ رہتے بستے ہیں، ان کی مختلف تقسیمیں ہو سکتی ہیں مثلاً عمر کے لحاظ سے مختلف گروہ، مرد اور عورت کے فرق کے لحاظ سے مختلف گروہ، پیشوں کے فرق اور مفاد اور دلچسپی کے لحاظ سے مختلف گروہ۔

۳۔ اس کے اندر نفسیاتی طور پر میل جول و اتحاد ہوتا ہے: کمیونٹی کے ارکان و افراد میں باہم ایک ہونے یا آپس میں ایک دوسرے کو اپنا سمجھنے یا ایک گاؤں کے باشندے ہونے کے رشتے سے ایک ہونے کا نہایت شدید جذبہ موجود ہوتا ہے۔

۴۔ اس کی ایک تمدنی میراث ہوتی ہے: کمیونٹی ایک مشترک ماضی، مشترک رسومات، مشترک جذبات اور مشترک اقدار کی حامل ہوتی ہے۔

۵۔ اس کے مشترک حوصلے اور تمنائیں ہوتی ہیں اور حسرت ہوتی ہے کہ (کم سے کم دنیاوی معاملات میں) آپس کے تعلقات کا سلسلہ برابر جاری رہے۔

کمیونٹی آرگنائیزیشن کے تصور کے تین پہلو

کمیونٹی آرگنائیزیشن کے تصور کے سب سے زیادہ مستقل اور نمایاں تین پہلو ہیں اور تینوں مقصد و منشاء اور طریقہ کار کے اعتبار سے بنیادی طور پر ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

(۱)

ان میں سے پہلے کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ کمیونٹی میں "کسی خاص سرگرمی کو منظم کرنا" کمیونٹی آرگنائزیشن ہے۔
اس بات کو پھیلا کر یوں کہا جاسکتا ہے کہ ایک شخص یا ایک سنستھا یا ایک جماعت سمجھ لیتی ہے کہ کمیونٹی کی زندگی کے فلاں شعبے میں اصلاح کی ضرورت ہے اور اس اصلاح کو بروئے کار لانے کی غرض سے وہ ایک پروگرام شروع کرتی ہے۔ اس طریقۂ کار کی کامیابی کا پیمانہ عموماً یہ ہوتا ہے کہ جو اصلاح یا جو منزل یا جو مقصود پیش نظر تھا وہ کس حد تک حاصل ہوا؟ اگر یہ مقصود حاصل ہوگیا تو اس کے لئے جو راستہ اختیار کیا گیا تھا وہ مفید اور نتیجہ بخش تھا، اور اگر وہ پورا نہیں ہوا تو تجربہ ناکام رہا۔

(۲)

تصور کے دوسرے پہلو کو "رفاہ عامہ کا عام راستہ" کہہ سکتے ہیں۔ اس تصور کے مطابق ایک جماعت یا مختلف جماعتوں کی ایک تنظیم جس کا منشا ایک مخصوص علاقے میں رفاہ عامہ کے کاموں اور خدمات میں تال میل پیدا کرکے انہیں مفید اور موثر بنانا ہوتا ہے میدان میں آتی ہے یہ جماعت یا تنظیم موجودہ کاموں اور خدمات میں ربط پیدا کرنے کی کوشش کرتی ہے، ان کو اور زیادہ بڑھانے اور پھیلانے کے لئے کام کرتی ہے اور کمیونٹی کی انفرادی اور جماعتی ضرورتوں کی تسکین کے لئے نئی خدمات کو شروع کرنے کے لئے اقدام کرتی ہے۔ اس تصور کا منشا کوئی مخصوص اصلاح نہیں ہوتی بلکہ کمیونٹی کے اندر خاص خاص خدمات کے جاری کرنے کے لئے مستعدی سے منصوبہ بندی کرنا اور ان منصوبوں کو انجام دینا ہوتا ہے۔
اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جو طریقے اختیار کئے جاتے ہیں وہ اس کے حسب حال ہوتے ہیں یعنی اس کا تعلق چونکہ عوام سے ہوتا ہے اس لئے طریقۂ کار میں بھی انہی سے تعلق اور رشتہ قائم کیا جاتا ہے۔ اس کے لئے ضرورت ہوتی ہے کہ جو خدمات کمیونٹی میں جاری ہوتی ہیں ان میں ربط اور وسعت پیدا کرنے کے لئے کمیونٹی کے با اثر اور مستعد اشخاص کی ایک خاصی بڑی جماعت کو اس مہم سے وابستہ کیا جائے جنھیں اس کے لئے سوچ بچار کرنے اور وسائل کو جٹانے سے عملی دلچسپی ہو۔ اسی طرح یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ عوام میں سے بھی زیادہ سے زیادہ لوگ مہم میں شریک ہوں اور آپس کے صلاح مشورے اور تبادلۂ خیالات کے ذریعے کام کا جو نقشہ بنے اس سے متفق ہوجائیں اور انہیں عملی جامہ پہنانے کے لئے مسلسل زور لگائیں۔ اس طریقۂ کار کا نتیجہ اس صورت میں نکلتا ہے کہ کمیونٹی کے لوگوں کو اپنی زندگی کے مخصوص شعبوں کی اصلاح و ترقی کے لئے مستقل اور مسلسل زور لگانے کی عادت پیدا ہوجاتی ہے۔ اصلاح اور ترقی اس تصور میں پہلی سیڑھیاں ہیں۔
اس تصور کا دوسرا درجہ کا منشا پڑھے لکھے اور مومنند شہریوں کے ایک حلقے کی نشوونما ہے جو کمیونٹی کی ترقی اور بکاس کی ضرورت میں ایمان رکھتا ہو۔ یہ طریقۂ کار پہلے طریقے سے کئی حیثیتوں سے مختلف ہے۔ پہلے میں کمیونٹی کی زندگی کے

کسی ایک شعبے میں اصلاح مقصود ہوتی ہے۔ اس میں اصلاح کا میدان عام اور وسیع ہوتا ہے۔ پہلے میں کمیونٹی کے عوام و خواص یا گروہوں کو پروگرام سے عملاً وابستہ کرنے کا سوال اتنا نہیں ہوتا جتنا اس طریقے میں ہے۔ پہلے میں اصلاحی پیغام کو منوانے کے لئے کوئی زور یا دباؤ ڈالنے کا خیال نہیں ہوتا۔ اس میں باقاعدہ کوشش ہوتی ہے کہ ایک گروہ یا انجمن ایسی بنائی جائے جو کمیونٹی کے افراد، اداروں اور عام پبلک کے اوپر اس اسکیم کی سفارشات کو قبول کرنے کے لئے مسلسل زور ڈال سکے۔

(۳)

تیسرا تصور وہ ہے جسے "تعلیم کا راستہ" کہا جا سکتا ہے۔ اس تصور میں پروگرام کا منشا کسی ٹھوس چیز کا حاصل کرنا نہیں ہوتا، یعنی اس کے ذریعے کسی قسم کی خدمت یا آسائش حاصل کرنا مقصود نہیں ہوتا۔ اس کے بجائے اس کا منشا ایک طرزِ عمل پیدا کرنا اور اس کی نشوونما کرنا ہوتا ہے جس کے اثر سے کمیونٹی کے لوگ آپ اپنے مسائل کی کھوج لگانے اور انھیں حل کرنے کی غرض سے خود بخود بلکہ غیر ارادی طور پر متحد ہو جاتے ہیں۔ اس طریقۂ کار میں مختلف گروہوں کے باہم مل کر اور اشتراک و تعاون کے جذبے کے زیرِ اثر کام کرنے کی عادت پر زور رہتا ہے یہاں تک کہ کمیونٹی کے مسائل کو باہم متحد ہو کر حل کرنے کی صلاحیت ان کی سیرت میں گھر کر لے۔ اس کا اولین منشا کمیونٹی کی ایکتا اور یک جہتی کو فروغ دینا اور اس بات کی اہلیت پیدا کرنا ہے کہ وہ اپنے مشترک مسائل کے معاملے میں شیر و شکر ہو کر کام کرے۔

چند بنیادی سوالات۔

الف : کمیونٹی آرگنائزیشن کیا ہے؟

۱۔ مذکورہ بالا تینوں طریقوں میں سے وہ کون سا طریقہ ہے جس سے عوام کی زیادہ سے زیادہ تعداد میں متفق ہو سکیں؟

۲۔ کس طریقے پر عمل کیا جائے کہ اس سے کمیونٹی کو اپنی منزل آپ متعین کرنے اور اسے حاصل کرنے کی غرض سے اپنے آپ فیصلہ کرنے کا موقع ملے گا؟

۳۔ کون سا طریقہ اختیار کیا جائے جس سے کمیونٹی کے پروگراموں سے اس کے ہر فرد کو وابستہ ہونے کا یقین ہو۔

۴۔ ایک متحد کمیونٹی کی تخلیق میں کون سا طریقہ سب سے زیادہ کامیاب ہو سکتا ہے؟

۵۔ کمیونٹی کے تمام عناصر میں اشتراک و تعاون اور باہم شیر و شکر ہو کر کام کرنے کے پہلو پر کون سا طریقہ سب سے زیادہ زور دیتا ہے؟

۶۔ وہ کیا حالات ہیں جن میں کیمونٹی آرگنائزیشن کی کامیابی کی سب سے زیادہ امید ہو سکتی ہے؟

۷۔ کن حالات میں اسے ناکامی کا اندیشہ رہتا ہے؟

۸۔ مذکورہ بالا طریقوں میں سے ہر طریقے کے سب سے نمایاں نتائج کیا ہوتے ہیں؟
(اس قسم کے پروگراموں سے برآمد ہونے والے نتائج گاندھی جی اور اُن کے پیروؤں نے سوچے ہیں، مثلاً قلبی تاثرات، وقار، قابلیت، خودداری، قوت وصلاحیت کی بیداری، زندگی کو بہتر بنانے کے لئے کارآمد معلومات وغیرہ، اُن کے مقابلے میں ان نتائج کو دیکھئے کس نوعیت کے ہیں)

۹۔ ان طریقوں میں سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کا کیا کردار ہوگا؟

۱۰۔ ان میں سے کون سا تصور نئے ہندوستان کے نصب العینوں سے سب سے زیادہ قریب اور ہم آہنگ ہے؟

ب۔ کیمونٹی آرگنائزیشن کے تصور اور سوشل ایجوکیشن کے درمیان کیا رشتہ ہے؟

۱۔ ہندوستان میں سوشل ایجوکیشن کا جو جامع تصور ایجاد ہوا ہے کیا اُس میں کیمونٹی آرگنائزیشن بطور اُس کے ایک ضروری عُنصر کے شامل ہے؟

۲۔ سوشل ایجوکیشن کے طریقوں اور گُروں میں سے وہ کون سے طریقے اور گُر ہیں جو کیمونٹی آرگنائزیشن میں مشترک یا اس سے ملتے جلتے ہیں؟

۳۔ سوشل ایجوکیشن کے پروگراموں اور سرگرمیوں میں سے وہ کون سے پروگرام اور سرگرمیاں ہیں جن کے لئے کیمونٹی آرگنائزیشن کے گُر استعمال کرنا ضروری ہے؟

۴۔ کیا کیمونٹی آرگنائزیشن کے کچھ نئے طریقے، گُر اور راستے ایسے ہیں جو سوشل ایجوکیشن میں اختیار نہیں کئے جاتے؟ اگر ہیں تو وہ کیا ہیں اور اُن پر کس طرح عمل کیا جا سکتا ہے؟

۵۔ سوشل ایجوکیشن کے پروگرام میں زور کس بات پر دیا جانا چاہئے؟ کیمونٹی آرگنائزیشن کے اوپر یا اُس تعلیم کے اوپر جس کے بعد کیمونٹی آرگنائزیشن ممکن ہو سکتا ہے؟

ج۔ انتظام سے متعلق سوالات۔

۱۔ کیمونٹی آرگنائزیشن کی اچھی سے اچھی شکل کو عمل کا موقع دینے کی غرض سے انتظام میں کیا کیا تبدیلیاں مناسب (اور غالباً ضروری) ہوں گی؟

ا۔ مرکزی، ریاستی، ضلع وار، بلاک وار تنظیم میں کوئی تبدیلی؟

ب۔ انتظامی ڈھچر میں کوئی تبدیلی؟

ج۔ مختلف سطحوں پر کام کرنے والے سرکاری ملازموں کے باہمی تعلق میں تبدیلی؟

د۔ نگرانی کے ڈھنگ۔ اور کارکنوں اور افسروں کے درمیان انسانی تعلق کی نوعیت میں تبدیلی؟

۲۔ لامرکزیت کا کمیونٹی آرگنائزیشن کے اوپر کیا اثر پڑے گا؟

۳۔ سری نگر کی کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی کانفرنس میں یہ شکایت کی گئی تھی کہ جب کمیونٹی آرگنائزیشن کا پیشہ ور کارکن کام چھوڑ دیتا ہے تو بستیوں کی تنظیموں کو گاؤں والے خود اپنی تحریک پر جاری نہیں رکھتے۔ یہ بات کس حد تک صحیح ہے؟ اور اگر یہ صحیح ہے تو نیچے دی ہوئی باتوں کے بارے میں اس واقعے کی روشنی میں کس طرح کا فیصلہ کرنا ہوگا:

ا۔ کام کے لئے گاؤوں کے انتخاب میں کن باتوں کا خیال رکھنا چاہیئے؟

ب۔ آیا چند گاؤوں میں گہرائی کے اصول پر کام ہونا چاہیئے یا بہت سے گاؤوں میں پھیلاؤ کے اصول پر کام ہونا چاہیئے۔

ج۔ مقامی تنظیموں اور جماعتوں سے لمبی مدت تک تعلق قائم رکھا جائے یا کم مدت تک؟

د۔ کارکنوں کی تعیناتی کے بارے میں کیا پالیسی ہو؟

ہ۔ گاؤں کی تنظیموں اور سنستھاؤں کے ساتھ مل کر کام کرنے میں کیا طریقے اور راستے اختیار کئے جائیں؟

د۔ ٹریننگ سے متعلق سوالات

۱۔ سوشل ایجوکیشن آرگنائزروں، بلاک کے دوسرے کارکنوں، اور رضاکار اداروں کے کارکنوں کو کمیونٹی آرگنائزیشن کے فن کی ٹریننگ اچھے سے اچھے ڈھنگ پر کس طرح دی جا سکتی ہے؟ وہ کون سے طریقے ہیں جن پر کام کا پورا پورا تجربہ ہونے سے پہلے عمل کیا جائے تو وہ نتیجہ خیز ثابت ہوں۔

۲۔ ڈسٹرکٹ سوشل ایجوکیشن آفیسر اور دوسرے افسران اپنے ماتحت کام کرنے والے سوشل ایجوکیشن ورکروں کو کمیونٹی آرگنائزیشن کے طریقوں اور راستوں کی کس طرح ٹریننگ دے سکتے ہیں اور ان کا مزاج آشنا بنا سکتے ہیں؟

۳۔ اعادی اور کم مدت کی تعارفی ٹریننگ کے ذریعے بھی کچھ ہو سکتا ہے؟

۴۔ یہ تو کارکنوں کی ٹریننگ کی بات ہوئی۔ اونچے طبقے کے افسروں جیسے کلکٹروں، ڈپٹی کلکٹروں اور مرکزی اور ریاستی ڈیولپمنٹ افسروں کو کمیونٹی آرگنائزیشن کے اصول اور طریقۂ کار سے کس طرح آشنا اور متعارف کرایا جا سکتا ہے؟

سیمنار میں کام کا طریقہ

۱۔ ہم چاہتے ہیں کہ تعریف و توضیح کی منزل سے جلد از جلد گذر جائیں تاکہ خیالی الفاظ کے گورکھ دھندوں میں زیادہ وقت ضائع نہ کرنا پڑے۔

۲۔ جس وقت تصورات کے اوپر بحث شروع ہو اُس وقت ہمیں امید ہے کہ سیمنار میں شرکت کرنے والا ہر شخص کام کے آنکھوں دیکھے حالات اور اپنے تجربے میں آئے ہوئے واقعات سے لیس ہو کر آئے۔ ہماری خواہش ہے کہ آپ جو کچھ فرمائیں اس کی بنیاد آپ کی اپنی زندگی کے تجربات و مشاہدات پر ہو۔ نظریئے اور اصول سے شروع کر کے اسی کے اوپر بات چیت کو ختم کر دینے کے بجائے آیئے بات چیت کی ابتدا تجربات سے کریں، اور اُن کا تجزیہ اور جانچ کی جائے تاکہ نظریات باہر سے درآمد ہونے کے بجائے ہمارے مشترک تجربات کی سرزمین سے خود ابھریں۔

۳۔ سیمنار سے ہم چاہتے ہیں کہ

۱۔ کیمونٹی آرگنائیزیشن کا مقصد و منشا آئینے کی طرح صاف صاف واضح ہو جائے یعنی یہ کہ کیمونٹی آرگنائیزیشن کیا ہے، اس کا مقصود و مدعا کیا ہے، اس کے اصول کیا ہیں اور انھیں کس طرح اختیار کیا جانا چاہیئے کہ اچھے نتائج برآمد ہوں۔

۲۔ کیمونٹی آرگنائیزیشن کو عمل کا موقع دینے کی غرض سے انتظام میں جیسی تبدیلیاں مناسب سمجھی جائیں ان کے بارے میں اور

۳۔ ملازمت سے پہلے اور دورانِ ملازمت کی ٹریننگ اور کارکنوں کے کام کی نگرانی کے بارے میں سفارشات مرتب ہو جائیں۔

انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کے

جنرل سکریٹری کا خط

محترمی برکت صاحب،

کمیونٹی سینٹروں کی تنظیم کے موضوع پر اندور کے نیشنل سیمینار کے فوراً بعد دسمبر ۱۹۵۱ء میں میں نے انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن میں ایک مضمون "حرف تاکید" (A WORD OF CAUTION) کے عنوان سے شائع کیا تھا۔

حرف تاکید

اس ادارئے کا عنوان بڑی آسانی سے "ایک تنبیہ" (A WORD OF WARNING) رکھا جا سکتا تھا، لیکن لفظ "تنبیہ" (WARNING) چونکہ تعلیم کے جدید تصور سے ہم آہنگ نہیں ہے اس لئے ہم نے لفظ "تاکید" اختیار کرنے پر اکتفا کیا۔ کمیونٹی سنٹر کے تصور کو جو اتنی آسانی سے اڈلٹ ایجوکیشن کی آخری منزل قرار دے دیا گیا تھا، یہ تاکید دراصل اسی صورتِ حال کے پیشِ نظر تھی۔

اندور سیمینار نے کمیونٹی سینٹروں کے ذریعہ اڈلٹ ایجوکیشن پروگرام کو چلانے پر پسندیدگی کا اظہار کیا۔ اس سیمینار میں یہ بات جس آسانی کے ساتھ مان لی گئی، اُسے دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور سوچنا پڑتا ہے کہ ہم نے اس خیال کو تسلیم کرتے وقت اس کے اصل مفہوم کو سمجھا بھی تھا یا نہیں۔ کمیونٹی سنٹروں کے بارے میں ہماری معلومات اور ان کی تنظیمی صلاحیتوں کے بارے میں ہمارا علم اتنا محدود ہے کہ کمیونٹی سنٹروں کا خیال آج بھی ہمارے لئے ایک اجنبی اور بدیسی چیز بنا ہوا ہے۔ "کمیونٹی سنٹر" کا مفہوم اس کے ان دو لفظوں سے ہی ظاہر ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ کمیونٹی کے بارے میں پوری معلومات اور سنٹر کی تنظیمی صلاحیتوں سے پوری واقفیت ہو جس سے کہ یہ سنٹر اپنے صحیح معنی میں کمیونٹی کی زندگی کا مرکز بن سکیں۔

سماجیاتی نقطۂ نظر سے ہر کمیونٹی اپنے تاریخی پس منظر، سماجی اور اقتصادی نظام، رسم ورواج اور سب سے بڑھ کر اپنے مخصوص سماجی ماحول کے لحاظ سے ایک دوسرے سے اتنی ہی مختلف ہوتی ہے جتنا کہ ایک فرد دوسرے فرد سے جدا ہوتا ہے۔ اس لئے ہم سب اور خاص طور سے اُن کارکنوں کے لئے جو فیلڈ میں کام کرتے ہیں اپنے اندر اتنا شعور اور احساس میں اتنی شدت پیدا کرنی چاہیئے جس سے کہ ان مختلف محرکات کو آسانی سے سمجھا جا سکے جو کمیونٹی کی زندگی میں کار فرما ہوتے ہیں۔ ہر کمیونٹی میں مختلف سماجی، اقتصادی اور سیاسی تنظیموں اور افراد پر مشتمل کچھ ایسے گروپ ہوتے ہیں جو کمیونٹی کی زندگی پر اپنا اثر اور اقتدار قائم رکھنے کے لئے برابر ان افراد اور تنظیموں کو استعمال کرتے ہیں۔

کمیونٹی سنٹر کی تنظیم کے لئے محض یہ ضروری نہیں ہے کہ فیلڈ میں کام کرنے والا کارکن متعلقہ کمیونٹی کے بارے میں پوری پوری واقفیت حاصل کرلے بلکہ اس سے زیادہ ضروری اس کے لئے تنظیمی صلاحیتوں کا علم ہوتا ہے۔ آج علم اور تجربے کی روز افزوں ترقی پذیر دنیا میں کمیونٹی آرگنائیزیشن کے نام سے تنظیم کا ایک مخصوص عمل یا طریق کار وجود میں آیا ہے۔ یہ ایک تعلیمی عمل ہے جو ایک کمیونٹی میں رہنے والے لوگوں کو ایک جماعت کی حیثیت سے خود اپنی ضروریات کو سمجھنے اور اپنی زندگی کے معیار کو اونچا اٹھانے کے طریقے سیکھنے میں مدد دیتا ہے۔ یہ عمل دراصل ایک اجتماعی عمل ہے جس کے ذریعہ لوگوں میں اپنی شدید ضرورتوں کو سمجھنے اور کمیونٹی کی بہبود کے لئے باہم تعاون اور اشتراک عمل کے لئے تیار کیا جاتا ہے۔

لوگوں کے درمیان کام کرنے اور عملی طور پر تجربے کرنے سے یہ صلاحیت اور یہ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ مگر اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ کمیونٹی کی زندگی اور کمیونٹی آرگنائیزیشن کے بارے میں علمی معلومات بھی حاصل کی جائیں۔ عمل کے بغیر علم تشنہ اور بغیر علم کے عمل بے اثر رہتا ہے۔

اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں کمیونٹی سنٹر سے فائدہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ اُسے ایک دم سے اڈلٹ ایجوکیشن کی آخری منزل تسلیم کرلینے سے پہلے اسے تجرباتی مراحل سے گذار لیا جائے۔ یہ تبدیلی محض نام میں تبدیلی تک محدود نہیں ہے۔ یہ تبدیلی دراصل اس سارے کام کے بنیادی تصور، اس کے اصول اور طریق کار کی تبدیلی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ کمیونٹی سنٹر کے خیال کو اختیار کرنے میں بہت زیادہ بے صبری اور جلد بازی سے کام نہ لیا جائے۔

آج ہندوستان میں سوشل ایجوکیشن کا جو کچھ بھی کام ہو رہا ہے وہ بیشتر سرکاری اور نیم سرکاری

اداروں کے ماتحت انجام پا رہا ہے۔ ان سرکاری اور نیم سرکاری انجمنوں کے اہتمام میں کمیونٹی سنٹروں کی تنظیم کی بات سوچنا، میں سمجھتا ہوں خود کمیونٹی سنٹر کے بنیادی تصور کے سراسر منافی ہے۔ کمیونٹی سنٹر تو صرف اسی وقت پھل پھول سکتے ہیں جب کمیونٹی کے اراکین خود اس کی ضرورت کو محسوس کریں اور اس کے قیام کے لئے متحد ہو کر کام کریں۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے ضروری یہ ہے کہ بستی کی نچلی اکائیوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کے لئے میدان ہموار کیا جائے۔ اس بات کے پیش نظر اڈلٹ ایجوکیشن کی مقامی انجمنوں کا قیام سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔ جب مقامی انجمنوں کا ایک جال سا بچھ جائے گا اس وقت بستی کے لوگوں کے لئے اپنے کمیونٹی سنٹروں کی تنظیم کرنا نہ صرف یہ کہ سودمند ہوگا بلکہ اسی صورت میں یہ بات زیادہ قرین از قیاس بھی ہوگی۔ کمیونٹی سنٹروں کی تنظیم کی رضاکارانہ حیثیت قائم اور برقرار رکھنے کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔"

میں یہ دعویٰ تو نہیں کرنا چاہتا کہ اس وقت میں نے جو پیش گوئی کی تھی وہ سب کی سب صحیح ثابت ہوئی البتہ اتنا ضرور کہوں گا کہ گذشتہ نو سال کا تجربہ یہی بتاتا ہے کہ کمیونٹی سنٹر کا تصور ہندوستانی آب و ہوا میں اپنی جڑیں ابھی تک نہیں جما پایا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں گہری تخم ریزی اور بنیادوں کی آبیاری کے بجائے اوپری چمک دمک اور سطحی نفاست قائم رکھنے کا ایک عام رجحان رہا ہے۔ اس کی ناکامی کی وجہ یہ نہیں رہی ہے کہ اس کے بنیادی تصور میں کوئی خامی ہے اور نہ "تصور میں ابہام" کی گھسی پٹی شکایت کو اس کی ناکامی کی وجہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کی ناکامی کی اصل وجہ یہ ہے کہ کمیونٹی سنٹر کے اصل مفہوم کو اس کی تہہ تک پہنچ کر سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی گئی ہے اور نہ اسے بستی کی زندگی کا ایک جاندار مرکز بنانے کی طرف ہمارا دھیان گیا۔ ہماری توجہ اس کے طریق کار اور عمل پر نہ ہو کر اس سے برآمد ہونے والے نتائج پر رہی ہے۔ ہم نے کمیونٹی سنٹروں کے نام پر عمارتیں تو کھڑی کر لیں مگر لوگوں میں اتحاد اور یگانگت کا جذبہ پیدا کرنے کی طرف توجہ نہیں کی۔ ہم نے انجمنوں اور اداروں کی بنیادیں تو ڈالیں مگر خود لوگوں میں تنظیم اور یک جہتی نہیں پیدا کی۔ ہم نے لوگوں کو بنانے اور سنوارنے پر اپنی محنت اور وسائل نہ صرف کر کے اپنی ساری کوششیں اور اپنے سارے وسائل سنٹر کے اوپر صرف کر دیئے۔

علیاوارا کے نیشنل سیمینار کے موقع پر میں اس میں شرکت کرنے والے نمائندوں، فیلڈ کے کارکنوں اور عالموں کی خدمت میں ایک بار پھر نہایت خلوص کے ساتھ درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ وہ اپنی ناکامیوں کے لئے دوسروں کو قصوروار ٹھہرانے اور ان پر نکتہ چینی کرنے یا اس کے لئے تصور میں ابہام یا گنجلک کو بہانا بنا کر راہ فرار اختیار کرنے کی ذہنیت سے پرہیز کریں گے۔ ہمیں اپنے کاموں کو خود جانچنے کے قاعدوں پر نظر رکھنی چاہیئے اس جانچ میں جب کہیں اور جہاں کہیں کوئی خامی نظر آ جائے تو

ہمیں رک کر اس پر غور کرنا چاہئے کہ یہ ناکامی خود ہماری غلطی کا نتیجہ بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے لئے ہو سکتا ہے کہ ہم نے غلط طریق کار اختیار کیا ہو، یا کون سا کام پہلے کرنے کا ہے اور کون سا کام بعد میں کرنے کا، اس فیصلے میں کوئی غلطی رہ گئی ہو۔ ایسا ہی کیوں کہ بار بار تصور میں "ابہام" کی شکایت ہی روا رکھی جائے۔

یہی بات کمیونٹی آرگنائزیشن کے بارے بھی صادق آتی ہے۔ ہم کمیونٹی آرگنائزیشن کو سوشل ایجوکیشن کے ایک طریق کار کی حیثیت سے اختیار کئے جانے کی امید اس وقت تک نہیں کر سکتے جب تک کہ ہمارے ذہنوں میں یہ بات صاف نہیں ہو جاتی کہ کمیونٹی آرگنائزیشن ایک تعلیمی عمل کا نام ہے وہ کسی کام کے نتیجے کے طور پر حاصل ہونے والی چیز، کسی سنستھا یا خود کام لینے والی نہیں ہے۔ کمیونٹی آرگنائزیشن کے بارے میں ابھی ابھی جو اس طرح کا مہلک اور خطرناک تصور پھیل گیا تھا اب وہ سرد پڑتا جا رہا ہے۔ کمیونٹی آرگنائزیشن کے بنیادی خیال کو اس طرح توڑ مروڑ کر پیش کرنے کی یہ کوشش محض انتظامی عہدہ داروں کی ضروریات کے پیش نظر کی جا رہی تھی جس میں نہ تو عوام کی محسوس ضرورت کا خیال رکھا گیا تھا اور نہ فیلڈ کے کاموں کی سہولت ہی کا لحاظ تھا یہی وجہ تھی کہ ڈکمیونٹی ڈیولپمنٹ کے کاموں کا جائزہ لینے والی) پی۔ ای۔ او۔ ٹیم کمیونٹی آرگنائزیشن کے خیال کو مسترد کرنے میں پوری طرح حق بجانب تھی۔ ابھی دکمیونٹی ڈیولپمنٹ) سری نگر کانفرنس میں بھی اسی طرح کی شکایت سننے میں آئی تھی کہ کمیونٹی آرگنائزیشن سے خاطر خواہ نتائج نہیں برآمد ہو رہے ہیں۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہم نے بستی کے لوگوں کو ایک رشتے میں پرونے، لوگوں میں اپنی کمیونٹی کے مسائل کو باہم اشتراک سے حل کرنے اور ان میں اشتراک عمل کی صلاحیت پیدا کرنے کے بجائے مختلف سنستھاؤں اور جماعتوں کے قیام کو ہی اپنی توجہ کا خاص مرکز بنایا۔ ہمارا کام تو یہ ہونا چاہئے تھا کہ کمیونٹی کے اندر اتحاد اور یکجہتی پیدا کی جائے اور لوگوں میں ایسے اوصاف پیدا کئے جائیں جس سے وہ کمیونٹی کے مشترک مسائل کو حل کرنے میں اشتراکِ عمل سے کام لیں۔

اپنی بات کو ختم کرنے سے پہلے میں ایک بات کی طرف اور اشارہ کرنا چاہوں گا۔ کمیونٹی آرگنائزیشن کے معاملے میں اس کی رضاکارانہ حیثیت کے مسئلے پر اگر سیمینار تھوڑا سا وقت نکال کر غور کرے تو یہ ایک مفید اور مناسب بات ہوگی۔ افسر شاہی نظام کا گورکھ دھندا جس کا جال آج ہمارے ملک میں پھیلا ہوا ہے کیا وہ کمیونٹی آرگنائزیشن کے کام کو بہتر طریقے سے انجام دے سکتا ہے؟ اگر کمیونٹی آرگنائزیشن کو سوشل ایجوکیشن کے ایک طریق کار کی حیثیت سے تسلیم کر لیا جائے تو کیا اس صورت میں سارے ہندوستان میں سوشل ایجوکیشن پروگرام کو افسر شاہی گورکھ دھندے سے الگ رکھنے کی ضرورت ناگزیر نہیں ہو جائے گی؟

مجھے پورا یقین ہے کہ سیمینار کمیونٹی آرگنائزیشن کے بارے میں اس طرح نہیں سوچے گا جیسا کہ ہمارے کچھ دوسرے مخلص دوست اسے کسی کام کے نتیجے کے طور پر حاصل ہونے والی چیز، کوئی انجمن یا سنستھا یا خود کام لینے والی تنظیم سمجھتے ہیں بلکہ کمیونٹی آرگنائزیشن کا انسانی اور تعلیمی عمل کا پہلو ہی سیمینار کی خاص توجہ کا مرکز رہے گا۔

آپ کا مخلص — ایس۔ سی۔ دتہ

کمیونٹی آرگنائزیشن: تعریف و توضیح

مہر۔سی۔ناناوتی

شمس الرحمٰن محسنی

ڈاکٹر آرتھر ای ہارگن

سینڈرسن اور پولسن

امریکن ایسوسی ایشن فار اڈلٹ ایجوکیشن

نیشنل فیڈریشن آف کمیونٹی ایسوسی ایشنز۔

شری ایم۔ سی۔ ناناوتی
(وزارت کمیونٹی ڈیولپمنٹ)

سوشل ایجوکیشن کا پروگرام کمیونٹی آرگنائیزیشن کے ذریعے

پچھلے چند سال سے سوشل ایجوکیشن کے میدان میں کمیونٹی آرگنائیزیشن کی اصطلاح فیشن کی طرح مقبول ہو گئی ہے۔ یہ خیال کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور سماجی بہبود کے میدانوں سے درآمد کیا گیا ہے۔ قاعدہ ہے کہ ہر نئی اصطلاح جو کسی میدان میں نئی نئی وارد ہوتی ہے اور اس کا چرچا بھی بہت جلد عام ہو جاتا ہے، اس کا ٹھیک ٹھیک مطلب سمجھنے میں گنجلک باقی رہ جاتی ہے۔ یہی بات کمیونٹی آرگنائیزیشن کے معاملے میں بھی واقع ہوئی۔ چنانچہ "سوشل ایجوکیشن میں کمیونٹی آرگنائیزیشن کا مقام" کے موضوع پر ڈائرکٹوریٹ آف ایجوکیشن کا جو جو سیمینار عنقریب منعقد ہونے والا ہے، اس سے امید ہے وہ اس اصطلاح کا صحیح مفہوم متعین کرنے میں مددگار ثابت ہوگا۔

کمیونٹی آرگنائیزیشن: ایک طریقۂ کار کی حیثیت سے

کمیونٹی آرگنائیزیشن سے مراد لی جاتی ہے کہ وہ ایک طریقۂ کار ہے جس پر عمل کر کے "سماجی ضرورتوں کی کھوج لگائی جاتی ہے اور جن ذریعوں سے کمیونٹی کے وسائل اور افراد کی صلاحیتوں کو جماعت کے نصب العین کے حصول کے لئے استعمال کیا جائے اس کے ارکان کی صلاحیتوں کو ابھارا اور پروان چڑھایا جا سکے۔ ان میں باہم ربط اور تال میل پیدا کی جاتی ہے اور اگر ذرائع میسر نہ ہوں تو ان کو پیدا کرنے کی تدبیر کی جاتی ہے۔ اس عمل میں جن چیزوں سے کام لیا جاتا ہے ان میں چھان بین (ریسرچ)، سمجھانا بجھانا، کانفرنسوں اور جلسوں کے ذریعے دماغوں کی تربیت کرنا، ٹولیاں اور گروہ بنانا، اور سماجی اثر کا دباؤ (سوشل ایکشن) وہ خاص اوزار ہیں جنھیں عام طور پر استعمال میں لایا جاتا ہے۔" آئیے دیکھیں اس بیان کا مطلب کیا ہے؟

۱۔ کمیونٹی کام کا ایک مکمل میدان ہے
پہلی بات تو یہ ہے کہ اس تعریف کی رو سے مقامی بستی کا ایک وجود تسلیم کیا گیا ہے — ایسا وجود جس میں سماجی اتحاد ہو، جس کا افراد اور جماعتوں کے مفادات سے جڑا ہوا ایک مشترک سماجی اور اقتصادی مفاد ہو، جس کے اندر مختلف قسم کے سماجی ادارے جیسے خاندان، عبادت گاہ، ذات برادری، ہاٹ بازار، اسکول، قائم ہوں، جس کے یہاں باہم ربط ضبط اور آمد و رفت کے وسائل موجود ہوں، سرداری اور قیادت کے اکھاڑے ہوں، جغرافیائی حدیں مقرر ہوں اور جسے سینہ بسینہ ایک مشترک تہذیب اور زبان کی میراث ملتی آئی ہو۔ اس میں شک نہیں کہ ان عناصر کی عمل پیرائی اور تاثیر کے اعتبار سے کمیونٹی کمیونٹی کے درمیان درجے کا فرق ہوتا ہے مگر اس کے باوجود کسی کمیونٹی کے لئے یہ بنیادی شرائط کی حیثیت رکھتے ہیں۔ گاؤں جس کے باشندوں میں اپنایت اور یگانگت اور ایک دوسرے کے ساتھ وفاداری کا شعور عام ہوتا ہے، کمیونٹی کی بہت اچھی مثال پیش کرتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ شادی بیاہ یا ذات پات کے بندھنوں کی وجہ سے اپنی کمیونٹی سے وفاداری کا جذبہ تقسیم ہو کر ہلکا پڑ جاتا ہے اور گاؤں کی حدود سے باہر جا پڑتا ہے۔ مگر جہاں یہ بات صحیح ہے وہاں یہ کہنا بھی غلط نہیں ہے کہ گاؤں میں اپنایت اور وابستگی کا جذبہ ان موقعوں پر یقیناً ظاہر ہوتا ہے جب گاؤں کے اوپر کوئی مصیبت آتی ہے یا پورے گاؤں کے لئے کوئی خوشی کا موقع ہوتا ہے۔ قصبے یا شہر گاؤں کے مقابلے میں کم کمیونٹی کی مثالیں ہیں۔ تاہم ان میں پڑوس منڈل کی قسم کی تنظیموں کی پھر بھی گنجائش ہوتی ہے کیونکہ شہروں کے محلوں اور گلیوں میں بھی کمیونٹی کی زندگی کی بنیادی صفات میں سے بعض صفات موجود ہوتی ہیں۔

۲۔ انسان کی قدر و قیمت کا اعتراف
دوسری بات یہ ہے کہ کمیونٹی آرگنائزیشن کا تصور اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ کمیونٹی کی تنظیم کے سلسلے میں جتنی بھی کوششیں ہو سکتی ہیں، اُن کو کمیونٹی کے افراد کی براہِ راست اور عملی شرکت کے ذریعے ایک مرکز پر جمع کیا جا سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اس کے نزدیک انسان کی بڑی قیمت ہے چاہے وہ فرد کی حیثیت میں ہو یا جماعت کے ایک رکن کی حیثیت میں۔ اسے بغیر کسی لاگ لپیٹ کے یہ بات تسلیم ہے کہ کمیونٹی کے ارکان میں بڑی صلاحیتیں ہوتی ہیں یہاں تک کہ وہ کمیونٹی کی ترقی اور فلاح و بہبود کے سلسلے کے تمام کام خود انجام دے سکتے ہیں — کام کی منصوبہ بندی، اُس کی تعمیل اور انجام دہی اور اس کے نتائج و اثرات کی ناپ تول — غرض سب کام۔ ادعا یہ ہے کہ کمیونٹی آرگنائزیشن کے طریقۂ کار کو اختیار کرنے کا منشا ہی یہ ہوتا ہے کہ کمیونٹی کے افراد، جماعتوں اور تنظیموں کا حقیقی تعاون اور اشتراک آغاز کار ہی سے حاصل رہے۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ کمیونٹی کے افراد کی براہِ راست اور مستعدانہ شرکت کمیونٹی آرگنائزیشن کے عمل کی لازمی شرط ہے۔

۳۔ اداروں اور تنظیموں کا ربط: کمیونٹی آرگنائزیشن میں یہ بات ایک مسلمہ ہے کہ کمیونٹی کے اندر جو تنظیمیں اور سبھائیں

کام کر رہی ہوں ان کو بھی کمیونٹی کی ترقی اور بکاس کے پروگرام میں شریک کرنا ضروری ہے۔ پروگرام کا رشتہ خاندان، اسکول، معاشی تنظیموں، رضا کار جماعتوں اور دوسرے گروہوں سے اس طرح جوڑنا چاہیئے کہ ان اداروں اور تنظیموں کی قوت وصلاحیت کو بکاس کے پروگرام کی رفتار کے تیز کرنے میں لگایا جا سکے۔

۴۔ پروگرام کے اوزار اور ان کا استعمال کمیونٹی آرگنائزیشن کے طریقۂ کار میں مختلف قسم کے کاموں کو اوزار کے طور پر ہاتھ میں لیا جاتا ہے مثلاً (۱) حالات اور واقعات کے اعداد و شمار جمع کرنا، مسئلے کی چھان بین اور جائزے (۲) کمیٹیوں کی بیٹھکوں اور آپس کی بات چیت، اور تبادلۂ خیالات کی مجلسوں کے ذریعے غور و فکر، صلاح مشورہ، تقریروں اور بھاشنوں کا استعمال (۳) گفت و شنید، تعلیم و تربیت، غلط فہمیوں کی صفائی، اور ملاقاتوں کے ذریعے اتفاق و اتحاد کی فضا پیدا کرنا (۴) آمدنی اور خرچ کا مشترکہ طور پر تخمینہ تیار کرنا۔ (۵) سرکار کی طرف سے جن خدمات کا سلسلہ جاری ہو، انھیں سرکار اور عوام کا اشتراک سے چلانا اور (۶) سماج کے اثر و اقتدار اور سماجی قانونوں کی پابندی کا ماحول پیدا کرنا۔ یہ تدبیریں اس لئے استعمال کی جاتی ہیں کہ پروگرام کے سلسلے میں ہر مرحلے پر کمیونٹی کے افراد کا اشتراک و تعاون حاصل رہے۔ سچی بات یہ ہے کہ اس طریقۂ کار کو کچھ اس طرح اختیار کرنا چاہیئے کہ کمیونٹی یا اس کے افراد کی ترقی اور بکاس کا عمل اپنے آپ جاری ہو جائے، اور آپ ہی آپ اپنی رفتار کو بڑھانے کے لئے طاقت استعمال کرے۔ باہر کی مدد، اگر دہ مل سکے، بس صلاح مشورہ، رہنمائی، فنی امداد اور حوصلہ افزائی ہی کی حد تک ہونی چاہیئے۔ کمیونٹی آرگنائزیشن کا بنیادی تصور "اپنی مدد آپ" کے اصول پر مبنی ہے۔ چنانچہ اس کے طریقۂ کار میں اپنی مدد آپ کے اصول کی جس حد تک کمی ہو گی اُس حد تک وہ ناقص اور بے اثر رہے گا۔

۵۔ یہ ایک جامع پروگرام ہے: کمیونٹی آرگنائزیشن کی نظر پوری کمیونٹی کی ترقی کے اوپر ہوتی ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ کمیونٹی کی چو پہلی زندگی کا ارتقا اُسی وقت ممکن ہے جب اس کے لئے اس کے تمام پہلوؤں میں ربط قائم کر کے کوشش کی جائے۔ اس زندگی کے کسی پہلو کو قربان کر کے اس کے کسی ایک پہلو کو ابھارنا اور ترقی دینا اس (کمیونٹی آرگنائزیشن کے) طریقۂ کار کی بے اثری کی علامت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آرتھر ڈنہم نے اس طریقۂ کار کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے کہ "کمیونٹی آرگنائزیشن سماج کی ضرورتوں اور سماجی وسائل کے درمیان بتدریج زیادہ سے زیادہ مطابقت پیدا کرنے اور اُسے قائم رکھنے کے ایک عمل کا نام ہے۔" اس اعتبار سے کمیونٹی آرگنائزیشن کمیونٹی ڈیولپمنٹ (یعنی پوری کمیونٹی کی ترقی اور بکاس) کا ایک طریقۂ کار قرار پاتا ہے۔ جب ہم کسی ایک پروگرام یا سرگرمی کے لئے کمیونٹی آرگنائزیشن کے طریقۂ کار کو استعمال کرنے کی بات کرتے ہیں اُس وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس کی جامعیت، اُس کے احاطۂ عمل اور اُس کی

اس خصوصیت کو کہ اس میں پوری کمیونٹی کی شرکت کو شرطِ لازم کی حیثیت حاصل ہے، نظر انداز کر دیتے ہیں۔

۴۔ کمیونٹی آرگنائزیشن کے کارکن کا مرتبہ: جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے، کمیونٹی آرگنائزیشن ایک تدبیر ہے جس کے ذریعے کمیونٹی کی ترقی اور بکاس میں اس کے تمام ارکان و افراد کی شرکت حاصل کی جاتی ہے۔ اس صورت حال کو کمیونٹی آرگنائزر کو کچھ اس طریقے پر کام کرنا ہوتا ہے جس طرح لوگوں میں حوصلہ اور آمادگی پیدا کرنے والے کام کرتے ہیں۔ اُس کے لئے نہ صرف کمیونٹی کو اچھی طرح سمجھنا ضروری ہوتا ہے بلکہ اُسے اُس کے آپس کے تعلقات کی اصلیت اور گہرائی تک بھی اترنا ہوتا ہے۔ اس کے اداروں اور تنظیموں سے واقفیت پیدا کرنا پڑتی ہے، اس کے تہذیبی ماضی سے متعارف ہونا پڑتا ہے اور یہ سمجھنا پڑتا ہے کہ طاقت اور اقتدار کی باگ کس قسم کے ہاتھوں میں ہے اور اس اکھاڑے میں کون کس حیثیت کا ہے۔ اُسے کمیونٹی کے ارکان و افراد اور لیڈروں سے میل ملاپ تعلق پیدا کرنا پڑتا ہے اور اس تعلق کے بل بوتے پر ان کے سامنے کمیونٹی کی ضرورتوں اور مسائل میں سے چند کو زور دے کر بیان کرنا اور ان کو ساتھ لے کر انہی کے توسط سے ترقی اور بکاس کا پروگرام چلانا پڑتا ہے۔ جو ادارے اور تنظیمیں قائم ہوں اور کام کر رہی ہوں، ان سے زیادہ سے زیادہ کام لینا ہوتا ہے اور اگر ضرورت ہو اور جس وقت ضرورت ہو، اُس وقت نئے ادارے اور سنستھائیں بنانی پڑتی ہیں جیسا کہ اوپر کی سطروں میں اشارہ کیا جا چکا ہے، کمیونٹی آرگنائزیشن کا خصوصی مقصد ابتدا ہی سے کمیونٹی کے افراد و ارکان کا اشتراک و تعاون حاصل کرنا ہے۔ اس شرط کی اتنی اہمیت ہے کہ مسئلے کی جانچ اور تشخیص اور اعداد و شمار جمع کرنے کی منزل میں بھی عوام کی شرکت لازمی ہے تاکہ اس منزل سے آگے چل کر جب ترقی اور بکاس کے پروگرام کی منصوبہ بندی اور اس کی انجام دہی کا مرحلہ آتا ہے اُس مرحلے پر شرکت کرتے وقت انھیں اجنبیت کا احساس نہ ہو۔ مختصر یہ کہ کمیونٹی آرگنائزیشن کے کارکن کو ہر قدم پر چوکنا رہنا پڑتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عوام کی شرکت کا پہلو نظروں سے اوجھل ہو جائے۔

کارکن اپنے کام کی تنظیم کس ڈھنگ پر کرے گا، اس کا دارومدار اس بات پر ہوتا ہے کہ اُسے کتنے بڑے اور کس آبادی کے علاقے میں کام کرنا ہے۔ اگر ایک سے دو ہزار تک کی آبادی والی کمیونٹی میں کام کرنے کے لئے ایک کارکن کو لگایا جائے تو اُس کے کام کا ہیج سیدھا اور براہ راست ہوگا یعنی عوام اور ان کے اداروں اور تنظیموں سے براہ راست تعلق اور ربط ضبط قائم کرنا ہوگا۔ تنظیم کی دوسری شکل یہ ہے کہ اگر ایک کارکن کو دس گاؤں پر پھیلے ہوئے ایک علاقے میں کام کرنا ہو جس کی آبادی چھ سے دس ہزار تک ہے تو اُسے مجبوراً بیچ میں واسطہ بنا کر یعنی عوام کے نمایندوں کو بیچ میں واسطہ بنا کر کام کرنا ہوگا۔ ان گاؤں یا کمیونٹیوں کے درمیان ربط ضبط اور آمد و رفت وغیرہ کے جو وسائل ہوں گے اُن سے واقفیت حاصل کر کے مقامی لیڈروں کے اوپر اثر ڈالنا ہوگا جو اپنے اپنے طریقے سے اپنی اپنی کمیونٹی کے ارکان و افراد کو متاثر کریں گے۔ اس کے علاوہ

نئی نئی باتوں کو قبول کرنے والے کسانوں، نوجوان برادریوں کے سربراہوں اور اگوائی کی صلاحیت رکھنے والی عورتوں کی ٹریننگ کا پروگرام اس حالت میں کمیونٹی آرگنائزیشن کا اہم پہلو بن جاتا ہے۔ اسی طرح ایسی صورت میں کمیونٹی آرگنائزیشن کے منصوبوں کو آگے بڑھانا پنچایت کی بھی براہ راست ذمے داری بن جاتی ہے۔

اس سے بھی آگے بڑھ کر اگر کمیونٹی آرگنائزیشن کے کارکن کو۔۔ اگاؤدوں کے علاقے میں کام کرنا ہو جس کی آبادی ساٹھ ہزار سے لے کر اسّی ہزار تک ہے تو اس کے کام کا ڈھنگ اور زیادہ بالواسطہ ہوجائے گا اور اسی حد تک کمیونٹی آرگنائزیشن کی تاثیر ہلکی پڑجائے گی۔ کارکن اس حالت میں اداروں اور تنظیموں کو اور زیادہ بیچ میں ڈال کر کام کرنے پر مجبور ہوگا اور مقامی یا کمیٹیوں کے لیڈروں کی ٹریننگ کا پروگرام اور زیادہ وسیع پیمانے پر منظم کرنا پڑے گا تاکہ ٹریننگ پائے ہوئے لیڈر اپنی اپنی کمیونٹی میں واپس جا کر اس کو منظم کرنے کے کام میں پہل کرنے والے کا کردار ادا کرسکیں۔

اس تمام تشریح کا خلاصہ یہ ہوا کہ کمیونٹی آرگنائزیشن ایک تدبیر ہے جس کا کام ہے "(۱) کمیونٹی کی ضرورتوں کی تحقیق وجستجو اور تشخیص (۲) جس حد تک ممکن ہو کمیونٹی سے سماج دشمن عناصر اور اس کی ترقی کے راستے میں رکاوٹ ڈالنے والے پہلوؤں کو ختم کرنا اور آیندہ انھیں سر نہ اٹھانے دینا اور (۳) ضرورتوں اور وسائل کو نظر میں رکھتے ہوئے ان میں اس طرح مطابقت پیدا کرنا کہ انہی وسائل سے آئے دن بدلنے والی ضرورتوں کا تقاضا خوش اسلوبی سے پورا ہو سکے"۔

سوشل ایجوکیشن تعلیم کے ایک عمل کی حیثیت سے

اس سے پہلے کہ کمیونٹی آرگنائزیشن پر اس حیثیت سے کہ وہ سوشل ایجوکیشن کو فروغ دینے کا ایک وسیلہ ہے، بحث کی جائے، ضروری ہے کہ ہم اس بات پر غور کرلیں کہ سوشل ایجوکیشن کا عمل کس طرح شروع ہوتا ہے۔ سوشل ایجوکیشن کا منشا زندگی کے اس پہلو کی تربیت کرنا ہے جس کا تعلق سماج سے ہوتا ہے۔ یہ سماجی قدروں کی نشوونما کرنے کے تعلیمی عمل کا نام ہے۔ اس عمل کی ابتدا خاندان سے ہوتی ہے جب فرد بچپن کی زندگی گذارتا ہے اور یہاں سے آگے بڑھ کر اس کے اثرات اسکول، کھیل کے میدان، عبادت گاہ، ذات برادری، کام کے میدان، پنچایت، کوآپریٹیو، رضاکار جماعتوں، غرض زندگی کے ہر شعبے میں ہر وقت کارفرما رہتے ہیں۔ ایک دوسرے سے ملنے جلنے یا جماعتوں کے ایک دوسرے کے ساتھ اشتراک کرنے کا جہاں کہیں موقع ہوتا ہے، سوشل ایجوکیشن اپنا عمل شروع کردیتی ہے اس کا اثر مقدار کے اعتبار سے مختلف حالات میں مختلف ہو سکتا ہے۔ یعنی کہیں نمایاں اور صاف صاف نظر آجاتا ہے اور کہیں اس کی صرف علامات محسوس ہوتی ہیں۔ اگر تہذیبی پس منظر سے معقول حد تک واقفیت ہو اور افراد سے سرزد ہونے والے افعال کے سماجی سیاق و سباق کا پورا پورا

علم ہوا تو اس صورت میں سوشل ایجوکیشن کا عمل تیز ہو سکتا ہے اور اس کا بڑا گہرا نقش جم سکتا ہے۔ بچوں اور نوجوانوں کے بہت جلد اثر قبول کرنے والے، دماغوں پر سماجی قدروں کا نقش جمانے کے لئے سب سے زیادہ موثر مقام خاندان، اسکول اور کھیل کے میدان ہوتے ہیں۔ جوان عمری کی مدت میں ایسا ہوتا ہے کہ یہ نوجوان جو قدریں اپنے خاندانوں سے لے کر آتے ہیں اُن کا اُن کے دوسرے ساتھیوں کی وہیں ملی ہوئی قدروں سے ٹکراؤ ہوتا ہے (یعنی بعض نوجوان خاندان سے ملی ہوئی کچھ قدروں کے حامل ہوتے ہیں، اور بعض ان کے بالکل برعکس قدروں کے) اور اس ٹکراؤ کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اردگرد کے حالات افراد کے اپنے دماغ کی ساخت اور مزاج کی افتاد کے مطابق ان متضاد قدروں کے درمیان مطابقت پیدا ہو جاتی ہے اور اس مطابقت سے جو شکل بنتی ہے وہ پختہ اور مستحکم ہو جاتی ہے۔

اگر سوشل ایجوکیشن کی یہ تعریف تسلیم کر لی جائے کہ یہ فرد کو اس کے دوسرے ہم جنسوں کی صحبت میں لا کر اُسے سماجی قدروں کا حامل بنانے کا ایک تعلیمی وسیلہ ہے تو یہ بھی بات صاف ہو جاتی ہے کہ سوشل ایجوکیشن کے پروگرام کے اولین میدان خاندان، اسکول، کھیلوں کی ٹیمیں، نوجوان برادریاں اور کام کاج کے مقامات ہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خواندگی اور تعلیم بالغان کی سرگرمیاں اس پروگرام کے لازمی جزو نہیں ہیں اور وہ مفید اور کارآمد نہیں ہیں۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ خواندگی اور تعلیم بالغان کی سرگرمیاں سوشل ایجوکیشن کی ان ذمے داریوں کے علاوہ ہیں جنھیں اسے اپنے اصل میدان یعنی خاندان، اسکول اور کھیل کے میدان میں پورا کرنا ہے۔ خاندان، اسکول اور کھیل کے میدان کے علاوہ شہریت کی تعلیم کے لئے پنچایت اور کواپریٹیو بھی بڑے کارآمد وسیلے ہیں، اس لئے کہ شہریت کی تربیت بجائے خود سوشل ایجوکیشن کا ایک اہم پہلو ہے۔

سوشل ایجوکیشن اور کمیونٹی آرگنائزیشن کا کیا استعمال ہے، اس سوال پر سوشل ایجوکیشن کے عمل اور تعارف میں کمیونٹی آرگنائزیشن پر ابھی بحث ہو جاتی ہے۔ اُس کے لئے سہولت اس میں ہو گی کہ اس کے استعمال کی نوعیت پر تین مختلف پہلوؤں سے بحث کی جائے (۱) کمیونٹی آرگنائزیشن کی تہہ میں سوشل ایجوکیشن ہی کا دھارا بہتا ہے۔ (۲) کمیونٹی آرگنائزیشن کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی کامیابی کا ایک وسیلہ ہے۔ یہاں سوشل ایجوکیشن کمیونٹی آرگنائزیشن کا ایک حصہ قرار پاتا ہے۔ (۳) کمیونٹی آرگنائزیشن طے شدہ طور پر سوشل ایجوکیشن کے پروگرام کو فروغ دینے کا ایک وسیلہ ہے۔

۱۔ سوشل ایجوکیشن کمیونٹی آرگنائزیشن کی تہہ میں بہنے والے دھارے کی حیثیت سے

کمیونٹی آرگنائزیشن ایک طریقۂ کار ہے جس کے ذریعے کمیونٹی کے افراد کی توجہ اس کی فلاح و بہبود کی طرف مرکوز کی جاتی ہے اور ان کی تمام تر طاقت و قوت کا

رخ اسی مقصد کی طرف موڑا جاتا ہے۔ کمیونٹی آرگنائیزیشن کی اس تعریف کی روشنی میں یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ کمیونٹی آرگنائیزیشن کے عمل میں سوشل ایجوکیشن کے عناصر شامل ہوتے ہیں۔ خود سوشل ایجوکیشن کا منشا بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کمیونٹی کے افراد کے لئے اطمینان دمسرت کی فضا پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی ضرورتوں کو پورا کر دیا جائے۔ اس اعتبار سے کمیونٹی آرگنائیزیشن کے پیچھے سوشل ایجوکیشن کی روح کام کرتی ہے۔ یہ بات ہر وقت پیش نظر رہنی چاہیئے کہ اس کی اصل بنیاد اس بات پر ہے کہ کمیونٹی کے افراد میں بھی اور کارکنوں میں بھی سوچنے کا ایک خاص ڈھنگ اور مسائل پر توجہ دینے کی عادت پیدا ہو مگر بدقسمتی سے یہی چیز عموماً غائب ہوتی ہے، اور چونکہ یہ غائب ہوتی ہے اس لئے اسی حد تک اس طریقۂ کار کا پورا پورا فائدہ حاصل نہیں ہوپاتا۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی صحیح ہے کہ لے دے کر سوشل ایجوکیشن ہی کمیونٹی آرگنائیزیشن کی غرض وغایت نہیں ہے۔ اس کی منزل لوگوں میں سماجی قدریں پیدا کرنے کی منزل سے بھی آگے ہے۔ اس کے اثر سے کمیونٹی میں تنظیمیں بنتی ہیں، کام کی تفصیلات پر نظر رکھنے کی عادت پیدا ہوتی ہے، مختلف قسم کے پروگراموں کو تقویت ملتی ہے اور اس کے افراد اور جماعتوں کے نشو و نما کے لئے میدان ملتا ہے۔ سوشل ایجوکیشن اگر یہ دعویٰ کرے کہ اس کی توجہ کمیونٹی کی زندگی کے ان تمام پہلوؤں پر ہوتی ہے، تو چاہے یہ دعویٰ کتنی ہی نیک نیتی کی بنیاد پر کیوں نہ ہو، وہ اس کے لئے خطرے سے خالی نہیں ہے۔

۲۔ کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی کامیابی کے ایک وسیلے کی حیثیت سے

کمیونٹی آرگنائیزیشن پر اس نظر سے غور کیجئے کہ وہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام کا ایک طریقۂ کار ہے، تو وہ (یعنی کمیونٹی آرگنائیزیشن) مختلف حیثیتوں سے کمیونٹی کے ارکان و افراد میں سوشل ایجوکیشن کی ترویج و ترقی کے لئے آسانیاں فراہم کرتا ہے۔ مثال کے طور پر دیہی علاقوں میں آج کل کمیونٹی ڈیولپمنٹ کا جو پروگرام چل رہا ہے اس میں ایکسٹنشن کا کام کرنے والا ہر کارکن جب اپنے کام کے میدان میں لوگوں کو معلومات بہم پہنچانے کی کوشش کرتا ہے تو اس کی کوشش سے اس میدان سے متعلق سماجی عادات و اطوار کو بدلنے میں مدد ملتی ہے، چاہے وہ میدان زراعت کا ہو، صحت کی تعلیم کا ہو یا صنعت و حرفت کا ہو۔ اس اعتبار سے ہر ایکسٹنشن ورکر ایک خاص حد تک سماجی معلم بھی ہوتا ہے۔ اسی طرح بلاکوں میں کام کرنے والی مکھیہ سیوکائیں جب عورتوں اور بچوں کی فلاح و بہبود کے پروگرام چلاتی ہیں تو ان کے اس کام سے خاندان، بال واڑی اور مہیلا سماج کی ہر گروپ کے ذریعے سوشل ایجوکیشن ہی کی نشو و نما ہوتی ہے۔ پنچایتوں کے کام سے شہریت کی تعلیم کو جو سوشل ایجوکیشن کا لازمی پہلو ہے مزید تقویت ملتی ہے۔ پھر نوجوان برادریاں اور انہی کی طرح کی دوسری رضاکار تنظیمیں ہیں۔ ان کے کام سے سوشل ایجوکیشن کو بہ یک وقت دو فائدے حاصل ہوتے ہیں: ایک یہ کہ ان کے وجود سے لوگوں کو سماج سیوا کا موقع ملتا ہے اور دوسرے اپنے آپ کو ظاہر کرنے اور نئی نئی باتیں پیدا کرنے کا حوصلہ ہوتا ہے۔ غرض یہ تمام انفرادی اور اجتماعی سرگرمیاں، اس حیثیت سے کہ وہ کمیونٹی آرگنائیزیشن

کے حصے اور وسیلے میں براہِ راست یا دوسرے راستوں سے چل کر سوشل ایجوکیشن ہی کی تحریک کو آگے بڑھاتی ہیں۔

۳۔ سوشل ایجوکیشن کے براہِ راست وسیلے کی حیثیت سے

ایک طریقہ ہونے کے اعتبار سے کمیونٹی آرگنائیزیشن کو عام سوشل ایجوکیشن کے ایک آلۂ کار کے طور پر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر خواندگی کی مہم کو لے لیجئے۔ کمیونٹی کے افراد کی توجہ کو اس کی طرف اس بات کی تبلیغ کر کے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے ہر شہری کی زندگی میں بہت بڑی اہمیت ہے اور اس طرح پوری کیمونٹی کو کمیونٹی آرگنائیزیشن کی ٹکنیک کے ذریعے اس کی منصوبہ بندی، اس کی شرکت اور منصوبے کی انجام دہی پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ اسی طرح سماجی برائیاں ہیں۔ انھیں دور کرنے کی مہمیں بھی کمیونٹی آرگنائیزیشن کے اصولوں پر کامیابی سے منظم کی جاسکتی ہیں، شرط یہ ہے ۔۔ اور یہ شرط اس لئے ہے کہ وہ مہمیں کمیونٹی آرگنائیزیشن کی ٹکنیک کے مطابق چلائی جائیں گی ۔۔ کہ (۱) پروگرام کی ضرورت کو کمیونٹی شدت سے محسوس کرے (۲) اس پروگرام کی طرف پوری کمیونٹی کی توجہ ہو اور (۳) پروگرام کے سلسلے میں تنظیم اور تبلیغ کا ڈھنگ ایسا ہو کہ کمیونٹی کے ہر فرد اور ہر جماعت کی توجہ پوری کمیونٹی کے مفاد کے لئے صرف ہوں۔

ان مثالوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ کمیونٹی آرگنائیزیشن اگرچہ ایک طریقۂ کار ہے کمیونٹی کو ڈیولپ منٹ کے پروگرام میں پوری وابستگی کے ساتھ شامل کرنے کا لیکن اُسے سوشل ایجوکیشن کے پروگرام کو فروغ دینے کے لئے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس طریقۂ کار سے پوری پوری واقفیت ہو، کارکنوں کی ٹریننگ کے لئے معقول بندوبست ہو اور اس پروگرام میں پوری کمیونٹی کو شامل کرنے کی ضمانت ہو۔ لیکن اس معاملے میں ایک بات کی طرف سے خبردار کر دینے کی بہرحال ضرورت ہے اور وہ ہے چند مخصوص واقعات کی بنیاد پر قاعدہ کلیہ بنا لینے کی بات۔ آجکل کے زمانے میں سوچنے کا یہ جو ڈھنگ ہے کہ "برا بھلا کچھ تو کرو"۔ اس کا اس نئے طریقۂ کار کو شکار نہیں بنانا چاہیئے۔ کوئی طریقۂ کار خواہ وہ کتنا ہی کار آمد اور پُر اثر کیوں نہ ہو، جب تک اُس کے استعمال کی بنیادی شرطیں نہ پوری ہو جائیں اور اس کے لئے جس ساز و سامان کی ضرورت ہوتی ہو وہ اور تربیت یافتہ کارکنوں کو فراہم نہ کر دیئے جائیں اُسے محض تسلیم اور اختیار کر لینے سے پروگرام کو آگے بڑھانے میں کوئی مدد نہیں مل سکتی۔

شری شمس الرحمٰن محسنی
(جامعہ رورل انسٹی ٹیوٹ)

کمیونٹی آرگنائیزیشن کیا ہے؟

ایک سماجیاتی مطالعہ

بستی کی زندگی

۱۔ ترقی یافتہ ملکوں میں

اِدھر کچھ عرصے سے مقامی بستیوں (کمیونٹیوں) کی زندگی سے اتنی دلچسپی لی جانے لگی ہے اور انھیں اُبھارنے، اُن کی رہنمائی کرنے اور اُن کو اعتدال پر رکھنے کی کوشش اتنے عزم و استقلال سے ہو رہی ہے کہ کمیونٹی آرگنائیزیشن کا طریقۂ عمل پوری دنیا میں مقبول ہو گیا ہے۔ بستی کی زندگی کی طرف سے یہ فکر و تردد اور دلچسپی نتیجہ ہے ان لاتعداد سماجی مسائل کا جو صنعت و حرفت اور شہر اتیت کی بے لگام قوتوں نے پیدا کر دیئے ہیں۔ ان ملکوں میں جہاں صنعت کو بہت زیادہ ترقی ہوئی ہے اور نئے نئے شہر آباد ہو گئے ہیں، مقامی بستیاں اس معنی میں کہ وہ انسانوں کی سماجی اور اخلاقی تنظیمیں تھیں اور اس اعتبار سے ان کی بڑی اہمیت تھی، اپنی حیثیت کھو بیٹھی ہیں اور اب بستی کی زندگی تتر بتر، غیر محفوظ، سونی سونی اور خستہ حال ہو کر رہ گئی ہے، اس میں یگانگت کا جو رنگ تھا، وہ علحدگی میں تبدیل ہو گیا ہے، آپس میں یکجہتی نہیں رہ گئی ہے۔ ایک کارگر اور با اثر سماجی اور سیاسی اکائی کی حیثیت سے اس کا کردار ختم ہو گیا ہے اور چونکہ اس کی یہ خصوصیتیں نہیں رہ گئی ہیں اس لئے قدرتی طور پر اُس میں وہ صلاحیت بھی باقی نہیں رہی ہے جس کے اثر سے وہ اپنے اراکین کی شخصیت کی نشو و نما کے لئے نہایت زرخیز زمین کا حکم رکھتی تھی۔

۲۔ نیم ترقی یافتہ ملکوں میں

جن ملکوں میں کم ترقی ہوئی ہے، ان کے یہاں مقامی بستیوں کی زندگی میں اب بھی قُربت یگانگت کا رنگ باقی ہے، برادری کا نظام قائم ہے اور لوگ ایک دوسرے سے شخصی رابطے اور تعلقات رکھتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کے یہاں بھی پچھلے کم و بیش ایک سو سال سے جس طرح کی سیاسی، اقتصادی اور سماجی قوتیں کام کر رہی ہیں اُن کے نتیجے کے طور پر بڑی تیزی سے تبدیلیاں

رونما ہو رہی ہیں۔ اور یہ بات اب سب لوگ تسلیم کرتے جا رہے ہیں کہ یہ تیز رفتار تبدیلیاں، پرانی قدروں کو ختم کئے دے رہی ہیں، ان سے لاتنظیمی اور بدنظمی کی سی حالت پیدا ہو گئی ہے اور ان کی بدولت نہایت دشوار گذار مسائل کھڑے ہوتے جا رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ اس معاملے میں بہت فکرمند ہیں کہ کیا کیا جائے جس سے ان نیم ترقی یافتہ ملکوں کی مقامی بستیاں معاشی خوشحالی کا لطف بھی اٹھا سکیں تاکہ اس سے انھیں اچھی غذا، اچھے مکان، اچھی صحت اور اچھی تعلیم مل سکے اور اسی کے ساتھ یہ بھی ہو کہ اُن کی زندگی کا وہ ایک روپ بھی قائم رہے جو اب تک ان کی خصوصیت رہی ہے۔ لوگوں کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ بات ممکن ہے مگر صرف اُسی حالت میں جب پوری بستی ان تبدیلیوں کو قابو میں رکھے انھیں صحیح راہ پر لگائے اور اپنی سماجی زندگی میں کسی قسم کا الٹ پھیر لائے بغیر ان تبدیلیوں سے مطابقت اور نباہ کی صورت پیدا کرے۔ اب اگر ایسا ہونا ہے تو پھر یہ طے ہے کہ ان بستیوں میں کمیونٹی آرگنائزیشن کے طریقۂ عمل کو پورے عزم و ارادے کے ساتھ شروع کیا جائے۔ اس مضمون کے ذریعے کوشش کی جائے گی کہ کمیونٹی آرگنائزیشن اور اس کے طریقۂ عمل کا جائزہ لیا جائے اور اس کے اوپر بحث کی جائے۔

کمیونٹی کسے کہتے ہیں؟

کمیونٹی آرگنائزیشن کی اصطلاح دو لفظوں سے مل کر بنی ہے: "کمیونٹی" اور "آرگنائزیشن"۔ ان دونوں لفظوں کی تعریف و تشریح میں ہمیں سماجیات کے علم کی مدد لینی ہوگی اس لئے کہ "کمیونٹی" اور "آرگنائزیشن" دونوں سماجی مظاہر ہیں۔ سماجیات کے نقطۂ نظر کے مطابق "کمیونٹی" ایک قدرتی سماجی علاقہ ہے۔ ایک مقامی علاقہ جس کے باشندوں کے مشترک رسم و رواج، مشترک میار، مشترک روایات اور مشترک مفاد ہوں، اور جو اپنے ان مشترک رسم و رواج، میار، روایات کو قائم رکھنے اور اپنے مشترک مفاد میں کامیابی حاصل کرنے کی غرض سے آپس میں ملتے جلتے ہیں، ایسا علاقہ "کمیونٹی" کہلاتا ہے لیکن اگر ایسا ہو کہ رہتے تو وہ ہوں ایک ہی بستی میں مگر سماجی اور تہذیبی اعتبار سے ان کا آپس میں کوئی میل نہ ہو، تو اُن کے اوپر کمیونٹی کی اصطلاح صحیح نہیں بیٹھے گی بلکہ انھیں اس بستی کا ایک مخصوص گروہ کہا جائے گا۔ کوئی علاقہ "کمیونٹی" کی تعریف میں اُسی وقت آئے گا جب اس کے باشندوں کو زندگی میں ایک جیسے تجربے ہوتے ہوں اور ان تجربوں کے نتیجے کے طور پر وہ مشترک روایات، مشترک جذبات اور مشترک یادگاروں کے دھاگے میں بندھ کر ایک تہذیبی یونٹ کی شکل اختیار کر چکے ہیں۔

آرگنائزیشن سے کیا مراد ہے؟

سماجیات کی اصطلاح کے مطابق "آرگنائزیشن" (یا تنظیم) کے معنی ہیں ایسے تعلقات کی نشو و نما جو اشخاص اور جماعتوں

(یا گروہوں) کے لئے باہم خوشگوار اور اطمینان بخش تعلقات ہوں۔ اس کو یوں بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ سماج میں لاتنظیمی اور ٹوٹ پھوٹ اس وقت واقع ہوتی ہے جب خوشگوار اور اطمینان بخش تعلقات کی جگہ ایسے حالات رونما ہو جائیں جن سے مایوسی، ناکامی، تلخی اور ناخوشگواری پریشانی اور تکلف کی کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں۔ سماج یا کمیونٹی کی تنظیم ہو یا لاتنظیمی اور ابتری، اور چاہے اُن کا پس منظر بہت مختصر کیوں نہ ہو، دونوں اعتباری چیزیں ہیں۔ یہ اس لئے کہ زندگی میں کبھی اتنی لاتنظیمی یا ابتری نہیں پیدا ہوتی یا وہ اتنی تنخصی نہیں ہو جاتی کہ سماجی پابندیاں سب کی سب ٹوٹ جائیں۔ ایک طرف جہاں یہ واقعہ ہے، وہاں دوسری طرف یہ بھی صحیح ہے کہ زندگی اس قدر متحرک حقیقت ہے کہ وہ اُس وقت بھی جب اس کے مزاج میں استحکام اور استقلال کی کیفیت نظر آتی ہے، سماجی تنظیم کی کسی شکل کو ایک ہی حالت پر ایک عرصے تک قائم رہنے کی اجازت نہیں دے سکتی۔ چونکہ تنظیم اور لاتنظیمی میں سے کوئی حالت بھی قطعی اور آخری نہیں ہے اس لئے یہ کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ یہ دونوں حالتیں دو راستے ہیں جن سے سماج کسی نہ کسی وقت گزرتا ہے۔ ایک کا رخ یک جہتی اور اتحاد کی طرف ہوتا ہے اور دوسری کا بدنظمی اور ابتری کی طرف۔ ایک میں کشمکش اور بگاڑ کے عناصر کارفرما ہوتے ہیں اور دوسری میں تبدیلی اور بگاڑ سے زیادہ استحکام اور استقلال کی قوتیں کام کرتی ہیں۔

جماعت یا کمیونٹی کی زندگی کے رنگ ڈھنگ اور اداروں میں استحکام اور استقلال کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ تنظیم لاتنظیمی کی قوتوں کے درمیان ایک موثر توازن قائم ہو جائے۔ یہ توازن اس وقت بگڑتا ہے جب لاتنظیمی اور بگاڑ کی قوتیں بے لگام ہو جاتی ہیں اور رائج الوقت قوانین و اصول کو تقویت پہنچا کر ان کو روکنے کی کوئی کوشش نہیں ہوتی۔ لاتنظیمی اور بگاڑ کا یہ عمل قابو میں اس وقت ہوتا ہے جب اس کے مقابلے پر نئی تنظیم کا ایک عمل کارفرما ہو۔ لیکن نئی تنظیم سے ہرگز یہ مراد نہیں ہوتی کہ تنظیم کی اُسی قریب المرگ شکل کو پھر سے اُبھارنے یا زندہ کرنے کی کوشش کی جائے بلکہ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسے نئے آداب و اطوار اور ادارے قائم کئے جائیں جو جماعت یا کمیونٹی کے بدلے ہوئے تقاضوں کے حسب حال ہوں۔ اس نئے آداب و اطوار اور اداروں کی تخلیق کو ہم سماج کی نئی تعمیر سے بھی موسوم کر سکتے ہیں۔

نئی تنظیم یا دوسرے الفاظ میں نئی سماجی تعمیر اُس وقت خود بخود وجود میں آ جاتی ہے جب لاتنظیمی یا بگاڑ کی کیفیت میں شدت پیدا ہو جاتی ہے۔ ہوتا یہ ہے کہ کمیونٹی یا جماعت میں سے کچھ لوگ ایسے نکل آتے ہیں جو کشمکش اور بے چینی کی کیفیت کو بھانپ لیتے ہیں اور اس کے تباہ کن اثرات کا احساس کر کے کمیونٹی کی زندگی کے لئے نئی راہیں نکالنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ تعمیر اور تخریب کی قوتوں کے درمیان مطلوبہ توازن پیدا ہو جائے۔ جو لوگ نئی تنظیم کے اس عمل میں شریک ہوتے ہیں اُن کے لئے اُس وقت واقعیت پسندی کے اصول پر عمل کرنا مشکل ہوتا ہے اس لئے کہ سماجی اصلاح کے معاملے میں ایسے اصول اور طریقے اختیار کرنے پڑتے ہیں کہ مصلح کے لئے اعتدال کا رویہ اختیار کرنا ناممکن کی حد تک مشکل ہو جاتا ہے۔ جس وقت نئی تنظیم کا یہ قدرتی عمل واقع ہوتا ہے اُس وقت اس میں پوری

کمیونٹی یا جماعت کی مستعدانہ کوشش لازمی طور پر حاصل نہیں ہوتی۔ اس عمل میں جو لوگ کام کر رہے ہوتے ہیں ان کی نظر میں وہ تمام ادارے اور عناصر نہیں ہوتے جنھیں نئے حالات کے سانچے میں ڈھالنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف ان کی جدوجہد نئی تنظیم کے انھی پہلوؤں کے لئے ہے جن سے ان کو جذباتی لگاؤ ہوتا ہے۔ ہم میں سے بیشتر لوگ کسی نہ کسی وقت میں تنظیم کے اس عمل میں شریک ہوتے ہیں مگر ہم میں سے بہت کم لوگ اس عمل سے باخبر ہوتے ہیں جو ہمارے ارد گرد جاری رہتا ہے۔

کمیونٹی آرگنائزیشن کی تعریف

اس خود بخود واقع ہونے والے عمل کے راستے میں اکثر اوقات رکاوٹیں آجاتی ہیں اور ان کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کمیونٹی میں خوشگوار تعلقات قائم نہیں ہو پاتے۔ یہ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ کمیونٹی کے لوگوں کی صلاحیتیں اُبھر نہیں پاتی ہیں، اس کے اندرونی اور خارجی وسائل پورے طور پر کام پر نہیں لگ پاتے، اور وہ اس طرح یک جان ہو کر کام نہیں کر پاتی جیسے انسانی جسم کام کرتا ہے۔ اگر اس عمل کے لئے اس طرح کام ہو کر لوگ اس کو سمجھیں، اُن کو اس کا شعور و احساس ہو، اور اس میں جان پھونکی جائے، کمیونٹی کو تیار کیا جائے کہ وہ اس کی آبیاری کرے اور اس کی نشوونما کے لئے محنت کرے، اس کے راستے میں جو رکاوٹیں آگئی ہوں اُن کو دور کرے، اس کی خوابیدہ صلاحیتیں بیدار ہوں اور اس کے جملہ وسائل سے کام لیا جا سکے —— اگر اس عمل کے لئے یہ سب کچھ کیا جا سکے تو پھر اس سے اچھے اور دور رس نتائج نکل سکتے ہیں۔

تنظیم اور لاتنظیمی کے اس قدرتی عمل اور نئی تنظیم کے لئے بالارادہ کوشش کی ضرورت کو ذہن میں رکھتے ہوئے سوچیں تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ مقصد اور عمل کا اتحاد حاصل کرنے میں عزم و ارادے کے ساتھ کمیونٹی کی مدد کرنے کا نام کمیونٹی آرگنائزیشن ہے۔

کمیونٹی آرگنائزیشن کے مقاصد

کمیونٹی آرگنائزیشن کے پروگرام کو عزم و ارادے کے ساتھ چلانے کا سب سے بڑا مقصد باہم سمجھوتے اور مفاہمت کا ماحول پیدا کرنا، آپس میں مل کر کئے جانے والے کاموں کی نشان دہی کرنا اور ان کاموں میں حصہ لینے کی غرض سے لوگوں کے اندر تعاون اور اشتراکِ عمل کی روح پیدا کرنا۔ اس کا ایک مقصد مل کر کئے جانے والے کاموں میں شرکت کرنے کے لئے کمیونٹی کے ذیلی یہ گروہوں کو ایک مرکز پر جمع کرنا بھی ہے۔ ایسے کاموں کے لئے جنھیں یہ گروہ سمجھتے ہوں کہ وہ لوگوں میں باہم سمجھوتہ، دوستی اور خیر خواہی کی فضا پیدا کرنے اور بوقت ضرورت متحد ہو کر کام کرنے کا جذبہ بیدار کرنے کے لئے بہت اہم ہیں۔ کمیونٹی آرگنائزیشن کا منصوبہ جو عزم و ارادے کے ساتھ چلایا جائے اس میں متحدہ عمل اور جماعتی اتحاد بنیادی اور ایک دوسرے سے الگ نہ ہو سکنے والے اجزاء کی حیثیت رکھتے ہیں

اور ان کے لئے منصوبہ بندی کرنا لازمی شرط کی کمیونٹی آرگنائزیشن کا عمل صرف اسی وقت اُبھر کر سامنے آتا ہے جب یہ دونوں پہلو ایک دوسرے میں پیوست اور مل کر یک جان ہو جاتے ہیں۔ یہاں منصوبہ بندی کا مفہوم بھی صاف صاف سمجھ میں آجانا چاہیئے۔ منصوبہ بندی میں وہ تمام پہلو شامل ہوتے ہیں جو کمیونٹی کے متحدہ عمل کے سلسلے میں ضروری ہو سکتے ہیں: مسئلے کی نشان دہی کرنے کی منزل سے لے کر اس کے حل کے لئے اسکیم مرتب کرنے اور اس کے مطابق کام کرنے کی منزل تک سامنے آنے والے تمام پہلو۔ متحدہ عمل کے منصوبہ بنانے کے لئے مختصراً ان چار مراحل سے گذرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

۱۔ ضرورت کی تشخیص اور اس سے لوگوں کو واقف اور باخبر کرنا۔

۲۔ اس ضرورت کو پورا کرنے کی بھوک پیدا کرنا۔

۳۔ کمیونٹی کے ذیلی گروہوں میں بین الجماعتی طریقۂ کار کے ذریعے مسئلے کا حل تلاش کرنا۔

۴۔ اس مجوزہ حل کی بنیاد پر کام کی اسکیم مرتب کرنا اور اُسے پورا کرنے کی تیاری کرنا۔

کمیونٹی کے اندر یک جہتی اُس وقت آتی ہے جب لوگوں میں میل ملاپ اور ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا جذبہ اور اس جذبے سے سرشار ہو کر کام کرنے کا چلن عام ہو جائے۔ اسی کی بدولت لوگوں میں اپنی کمیونٹی سے زیادہ سے زیادہ لگاؤ پیدا ہوتا ہے۔ کمیونٹی کے مفاد کو پیش نظر رکھنے اور اس کے معاملات میں آمادگی کے ساتھ شرکت کرنے کا جذبہ ابھرتا ہے، مشترک اقدار و روایات اور اپنے کردار سے انھیں ظاہر کرنے کی خو پیدا ہوتی ہے۔ کمیونٹی میں یک جہتی ہونے سے فرد جو اس کا ایک جزو ہے، اس سے پوری طرح واقف اور اس کا وفادار ہو جاتا ہے، اس کے اندر کمیونٹی کے معاملات میں ذمہ داری کا احساس پیدا ہوتا ہے، جو لوگ کمیونٹی کی طرف سے سرد مہری برتتے ہیں، اُن سے دوستی اور اشتراک کا جذبہ پرورش پاتا ہے، اور مشترک اقدار و روایات اور مشترک رسوم و علامات کو تقویت پہنچتی ہے۔

کمیونٹی آرگنائزیشن کے بنیادی اصول و نظریے

اوپر کی سطروں میں کہا جا چکا ہے کہ کمیونٹی آرگنائزیشن کا بالارادہ کوشش کا سب سے بڑا اور اصل مقصد کمیونٹی کے اندر اتحاد و یک جہتی کا ماحول پیدا کرنا ہے جس کے اثر سے متحدہ عمل کے محاذ پر افراد اور گروہوں کے ایک مرکز پر جمع ہونے میں مدد ملتی ہے۔ یہ مقصد بجائے خود چند نظریوں پر مبنی ہے۔ انھی نظریوں کی روشنی میں یہ طے کیا جاتا ہے کہ کمیونٹی آرگنائزیشن کے عمل کو کن اصول اور طریقے کے مطابق چلایا اور کنٹرول کیا جائے گا۔ کمیونٹی آرگنائزیشن کے پروگرام کو چلانے کا مطلب کمیونٹیوں کو اپنے مسائل آپ حل کرنے میں مدد اور مشورہ بہم پہنچانا ہوتا ہے۔ اس بات کی بنیاد اس نظریے پر ہے کہ کمیونٹیوں کے باشندے اپنے اندر اپنے مسائل کو

آپ حل کرنے کی صلاحیت پیدا کر سکتے ہیں۔ اتنا ہی نہیں بلکہ ایسے حالات میں بھی جنھیں بہت سے لوگ مایوس کن سمجھ لیتے ہیں، لوگ اپنے اندر ایسے اوصاف و خصائل پیدا کر سکتے ہیں کہ اُن سے کام لے کر اپنی کمیونٹی کو اپنی ضرورت کے حسب منشا ڈھالنے کا کام خوش اسلوبی سے انجام دیا جا سکتا ہے۔

کمیونٹی آرگنائزیشن کے طریقۂ کار کی بنیاد اس نظریئے پر ہے کہ لوگ تبدیلی کے خواہش مند ہوتے ہیں اور اپنے اندر تبدیلی پیدا کر سکتے ہیں۔ تبدیلی کا یہ عزم اکثر اوقات مفلوج ہو جاتا ہے اور یہ حادثہ واقع ہوتا ہے اُن سماجی قوتوں کے ہاتھوں جو اس عزم و سعی کے مقابلے پر آتی ہیں اور اس کی طرف سے بے توجہی اور سرد مہری کی روش کا پرچار کرتی ہیں اور موجودہ صورتِ حال کو جوں کا توں برقرار رکھنے پر اصرار کرتی ہیں۔ اگر فکر و احساس کی آزادی کے راستے سے یہ رکاوٹیں ہٹا دی جائیں تو تمام لوگ چاہے وہ کہیں کے ہوں تبدیلی کی اس سعی و کوشش میں جو اُن کی جماعتی ضرورتوں اور تقاضوں کو پورا کرنے کی پوری پوری صلاحیت رکھتی ہے دل سے شرکت کرنے لگیں گے۔

تیسرا نظریہ جس کے اوپر کمیونٹی آرگنائزیشن کی بنیاد رکھی جاتی ہے یہ ہے کہ کمیونٹی کے اندر بڑی بڑی تبدیلیوں کے بروئے کار لانے، اُنھیں اپنے حالات کے حسب حال ڈھالنے اور اُن کے اوپر کنٹرول رکھنے کے عمل میں اُس کے باشندوں کو بذات خود حصّہ لینا چاہئے۔ اس عمل میں لوگوں کی شرکت ضروری سمجھی جاتی ہے کیونکہ انسان کی صلاحیتیں اُسی حد تک اُبھرتی ہیں اور پروان چڑھتی ہیں جس حد تک وہ خود اپنی زندگی کی ترتیب و تعمیر کا اہتمام کرتا ہے۔ اگر وہ اس قسم کی شرکت سے پہلو بچاتا رہے تو پھر وہ اُن قوتوں کا غلام ہو جائے جو اُسے سماجی اور سیاسی اعتبار سے الگ تھلگ کر دیتی ہیں اور اُس کی زندگی بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ جمہوریت بھی شرکت کی عادت کے پختہ ہوئے بغیر نہ جاندار رہ جاتی ہے نہ حسین

کمیونٹی آرگنائزیشن کے عمل کی چوتھی بنیاد اس نظریئے پر ہے کہ کمیونٹی کی زندگی میں اگر افراد تبدیلیوں کو اپنی خوشی سے تسلیم کرتے ہیں اور انھیں خود بخود اپنی زندگی کا جزو بناتے ہیں تب تو ان تبدیلیوں کے کچھ معنی ہیں۔ اس کے برخلاف اگر یہی تبدیلیاں اُن کے اوپر خارج سے عائد کی جائیں تو وہ بے اثر اور بے معنی ثابت ہو جاتی ہیں۔ جب لوگ اپنی منزل کا آپ تعین کر کے اُس تک پہنچنے کے لئے کام کرتے ہیں اُسی وقت یہ ممکن ہوتا ہے کہ وہ اپنے سوچنے کے طریقوں اور طرز عمل کو بدلیں اور ایسا بدلیں کہ وہ ان کی مجوزہ منزلِ مقصود سے میل کھا سکے۔ منزلِ مقصود اور اس سے میل کھاتا ہوا نقطۂ نظر ہی وہ وسیلہ ہے جس سے کمیونٹی کا مجموعی تمدن آئے دن رونما ہونے والی تبدیلیوں سے ہم آہنگ ہوتا ہے۔ یہ ممکن تو ضرور ہے کہ تبدیلیاں اوپر سے عائد کر دی جائیں اور اُن کو مستقل شکل دیدی جائے مگر جب تک لوگ ان تبدیلیوں کے شریک کار نہیں ہوتے یہ اوپر سے عائد کی ہوئی تبدیلیاں، بالکل ممکن ہے کہ کمیونٹی کی زندگی میں اٹکل بے جوڑ چیزیں ثابت ہوں۔

ڈاکٹر آرتھر ای مارگن

چھوٹی بستی کا
مسئلہ اور اس کا حل
کمیونٹی آرگنائیزیشن کے بارے میں ایک حقیقت پسندانہ نظریہ

ڈاکٹر آرتھر ای مارگن کی شخصیت ہمارے یہاں تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب یونیورسٹی ایجوکیشن کمیشن کے ایک ممتاز رکن تھے اور اپنے مختصر زمانۂ قیام میں انھوں نے ہندوستانیوں کے طرز فکر کو بہت متاثر کیا۔

موصوف کی ایک تصنیف "دی اسمال کمیونٹی" بستیوں کی فلاح و بہبود کا کام کرنے والوں کے لئے بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب نے چھوٹی بستیوں کے بارے میں جو خیالات ظاہر کئے ہیں وہ نظریئے اور اصول سے زیادہ اُن کے عملی تجربوں پر مبنی ہے۔ اسی سلسلے میں انھوں نے کمیونٹی آرگنائیزیشن کے باب میں بھی ایک نظریہ پیش کیا ہے جسے ہم ذیل میں شائع کر رہے ہیں۔ یہ نظریہ کتاب کے ۲ ابواب میں ہے مگر ہم اُسے یہاں ایک ہی مضمون کی شکل میں پیش کر رہے ہیں، البتہ مضمون کے دو حصے کر دیئے گئے ہیں تاکہ ان کی الگ الگ اہمیت قائم رہے۔

پہلے حصے میں جس کا عنوان ہے "غور طلب مسئلہ"، اس سوال پر بحث کی گئی ہے کہ آیا تاریخ کے اس موجودہ دور میں جب کہ مفادات کا دائرہ بہت زیادہ وسیع ہو گیا ہے اور چھوٹی بستیوں کا طرز زندگی بظاہر ممکن نہیں ہے، ان کے وجود کی کوئی اہمیت یا افادیت ہے؟ اس سوال کا جواب اثبات میں دے کر مصنف نے چند مسائل کی طرف اشارہ کیا ہے اور پھر یہ سوال قائم کیا ہے کہ ان مسائل کا حل کس طرح ممکن ہے۔

دوسرے حصے میں جس کا عنوان ہے "مسئلے کا حل"، اسی سوال کا جواب دیا گیا ہے اور ایک حل تجویز کیا گیا ہے جس پر کمیونٹی آرگنائیزیشن کی تحریک کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ اس حل

کی تجویز پیش کرنے والا ایک آزمودہ کار انجینئر ہے اور اپنا ہر نظریہ عملی تجربات کی ٹھوس بنیادوں پر رکھتا ہے۔

—— ایڈیٹر

-۱-

غور طلب مسئلہ

چھوٹی بستیوں کی اہمیت

چھوٹی بستیوں نے انسانی معاملات میں بڑا زبردست پارٹ ادا کیا ہے آبادی کے ایک سدا بہار سرچشمے کی حیثیت سے اس نے شہروں کو ویران ہونے سے بچایا ہے۔ اور ایک سماجی تنظیم کی حیثیت سے جو خاندان کے بعد دوسرے نمبر پر آتی ہے انسانی تمدن کو باقی رکھنے اور اُسے ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچانے کے لئے ایک خصوصی ادارہ کا کام کیا ہے۔ دور تک تجزیہ کرتے چلے جائیے تو معلوم ہوگا کہ بنیادی تمدن میں جو سطح ان چھوٹی بستیوں کی ہے، وہی قریب قریب پورے انسانی سماج کی ہے۔

بستیوں کی زبوں حالی کا سماج پر اثر

مگر اس کے باوجود، جیسا کہ ہم نے دیکھا، چھوٹی بستی کو ہر قدم پر نظر انداز کیا جاتا رہا ہے، اس کو لوٹا کھسوٹا جاتا رہا ہے اور اس کی تذلیل و تحقیر کی جاتی رہی ہے۔ حالانکہ سماج کو اپنی اس بے رخی کے لئے بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی ہے اور اس کا خوب خوب بھگتان بھگتنا پڑا ہے۔ اکثر اوقات بستیوں کے تمدن کے اس حقیر اور ٹھکرائے ہوئے تار کو بھی فتوحات اور تباہیوں نے تہس نہس کر دیا ہے۔ انسانی سماج کو پورے یقین و اطمینان کے ساتھ ترقی کرنے میں جو ناکامی ہوئی ہے اور ہو رہی ہے، اس کا ایک بنیادی سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمدن کے اس بنیادی واحدے کی طرف سے بے رخی کا سلوک کیا گیا۔

بے رخی کا یہ سلوک تو مہلک تھا ہی، آج کل ایک اور عمل ابھرتا نظر آتا ہے جو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ اس کی خطرناکی کو علم الاجسام کی ایک مثال سے سمجھئے۔ بڑی نسل کے پودوں اور جانوروں کا وجود خلیوں، نسیجوں اور اعضاء کے آپس کے میل سے قائم رہتا ہے جو اس وجود کی بقا و تحفظ کے لئے ایک دوسرے سے تعاون کرتے ہیں۔ لیکن ایک مشترک مقصد کے لئے اس میل کے باوجود ہر خلیہ کی اپنی الگ زندگی ہوتی ہے اور وہ اپنی چھوٹی سی دنیا میں آزاد رہ کر اپنا فرض انجام دیتا ہے۔ اس انفرادیت کی حفاظت کے لئے ہر خلیہ کے اوپر ایک غلاف چڑھا ہوتا ہے جو اُسے دوسرے خلیوں سے الگ کرتا ہے۔ یہی کیفیت نسیجوں اور اعضاء کی بھی ہے اور اسی طرح ان کی حفاظت کا بھی سامان ہوتا ہے۔ اگر ان خلیوں اور نسیجوں کی حفاظت کرنے والی ان

دیواروں کو درہم برہم کر دیا جائے تو انسانی جسم کا بہت جلد خاتمہ ہو جائے گا۔

بالکل یہی کیفیت ہمارے وجود کی بھی ہے۔ ریاست یا قوم، کوئی بھی سماجی وجود ہو، سماجی نسیجوں یعنی افراد، خاندانوں، برادریوں اور دوسری مختلف جماعتوں کے میل سے بنتا ہے۔ ان میں سے ہر اکائی اپنی اپنی جگہ ایک حفاظت کرنے والی دیوار رکھتی ہے — اپنی ایک الگ انفرادی زندگی — ان اکائیوں کے مقامی تمدن کو زندہ رکھنا اور اُسے ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچانا صرف اسی وقت ممکن ہوگا جب ان کی انفرادیت اور آزاد وجود کو زندہ رکھا جائے۔

آج جیسا کہ اس سے پہلے شاذونادر ہی کبھی ہوا ہوگا، سماج اپنے ان خلیوں اور نسیجوں کے حفاظتی غلافوں کو فنا کر رہا ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس کے اندر سے اپنے بنیادی تمدن کو باقی رکھنے اور اسے ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچانے کی قوت ختم ہوتی جا رہی ہے۔ قدیم سماجی نقطۂ نظر، اعتقادات اور عادات واطوار جنھوں نے انسان کو واقعی انسان بنایا، آج رفتہ رفتہ غائب ہوتے جا رہے ہیں اور یہ اس سبب سے کہ وہ سماجی اکائیاں جن کی بدولت قدریں قائم رہتی تھیں اور ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچتی تھیں، مٹتی جا رہی ہیں۔ اور ان کے بدلے سماج کو مل کیا رہا ہے، اپنی بات اور اپنے مطلب کو جس طرح ہو سکے منوانے کا ایک جذبہ، اور یہی جذبہ زندگی کا مقصد قرار پا رہا ہے۔ مگر اس کا نتیجہ کیا ہے؟ افراد میں اپنی جماعت کا ساتھ دینے کا جو جذبہ ہونا چاہیے اس کی شکل دن بہ دن بگڑتی جا رہی ہے۔

بستیوں کی زبوں حالی کا افراد پر اثر

جن مقامات پر بستی کی زندگی ختم ہو گئی ہے اور سماجی زندگی کا پہلو لے دے کر "قوم اور ذات" وغیرہ جیسے وسیع اور اتھاہ سماجوں سے تعلق رکھنا رہ گیا ہے، وہاں سنجیدہ فکر نوجوان جو سماجی حیثیت سے کوئی کارنامہ انجام دینے کے حوصلے رکھتے ہیں، اپنی اپنی محدود اور چھوٹی شخصیتوں کو قومی اور بین الاقوامی تحریکوں کے پیمانے سے ناپنے پر مجبور ہوتے ہیں اور چونکہ اس تول میں وہ پورے نہیں اترپاتے اس لئے قدرتی طور پر مایوس ہو جاتے ہیں اور اپنی شخصیت اور زندگی کو بالکل بے کار اور بے مقصد سمجھ بیٹھتے ہیں۔ اس کے برعکس چھوٹی چھوٹی بستیوں میں انھیں اپنی قوت اور رسائی کے اندر ہی اندر مسائل سے دوچار ہونا ہوتا ہے۔ انھیں حل کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اس صورت میں ان کے اندر چیزوں کو اصلی روپ میں رکھنے کی عادت پیدا ہوتی ہے، اور اپنی بستی کے اندر اُن کا وجود اہم اور ان کی شخصیت بااثر ہو سکتی ہے۔ اور اس طرح انھیں اس احساس سے تسکین ملتی ہے کہ اُن کی بھی کوئی حیثیت ہے، جو انھیں وسیع سماجی جماعتوں سے رشتہ جوڑنے کی صورت میں نصیب نہیں ہوتی۔

جب تک سماج کے بنیادی تمدن کی حفاظت ہوتی رہے، اور اُسے ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچانے کا عمل جاری

نہ رہے' اس وقت تک یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ سماج زندگی ہے۔ اور آج کی دنیا میں تو جب کہ عالمگیر پیمانے پر جنگ و فساد کا ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے' بنیادی تمدن کے ان سرچشموں کو بچائے رکھنا خاص طور پر ضروری ہے۔

مسئلہ

(۱)

ایک سوال یہ ہے کہ ہمارے موجودہ سماج میں جب کہ آبادیاں آئے دن ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتی رہتی ہیں' اور تعلقات' اثرات اور یادوں کی کوئی گنتی نہیں ہوتی' ایک متمدن بستی کا کس حد تک امکان ہو سکتا ہے؟ جہاں تک آبادیوں کے منتقل ہوتے رہنے اور غیر محدود تعلقات کا تعلق ہے' کوئی اور سماجی وجود کالجوں سے زیادہ اس خصوصیت کا حامل نہیں ہوتا۔ مگر کالج کی زندگی میں یگانگت کی خصوصیت پھر بھی ممکن ہوتی ہے۔ اور ایک حد تک اس کا سبب یہ ہے کہ وہاں یگانگت کا تصور باقی رہتا ہے۔ مسئلہ دراصل ایک متمدن بستی کی بنیاد کی کھوج لگانا ہے' اور اس مقصد کے لئے ضرورت ہے کہ ایک خاص اصولِ اخلاق تعین کیا جائے' معاملات کی چھان بین کے سلسلے میں مزاجی کیفیت کا ایک معیار کھرے کھوٹے کی پہچان کے باب میں ایک ضابطہ' سوچ بچار اور علمی اور دماغی کام کی آزادی کی ایک روایت قائم کی جائے۔ جس کے اثر سے حتی الامکان بستی جو صلاحیت کر دینے والی رکاوٹوں سے بچی رہ سکتی ہے۔ آج زندگی کے حالات یہاں تک بدل گئے ہیں کہ چھوٹی بستی بھی تمدنی اکائی کی حیثیت سے کسی بھی ضابطۂ حیات کے ساتھ چل سکتی ہے۔ کیا یہ چیز سماجی ارتقا کے عمل میں اہمیت نہیں رکھتی۔

(۲)

ایک دوسرا سوال یہ ہے کہ معیاروں' مقاصد اور ارادوں میں اتحاد و یگانگت پیغمبروں کی طرح بے دلیل دعوے کرنے والوں کے اثر سے متاثر ہوئے بغیر کس طرح ممکن ہے؟ بستی کی زندگی کا یہ ایک قدیم ترین اور ہر جگہ محسوس کیا جانے والا مسئلہ ہے۔ کیا گروہ بندی کے بغیر یگانگت اور ایکتا اس طرح حاصل کی جا سکتی ہے کہ شخصی اور رنگ میں آکر قائم کئے ہوئے معیاروں سے انکار کر دیا جائے اور بنیادی اور عالمگیر معیاروں کی تلاش جاری رکھی جائے؟

ان معیاروں میں سے ایک معیار جس کو قائم رکھنا سب سے مشکل ہے' خیال اور کھوج کی آزادی ہے۔ جس طرف دیکھئے لوگوں نے اپنے اپنے مفادوں اور خود غرضانہ فلسفوں کو رائج کرنے کے لئے طرح طرح کے جال بچھا رکھے ہیں۔ "ہمارا خیال' ہمارا مشن' ہمارا کام سب سے نیک ہے' اس کے لئے ہمیں الہام ہوا ہے' اس کام کے لئے ہمیں دیوتاؤں نے بھیجا ہے" وغیرہ وغیرہ اور یہ کہہ کر وہ لوگوں سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ بے سوچے سمجھے اور آنکھ بند کر کے ان کے دعوؤں کو تسلیم کر لیں۔ چھوٹی بستیاں چونکہ زمانے کی رفتار سے

نسبتاً الگ تھلگ رہی ہیں اس لئے ان کے یہاں پُرانے زمانے کے پروپیگنڈوں اور اندھی تقلید کے آثار اب بھی نظر آتے ہیں۔

امریکی بستیوں میں (اور ہندوستانی بستیوں میں بھی) ایک افسوسناک روایت یہ رہی ہے کہ مختلف مذہبی فرقے لوگوں کی حمایت حاصل کرنے کے معاملے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے رہے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک چاہتا تھا کہ اس کے مذہب کے پیرو کار زیادہ سے زیادہ لوگ ہوں، چاہے اس کے لئے انھیں بستی کے عام مفاد کو قربان ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ جب تک ایک فرقہ یا چند فرقے یہ سمجھتے رہیں گے کہ سچائی، اور عقل مندی ان کا اجارہ ہے، اس وقت تک بستیوں کے اندر جو صلاحیتیں اور امکانات پوشیدہ ہیں، ان سے کام نہیں لیا جاسکتا۔ بستی کی یگانگت صرف اُسی وقت قائم ہوسکتی ہے جب لوگ یہ ذہنیت ترک کر دیں کہ فلاں فلاں خیال یا آدرش الہامی اور آسمانی ہیں اور اس کو قبول کرنا انسان کا فرض ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں ہندو اور مسلمان کس طرح صدیوں باہمی یگانگت کی راہ میں روڑے اٹکاتے رہے ہیں۔ ایک اپنے مذہب کی سچائی کا دعویٰ کرتا رہا ہے اور دوسرا اپنے مذہب کی سچائی کا۔ اور یہی نہیں، انھوں نے اپنے بچوں کے دماغوں کو ان خیالات سے ایسا ایسا بھرا ہے کہ وہ اس دعویٰ میں شبہ کرنا بھی گناہ کبیرہ سمجھنے لگے۔ یہ حال ہندو اور مسلمان کا ہی نہیں ہے۔ اسی طرح کے خیالات سے ہم مغربیوں کے دماغ بھی اس درجہ متاثر ہیں کہ اگر کوئی کہے کہ "حضرت یہی کیفیت آپ کے ذہن کی بھی ہے" تو ہم چراغ پا ہو جائیں گے۔

(۳)

دیہی بستیوں کا ایک مسئلہ جو دنیا بھر میں یکساں ہے، خاندانی اور موروثی عداوتوں کا ہے کہیں کہیں خود بستی کے اندر اور کہیں کہیں ایک بستی اور دوسری بستی کے درمیان۔ امریکہ میں آبادیوں کے ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتے رہنے اور باہر سے دوسرے لوگوں کے آ آکر بستے رہنے سے ان عداوتوں کی روایات قریب قریب ختم ہوگئی ہیں۔ اس معاملے میں روایت کا خاتمہ بہر حال خوش آیند رہا کیا یگانگت کی روایات نفرت اور عداوت کی روایات کے بغیر قائم رکھی جاسکتی ہیں؟ اور کیا اگر بستی کی زندگی اور روایات کا ایک ضابطہ بن جائے تو اس سے اس مقصد میں مدد مل سکتی ہے۔

انسانی سماج کے اوّلین دور میں عام طور پر زندگی کا ڈھرا یہ تھا کہ انسان سال کے ایک حصّے میں کام کرتا تھا اور بیچ بیچ میں مہینے مہینے دو دو مہینے بیٹھ کر آرام کرتا تھا محنت اور کام کے زمانے میں جسمانی قوت کا جتنا حصّہ خرچ ہو جاتا تھا، وہ اس کے آرام کے زمانے میں پھر سے لوٹ آتا تھا۔ ابتدائی زمانے کی دیہی زندگی کا یہی معمول تھا۔ مگر شہر کے اثرات اور خاص طور پر نئے زمانے میں مسلسل کام کا نتیجہ یہ ہے کہ قوت کے اس اندوختہ کا جو حصّہ ضائع ہوتا ہے اس کے پھر سے لوٹ کر آنے کے امکانات کم سے کم ہو گئے ہیں۔ اور ان حالات میں ہر وقت یہ خطرہ ہے کہ شہری زندگی کی حد سے زیادہ مصروفیت اور کام انسانی قوت کو اس درجہ گھلا دے گا کہ نسل انسانی بےجان ہو کر رہ جائے گی۔ کیا ایسا ممکن نہیں کہ چھوٹی بستیوں کے طرز زندگی کا رواج لوگوں میں کام کی تحریک اور دلچسپی

پیدا کرے اور پھر بھی ضائع شدہ قوت کو لوٹانے کا موقع رہے؟ اور کیا اس کارنامے سے افراد کی زندگی کی مدت میں اضافہ کا سامان نہیں ہو سکتا؟ کیا چھوٹی بستیوں کی زندگی کے لئے یہ ممکن ہے کہ وہ محنت اور کام کی تھکا دینے والی مقدار چاہیں تو قبول کریں اور چاہیں تو نہ قبول کریں؟ اور کیا قوت کے جمع اور خرچ کے درمیان توازن کا ایک عام معیار حاصل کیا جا سکتا ہے۔؟

ضرورت

ضرورت ہے کہ چھوٹی بستیوں کے لئے زندگی کا ایک طریقہ کھوج نکالا جائے یا ایجاد کیا جائے جو ان کے ممبروں کے لئے ایک مناسب اور معقول زندگی کا امکان پیدا کرے انسانیت کے ڈھیر سے بنیادی طور پر اس کا ٹکراؤ نہیں ہوگا۔ جب یہ مقصد مل ہو جائے تو ضرورت ہے اس طریقۂ زندگی کے پھلنے پھولنے کے لئے ایک موافق ماحول کی۔ ابھی تک چھوٹی بستیوں کے مسئلے پر صرف سطحی پہلوؤں پر بحث کی جاتی رہی ہے۔ چھوٹی بستیوں کی زندگی کا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ سماجی یا معاشی نظام میں کچھ تھوڑا بہت ہیر پھیر کردیا جائے۔ بلکہ یہ زندگی کا ایک طریقہ ہے۔ اسے اس روپ میں دیکھنے اور سمجھنے کی بنیاد بس ابھی ابھی پڑی ہے۔ مثال کے طور پر سیسِل نارتھ نے اپنی کتاب "چھوٹی بستی اور سماجی بھلائی" میں کسی بات چیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

> "مصنف نے میرے اس خیال کی تائید کی کہ امریکہ میں سماجی کام کی سب سے پہلی ضرورت تنظیم اور کاموں میں تال میل پیدا کرنا ہے۔ مگر پھر جب باتوں کا سلسلہ چلا تو یہ معلوم ہوا کہ تنظیم کی کمی اصل کمزوری نہیں ہے، بلکہ اس کی تہہ میں کام، عملے اور کام کرنے کا ماہرانہ ڈھنگ ہے جس کی کمی ہے۔"

مگر اتنی گہری نظر کے باوجود وہ تہہ تک نہیں پہنچ سکا اس لئے کہ عملہ اور ماہرانہ طریقہ بھی ٹھیک ہو، پھر بھی اصل ضرورت ہے دھیمی رفتار سے پلی بڑھی ہوئی بستی کی روح کی جس کے اثر سے تنظیم اور کام کے ڈھنگ میں بھی جان پڑتی ہے۔

امریکہ میں خاندانوں کے بہت سے گروہ اس انتظار میں ہیں کہ کوئی راہ دکھلانے والا ملے جو انھیں بستیوں کی شکل میں تبدیل کردے۔ نئی زمانہ بستیوں کی باہم یگانگت اور آپس میں ملنے جلنے کی صلاحیت یوں ہی بے کار پڑی پڑی بےجان اور مُردہ سی ہو گئی ہے، اور اگر کوئی بستی کی روح کو بیدار کرنے کی کوشش کرے تو اُسے شروع شروع میں مایوسی ہو سکتی ہے مگر ضرورت ہے اپنے مقصد پر ثابت قدمی سے جمے رہنے کی تاکہ لوگوں میں ایک ملی جلی بستی کی زندگی گذارنے کی بھوک پیدا ہو جائے۔ بستی کی روح کو بیدار کرنے کا کام بستیوں کی تعمیر کے کام کا نہایت مشکل اور حوصلہ شکن پہلو ہے۔ اور یہی بستی کی سرداری کا دراصل کام ہے۔

انسانی تمدن میں جتنے بھی اضافے ہوئے ہیں، بھلا سوچنا، مروت اور اخلاق دیانت اور سچائی اور بھروسہ — یہ تمام اوصاف ابتداءً ان لوگوں کی زندگیوں میں پیدا ہوئے جنھوں نے انھیں ایجاد کیا اور جو اپنی زندگی میں انھیں برت کر دکھاتے تھے۔ پھر کہیں جا کر دوسروں نے ان اوصاف کو دیکھا اور ان سے خوش ہوئے۔ تو کبھی نقل کے ذریعے اور کبھی بالارادہ انھیں اختیار کیا۔ یہی وہ عمل ہے جس کے ذریعے تہذیبیں ترقی کرتی ہیں۔ غور طلب مسئلہ یہ ہے کہ کیا جتن کئے جائیں تاکہ اس قسم کی سرداری پیدا ہو، یا اگر موجود ہے تو ترقی کرے اور آگے بڑھے۔ پھر لیڈروں اور سرداروں کا مسئلہ یہ ہے کہ ایک ترشی ترشائی ہوئی مناسب اور بھرپور بستی کا خواب حرف بہ حرف کیسے پورا ہو اور کیا طریقہ اختیار کیا جائے کہ بے رُخی اور بے تعلقی کی ذہنیت بدلے اور اس کی جگہ نکتہ چینی کرنے مگر اسی کے ساتھ ہر کام میں آمادگی کے ساتھ حصہ لینے کا جذبہ پیدا ہو۔

— ۲ —

مسئلے کا حل

مایوس ہونے کی ضرورت نہیں

زمانے کے نئے ماحول کے پیش نظر چھوٹی بستیوں کی زندگی کا ایک نیا فلسفہ ممکن ہے۔ لوگوں کے ایک ساتھ رہنے سہنے، کام کرنے، کھیلنے کودنے، سیکھنے سکھانے سے جو یگانگت پیدا ہوتی ہے اور اس یگانگت کے اثر سے بستی کا جو مشترک مفاد قائم ہوتا ہے جیسے قدیم اور بیچ کے زمانے کی بستیوں کا دستور تھا اس کو از سر نو زندہ ہی کرنا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ اس نئے فلسفے کے اثر سے بستی کی زندگی میں وہ عالمگیریت، وہ تمدن، کھرے کھوٹے کی پہچان کا وہ شعور اور زندگی میں مختلف خیالات اور رجحانات کی ترکیب کا وہ مادہ بھی پیدا ہو جائے گا جو شہراتی اور دوسری جماعتوں میں پایا جاتا ہے۔ اس نئے نظریئے کے عمل سے بستی ان تمام فنی ترقیوں سے فائدہ اٹھائے گی جو ایک جگہ سے دوسری جگہ آنے جانے، باربرداری اور پیغام رسانی کے وسائل میں رائج ہو چکی ہیں۔ اس کے علاوہ خاص خاص مقاصد کے لئے جو سنستھائیں اور جماعتیں قائم ہیں اس نئے نظریہ کے مطابق ان سے بھی زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کیا جا سکے گا۔ مگر اس کا صرف اتنا ہی کام نہیں ہوگا بلکہ اس کی آخری منزل وہی ہوگی یعنی بستی کو ایک متحد اور مشترک اکائی کی شکل میں قائم رکھنا، یہ نہیں کہ بستی انسانوں اور خاص خاص مفاد اور جماعتوں کا محض ایک مجموعہ بن جائے۔ نئے فلسفے کے عمل کی حالت میں بھی لوگ ایک ساتھ رہ سہہ سکیں گے۔ ایک ساتھ مل کر اور سب کے بھلے کی خاطر کام کریں گے، اسی وقت بھی جذبات و احساسات کی اسی طرح تسکین ہوگی جس طرح ایک ساتھ رہنے سہنے اور مل جل کر زندگی بسر کرنے کی صورت میں ہوتی ہے۔

لمبے چوڑے چند در چند تعلقات جو زمانۂ حال کی خصوصیت ہے، ضروری نہیں کہ بستیوں کی زندگی کی روایات کو مٹا دیں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی بدولت قدیم روایات سے زیادہ عظیم الشان روایات قائم ہوں چھوٹی بستیوں نے انسانی سماج کے بنیادی تمدن کو محفوظ رکھا ہے اور اس کو ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچاتی رہی ہیں نئے نظریے پر عمل ہونے کی صورت میں وہ اپنا یہ کام زیادہ اونچی سطح پر انجام دے سکیں گی۔

روایات کی سُست رفتاری

بستی اس حیثیت سے کہ وہ انسانی معاملات میں ایک عنصر کی حیثیت رکھتی ہے —— یعنی یہ کہ وہ ایک باقاعدہ طریقۂ زندگی ہے اور اس حیثیت سے زندگی کے نظریے پر اثر انداز ہوتی ہے اس کا کوئی صاف اور واضح تصور یکایک سامنے نہیں آجاتا۔ چھوٹی بستیوں کے لئے ایک بیدار اور دور رس نظریۂ زندگی کا خیال بھی جس میں مقامیت کے بجائے عالمگیریت کا رنگ ہو، جو زندگی میں اعتدال اور خوش نمائی پیدا کرے، آہستہ آہستہ ترقی کرے گا اور اس کے ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچنے کے لئے زبان اور عمل دونوں سے کام لینے کی ضرورت ہوگی۔ زندگی کا یہ تصور بستیوں کی زندگی کی تاریخ میں شاذ و نادر ہی کہیں ابھرا ہوگا، مگر یہ بھی واقعہ ہے کہ جب کبھی اور جہاں کہیں اُبھرا ہے، دنیا کی تاریخ میں اُس نے نہایت اہم نقش چھوڑے ہیں۔ اس طرح کے نتائج ہمیں یونانی آبادیوں، اسرائیلی ریاست کی ابتدا، اور نیو انگلینڈ، پنسلوانیا اور جنوبی نیوجرسی کی بستیوں میں نظر آتے ہیں اور ان قدیم مشرقی ہندی تہذیبوں کا ذکر ہی کیا جہاں اسی قسم کی اور بھی کوششیں کی گئی تھیں۔

نئے حالات میں بستیوں کی نئی روایات

پھر مخصوص مقاصد کے لئے جو جماعتیں قائم ہوتی ہیں مثلاً سائنسی اور کاروباری جماعتیں، چھوٹی بستیوں کو ان جماعتوں سے بھی رشتہ جوڑنا اور کام لینا چاہیئے۔ یہی نہیں، ان کی تنظیم کا جو طریقہ ہے اس کو بھی اپنے اندر سمونا چاہیئے۔ اسے دور اندیش لیڈروں اور شخصیتوں کو تسلیم کرنا اور بڑھانا چاہیئے۔ جو اپنی ہمت اور حوصلے اور دور اندیشی سے ایسے مقام پر پہنچ جاتے ہیں جس کے لئے بستی بہ حیثیت مجموعی تیار نہیں ہوتی۔ بستی کے تصور زندگی میں انفرادیت کے لئے بھی جگہ ہونی چاہیئے اور اس کا اسے احترام کرنا چاہیئے بستی کو اپنے سامنے اپنی موجودہ حیثیت سے ایک اونچی زندگی کا نقشہ رکھنا چاہیئے اور ایک سمجھے بوجھے پلان کے مطابق آہستہ آہستہ قدم بہ قدم اس منزل کی طرف بڑھتے رہنا چاہیئے۔

یہ نیا نظریہ اپنے مقصد اور پروگرام کا مواد بستی کے فطری طرز زندگی اور جدید دور کے نئے تصورات سے حاصل کر سکتا ہے مگر

اس کے پیچھے مقصد یہی ہو کہ بستی کے لوگوں میں باہم یگانگت، قربت اور اعتدال پیدا ہوگا اور اس کی بدولت بستی متحد ہو کر ایسی کوشش کرے گی کہ اس کا ہر ممبر اپنے لئے ایک بھرپور اور رنگا رنگ زندگی کا سامان کر سکے ـــــ ایک ایسی زندگی جو بستی کی ضروریات کو بھی پورا کرے اور اس ممبر کی اپنی انفرادی خواہشات کا بھی سامان کرے۔ یہ مواد اور عناصر کیا ہوں؟ اس کی ایک فہرست حسب ذیل ہو سکتی ہے:-

۱- ہمسائیگی اور اس کے ساتھ باہمی رضامندی، ایک دوسرے کے کام آنے کا جذبہ، کشادہ دلی اور قوت برداشت اور آپس کی جان پہچان۔

۲- (۱) بستی کے مفاد اور اغراض کا ایک تخمینہ جس میں ایسے معاملات شامل ہوں جن پر پوری بستی زیادہ سے زیادہ متحد اور ایک رائے ہو۔ اس کا فائدہ یہ ہے کہ بستی کے کام نتیجہ بخش اور پختہ ہوں گے۔ (۲) سماج میں مل جل کر رہنے سہنے کے لئے ایک زیادہ سے زیادہ وسیع بنیاد؛ (۳) مشترک مقاصد کے لئے مل جل کر کوشش کرنے کی پالیسی۔

۳- (۱) بڑی بڑی سماجی اکائیوں مثلاً علاقہ، ریاست، قوم وغیرہ سے معقول اور موثر تعلقات (۲) باہر کے معاملات اور تعلقات میں جن کا بستی کے اوپر اثر پڑ سکتا ہے، متحد ہو کر دلچسپی لینا اور اپنی نمائندگی کرنا۔

۴- تعصب سے خالی، آزادانہ اور نتیجہ بخش تحقیق و تجسس کی پالیسی اور اس بات کی عادت کہ بجائے کسی دباؤ یا تانتی کے سچائی، ثابت قدمی اور رواداری کے ساتھ معاملات کی چھان بین کر کے اتحاد و یگانگت پیدا کی جائے۔

۵- (۱) اخلاقی معاملات میں زیادہ سے زیادہ حد تک سمجھوتہ اور ہر وقت یہ احساس کہ اخلاقی معاملات میں ایک مشترک معیار قائم کیا جائے (۲) اگر کوئی سوچنے والا شخص کوئی اپنا معیار قائم کرے یا افراد عام اصول اخلاق سے ہٹ کر کوئی معیار قائم کریں جس میں خلوص اور رواداری کا دامن نہ چھوٹا ہو تو ان کی کوششوں میں دخل نہ دینا۔

۶- تعلیم، تمدنی اور سماجی زندگی، تفریح اور دل بہلاؤ، صحت و تندرستی، اور بستی کے دوسرے معاملات میں ایک مشترک پروگرام جن میں بستی کی پوری آبادی شامل ہو اور ہر شخص ان میں پورے طور سے دلچسپی لے اور اپنے جوہر دکھائے۔

۷- زمین اور ترقی و تعمیر کے معاملات میں پوری بستی کے مفاد کو تسلیم کرنا، خواہ اس سلسلے کے کام سرکاری طور پر عمل میں آئیں یا نجی طور پر۔ اس سلسلے میں بستی کو منطقوں اور علاقوں میں بانٹنے کے طریقہ عمل کو اختیار کیا جائے۔

۸- (۱) بستی کی بنیادی معاشی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے جہاں چند گروہوں کے اشتراک سے ممکن ہو وہاں اس ذریعے سے اور جہاں پوری بستی کی شرکت سے ممکن ہو وہاں اس طرح امداد باہمی کے اصول پر کام کرنے کا رواج (۲) فلاح عامہ سے متعلق اداروں امداد باہمی کی انجمنوں اور ساہوکارے وغیرہ کے قیام کے سلسلے میں پوری بستی کے مفاد اور بھلے کا لحاظ پیش نظر رکھنا۔

۹- بستی کے معاملات و مسائل پر غور و بحث کرنے اور مل جل کر دل بہلانے، ایک دوسرے سے تعلقات بڑھانے اور تعارف پیدا

کرنے کی غرض سے بغیر کسی درجے یا مرتبے کا لحاظ کئے پوری بستی کے لوگوں کے باہم مل بیٹھنے کی عادت سکام کاج کے سلسلے میں سب کا ایک ساتھ ہونا اس طرح گویا سب نے طے کر لیا ہو کہ موت اور زندگی دکھ اور سکھ کامیابی اور ناکامی، غرض ہر بات میں ایک ساتھ رہیں گے۔

۱۰۔ انفرادیت اور انفرادی مفاد اور مذاق کا احترام ـــــ بستی کی زندگی جہاں پوری بستی کے ایک ساتھ مل کر کام کرنے کی پالیسی ہوتی ہے اور انفرادی یا چند افراد کی اجتماعی زندگی جہاں افراد کے اختلاف کو تسلیم کیا جاتا ہے اور اس کا احترام کیا جاتا ہے زندگی کے ان دونوں پہلوؤں کے درمیان ایک خوشگوار توازن۔

قومی مزاج چھوٹی بستیوں کے مزاج کی بنیاد پر بنتا ہے

بستی کی تعمیر و ترقی کے کام کا اولین پروگرام یہ ہے کہ افراد کے درمیان ذاتی طور پر ایک دوسرے سے رشتہ ہو۔ کوئی شخص بھی ہو اگر وہ اپنے پڑوسیوں کے ساتھ میل محبت سے رہنا سیکھ لے تو وہ بستی کی زندگی کے بنیادی طور و طریق سیکھ سکتا ہے بستی ہو یا ریاست یا قوم، اس کے قریب قریب ہر مسئلے کا حل انہی چھوٹی چھوٹی بستیوں میں ملتا ہے جہاں لوگ ایک دوسرے کے ساتھ میل محبت کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ کوئی شاعری نہیں بلکہ ایک پرکھی پرکھائی بات ہے۔ جب تک ہم چھوٹی چھوٹی سماجی اکائیوں میں یگانگت و اتحاد کے تعلقات پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوتے اُس وقت تک ہم بستیوں کی تعمیر کے فن سے ناواقف ہیں۔ ہمیں بڑے بڑے پروگراموں اور منصوبوں کی راہ نہیں دیکھنی چاہئیے، ہر شخص اپنے روزمرہ کے تعلقات کی بنیاد پر بستی کی تعمیر کا فن سیکھ سکتا ہے۔

ہمارے یہ تعلقات اور رشتے جو ہم اپنے پڑوسیوں کے ساتھ رکھتے ہیں سالہا سال تک جوں کے توں قائم رہتے ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ سماج یا حکومت کی کیا نوعیت ہے۔ اگر یہ تعلقات اچھے اور خوشگوار ہیں تو ہماری زندگی کے دائرے کا بڑا حصہ بھی اچھا اور خوشگوار ہوگا اور یہ خوشگواری بستی کے حدود سے باہر کی دنیا پر برابر اپنا اثر چھوڑتی رہے گی۔

کمیونٹی آرگنائزیشن کے مقاصد ـــــــــــــــــــ بقیہ صفحہ ۲۵ کا

اکائیوں کے ساتھ اشتراک اور ربط ضبط رکھنا۔

۸۔ باہمی سمجھوتہ اور اتفاق رائے۔ یعنی سب کی رایوں کا نقطۂ اتحاد معلوم کرنے کے اصولوں اور طریقوں کو رائج کر کے انھیں سیرت کا جزو بنانا۔

۹۔ کمیونٹی میں سرداری کے جوہروں کو چمکانا۔

سینڈرسن اور پولسن
(کارنیل یونیورسٹی)

کمیونٹی آرگنائزیشن[1] کے مقاصد

کمیونٹی آرگنائزیشن کے مختلف علماء اپنے اپنے طور پر اس کے مقاصد متعین کرتے رہے ہیں جنھیں وہ بستی کی تنظیم کے بنیادی مقاصد سے تعبیر کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ بستی کی تنظیم میں ان باتوں کو نمایاں حیثیت حاصل ہونی چاہیئے۔ کارنیل یونیورسٹی کے علماء سینڈرسن اینڈ پولسن صاحبان نے اپنی کتاب "رورل کمیونٹی آرگنائزیشن" میں اس کے حسب ذیل مقاصد ٹھہرائے ہیں:-

۱- کمیونٹی کے باشندوں میں یہ احساس پیدا کرنا کہ ان کی کمیونٹی اس اصطلاح کے صحیح مفہوم کے مطابق کمیونٹی ہے۔ ان کے اندر یہ عقیدہ پیدا کرنا کہ تہذیب و تمدن کی بنیادی اکائی ہونے کی حیثیت سے اس کی بڑی قیمت ہے اور ان کے دل میں اس بات کے لئے فخر پیدا کرنا کہ وہ اس کمیونٹی کے افراد ہیں۔

۲- ان کی ان ضرورتوں کو جو پوری نہیں ہوئی ہیں پورا کرنا، چاہے وہ معاشی ہوں، یا تمدنی یا جسمانی۔

۳- کمیونٹی کے باشندوں میں یہ رجحان پیدا کرنا کہ وہ اپنے مشترک مقاصد کے حصول اور مشترک مفادات اور آپس کے میل جول کو ترقی دینے کے لئے باہم مل کر کام کریں تاکہ اس کے ذریعے "غور و فکر، احساسات و جذبات اور کمیونٹی کی سرگرمیوں میں مشترا اشتراک واتحاد کی خو پیدا ہو"۔

۴- کمیونٹی میں ایک جماعتی روح اور اعمال و افعال کے جانچنے کے مسلمہ اصول و معیار کو فروغ دینا اور ان کی پابندی کرکے انھیں قائم اور بحال رکھنے کا جذبہ پیدا کرنا۔

۵- کمیونٹی کے اندرونی گروہوں کو آمادہ کرنا کہ وہ کاموں اور پروگراموں کے دُہراؤ، ایک دوسرے کے معاملات میں دخل اندازی اور اُن کی وجہ سے پیدا ہونے والے نقصانات سے پرہیز کرکے اور جب اور جہاں ممکن ہو، اپنے وسائل کو ایک جگہ جمع کرکے اپنی افادیت میں اضافہ کریں۔

۶- کمیونٹی کے اندر غیر پسندیدہ حالات و اثرات کو داخل ہونے سے روکنا۔

۷- دوسری کمیونٹیوں، سرکاری اور آزاد اداروں، اور علاقہ، ریاست اور قوم جیسی نسبتاً بڑی (باقی صفحہ ۵۲ پر)

(باقی صفحہ ۵۲ پر)

---

[1] ڈاکٹر مارگن نے اس کے لئے لفظ "کمیونٹی پلاننگ" استعمال کیا ہے، مگر سیاق و سباق سے اس کا مفہوم وہی نکلتا ہے جو کمیونٹی آرگنائزیشن کا ہے۔ اس لئے اس کا ترجمہ کمیونٹی آرگنائزیشن ہی مناسب معلوم ہوتا ہے ——— ایڈیٹر

اڈلٹ ایجوکیشن اور کمیونٹی آرگنائیزیشن

(اڈلٹ ایجوکیشن میں کمیونٹی آرگنائیزیشن کا کردار بہت اہم ہے۔ محترمہ رتھ کوٹسکی تعلیم بالغان کی ایک ماہر ہیں انھوں نے اپنی کتاب "اڈلٹ ایجوکیشن کاؤنسلز" میں لکھا ہے کہ "کمیونٹی آرگنائیزیشن دراصل اڈلٹ ایجوکیشن کا ایک پروگرام ہے"۔

"امریکن ایسوسی ایشن فار اڈلٹ ایجوکیشن نے ۱۹۴۶ء میں ایک کمیٹی مقرر کر کے اُس سے فرمائش کی تھی کہ وہ کمیونٹی آرگنائیزیشن کی تحریک اور اڈلٹ ایجوکیشن کے باہمی تعلق کا تعین کرے۔ کمیٹی نے بڑی جامع رپورٹ دی تھی جو "کمیونٹی آرگنائیزیشن عمل کے میدان میں" کے عنوان سے چھپ چکی ہے۔ نیچے کا مضمون اسی رپورٹ کے ایک باب کے چند اقتباسات پر مشتمل ہے۔)

اڈلٹ ایجوکیشن ہو یا کمیونٹی آرگنائیزیشن، دونوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے کام کی بنیاد لوگوں کی اپنی مرضی اور ارادے پر رکھے۔ دونوں کا ہاتھ میں لیا جانا اس سبب سے ہونا چاہیئے کہ لوگوں کو ایمان و یقین ہو کہ اُس سے اُن کی زندگیوں میں بہتری پیدا ہوگی۔ کسی بات کے کرنے کا ڈھنگ جیسے دوسرے عقائد کا پابند ہوتا ہے اسی طرح اس کے اوپر جمہوری طرز زندگی پر یقین و ایمان رکھنے کا بھی اثر پڑتا ہے — مثلاً اس بات کا یقین کرنا ہوتا ہے کہ لوگوں کے اندر اپنے خیال کو سمجھنے کے سلسلے میں آیا پہلے کی بہ نسبت زیادہ تعاون، زیادہ باریک بینی، کر کے دم لینے کی زیادہ صلاحیت اور زیادہ جامعیت پیدا ہو گئی ہے یا نہیں۔ ہمیں یہ سوال ہمیشہ اپنے سامنے رکھنا چاہیئے کہ آیا جس ترتیب سے ہم عمل کر رہے ہیں، اس سے جمہوری عقیدے اور تجربے کو تقویت پہنچی یا نہیں۔ جمہوری طرز زندگی کے بارے میں اسی بات کو ایمرسن نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ

"مقاصد ذرائع میں پہلے سے پوشیدہ ہیں۔

"ہلہ بولنا" کمیونٹی آرگنائیزیشن نہیں ہے

کمیونٹی کے لوگوں کو ایسے مقاصد کی حمایت کے لئے ابھارنا اور منظم کرنا جن کے بارے میں لوگوں نے خود نہ سوچا سمجھا ہو اور اور نہ اس کے کام کرنے کا فیصلہ کیا ہو، کمیونٹی آرگنائیزیشن نہیں ہے۔ اسی طرح بعض خود ساختہ جماعتیں لوگوں میں کچھ کام کرنے کے لئے کھڑی ہو جاتی ہیں جو بعض اوقات اس مقصد کے لئے ہوتا ہے کہ کمیونٹی جس حال میں ہے اُسی پر قائم رہے، اور بعض اوقات اس مقصد کے لئے کہ اُن کے اپنے ارکان و ممبران کو تو فائدہ پہنچے مگر کمیونٹی کے حق میں بحیثیت مجموعی ضرر رساں ثابت ہو۔ اس مقصد کے لئے وہ جو تنظیم کرتے ہیں وہ بھی کمیونٹی آرگنائیزیشن کی تعریف میں نہیں آتی۔

اڈلٹ ایجوکیشن پڑھائی کے کمرے تک محدود نہیں ہے

اسی طرح یہ بات بھی ہمارے نزدیک بالکل صاف اور واضح ہے کہ اڈلٹ ایجوکیشن کسی ایسی چیز کا نام نہیں ہے جو کمیبر پڑھائی کے کمرے میں ایک قطار کے پڑے ہوئے ڈیسکوں پر عمل میں آتی ہو، یہ نہ کوئی خشک "علمی" عمل ہے جو کسی وجہ سے سہی، عوام کی زندگی کے عملی اور جذباتی مسائل سے الگ تھلگ ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف اڈلٹ ایجوکیشن کے کچھ کارکنوں نے اس کی اس تنگ محدود تعریف کے خلاف اتنی شدت دکھائی ہے کہ کمیونٹی آرگنائیزیشن کی ایجاد نے بڑا زبردست اثر جا لیا اور اس نو مولود بچے (اڈلٹ ایجوکیشن) کو باہر کوڑے گھر میں پھینک دیا گیا۔

اس بات پر بار بار زور دیا گیا ہے کہ اڈلٹ ایجوکیشن اور کمیونٹی آرگنائیزیشن بجائے ایک دوسرے کے مخالف ہونے کے ایک دوسرے کی کمی کو پورا کرنے والے تصورات ہیں اس لئے کہ عوام کی ضرورتوں کی نوعیت شخصی اور جماعتی دونوں طرح کی ہوتی ہے۔ اگر ہم انسان کی قدر و قیمت میں ایمان رکھتے ہیں تو قدرتاً ہمارا یہ ایمان بھی ہے کہ اُسے اپنی شخصی نشو و نما کا حق ہے، اسے اپنے اور اپنے خاندان سے تعلق رکھنے کا حق ہے، اُسے تصویر کشی یا کسی اور ذریعے سے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کا حق ہے قطع نظر اس کے کہ اس کی تخلیقات سے خود اُسے کوئی فائدہ نہ پہنچے۔ لیکن یہ بھی نہیں سمجھنا چاہیئے کہ گوشہ نشینی کا بدل سرائے میں جا کر بود و باش اختیار کرنا ہے۔

معاملہ صرف اہمیت کے فرق کا ہے

اڈلٹ ایجوکیشن اور کمیونٹی آرگنائیزیشن کے درمیان بہیں باہمی اشتراک و اتحاد کی بہت زیادہ گنجائش نظر آتی ہے۔ مگر

اسی کے ساتھ دونوں میں اہمیت کا تھوڑا سا فرق بھی ضرور ہے — اور یہ فرق نوعیت کا نہیں مقدار کا ہے۔

کمیونٹی آرگنائزیشن میں عمل کے جذبے پر زور ہوتا ہے اور اس کی نظر خصوصاً ٹولیوں کو باہم منظم کرنے کی طرف ہوتی ہے۔

کمیونٹی آرگنائزیشن کی توجہ بھی افراد اور سیکھنے کے عمل پر ہوتی ہے مگر اڈلٹ ایجوکیشن کے مقابلے میں کم۔ اس کی خصوصی توجہ مختلف ترکیبوں سے ایسے نتائج کی طرف ہوتی ہے جو پوری کمیونٹی کے اشتراکِ عمل سے برآمد ہونے والے ہوں۔

اڈلٹ ایجوکیشن بھی چاہتی ہے کہ اس کی تعلیم سے کمیونٹی کے اندر باہم متحد ہو کر کام کرنے کے جذبے کو تقویت ملے، اور وہ بھی اپنا تعلق مسلسل گروہوں اور جماعتوں سے رکھتی ہے مگر اس کی اصل توجہ اس بات پر ہوتی ہے کہ افراد میں سیکھنے اور تعلیم حاصل کرنے کا رواج عام ہو جائے۔

ایک اور بات یاد رکھنے کی ہے کہ ہمارے نزدیک کمیونٹی آرگنائزیشن اور کمیونٹی آرگنائزر اور اڈلٹ ایجوکیشن اور اڈلٹ ایجوکیٹر یعنی تعلیم بالغان اور تعلیم بالغان کے معلّم میں فرق ہوتا ہے۔ چونکہ کمیونٹی آرگنائزیشن اور اڈلٹ ایجوکیشن کے درمیان بہت قریب کا رشتہ ہے، اس لئے طے ہے کہ ایک پیشہ ور کارکن کو کسی وقت کمیونٹی آرگنائزر کے روپ میں کام کرنا پڑے گا اور کسی وقت تعلیم بالغان کے معلّم کے روپ میں۔ اگر کمیونٹی آرگنائزیشن اور اڈلٹ ایجوکیشن، دونوں کے طریق کار کے بارے میں ذہن صاف ہو تو اِس بات کا فیصلہ کارکنوں کے اوپر آسانی سے چھوڑا جا سکتا ہے کہ کس موقعے پر اُسے کس طریقِ کار کو اختیار کرنا چاہیئے اگرچہ یہ صحیح ہے کہ ان دونوں حالتوں کے درمیان زور اور اہمیت کے اعتبار سے بہت نمایاں فرق ہے! اس کے باوجود ہمیں یہ بات کہنی ہے کہ تعلیمِ بالغان کے معلّم کو اکثر و بیشتر کمیونٹی آرگنائزیشن کے اصولوں کو اختیار کرنا ہوگا اور کمیونٹی آرگنائزیشن کے کارکن کو اسی طرح اکثر و بیشتر کمیونٹی بالغان کا راستہ اختیار کرنا ہوگا۔

اڈلٹ ایجوکیشن کو کمیونٹی آرگنائزیشن سے کیا مل سکتا ہے؟

اڈلٹ ایجوکیشن کے کارکنوں کے لئے یہ سمجھنے کی کوشش کرنا شرط کی حیثیت رکھتا ہے کہ عوام کیا سیکھنا چاہتے ہیں، کن حالات میں وہ سیکھنے کے لئے راضی ہوتے ہیں اور انھیں لکھنا پڑھنا سیکھنے کے لئے راضی کرنے کے لئے کن محرکات سے کام لینا چاہیئے کہ تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھے۔ کمیونٹی آرگنائزیشن کی ٹکنیک، سے تعلیم بالغان کے معلّم کو عوام کے اصل احساسات و ضروریات کی پوری واقفیت ہو جاتی ہے۔ تعلیم بالغان کا معلّم اکثر اوقات عوام سے اس قدر علٰحدہ ہو جاتا ہے کہ اپنے آپ کو نالائق اور بے مصرف سمجھنے لگتا ہے۔ اس علٰحدگی کی کیفیت سے نجات پانے کا ایک فوری اور آسان راستہ کمیونٹی آرگنائزیشن ہے۔ اس راستے پر چلنے سے عوام کی اصل ضرورت سے متعلق اس کا علم پختہ ہو جاتا ہے، وہ لوگوں کو یقین دلا سکتا ہے کہ وہ انہی میں سے ایک ہے اور بسم اللہ کے

گنبد میں نہیں رہتا اور اگر اس کے اندر سوجھ بوجھ کا مادہ بھی ہے تو فوراً سمجھ لے گا کہ جو کچھ عوام حاصل کرنا چاہتے ہیں، اس میں ان کی کس نقطے پر مدد کی جائے کہ وہ اپنی منزل پر جلد از جلد پہنچ جائیں۔ لائمن برائسن کا قول ہے کہ "یہ بے وقوفوں کا نظریہ ہے کہ انسان ہر چیز تجربے سے سیکھتا ہے"۔ یہ قول اس کا معالج ثابت ہوگا اور جو کچھ سیکھنے میں اُسے لوہے کے چنے چبانے پڑتے، اُسے وہ مستعدی کے ساتھ "تعلیم" کے راستے سے سیکھ لے گا۔

پھر تعلیم بالغان کے معلّم کو کمیونٹی آرگنائزیشن کے ذریعے اس بات کا پتہ چلانے میں اکثر آسانی ہوتی ہے کہ جو کچھ وہ کر رہا ہے آیا اس کا اثر بھی ہو رہا ہے یا نہیں۔ اگر معاملہ ایسا ہے کہ "تعلیم" کا سلسلہ تو مستقل جاری ہے مگر کمیونٹی کے کان پر جوں بھی نہیں چلتی، تو وہ سمجھ لے گا کہ وہ جو کچھ کر رہا ہے، عوام سے علٰحدہ ہو کر کر رہا ہے۔ کمیونٹی آرگنائزیشن کا ایک نمایاں کام یہ ہوتا ہے کہ لوگوں کو میٹنگ کرنے کا فن آجائے۔ مگر اس کے دوسرے کام اتنے مشکل اور دشوار گذار ہوتے ہیں کہ ان کے لئے بڑی زبردست سوجھ بوجھ اور مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔ تعلیم بالغان کا معلّم تو بڑا خوش قسمت ہے کہ جن باتوں کی وہ تعلیم دیتا ہے اُن کو استعمال میں آتے ہوئے دیکھ لیتا ہے اور جن لوگوں کو تعلیم دیتا ہے وہ اس کے سامنے اپنی ٹولیوں کی سرداری کرتے ہوئے نظر آجاتے ہیں۔ کمیونٹی آرگنائزیشن اُسے وہ عینک بہم پہنچاتا ہے جس کے ذریعے وہ دیکھ سکتا ہے کہ آیا اس کی دی ہوئی تعلیم کام آرہی ہے یا نہیں۔ سوسائٹی کی طرف سے اس کے لئے یہ خوش قسمتی کی بات ہے کہ اس کے کام کے نتائج امتحان میں کامیاب ہونے والے طالب علموں کی تعداد سے نہیں ناپے جا سکتے، بلکہ اُسے یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ ــــــ اور اکثر اوقات یہ ثابت کرنے میں بڑی مشکل پیش آتی ہے ــ کہ وہ جو کچھ کرتا ہے، اس کی اہمیت ہے یا اس سے عوام کی زندگی میں تبدیلی آتی ہے۔ جس کمیونٹی میں وہ کام کرتا ہے، وہ جتنی بڑی ہوگی اسی نسبت سے نتائج کا پتہ چلانا مشکل ہوگا لیکن اس کے باوجود اُن کا ایک آئینہ ہے جس میں وہ اپنی کامیابی یا ناکامی کی تصویر دیکھ سکتا ہے اور وہ ہے کمیونٹی کی زندگی کا آئینہ۔

عمل کی خواہش کا ایک نکاس

انسان کے اندر کام کی بڑی زبردست خواہش ہوتی ہے۔ کمیونٹی آرگنائزیشن اس خواہش کے لئے ایک نکاس فراہم کرتا ہے۔ یہ خواہش بعض اوقات دبی رہتی ہے اور اگر اڈلٹ ایجوکیشن کا پروگرام کامیابی سے چلایا جائے تو اس کے اثر سے ابھر آتی ہے۔ اڈلٹ ایجوکیشن کے اکثر کارکنوں کا کہنا ہے کہ اُن کا سب سے بڑا کام شہریت کی تعلیم ہے اور اسی کام میں انھیں سب سے کم کامیابی ہوتی ہے۔ بہت سے ایسے ہیں جو دوہری مشکل سے دوچار ہو رہے ہیں اور وہ ہے تعلیم اور عمل کا باہم رشتہ۔ واقعہ یہ ہے کہ کوئی شخص شہری معاملات میں لوگوں کی تربیت اس وقت تک نہیں کر سکتا جب تک وہ ان میں اس سلسلے میں

عملاً کچھ کرنے کی بھوک نہ پیدا کردے"۔ اس حقیقت کے پیش نظر تعلیم بالغان کے معلم کو کوشش کرنی پڑے گی کہ اپنے حلقے کے لوگوں کی توجہ کام کے ان راستوں کی طرف پھیر دے جو کمیونٹی آرگنائزیشن کی صف میں آتے ہیں۔ ظاہر ہے اس کوشش میں ایسے پروگرام تلاش کرنے پڑیں گے جن میں لوگوں کو کام کی دعوت دی جاتی ہے اور پھر انھیں کام پر آمادہ کرنے کے لئے محنت کرنی پڑے گی۔ جب وہ یہ راستہ اختیار کرے گا تب کہیں اس قابل ہوگا کہ لوگوں کو کام کا ڈھنگ "بتا سکے اور ساتھ ہی اس الزام سے بھی بچے جائے کہ "حضرت کام کا ڈھنگ" تو بتاتے ہیں مگر انھیں اس سے مطلب نہیں کہ وہ "کام کیا ہے" جو اس ڈھنگ سے کرنا ہے۔ کمیونٹی آرگنائزیشن میں اُسے چونکہ ذاتی طور پر مستعدی دکھانی پڑے گی اس لئے لوگ اسے کام کرنے والا آدمی سمجھ کر اس کے اوپر بھروسہ بھی کریں گے۔ ہماری نظر سے تجربوں کی جتنی داستانیں گذری ہیں وہ اس قسم کے واقعات سے بھری پڑی ہیں جن میں تعلیم کا کام کرنے والے لوگوں نے سیدھے عمل کا راستہ اختیار کیا ہے

عمل اس جگہ اور مضمون میں اس سے آگے بھی اصطلاحی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کمیونٹی آرگنائزیشن کی اصطلاح میں عمل سے مراد وہ کام اور سرگرمیاں ہیں جو کمیونٹی کے لوگ منظم ہونے کے بعد ایک اسکیم یا منصوبے کے مطابق عملاً انجام دیتے ہیں۔

جھگڑے والے معاملات اور معلّم

جھگڑے والے معاملات میں معلّم کی پوزیشن اکثر بڑی نازک ہو جاتی ہے۔ سیاسی تناؤ کے زمانے میں تو معلّم اپنے خیالات اور اعمال کی پاداش میں ہمیشہ حملوں کا شکار رہتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان حالات میں وہ اکثر و بیشتر ہار مان کر علمی گوشہ نشینی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ ہم لوگوں کے لئے جو اس زمانے میں سانس لے رہے ہیں کسی ایسے وقت کا امکان نظر نہیں آتا جب سیاسی تناؤ کی کیفیت سے نجات ہوگی، اس مسئلے پر بڑی سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

کمیونٹی آرگنائزیشن تعلیم کا کام کرنے والوں کی مدد اس کے عملی پروگراموں میں ایک دوسرے طریقے سے بھی کر سکتی ہے۔ تعلیم کا کام کرنے والی تنظیموں کی پوزیشن بجائے خود کمیونٹی آرگنائزیشن کا ایک مسئلہ ہے خاص طور سے ایسی تنظیمیں جنھیں پبلک سرمائے سے مدد ملتی ہے مثلاً پبلک اسکول، پبلک کالج، کتب خانے وغیرہ۔ تعلیم کا کام کرنے والے لوگ عام انسانوں کی طرح زندگی بسر کریں یا انھیں فوجی ورزشوں سے پناہ دینے والے تہ خانوں میں جا کر چھپ جانا چاہیئے" اس کا فیصلہ بالآخر اس بات پر ہوگا کہ کمیونٹی ان کی پشت پناہی کرتی ہے یا نہیں۔ اسی طرح اس کا فیصلہ بھی اسی بات پر ہوگا کہ جس ادارے سے ان معلّموں کا تعلق ہے، وہ کمیونٹی کی زندگی میں اپنا کردار ادا کرے گا، یا خطرے کے مقابلے میں پیٹھ دکھا کر بھاگ کھڑا ہوگا۔ اس معاملے میں آزاد اور رضاکار تنظیمیں خطرے کا سامنے کرنے میں کمیونٹی کی شریک ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ ان کا وار دوار

کمیونٹی کی حمایت اور امداد پر ہوتا ہے حالانکہ اس محتاجی کے باوجود وہ حملے کا شکار کم ہوتی ہیں۔

تعلیم اور عمل میں چولی دامن کا ساتھ

شہر نیویارک میں ایک جماعت ہے یونائیٹڈ پیرنٹس ایسوسی ایشن (والدین کی انجمنوں کی متحدہ جماعت) اس انجمن نے عمل اور تعلیم کے باہمی رشتے کی نہایت دلچسپ مثال پیش کی ہے۔ یہ اصلاً تو ہے عمل کی جماعت، مگر اسی شدت کے ساتھ یہ اپنے آپ کو تعلیمی جماعت بھی سمجھتی ہے۔ اس کے کام کی دو راہیں ہیں: ایک لوگوں کو اچھے ماں باپ بننے کی تعلیم دینا اور دوسرے انھیں اس بات کے لئے تیار کرنا کہ اسکولوں اور دوسرے اداروں کو جن سے ان کے بچوں کا تعلق ہے دانش مندانہ طرزِ عمل اختیار کرنے پر مجبور کریں۔ یہ والدین کی بہت سی انجمنوں کا ایک وفاق ہے، جو شہر کے بہت سے اسکولوں کے ساتھ ساتھ قائم ہیں۔ یہ وفاق نمائندوں کی ایک ایسی کمیٹی کے توسط سے فیصلے کرتا ہے۔ اس کمیٹی میں بہت اہتمام کے ساتھ مختلف انجمنوں کی نمائندگی ہوتی ہے وہ اپنے کام کی بنیاد مطالعہ و تحقیق کے اصول پر رکھتی ہے اور اس مقصد کے لیے خصوصی کمیٹیاں بناتی ہے۔ یہ ایک محدود میدان میں جمہوری کمیونٹی آرگنائیزیشن کی بڑی کامیاب مثال ہے۔ اس نے اپنے میدان کو محدود اس خیال سے رکھا ہے کہ اس کا کام ایک پورے شہر سے ہے جس میں اسکولوں میں پڑھنے والے دس لاکھ بچے رہتے ہیں۔

اس جماعت کی کامیابی کا ایک راز یہ ہے کہ اس نے تنظیمی معاملات میں کشمکش اور تناؤ کے زمانے میں بھی اپنے تعلیمی مقاصد اور طریقوں کو نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیا۔ اس کی پالیسی یہ ہے کہ اپنے ممبروں کی تعلیمی ضرورتوں کا پتہ لگائے اور پھر ان کی تسکین و تکمیل کے لئے تعلیمی اداروں کو آمادہ بلکہ مجبور کرے۔ اگرچہ بعض اوقات اُسے ان ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے خود تعلیمی کام کرنے پر مجبور ہونا پڑا ہے۔ ایسی صورتوں میں اس کے ممبران کلاسوں اور تعلیمی صحبتوں میں شریک ہوتے ہیں اور وقت کے تقاضے کے مطابق مختلف باتیں سیکھتے ہیں مثلاً بچوں سے کس طرح معاملہ کرنا چاہیئے یا اپنے تنظیمی کام کس طرح انجام دینے چاہئیں اور کوئی پبلک معاملہ ہو تو اس میں حصہ لینے کے لئے اپنے آپ کو کس طرح تیار کرنا چاہیئے وغیرہ۔

یونائیٹڈ پیرنٹس ایسوسی ایشن کے یہ کام تو تعلیم اور کمیونٹی آرگنائیزیشن کے میدان میں ہیں۔ ان کے علاوہ اس کی توجہ اس بات پر بھی ہر وقت رہتی ہے کہ کمیونٹی کے اسکولوں کی پوزیشن میں فرق نہ آنے پائے، ان کی تعلیمی آزادی برقرار رہے، اور اخلاقی معاملات پر غور و بحث کرنے کے لئے جب بھی ضرورت ہو، ان کی عمارتیں استعمال کی جاسکیں۔ اسکولوں کے چارٹر کو یہ جماعت کمیونٹی کی اپنا معاملہ سمجھتی ہے اور اس سلسلے میں ایسوسی ایشن کے ممبران جو فیصلہ کرتے ہیں، ان کو برابر "بورڈ آف ایجوکیشن" کے سامنے لاتی رہتی ہے۔

اگر جھگڑے والے معاملات میں اڈلٹ ایجوکیشن کا کام احتیاط اور بچاؤ کے ساتھ کرنے کے بجائے صحیح معنی میں جمہوری طریقے پر کیا جائے تو ہم اپنی شہادتوں اور عملی مثالوں کی بنیاد پر کہہ سکتے ہیں کہ تعلیم بالغان کا معلّم نہ صرف زندہ و سلامت رہے گا بلکہ پہلے کی بہ نسبت زیادہ صحت مند اور توانا واپس لوٹے گا۔ اس کے لئے سوائے اس کے کہ کمیونٹی کے معاملات اور اہم مسائل میں حصّہ لے کر اپنے آپ کو الجھانے کا خطرہ مول لے، کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ اور جو راستہ ہے وہ ایسا ہے کہ اس سے وہ لوگوں کی زندگیوں کے بعض نہایت اہم پہلوؤں سے کٹ کر الگ جا پڑے گا حالانکہ انھی کے درمیان اور انھی کے ساتھ اُسے کام کرنا ہوتا ہے۔

(اڈلٹ ایجوکیشن مسیلینی)

کیا کمیونٹی آرگنائزیشن کا طریقہ کار ہندوستان کے مطابق ہے؟ ——— بقیہ ص۲۶ کا

بہت سے اصولوں کو کمیونٹی آرگنائزیشن کے اصول کہتے ہیں مگر وہ خالصتاً کمیونٹی آرگنائزیشن کے اصول نہیں ہیں بلکہ ان کا تعلق سوسائٹی کے ضابطۂ اخلاق اور ذوقِ جمال سے ہوتا ہے جو ہر شخص، ہر پیشے اور ہر ذمے دار شہری کے لئے فرض کا درجہ رکھتا ہے۔
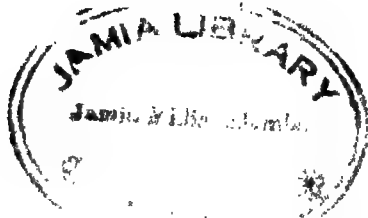
کمیونٹی سنٹر اور کمیونٹی ایسوسی ایشن

کمیونٹی کی فلاح و بہبود کے معاملے میں انگلستان کا تجربہ

کمیونٹی آرگنائیزیشن کی ٹکنیک نے اگرچہ عالمگیر حیثیت اختیار کر لی ہے اور قریب قریب دنیا کے ہر ملک خصوصاً نیم ترقی یافتہ ملکوں میں اس کا چرچا عام ہے لیکن برطانیہ میں اس کا چرچا بہت کم سننے میں آیا ہے اور اس کا استعمال تو وہاں شاید ہی کہیں ہوتا ہو۔ اس کی ایک وجہ جو دور سے نظر آتی ہے' یہ ہو سکتی ہے کہ انگریز قوم طبعاً روایت پرست ہے اور اپنے روایتی اداروں میں کوئی تبدیلی آسانی سے قبول نہیں کرتی مگر اس کے علاوہ کمیونٹی آرگنائیزیشن کی طرف سے اس طرح کان بہرے کر لینے کا ایک سبب اور بھی ہو سکتا ہے' اور وہ ہے ان کے یہاں کمیونٹی سنٹروں اور کمیونٹی ایسوسی ایشنوں کا عام رواج۔

آیئے اس صحبت میں جب کہ ہماری توجہ کا مرکز کمیونٹی آرگنائیزیشن ہے برطانیہ کے ان کمیونٹی سنٹروں اور کمیونٹی ایسوسی ایشنوں کا بھی ذرا تفصیل سے مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ ان دونوں بدیسی ایجادوں میں سے ہمارے اپنے حالات سے کون سی ایجاد زیادہ میل کھاتی ہے۔

نیچے کا مضمون انگلستان کی نیشنل کاؤنسل آف سوشل سروس کی ایک کتاب" اور نیبرہڈ" کے چند اقتباسات پر مشتمل ہے جن کے درمیان بریکٹ کے اندر کہیں کہیں ایڈیٹر کے تشریحی نوٹ بھی آگئے ہیں۔

——— ایڈیٹر

ابتدائی باتیں

(کمیونٹی سنٹر اور کمیونٹی ایسوسی ایشن کی تحریک برطانیہ میں چھوٹی چھوٹی بستیوں سے متعلق ہے جن کو نہ محلہ کہا جا سکتا ہے' نہ قصبہ' نہ گاؤں۔ البتہ نیبرہڈ ایک لفظ ہے جو ان بستیوں کے لئے صحیح طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ ان بستیوں پر کمیونٹی کی اصطلاح

بھی ٹھیک نہیں بیٹھتی مگر انھیں کمیونٹی سنٹروں اور کمیونٹی ایسوسی ایشنوں کے اثر سے کمیونٹی بنایا جاسکتا ہے۔" پڑوس" کی تعریف اس کتاب میں اس طرح کی گئی ہے:

"پڑوس (نیبرہڈ) سے مراد ہے ایک محدود علاقے میں رہنے والے لوگوں کا ایک مجموعہ جو گھروں کے قریب قریب رہنے کی وجہ سے ایک دوسرے سے منسلک ہوجاتے ہیں، اور دوسری بستیوں سے ان کے دور ہونے کی وجہ سے الگ ہوجاتے ہیں مگر یہ پڑوسیوں کی بستی کمیونٹی کی تعریف میں نہیں آتی۔ اور کمیونٹی سنٹر کے کاموں میں سے ایک کام یہ بھی ہے کہ پڑوسیوں کی اس بستی میں جس میں وہ کام کر رہا ہے کمیونٹی کے اوصاف پیدا کردے۔"

دگر پڑوسیوں کی بستی میں کمیونٹی کے اوصاف پیدا کرنا محض کمیونٹی سنٹر کے بس کا کام نہیں ہے، اس لئے کہ کمیونٹی سنٹر محض ایک مشترک ملاقات گاہ کا نام ہے جہاں بستی کے لوگ سماجی، تفریحی اور تعلیمی سرگرمیوں سے لطف اندوز ہونے کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ اس بیان کے ثبوت میں چند مستند بیانات نقل کئے جاتے ہیں۔

وزارت تعلیم نے کمیونٹی سنٹروں کا جائزہ اور مطالعہ کرنے کے لئے ایک کمیٹی بنائی تھی جس نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے:

"کمیونٹی سنٹر اس لئے ہوتے ہیں کہ وہاں پڑوس کے لوگ برابر کی حیثیت میں سماجی، تفریحی اور تعلیمی سرگرمیوں سے لطف اندوز ہونے کی غرض سے ایک جگہ جمع ہوں۔ ان میں مخصوص ہابیوں اور دلچسپیوں کی انجمنوں کے ممبر بھی ہوتے ہیں، اور مشترک ضرورتوں اور مفادات کے حامل افراد بھی جو ایک ہی بستی میں رہتے بستے ہیں۔"

وزارتِ تعلیم کی طرح اسکاٹ لینڈ کے ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ نے بھی اسی غرض سے ایک کمیٹی بنائی تھی جس نے اپنی رپورٹ میں کمیونٹی سنٹر کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔

"کمیونٹی سنٹر جس کے کام حسب ذیل ہو سکتے ہیں:

(ا) ایک ملاقات گاہ کے طور پر کام کرنا جہاں کمیونٹی کے تمام باشندے بلا لحاظ مذہب، عقیدہ و مفاد سماجی اور تفریحی مقاصد کے لئے جمع اور "ہمسائگی" کے جذبۂ یگانگت سے لطف اندوز ہوسکیں۔

(ب) کمیونٹی کے تمام طبقوں میں کمیونٹی کی زندگی اور مسائل سے متعلق دلچسپی، واقفیت اور احساس ذمہ داری کی خو پیدا کرنا۔

(ج) کمیونٹی کی ضرورتوں اور مفادوں کے حسب حال ایسے تفریحی، تہذیبی، اور تعلیمی مشغلوں کو فروغ دینا اور اس مقصد کے لئے آسانیاں، ساز و سامان اور ماہرانہ مشورہ فراہم کرنا، جو لوگوں کے لئے

اطمینان و مسرت کا باعث ہوں۔ انھیں علوم و فنون کی رغبت دلائیں اور ان کے سکھانے کا بندوبست بھی کریں، جن سے ان کی معلومات اور جان کاری میں اضافہ ہو، اور جن سے بہ حیثیت مجموعی شخصیت کی تعمیر اور نشو و نما میں مدد ملے۔

(د) کمیونٹی کی دوسری جماعتوں اور انجمنوں کو اپنی اپنی سرگرمیاں منظم کرنے کے لئے جگہ، ساز و سامان اور راہبرانہ مشورہ بہم پہنچانا جو یہ جماعتیں اور انجمنیں اپنے طور پر حاصل نہیں کر سکتیں۔"

لیکن پھر بھی کمیونٹی سنٹر صرف ایک عمارت کی حد تک ہے۔ اور محض عمارتوں سے کسی بستی کے اندر کمیونٹی کے اوصاف پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ہمیں اس اصل دھارے کا مطالعہ کرنا چاہیئے جو کمیونٹی سنٹر کے خیال کی تہ میں کارفرما رہتا ہے اور اسے بامعنی اور بامقصد بناتا ہے یعنی کمیونٹی ایسوسی ایشن۔

[کمیونٹی سنٹر، جیسا کہ اوپر کے بیانات سے ظاہر ہے، اپنے کام کے اعتبار سے بڑا اہم اور مفید ادارہ ہے مگر انھی بیانات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اصل چیز یہ کمیونٹی سنٹر نہیں ہیں بلکہ کمیونٹی ایسوسی ایشن ہے جو ان کے پیچھے کام کرتی ہے اور وہی وہ قوت ہے جس سے بڑے وسیلوں کی بستیوں میں جو کمیونٹی کی تعریف میں نہیں آتیں، کمیونٹی کے اوصاف پیدا ہو سکتے ہیں۔ اس لئے آئیے کمیونٹی سنٹروں کے کام کا مطالعہ کرنے سے پہلے کمیونٹی ایسوسی ایشن کا مطالعہ کریں۔]

کمیونٹی ایسوسی ایشن کیا ہے؟

کمیونٹی ایسوسی ایشن کی تعریف یوں کی گئی ہے کہ "یہ پڑوسیوں کی ایک انجمن ہے جس کی بنیاد اس خیال پر ہوتی ہے کہ عورتوں اور مردوں کی شخصیتیں پوری طرح نشو و نما اسی وقت پا سکتی ہیں جب وہ عورتیں اور مرد اپنی کمیونٹی کی خدمت انجام دیں، کمیونٹی اس خدمت کے عوض ان کی ترقی اور نشو و نما کی ضمانت کرے گی۔ یہ افراد اور جماعت کا ایک ایسا اتفاق ہے جو ایک مشترک مقصد کے رشتے میں ایک دوسرے سے بندھے رہتے ہیں اور وہ مشترک مقصد ہے "کمیونٹی کی مشترک فلاح و بہبود"۔

وہی کمیونٹی ایسوسی ایشن صحیح معنی میں کمیونٹی ایسوسی ایشن ہے جس میں پڑوس کے تمام طبقات خیال کی نمائندگی ہو یہاں تک کہ مذہبی جماعتوں اور سیاسی پارٹیوں کی بھی، اگرچہ خود ایسوسی ایشن سیاسی، طبقاتی اور مذہبی امتیازات سے پاک اور بالاتر ہو گی۔ کمیونٹی کے مفادات اور طبقاتِ خیال کی موٹے طور پر حسب ذیل تین تقسیم ہو سکتی ہیں:

۱۔ رضاکار اور خود مختار انجمنیں جو کمیونٹی کی خدمت کے لئے قائم ہوں۔

۲۔ قانون کی بنیاد پر بنے ہوئے ادارے اور دفتر مثلاً مقامی کونسل اور مقامی تعلیمی محکمہ۔

۳۔ پڑوس کے عام لوگ

نتیجے کے اعتبار سے کمیونٹی ایسوسی ایشن ایک وفاق ہے جس کا بنیادی عقیدہ یہ ہے کہ جو جماعتیں اس کی ممبر بنتی ہیں وہ اپنے اپنے مخصوص انداز میں کمیونٹی کی زندگی کو حسین اور مسرت خیز بنانے میں حصّہ لیتی ہیں۔ کمیونٹی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کی غرض سے ان مختلف جماعتوں اور انجمنوں کا باہم متحد ہونا وہ عمل ہے جس سے کمیونٹی کے اندر صحیح معنوں میں کمیونٹی کی روح پیدا ہوتی ہے۔ اس موقع پر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ کمیونٹی ایسوسی ایشن کا کام صرف کمیونٹی سنٹر قائم کرنا اور اُسے چلانا ہی نہیں ہے اگرچہ اس کے کام کا یہ پہلو سب سے زیادہ اہم ہے کیونکہ سنٹر ہی کمیونٹی کی توجہ کا مرکز اور اُس کا دور سے نظر آنے والا نشان ہے۔

اس غرض سے کہ ایسوسی ایشن پڑوس کے تمام طبقاتِ خیال کی نمایندہ جماعت ہے، اُس کی رکنیت کی نوعیت انفرادی اور جماعتی دونوں ہونی چاہیئے۔ اگرچہ بستی کی ہر مانی ہوئی جماعت کی رکنیت نہایت اہم اور ضروری ہے تاہم یہ بھی یاد رکھنے کی بات ہے کہ بستی میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کا کسی جماعت یا گروہ سے تعلق نہیں ہوتا اور جو ایسوسی ایشن کے انفرادی حیثیت سے رکن بننے کے خواہشمند ہوتے ہیں۔ اگر وہ ایسوسی ایشن کے رکن بنا لئے جائیں تو چونکہ ان کے اوپر کسی اور جماعت کی وفاداری کی پابندی نہیں ہوگی اس لئے وہ ایسوسی ایشن ہی کے وفادار رہیں گے اور اس اعتبار سے وہ بڑا اہم کردار ادا کریں گے۔

جہاں تک جماعتوں کی رکنیت کا تعلق ہے، ایک جاندار ایسوسی ایشن میں پڑوس کی کچھ نہیں تو پچاس مختلف جماعتیں شامل ہو سکتی ہیں جن میں ڈراما سوسائیٹیوں اور مذہبی جماعتوں سے لے کر خرگوش کلب اور نشانچی کلب تک ہو سکتے ہیں۔

کمیونٹی ایسوسی ایشن کا مرکزی اور بنیادی منصب پڑوس کے ماحول کو اتنا حسین اور پر لطف بنانا ہے کہ وہاں رہنے میں خوشی محسوس ہو، اور وہ باہم جُڑ کر صحیح معنی میں ایک جان دار اور صحت مند کمیونٹی کی شکل اختیار کرلے۔ مسٹر ای سیول ہیرس نے اپنی کتاب "کمیونٹی سنٹر اینڈ ایسوسی ایشنز" میں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے کمیونٹی ایسوسی ایشن کے حسب ذیل کام تجویز کئے ہیں۔

۱۔ پڑوس کے عوام اور انجمنوں کو ایک مرکز پر جمع کرنا۔

۲۔ اس بات کی خبر رکھنا کہ کمیونٹی کی رفاہی خدمات میں جو کمیاں ہیں، وہ پوری ہو جائیں۔

۳۔ بستی کو اپنے مطالبات میں متحد اور ہم آواز بنانا۔

۴۔ کمیونٹی سنٹر کا انتظام کرنا۔

۵۔ بستی کے لوگوں کے لئے جمہوریت کی مشق کا میدان فراہم کرنا۔

کمیونٹی ایسوسی ایشن کس لئے ؟

ایک مستعد اور جاندار کمیونٹی ایسوسی ایشن وہ ہے جو مقامی زندگی کے ہر پہلو کی آئینہ دار ہو۔ اس کے عمل کا میدان بستی کے صرف قدرتی ماحول تک محدود نہیں ہوگا، یعنی صرف یہی نہیں کہ بستی میں جو چیز حسین اور مسرت خیز ہے وہ باقی رہے، یا چند نئی آسائشوں کا انتظام ہو جائے مثلاً پارک بن جائے، باغ اور چمن لگ جائیں اور کھیل کے میدان فراہم ہو جائیں۔ ان باتوں کی خبر رکھنے کے ساتھ ساتھ اُسے یہ دیکھنا بھی ہوتا ہے کہ بستی میں نقل و حمل کے وسائل اور خرید و فروخت کی آسانیاں کافی ہیں یا نہیں، طبی خدمات بستی والوں کی ضرورت کے مطابق میسر ہیں یا نہیں، اور لوگوں کی تفریح اور دل بہلاؤ کے لئے معقول انتظام ہے یا نہیں۔ غرض بستی میں سماج سیوا کے لئے قانون کے ماتحت بنی ہوئی اور رضا کار جو سنستھائیں کام کر رہی ہیں، ان کے کام سے ایسوسی ایشن کو خاص طور سے گہری دلچسپی ہونی چاہیئے۔

جونہی مقامی جماعتیں اور افراد آپس میں مل کر کمیونٹی ایسوسی ایشن کی تشکیل کریں گے، ان کے سامنے اپنے پڑوس کے بارے میں حیرت انگیز طور پر نئے نئے واقعات و مسائل آنے شروع ہو جائیں گے۔ انہیں معلوم ہوگا کہ اگرچہ بعض معاملات میں ضرورت سے زیادہ سہولتیں میسر ہیں، تاہم جن خدمات کی پڑوس کو ضرورت ہے، ان میں بڑی حد تک کمی ہے۔ ہو سکتا ہے پڑوس میں بوڑھوں کے کلب کی شدید ضرورت ہو، یا یہ کہ بچوں میں جرائم پیشگی بہت بڑھ گئی ہو اس لئے کہ ان کے کھیلنے کودنے کے لئے جگہ کی گنجائش نہیں ہے۔ ان حالات میں قبل اس کے کہ کوئی قدم اٹھایا جائے، ان ضرورتوں سے متعلق ضروری معلومات اور اعداد و شمار جمع کرنے کی ضرورت ہوگی، جس کے لئے شاید بہترین طریقہ پڑوس کا جائزہ ہوگا۔

عمل کا تعین

اگر اس جائزے سے معلوم ہو کہ ضرورتیں بے حد شدید ہیں —— اور ایسا عام طور پر یقیناً ہوتا ہے، تو ایسوسی ایشن کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ

(الف) آیا یہ ضرورتیں پڑوس میں کام کرنے والی رضا کار جماعتوں کے لئے پوری ہو سکتی ہیں یا ان کے لئے نئی جماعتوں کے قیام کی ضرورت ہوگی ؟

(ب) آیا ان ضرورتوں میں سے کوئی ایسی ہے جس کا پورا کرنا کسی مقامی سرکاری محکمے کا فرض ہے ؟

(ج) کیا یہ ضرورتیں ایسی ہیں جنھیں خود ایسوسی ایشن کو پورا کرنا ہے ہیئے

اس مسئلے پر غور و خوض ہو جانے کے بعد اگر معلوم ہو کہ بستی کی کسی رضاکار جماعت کو آگے بڑھنا چاہیے تو ایسوسی ایشن اس جماعت کو اس کے لئے آمادہ کر سکتی ہے، اگر یہ معلوم ہو کہ یہ کسی مقامی سرکاری محکمے یا دفتر کا کام ہے، تو وہ اُسے کام پر اُبھار سکتی ہے، اور اگر یہ بات قرار پائے کہ اس کے لئے خود ایسوسی ایشن ہی مناسب ترین وسیلہ ہے، تو وہ خود آگے بڑھے گی اور یہ کام انجام دے گی۔

بستی کی آواز

موجودہ دور کے پیچ در پیچ نظامِ ریاست میں ایک حد تک منصوبہ بندی اور پلاننگ کی بڑی ضرورت ہوتی ہے۔ اس منصوبہ بندی کا پڑوس کی زندگی کے اوپر براہ راست اثر مترتب ہوتا ہے۔ لیکن منصوبہ بندی اگر کلیتہً سرکاری افسروں اور ماہروں کے ہاتھوں ہو اور اُسے عوام کے اوپر جن کی پلانوں اور منصوبوں کی ترتیب و تصنیف میں کوئی آواز نہ ہو، تو وہ دفتری اور آمرانہ منصوبہ بندی ہو گی۔ لیکن یہی منصوبہ بندی جمہوری ہو سکتی ہے بشرطیکہ اس میں عوام کا مشورہ جن کی زندگیوں پر اس کا اثر پڑنے والا ہو شامل ہو اور ہر قدم پر اُن کا اشتراک اور تعاون حاصل رہے۔ اس سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اگر بستی کی منصوبہ بندی کو جمہوری رنگ دے کر پختہ اور مستحکم بنانا ہے تو کوئی نہ کوئی ایک وسیلہ ایسا ہونا چاہیئے جس کے ذریعے بستی کے عوام کی آواز سُنی جا سکے اور ان کی خواہشوں اور ضرورتوں کا اظہار ہو سکے۔

یہ وہ ضرورت ہے جو کمیونٹی ایسوسی ایشن کے ذریعے پوری کی جا سکتی ہے۔ اس لئے کہ جیسا اوپر بیان کیا گیا ہے۔ وہ بستی کے تمام طبقاتِ خیال کی نمائندہ جماعت ہو گی۔ اب فرض کیجئے بستی کی پلاننگ مکمل ہو گئی اور مرکزی اور مقامی دونوں حکومتیں عوام کی زندگی میں زیادہ سے زیادہ شریک ہونے لگیں، اُس وقت یہ بات پہلے کے مقابلے میں بہت زیادہ ضروری ہو جائے گی کہ جن لوگوں کی زندگیاں اس پلاننگ سے متاثر ہونے والی ہوں اُن کے پاس پلاننگ کے بارے میں اپنے خیالات کو ظاہر کرنے اور اس میں تبدیلی یا ترمیم کا مطالبہ کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی وسیلہ ہو۔ یہ وسیلہ ظاہر ہے، کیمونٹی ایسوسی ایشن ہو سکتی ہے۔

مقامی حکومت کی سرگرمیوں سے واقفیت

ہمارے دور کا ایک تشویشناک پہلو یہ ہے کہ لوگوں کو اپنے یہاں کی مقامی حکومت سے دلچسپی اور وابستگی بہت کم ہو گئی ہے قصبوں اور بستیوں کا سائز جوں جوں بڑا ہوتا جاتا ہے، اُسی نسبت سے لوگوں کے دلوں سے یہ فکر کہ ان کے اوپر حکومت کس طرح کی جاتی ہے، کم سے کم ہوتی جاتی ہے۔ اس حالت میں بھی کیمونٹی ایسوسی ایشن کا کردار بہت اہم ہوتا ہے۔ اور وہ بستی کے لوگوں کی حسب ذیل تین طریقوں سے مدد کر سکتی ہے۔

۱۔ معلومات کی فراہمی ۔ کمیونٹی سنٹر میں مرکزی اور مقامی حکومت کے افسروں کی انجمن (نیشنل اینڈ لوکل گورنمنٹ آفیسرز ایسوسی ایشن) کے اشتراک سے مقامی حکومت کے موضوع پر معلوماتی کورس چلا سکتی ہے، لیکچر کرا سکتی ہے اور فلموں اور نمائشوں کا بندوبست کر سکتی ہے۔

۲۔ بحث مباحثے ۔ مقامی معاملات کے بارے میں کمیونٹی سنٹر کے زیر اہتمام بحث مباحثے اور تبادلۂ خیالات کے موقعے فراہم کر سکتی ہے۔

۳۔ عملی قدم ۔ عوام کے لئے اپنے پڑوس کی اصلاح و ترقی کے سلسلے میں عملی اقدام کے موقعے مہیا کر سکتی

مخصوص سرگرمیاں جن میں کمیونٹی کے تمام طبقوں کے لوگ شرکت کر سکیں

نیچے کچھ مخصوص سرگرمیوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو یوں تو ہر قسم کی ایسوسی ایشنوں کے لئے مفید ہیں، مگر خاص طور پر ان ایسوسی ایشنوں کے لئے جو اپنا کوئی کمیونٹی سنٹر نہیں چلاتیں، بہت کام کی ہیں، اس لئے کہ ان کے ذریعے بستی کے تمام گروہ اور طبقات ایک جگہ جمع ہو جائیں گے اور یہ ایسی بات ہے کہ اگر ایسوسی ایشن نہ ہوتی اس کا موقع انھیں شاذ و نادر ہی مل سکتا۔

۱۔ بستی کی سرگرمیوں کے ایک خبرنامے ایک مقامی ڈائرکٹری اور گائڈ بک کی اشاعت

(ا) خبرنامے کے نام سے ایک معمولی سا پرچہ جس میں یہ درج ہو کہ بستی میں کیا ہو رہا ہے، اور اس کے علاوہ مختلف جماعتوں اور گروہوں کی سرگرمیوں کا اشتہار بھی ہو۔

(ب) ایک ذرا زیادہ مفصّل ڈائرکٹری جس میں بستی کی مقامی انجمنوں کے نام، پتے، اور ان کی سرگرمیوں کا ذکر ہو، خواہ یہ انجمنیں ایسوسی ایشن کی ممبر ہوں یا نہ ہوں۔

(ج) ایک گائڈ بک جو ہو سکے تو مقامی تعلیمی محکمے (لوکل ایجوکیشن اتھارٹی) کے اشتراک سے شائع ہو اور جس میں محکمے کے دائرۂ عمل میں آنے والے پورے علاقے کے بارے میں معلومات درج ہو۔ یہ کام پورے علاقے کے سروے کے بعد ہو تو زیادہ اچھا ہے۔

۲۔ گھر سے باہر کی تمام سرگرمیوں کی تنظیم جو گرمی کے دنوں میں بستی کی تمام جماعتوں کو ایک مرکز پر جمع کرنے کے لحاظ سے بہت کام کی ثابت ہوتی ہیں مثلاً ناچ رنگ کے جشن، میلے اور رنگ رلیاں، دعوتیں اور ضیافتیں، اور رسکاریوال، یہاں تک کہ "موسم کی رانی کی تاجپوشی" وغیرہ۔

۳۔ بس یا ریل کے ذریعے مقامی تفریح گاہوں کی سیر کے پروگرام۔

کمیونٹی سنٹر کے قیام کے لئے ایسوسی ایشن کا پروگرام

اوپر کی سطروں میں جتنی سرگرمیوں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے اکثر و بیشتر ایک کمیونٹی ایسوسی ایشن جس کا اپنا کوئی کمیونٹی سنٹر نہ ہو چلا سکتی ہے لیکن اگر کسی انجمن کا کوئی صدر مقام نہ ہو تو اس کے کام ایک خاص حد ہی حد تک ہو سکتے ہیں۔ اس بات کے پیش نظر ایسوسی ایشن کے کاموں میں کیمونٹی سنٹر قائم کرنے کا کام سرفہرست ہونا چاہیئے۔ مگر کیمونٹی سنٹر کے قیام کی کوشش شروع کرنے سے پہلے ایسوسی ایشن کو راستہ ہموار کرنے کے لئے بہت بڑی مقدار میں کام کرنا پڑے گا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، اُسے اس مقصد کے لئے سب سے پہلے بستی کا مزاج معلوم کرنے کے لئے سروے کرنا ہوگا مثلاً یہ جاننے کے لئے بستی کو تفریح اور دل بہلاؤ کے لئے کیا کیا آسانیاں میسر ہیں، عمارتیں میسر ہیں یا نہیں، کیمونٹی سنٹر کے لئے لوگوں کا کوئی مطالبہ ہے یا نہیں، اور اگر اس کے لئے کوشش کی جائے تو کہاں تک بستی کی تائید اور حمایت حاصل ہو سکے گی وغیرہ۔ جب یہ سب کچھ ہو لے گا اس وقت مقامی حکومت یا وزارت تعلیم یا دونوں سے امداد اور عمارت بنانے کے لئے سرمائے اور نقشے کی منظوری وغیرہ معاملات میں گفت وشنید کرنے کا وقت آئے گا۔ سب سے آخر میں ایسوسی ایشن سنٹر کے لئے سرمایہ اکٹھا کرنے کا کام ہاتھ میں لے گی اس سلسلے میں یہ ظاہر ہے کہ یہ ایک آدمی کے کرنے کا کام نہیں ہوگا بلکہ بہت سے ہاتھ اور دماغ ملیں گے، جو سوچنے اور کام کرنے کے ڈھنگ کے معاملے میں ایک دوسرے سے متضاد بھی ہوں گے تب یہ کام ہوگا۔ یہ کام اتنا لمبا اور اس میں وقت اور توجہ کی اتنی مقدار لگانی پڑے گی کہ ہو سکتا ہے ایسوسی ایشن کے اصل کام کے بہت سے پہلو نظر سے اوجھل ہو جائیں۔ یہ ایک بڑا خطرہ ہے جس کی طرف سے ایسوسی ایشن کو اس کام کے دوران میں برابر باخبر رہنا چاہیئے۔

[اوپر کی سطروں میں کیمونٹی ایسوسی ایشن کا نہایت مختصر تعارف دیا گیا ہے اور تفصیلی باتیں چھوڑ دی گئی ہیں۔ مگر اس مختصر تعارف سے کیمونٹی ایسوسی ایشن کے کام کا صحیح رُخ متعین کرنا آسان ہے، اس کے متعلق یہ بات آسانی سے کہی جا سکتی ہے کہ نام مختلف سہی، اس کی روح وہی ہے جو کیمونٹی آرگنائزیشن کے خیال کے پیچھے کار فرما ہے۔ اب آئیے ایک اچٹتی سی نظر کیمونٹی سنٹروں کے کام اور تنظیم کے رنگ روپ پر ڈالتے چلیں، ــــ اچٹتی سی نظر اس لئے کہ ہمارے یہاں کیمونٹی سنٹر کا خیال اجنبی نہیں ہے، اور اس سے ہماری جان پہچان ہے۔ جس چیز سے ہمیں ناواقفیت تھی، وہ یہی کیمونٹی ایسوسی ایشن کا خیال تھا، اس لئے اس کے بارے میں نسبتاً زیادہ وقت اور توجہ صرف کرنا ضروری تھا۔]

نٹی سنٹر

(کیمونٹی سنٹروں کے بارے میں اس مضمون کے ایک ماہر سسٹرل سیول ہیرس کا بیان ہے کہ "...کسی بستی کو پہچاننا ہو تو

اس کے کمیونٹی سنٹر کو دیکھ لیجئے، بستی کی حیثیت اور نوعیت کا پورا پورا علم ہو جائے گا" مسٹر ہیرس کا یہ بیان کمیونٹی سنٹروں کی سرگرمیوں کی رنگا رنگی اور جامعیت کو دیکھئے تو [illegible] ہے۔ اس کا اندازہ ہم بھی ان سرگرمیوں کی فہرست سے کر سکتے ہیں۔ نیچے کمیونٹی سنٹر کی سرگرمیوں کی ایک فہرست دی جا رہی ہے۔ اگرچہ ان سرگرمیوں کے بارے میں "آور نیبرہڈ" کے مصنف کا بیان ہے کہ "وہ صرف سرگرمیوں کی اُن اقسام کی طرف اشارہ کرتی ہیں جن کا سنٹروں میں تجربہ کیا گیا ہے' انھیں جامع اور آخری نہیں کہا جا سکتا اس لئے کہ آئے دن نئے نئے تجربے عمل میں آتے رہتے ہیں۔" پھر بھی اس فہرست سے اتنا اندازہ تو ہوتا ہی ہے کہ کمیونٹی سنٹر کس حد تک بستی کی زندگی کی آئینہ داری کرتے ہیں۔ (ان میں سے کچھ سرگرمیوں کے تو خود سنٹر میں سیکشن ہوتے ہیں اور کچھ ایسی ہیں جن کے الگ الگ کلب ہیں مگر وہ کمیونٹی سنٹر اور کمیونٹی ایسوسی ایشن کے جماعتی ممبر ہوتے ہیں)

۱۔ ہوا بازی کا کلب
۲۔ گھر کھیتی
۳۔ مچھلی کا شکار
۴۔ دریائی جانوروں اور پودوں سے دلچسپی رکھنے والوں کی جماعت
۵۔ آثارِ قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والوں کی جماعت
۶۔ تیر اندازی
۷۔ آرٹ (ڈرائنگ اور پینٹنگ)
۸۔ فلکیات
۹۔ بیڈمنٹن
۱۰۔ سنگیت ناچ (بیلے)
۱۱۔ ٹوکری سازی
۱۲۔ شہد کی مکھی پالنا
۱۳۔ اندھوں کا کلب
۱۴۔ خون کا دان کرنے والوں کی جماعت
۱۵۔ کشتی رانی
۱۶۔ بک کلب
۱۷۔ جلد سازی
۱۸۔ جوتے کی مرمت کا کام
۱۹۔ گیند کا کھیل جو ایک بنیادی کمرے کے اندر کھیلا جاتا ہے
۲۰۔ مکہ بازی (باکسنگ)
۲۱۔ بیتل کا باجہ بجانے والوں کی جوکی
۲۲۔ بوڑھے فوجیوں کی انجمن (برٹش لیجن)
۲۳۔ برٹش ریڈ کراس سوسائٹی
۲۴۔ خوش نویسی
۲۵۔ کیمرا کلب
۲۶۔ کیمپنگ (سیر سپاٹا)
۲۷۔ ڈونگی کلب
۲۸۔ بڑھئی کا کام
۲۹۔ شطرنج
۳۰۔ ناریل کے ریشے کا کام
۳۱۔ دفتر صلاح و مشورہ
۳۲۔ سنگیت (مشترک گیت)

۳۳۔ گانے بجانے کی محفلیں
۳۴۔ کھانا پکانے کا فن
۳۵۔ سہکاری سوسائیٹیوں کی انجمن
۳۶۔ ضلع (کاونٹی) کے کتب خانے کی شاخ
۳۷۔ کیریکیٹ
۳۸۔ حالات حاضرہ
۳۹۔ سائیکل سواری
۴۰۔ ناچ (لوک ناچ، جوڑیوں کا ناچ وغیرہ)
۴۱۔ بحث مباحثے
۴۲۔ بات چیت کی بیٹھکیں۔
۴۳۔ ڈراما (ڈراما خوانی، نقالی، رنگارنگ پروگرام
خاموش ایکٹنگ، تقریر کا فن)
۴۴۔ کشیدہ کاری وغیرہ
۴۵۔ انجینری
۴۶۔ نمائشیں
۴۷۔ شمشیر زنی
۴۸۔ فلم سازی
۴۹۔ فلم شو
۵۰۔ فلم سوسائٹی
۵۱۔ پہلی امداد (فرسٹ ایڈ)
۵۲۔ کھانوں کی نمائشیں اور مظاہرے
۵۳۔ فٹ بال
۵۴۔ بڑھئی کے کام میں باریک کٹائی (فریٹ ورک)
۵۵۔ فرنیچر کی مرمت
۵۶۔ باغبانی
۵۷۔ جغرافیہ سوسائٹی
۵۸۔ اچھے پڑوسی کلب
۵۹۔ گراموفون کلب
۶۰۔ جسمانی ورزشوں اور کرتبوں کا اکھاڑہ
۶۱۔ ہسٹاریکل سوسائٹی
۶۲۔ ہاکی
۶۳۔ چھٹی منانے والوں کی انجمن
۶۴۔ تیمارداری کا فن
۶۵۔ گھوڑ سواری
۶۶۔ چھوٹی موٹی گھریلو مرمتیں
۶۷۔ شیرخوار بچوں کی فلاح وبہبود کی انجمن
۶۸۔ گھر کی آرائش
۶۹۔ بین الاقوامی انجمن
۷۰۔ یہودی کلب
۷۱۔ صحت بنانے والوں کی انجمن
۷۲۔ زبانوں کی تعلیم
۷۳۔ انجمن حسن وصحت
۷۴۔ چمڑے کا کام
۷۵۔ قانونی مشورہ
۷۶۔ کتب خانہ
۷۷۔ بزم ادب

۷۸۔ مقامی حکومت
۷۹۔ مقامی تاریخ
۸۰۔ اخبارات و رسالے
۸۱۔ کھانا فراہم کرنے کا انتظام
۸۲۔ میکانو (مشین بنانے کے ننھے ننھے اوزار)
۸۳۔ دھات کا کام
۸۴۔ ماڈل ہوائی جہاز
۸۵۔ ماڈل انجینیری
۸۶۔ ماڈل پارلیمنٹ
۸۷۔ موسیقی
۸۸۔ قومی بچت کا گروپ
۸۹۔ حیوانات و نباتات کی تاریخ
۹۰۔ نٹ بال
۹۱۔ نرسری اسکولوں کی انجمن
۹۲۔ بوڑھوں کا کلب
۹۳۔ ساز سنگیت ناٹک
۹۴۔ ساز سنگیت
۹۵۔ انجمن والدین
۹۶۔ فوٹوگرافی
۹۷۔ کبوتر باز کلب
۹۸۔ شعر و شاعری
۹۹۔ برتن سازی
۱۰۰۔ مرغی خانہ کلب
۱۰۱۔ چھپائی (طباعت)
۱۰۲۔ لغیات
۱۰۳۔ عوامی تقریر کا فن
۱۰۴۔ کٹھ پتلی کا فن
۱۰۵۔ خرگوش کلب
۱۰۶۔ سیر و سیاحت
۱۰۷۔ مذہبی اجتماعات
۱۰۸۔ مذہبی بحث مباحثے اور تبادلۂ خیال
۱۰۹۔ نشانہ بازی (بندوق کی)
۱۱۰۔ نمدہ اور قالین بنانے کی صنعت
۱۱۱۔ ڈوبے ہوئے جہازوں کے خزانے نکال لانے کا مشغلہ
۱۱۲۔ ریڈیو گروپ
۱۱۳۔ گپ شپ کا گوشہ
۱۱۴۔ تصویر کشی (چیزوں کو دیکھ کر اُن کی تصویر بنانا)
۱۱۵۔ اسکواش کا کھیل
۱۱۶۔ ٹکٹ جمع کرنے والوں کا حلقہ
۱۱۷۔ اتواری اسکول
۱۱۸۔ سروے کرنے والوں کا حلقہ
۱۱۹۔ تیراکی
۱۲۰۔ ٹیلی وژن کے شوقینوں کا حلقہ
۱۲۱۔ ٹینس
۱۲۲۔ شہری عورتوں کی انجمن
۱۲۳۔ گڑیا سازی

۱۲۴۔ متحدہ اقوام کی انجمن سے دلچسپی رکھنے والوں کی انجمن
۱۲۵۔ تفریح گاہوں کی سیر
۱۲۶۔ جلاہے کا کام
۱۲۷۔ وزن اٹھانے کی ورزش
۱۲۸۔ بستی کی فلاح چاہنے والوں کی انجمن
۱۲۹۔ مصنفوں اور رادیبوں کا حلقہ
۱۳۰۔ نوجوان کسان کلب
۱۳۱۔ وائی۔ ایم۔ سی۔ اے
۱۳۲۔ وائی۔ ڈبلیو۔ سی۔ اے۔

اس فہرست میں سے کوئی ایک درجن کے قریب ایسی سرگرمیوں کے نام نکال دیئے گئے ہیں جو خاص یورپ اور وہ بھی انگلستان کے لئے مخصوص ہیں اور جن کا سمجھنا ہمارے حالات میں آسان نہیں ہے۔

کیمونٹی سنٹر کی یہ سرگرمیاں ان کاموں کے علاوہ ہیں جو کیمونٹی ایسوسی ایشن کے کرنے کے ہیں اور جن کا ذکر اس مضمون کے پہلے حصے میں کیا گیا ہے۔ سرگرمیوں کی فہرست سے ہمارے مطلب کی جو بات نکلتی ہے وہ یہ ہے کہ کیمونٹی کی زندگی میں پہلا کام کیمونٹی سنٹر نہیں ہے بلکہ اپنے بھلے اور دلچسپی کے لئے (دوسرے کے بھلے اور دلچسپی کے لئے نہیں) کچھ کرنے کا جذبہ پیدا ہونا ہے۔ اس بات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کیمونٹی سنٹر کی تحریک کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ سال دو سال تجربہ کیا اور اس کا نتیجہ سامنے آگیا۔ انگلینڈ میں یہ تحریک صدیوں پہلے شروع ہوئی تھی اور اُس وقت سے اب تک برابر ترقی کرتی ہوئی اس منزل تک پہنچی ہے۔ اسی طرح یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ یہ براہ راست حکومت کے انتظام و نگرانی میں چلائی جانے والی یا چلنے والی چیز نہیں ہے۔ البتہ حکومت پردے کے پیچھے رہ کر اس کی امداد کر سکتی ہے اور اس طرح کی مدد کرنا فلاحی حکومت کے فرائض میں سے ایک فرض ہے۔

سرگرمیوں کی اس حیرت میں ڈالنے والی طویل فہرست کے مطالعے سے کیمونٹی سنٹر کی عمارت کا ایک نقشہ بھی ذہن میں آسکتا ہے۔ اس باب میں بھی آیئے دیکھتے چلیں کہ تحریک کے کرتا دھرتا اپنے سامنے کیا میعار رکھتے ہیں۔

زیر نظر کتاب "آور نیبر ہڈ" کے مصنفوں کا کہنا ہے کہ "بستی کی ضروریات کے اعتبار سے طول و عرض کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ کیمونٹی سنٹر کی عمارت کا نقشہ کچھ اس طرح کا ہونا چاہیئے۔

۱۔ مشترک کمرہ اور ناشتہ خانہ۔ اسے کیمونٹی سنٹر کا سب سے اہم حصہ کہنا بے جا نہ ہوگا۔ اسے سنٹر کے پھاٹک سے قریب اور نشست کے انتظام کے لحاظ سے خوب آراستہ ہونا چاہیئے۔ اس کی ہیئت کچھ اس طرح کی ہونی چاہیئے کہ کسی کو اس میں داخل ہونے میں تکلف اور پس و پیش نہ ہو۔ ناشتہ خانہ اسی کمرے سے ملحق ہونا چاہیئے اور دونوں کا تعلق

ایک دوسرے کواڑوں والے دروازے سے ہونا چاہیئے تاکہ ناشتہ وغیرہ اسی دروازے کی کھڑکی کے راستے کمرے میں لایا جا سکے۔

۲۔ ایک بڑا ہال جس میں تین سے پانچ سو آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہو۔ اس میں ایک اسٹیج بنا ہونا چاہیئے جس کے اوپر فلم بھی دکھائی جا سکے۔ اسٹیج کے بازوؤں میں ڈریسنگ روم اور ان سے آگے مردوں اور عورتوں کے لئے الگ الگ پیشاب خانے اور پاخانے بنے ہونے چاہئیں۔ اس کا پھاٹک بھی علحدہ ہونا چاہیئے تاکہ اُسے ایک الگ یونٹ کے طور پر کرائے پر دیا جا سکے۔

۳۔ ایک چھوٹا ہال جس میں ۱۲۰ سے ۱۵۰ آدمیوں کے بیٹھنے کی جگہ ہو۔

۴۔ پورے ساز و سامان سے آراستہ باورچی خانہ : اس کا محل وقوع ایسا ہو کہ وہیں سے مشترک کمرے اور بڑے ہال دونوں میں ناشتہ بھیجا جا سکے۔

۵۔ ایک ورزش خانہ (جمنازیم) جس کے اپنے غسل خانے اور کپڑے بدلنے کے کمرے ہوں۔ اس کی چھت کافی اونچی ہونی چاہیئے تاکہ اسی میں بیڈمنٹن کا کورٹ بھی بن سکے۔

۶۔ عام استعمال کے تین کمرے جن میں کمیٹیوں کے جلسے ہوں، ڈراموں کی ریہرسل ہوں اور چھوٹی چھوٹی ٹولیوں کی بیٹھکیں ہوں۔

۷۔ فرشی کھیلوں کا ایک کمرہ : جس میں بلیرڈ کی میز کے لئے مستقل جگہ ہو۔

۸۔ ایک ورکشاپ خصوصاً مردوں کے استعمال کے لئے۔ یہ ورکشاپ اگر تہہ خانے میں یا کسی الگ جگہ پر ہو تو اچھا ہے تاکہ اس کے استعمال سے جو شور و غل ہو اُس سے بچا و رہے۔

۹۔ ہلکے پھلکے حرفوں کے دو کمرے خصوصاً عورتوں کے استعمال کے لئے۔ ان کمروں کو بھی اپنا اسٹور روم اور تالا لگانے کے قابل الماریاں ہونی چاہئیں تاکہ مختلف ٹولیوں کی عورتیں اپنے اپنے سامان مقفل کر سکیں

۱۰۔ ایک کتب خانہ اور خاموش کمرہ۔ دنیا کے اس شور و غل اور مصروفیت والے دور میں خاموشی اور تنہائی کی ضرورت کو ہر وقت پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ ان کمروں کا فرش اگر ربر کا بنا ہو تو بہت اچھا ہے۔

۱۱۔ نرسری کا کمرہ یا "کریش"۔ اس غرض سے کہ چھوٹے بچوں والی عورتیں بھی دن کے وقت سنٹر میں آئیں، ان کے بچوں کی دیکھ بھال کے لئے نرسری کے ساز و سامان سے آراستہ ایک کمرہ الگ ہونا چاہیئے۔

۱۲- دفتر کے لئے گنجائش - کمیونٹی سنٹروں کا زیادہ تر کام رضاکارانہ ڈھنگ پر ہوتا ہے، اس لئے سنٹر کا دفتر اتنا کشادہ ہونا چاہیئے کہ اس کے منتظم (سکریٹری یا وارڈن) کے دفتر کے علاوہ ان رضاکار کارکنوں کے لئے بھی کافی جگہ ہو۔ اسی دفتر سے متصل "پوچھ تاچھ" کا کمرہ بھی ہونا چاہیئے تاکہ اجنبی لوگوں کو زحمت نہ اٹھانی پڑے۔

۱۳- غسل خانے اور پاخانے - مردوں اور عورتوں کے لئے الگ الگ یہاں انتظام میں سہولت اور بڑبونگ سے بچنے کے لئے آمد و رفت کا بندوبست ہونا چاہئے۔ عورتوں کے طہارت خانوں میں آئینوں اور الماریوں کا انتظام معقول ہونا چاہیئے۔

۱۴- اسٹور روم - یہ حصہ سنٹر کی عمارت میں بہت اہم اور توجہ طلب ہے۔ اس لئے کہ سامان کی حفاظت کا دارو مدار بیشتر اسی پر ہوتا ہے۔

۱۵- بچہ گاڑیوں، موٹروں اور سائیکلوں کے اسٹینڈ۔

اتنی بڑی عمارت ظاہر ہے کہ آسانی سے نہیں بن سکتی، اور شاید یہی وجہ ہے کہ کچھ کمیونٹی ایسوسی ایشنوں کے پاس اپنے کمیونٹی سنٹر نہیں ہوتے۔ اس کے لئے انھیں بڑی کوشش اور دبیری کرنی پڑتی ہے۔

انگلستان کے کمیونٹی ایسوسی ایشنوں اور کمیونٹی سنٹروں کا یہ تعارف اگرچہ طویل ہو گیا، مگر پھر بھی بہت تشنہ ہے۔ اس تحریک سے پوری پوری واقفیت پیدا کرنے کے لئے زیر نظر کتاب "آور نیبر ہڈ" بہت مفید ہے تاہم یہ کتاب تحریک کا صرف شہراتی رُخ پیش کرتی ہے۔ گاؤوں میں اس تحریک کا کیا روپ ہے اس کے لئے "نیشنل کاؤنسل آف سوشل سروس" کے دیہی ڈپارٹمنٹ کی مطبوعات پڑھنے کی پھر بھی ضرورت باقی رہتی ہے جس کے لئے "ویلیج ہالز اینڈ سوشل سنٹرز ان دی کنٹری سائڈ" کا مطالعہ مفید ہوگا۔

خیالات اور رائیں: آیا کمیونٹی آرگنائزیشن ہندوستان کے مزاج کے مطابق ہے؟

پروفیسر گنگراڈے
شری این رائے
شری شالگ رام تیھک
شری نیکی رام گپتا
شری ایس راگھون

پروفیسر کے۔ ڈی۔ گنگراڈے
دہلی اسکول آف سوشل ورک

کیا کمیونٹی آرگنائزیشن کا طریقۂ کار جو امریکن سوشل ورک کی ایک شاخ ہے، ہندوستانی بستیوں کے مزاج کے مطابق ہے؟

سوشل ورک کیا ہے؟ سوشل ورک کے کام کے طریقے جو ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ایجاد ہوئے اور پروان چڑھے ہیں، انھیں اس ملک میں کس حد تک اختیار کیا جاسکتا ہے اور سوشل ورکر اس طریقۂ کار کو دوسرے ملکوں کے تمدنی حالات سے ہم آہنگ کرنے کی غرض سے اس میں کس حد تک تبدیلیاں کرنے کے مجاز ہیں؟ جو سوشل ورکر سوشل ورک کو طبی اور قانونی پیشے کی طرح کا ایک پیشہ بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں، اُن کے سامنے یہ سوالات مسلسل ا[illegible] رہے ہیں۔

سوشل ورک ایک تہذیبی درخت ہے

سوشل ورک ایک تہذیبی درخت ہے جو امریکی تمدن کی آب وہوا کی پیداوار ہے۔ اگر اُسے وہاں سے جڑوں کا اُکھاڑ کر دوسرے ملکوں میں لگا دیا جائے تو وہ ویسے ہی پھل پھول نہیں دے سکتا۔ اس میں شک نہیں کہ سوشل ورک کے پروگراموں کی کامیابی میں مادّی وسائل کی بڑی اہمیت ہے (اور وہ حاصل ہو تو یہ پروگرام کامیاب ہو سکتے ہیں) مگر اس کے ساتھ ان کی کامیابی میں تہذیبی عناصر کا بھی ہاتھ ہوتا ہے اور انھیں ہرگز نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

امریکہ کی چند تہذیبی خصوصیات

امریکی تہذیب میں ایک رجحان یہ ہے کہ جس تبدیلی سے زندگی بہتر سے بہتر ہو سکے، اُسے قبول کر لینا چاہیے یہاں

ایک منظر آبادی کا جغرافیائی اور سماجی دونوں حیثیتوں سے برابر منتقل ہوتے رہنا ہے۔ اس مسلسل تبدیلی سے جذباتی تحفظ و اطمینان کی ضرورت بہت زیادہ شدید ہوگئی ہے۔ اسی طرح اس ملک میں فرد کی قدر و قیمت پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ خاندان اپنی موجودہ شکل میں بہت کم اہم رہ گیا ہے اور اس کی حیثیت بس اتنی ہے کہ وہاں خوش و خرم اور صحت مند افراد پیدا ہوتے رہیں۔ فرد کو اس کی اتنی زبردست اہمیت کے پیش نظر بہت سے حقوق حاصل ہوگئے ہیں: اپنی قسمت کا فیصلہ آپ کرنے کا حق مسائل کو حل کرنے میں برابر کی شرکت کا حق؛ اپنی ضرورتوں کو آزادی سے ظاہر کرنے کا حق، اور اصلیت کی حد تک آرام و آسائش کی زندگی گذارنے کا حق یہاں سب لوگوں کو یکساں مواقع حاصل ہیں۔ مواقع کی اس مساوات کے پس منظر میں دیکھئے تو یہ بات بہت ضروری ہو جاتی ہے کہ فرد جس کی بہت زیادہ قدر و قیمت ہے، اس کی اس ضرورت کو تسلیم کیا جائے کہ معاشی اعتبار سے وہ اپنی ذمے داری آپ اٹھائے اور سماجی پروگرام اور منصوبے اس ڈھنگ سے چلائے جائیں کہ ان میں افراد کو مساوی حقوق اور مواقع حاصل ہوں۔ امریکی سماج کی ایک اور خصوصیت یہ ہے کہ قدروں کو لامحدود یا ناقابلِ پیمائش نہیں مانا جاتا اور ہر چیز کی حد مقرر کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ امریکہ میں ایک ماں باپ کے درمیان بچوں کی سی عداوت و رقابت کا تصور لوگوں کے اس رجحان کا آئینہ دار ہے کہ "ہر کام، ہر صورتِ حال اور ہر قسم کا تعلق محدود اور قابلِ پیمائش ہوتا ہے"۔

اس صورتِ حال میں ماں باپ کی شفقت و محبت ایک ختم ہونے والی چیز ہے اس لئے کہ اولاد کی توجہ کا مرکز محبت کے قابل ایک نئی شے بن جاتی ہے جس سے ماں باپ کی محبت کم ہو جاتی ہے اور وہ اس محبت کو دوسرے بچوں کی طرف منتقل کر سکتے ہیں۔ تمدن کی ان بنیادوں کی روشنی میں یہ بات آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے کہ امریکن سوشل ورک نے اپنی ترقی کا جو راستہ اختیار کیا ہے، وہ کیوں کیا ہے جس میں سارے کا سارا زور افراد کی شرکت، ان کے حقِ خود اختیاری اور ہمیشہ اور ہر معاملے میں تبدیلی کو بروئے کار لانے کے اوپر ہوتا ہے۔ فرد کی ذات پر جو زور ہے اور موجودہ وسائل کو استعمال کرنے اور لوگوں کو ان وسائل سے کام لینے کے قابل بنانے کے اوپر جو اصرار ہے اسی کا نتیجہ یہ عقیدہ ہے کہ جو شخص یا گروہ اپنی مرضی سے مدد کا طلب گار ہوگا وہ زیادہ قابلِ علاج ہوتا ہے۔

امریکن سوشل ورک اور ہندوستانی تمدن

ہندوستان میں ایک سوال عام طور پر اٹھایا جاتا ہے کہ آیا سوشل ورک کو عوام میں کام کرنے کی ایک اہم ٹکنیک کی حیثیت سے کامیابی کے ساتھ اختیار کیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اس سوال کو ہندوستان اور امریکہ کی تہذیبوں میں جو فرق ہے، اسی کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔ سوشل ورک کے ان اصولوں کو جن کا تعلق تہذیب کے تانے بانے سے ہے ہر وقت

دھیان میں رکھنا چاہیئے اور اس پر عمل کرتے یا اُسے اختیار کرتے وقت اس بات پر خاص طور سے زور دینے کی ضرورت ہے کہ اس کے ایسے اصول مرتب کئے جائیں جو خود (ملک) کی تہذیبی جڑوں میں پیوست ہوں تاکہ اس (ملک) کی قدریں، روایات اور اس کی امتیازی صفت باقی رہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر فرد کو جماعت کے ساتھ رہنا ہے، چاہے جماعت کی سماجی تنظیم کسی شکل کی ہو، تو اُسے اپنی بہت سی ضرورتوں، حسرتوں اور تمناؤں کی قربانی دینی ہوگی۔ تہذیب نام ہے ان مسائل کے حل کرنے اور حالات سے مطابقت پیدا کرنے کے ایک مرتب اور باضابطہ طریقۂ کار کا جس کی بنیاد روایتی اداروں اور رسم و رواج کے قائم کئے ہوئے اصول و قواعد پر ہو۔ ہر تہذیب کی اپنی اپنی ضرورتیں اپنی اپنی پسند اور اپنی اپنی منطق ہوتی ہے اور انکی کا سہارا لے کر وہ فیصلہ کرتی ہے کہ ان مشکلات و مسائل سے پیدا ہونے والے مصائب کا کس طریقے پر مقابلہ کرنا ہے اور ان سے سماج میں ابتری اور انتشار کا جو جنون پیدا ہوگیا ہے، اُسے خارج کرنے کے لئے کیا راستہ نکالنا ہے۔ تہذیب جو نصب العین مقرر کرتی ہے، جو اقدار، جو نظامِ معاشرت اور زندگی کے جو مقاصد متعین کرتی ہے، وہ ضرورتوں، حسرتوں اور تمناؤں کی قربانی دینے والے افراد کے لئے تالیفِ قلب کا سامان فراہم کرتے ہیں اور انھیں اس قابل بناتے ہیں کہ وہ اپنے طور پر بھی اور جماعت کے ساتھ رہ کر بھی امن و اطمینان کی زندگی بسر کر سکیں۔ اس اصول کو سامنے رکھئے تو معلوم ہوگا کہ کسی تہذیب میں فرد کو سمجھنے کے لئے اتنا ہی کافی نہیں ہے کہ فرد کے محرکاتِ نفس اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج کا مطالعہ کر لیا جائے بلکہ اس کے لئے اس کے تہذیبی ماحول میں کام کرنے والے اُن عناصر اور قوتوں کو بھی سمجھنا پڑے گا جو فرد کے محرکاتِ نفس کی ہمت افزائی یا حوصلہ شکنی کرتے ہیں۔

پھر ایسا بھی ممکن نہیں ہے کہ کوئی شخص کسی تہذیب کی حالتِ معمول کا ایک من مانا پیمانہ مقرر کر لے اور اس سے افراد کے محرکاتِ نفس اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج کا اندازہ کر لے۔ ہمیں اس حقیقت پر بھی نظر رکھنی ہوگی کہ فرد سے جو حرکات سرزد ہوتی ہیں ان میں سے بعض کو اس کی اپنی تہذیب میں "خلاف دستور" قرار دیا جاتا ہے چنانچہ بالکل ممکن ہے کہ کسی مخصوص فرد کے محرکاتِ نفس اور ان کے اثر سے رونما ہونے والی حرکات "خلاف دستور" حرکات کی تعریف میں آتی ہوں۔ مثال کے طور پر ہمارے یہاں اس بات پر بہت زور دیا جاتا ہے کہ فرد کو اپنی زندگی کی ہر منزل میں گھر کے بڑے بوڑھوں کی سرپرستی اور رہنمائی کا محتاج اور اس کے احکام کا پابند رہنا چاہیئے۔ ان حالات میں فرد کی مدد کرنے کی کوشش میں اگر خود اختیاری اور اپنے مسائل کو آپ حل کرنے کے اصول پر بہت زیادہ زور دیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ وہ اس کوشش سے بغاوت کر بیٹھے یا یہ سمجھ لے کہ اس کے اندر جتنی قوت و صلاحیت ہونی چاہیئے وہ نہیں ہے اور خاموش ہو جائے۔ ایک شخص جسے عمر بھر یہ سبق دیا جاتا رہا ہے کہ اُسے کیا کرنا ہے اور کس طرح کرنا ہے اُس سے یہ امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ آن کی آن میں اپنے پیروں پر آپ کھڑا ہو جائے گا۔ اگر وہ ہر قدم پر ٹھوس رہنمائی کی

محتاجی اور مدد کی ضرورت کا اظہار کرتا ہے تو یہ اُس کی شخصیت کے خلاف دستور ہونے کا ثبوت نہیں ہوگا بلکہ صرف اس بات کا ثبوت ہوگا کہ اس کی تہذیب کی ساخت ہی ایسی ہے جس کا وہ ایک جزو ہے۔ جب تک "خود اختیاری" اور "اپنی ذمے داری آپ اٹھانے" کے اصول ہندوستانی زندگی کے تمام ابتدائی اور ثانوی اداروں میں سرایت نہیں کر جاتے، اس وقت تک ان اصولوں پر زور دینے کا نتیجہ صرف یہ ہوگا کہ فرد طرح طرح کی الجھنوں میں مبتلا ہو جائے گا بلکہ اس کی زندگی تضادات کا شکار ہو جائے گی اور اس سے دوسرے بہت سے مسائل اٹھ کھڑے ہوں گے۔

ہندوستانی تہذیب کا دوسرا پہلو لیجئے۔ مشترک زندگی کی روایات کی پابندی ہندوستانی سماج کی خصوصیت ہے جس میں مشترک خاندان، ذات پات اور برادریوں کی روایات کا سلسلہ جاری رہا ہے اور اب تک جاری ہے۔ مشترک خاندان، ذات پات، اور برادری کی ان روایات میں امداد باہمی کی بنیاد پر ایک دوسرے کی محتاجی کا تصور تنِ تنہا اور آزاد زندگی کے تصور کے مقابلے میں اتنا زیادہ پختہ ہو گیا ہے کہ وہ فرد کی زندگی کے معمولات میں شامل ہے۔ پھر ہندوستانی عوام کی اکثریت "کرما" (عمل) کے فلسفے کی بھی پابند ہے اور اپنے اعمال میں بھگوت گیتا کی اس تعلیم سے رہنمائی حاصل کرتی ہے کہ "...... جو شخص اپنی دولت کو اپنے ہی تک محدود رکھتا ہے اور اپنے اعزہ و اقربا اور دوسرے بندگانِ خدا کو اس میں سے حصّہ نہیں دیتا، وہ جہنم میں جائے گا۔ اور جس شخص کو دست و بازو کی قوت عطا کی گئی ہے وہ اگر اپنے خاندان کو، بھائیوں کو اور مصیبت کے مارے ہوؤں کو سہارا نہیں دیتا تو وہ جیتے جی مردہ ہے"۔

پھر ہندوستان کا فلسفۂ حیات اور مذہب ہے جو "موت کے بعد کی زندگی" اور "دیدار الٰہی" کے تصورات پر حد سے زیادہ زور دیتا ہے۔

غرض ہندوستان کی سرزمین میں کمیونٹی آرگنائزیشن کی ٹکنک کو اختیار کرتے وقت ہمیں اپنے تمدّنی پس منظر پر سنجیدگی سے غور کر لینا ہوگا۔ مگر اس سے پہلے کہ اس موضوع پر بحث کی جائے۔ آئیے یہ سمجھ لیں کہ کمیونٹی آرگنائزیشن کا تصوّر کیا ہے؟

کمیونٹی آرگنائزیشن کا تصوّر

کمیونٹی آرگنائزیشن کا مفہوم سمجھنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ ہم ایک سوال قائم کریں اور وہ یہ کہ جب ہم منظم یا منتشر کمیونٹی کا لفظ بولتے ہیں اُس وقت "کمیونٹی" سے ہماری مراد کیا ہوتی ہے۔ جس وقت ہم "غیر منظم" "کمیونٹی" کا لفظ ادا کرتے ہیں اُس وقت ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ اس کمیونٹی میں کچھ سہولتوں، کچھ اداروں یا کچھ ایجنسیوں کی کمی ہے جو

کمیونٹی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے عام طور پر ضروری ہوتی ہیں۔ منتشر کمیونٹی سے ہماری مراد یہ ہوتی ہے کہ اس میں ابتری کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے جس کے اثر سے ایسی افراتفری راہ پا گئی ہے جس نے زندگی کو دشوار کر دیا ہے۔ اس حالت میں ہمیں یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ صرف اداروں، جماعتوں اور بیش قیمت سرگرمیوں کے ہجوم و افراط سے کمیونٹی منظم ہو جائے گی۔ یہ اس لئے کہ بعض اوقات ایسا بھی ممکن ہے کہ اُن کے بوجھ سے کمیونٹی کی گردن ٹوٹنے لگے مگر پھر بھی اس کے اندر تنظیم کی حالت پیدا نہ ہو۔ کمیونٹی کی تنظیم میں جو بات بنیادی حیثیت رکھتی ہے، وہ یہ ہے کہ کمیونٹی میں جو ایجنسیاں اور ادارے قائم ہیں، انہی کے درمیان اتحاد و اشتراک پیدا کیا جائے اور پھر وقت کے تقاضے کو پورا کرنے کے لئے جن نئی ایجنسیوں اور اداروں کی ضرورت ہو، انھیں جنم دیا جائے۔

کمیونٹی آرگنائیزیشن کی تعریف

مرے جی راس صاحب نے کمیونٹی آرگنائیزیشن کی جو تعریف کی ہے، اس کا خلاصہ کیا جائے تو کمیونٹی آرگنائیزیشن کی تعریف یہ نکلتی ہے کہ "یہ ایک طریقۂ کار ہے جس کے مطابق کچھ لوگ اپنی مشترک ضرورتوں کی کھوج لگاتے ہیں، ان ضرورتوں کو پورا کرنے کی غرض سے اپنے اندر کام کا عزم و اعتماد پیدا کرتے ہیں، وسائل کی تلاش کرتے ہیں، اور اس مقصد کے لئے جو پروگرام بناتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں؛ اور اس طریقے سے اپنے معمولاتِ زندگی میں اتحاد و یگانگت کی خو پیدا کرتے ہیں۔" یہاں کمیونٹی سے ہماری مراد ہے کچھ لوگوں کی ایک جماعت جس کے اوپر کمیونٹی آرگنائیزیشن کا عمل ہو چکا ہو اور کمیونٹی آرگنائیزر سے مراد وہ شخص ہے جو یہ عمل کرتا ہے۔ مختصراً یوں سمجھئے کہ کمیونٹی آرگنائیزیشن گویا سماجی انجینیری ہے جو سماجی کارخانے کو خوش اسلوبی سے چلانے میں مدد دیتی ہے۔

مگر امریکہ میں بھی اس وقت کمیونٹی آرگنائیزیشن کو وہ فروغ حاصل نہیں ہوا ہے جو "سوشل کیس ورک"[۱] اور "سوشل گروپ ورک"[۲] کو حاصل ہوا ہے۔ یہ ابھی ایک تصور کی حیثیت سے نیا نیا ابھر رہا ہے اور جو لوگ اس پیشے میں لگے ہوئے ہیں وہ کمیونٹی آرگنائیزیشن کے اصول اور نظریئے قائم کرنے میں مصروف ہیں۔ کمیونٹی آرگنائیزیشن کی ابتدا دراصل خیراتی انجمنوں اور سنستھاؤں میں ہوئی تھی

[۱، ۲] سوشل کیس ورک اور سوشل گروپ ورک بھی سوشل ورک کی اصطلاحیں ہیں۔ سوشل ورک سے مراد سوشل ورکر کا وہ کام ہے جو افراد سے تعلق رکھتا ہے۔ بعض افراد سماجی اعتبار سے سماج کے تقاضوں کو پورا نہیں کر پاتے اور اس لئے سماج میں سب سے پیچھے رہ جاتے ہیں، یا وہ کسی نفسیاتی رکاوٹ کے سبب سماج میں اپنا صحیح مقام حاصل نہیں کر سکتے۔ سوشل ورک میں ایسے افراد کا مختلف تدبیروں سے علاج کیا جاتا ہے، تا آنکہ وہ سماج میں فٹ ہونے کے قابل ہو جائیں۔

یہی تعریف کم و بیش سوشل گروپ ورک کی بھی ہے جس میں فرد کے بجائے افراد کی جماعت زیر علاج ہوتی ہے۔ (مترجم)

جب امریکہ کی مختلف خیراتی تنظیموں نے یہ سوچا کہ ان کے کاموں میں باہم تال میل کی ضرورت ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امریکہ میں کمیونٹی آرگنائزیشن کا خصوصی میدان سماجی بہبود سرمائے کی فراہمی، سماجی ضوابط کے لئے قانون بنوانا، اور سماجی بہبود کی سرگرمیوں میں تال میل پیدا کرنا رہا ہے۔ ہندوستان میں بھی خیراتی اداروں کی کمی نہیں ہے۔ لیکن خود خیرات کا تصور ہمارے یہاں مختلف ہے اور مختلف ذاتوں کی برادریاں اور مذہبی ادارے خیرات کی رقم کو لوگوں کی ان ضرورتوں پر خرچ کرتے ہیں جن کے لئے وہ خاص طور پر اکٹھا کی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ہمارے یہاں کے "جین مت ٹرسٹ"، "اگروال ٹرسٹ" اور "ہندو مٹھ" وغیرہ اداروں کو پیش کیا جاسکتا ہے۔

سماجی صورتِ حال کی اہمیت

کمیونٹی آرگنائزیشن کا اصول یہ ہے کہ لوگ اپنی ضرورتوں کو سمجھنے بوجھنے اور انھیں پورا کرنے کے کام میں خود عملی حصہ لیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کمیونٹی آرگنائزیشن لوگوں کی خود اختیاری اور اپنی مدد آپ کے اصول پر زور دیتا ہے۔ ہندوستانی سماج کی نوعیت "پدری" ہے جس کی رو سے باپ پورے گھر کا مالک و مختار ہوتا ہے۔ ایسے سماج میں انفرادیت کا عنصر ظاہر ہے بہت کمزور ہوتا ہے اور اس بات کو ثابت کرنے کے لئے سیکڑوں مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں کہ لوگ حاکمانہ رہنمائی کے کس قدر محتاج ہوتے ہیں خواہ وہ علم کسی مذہبی پیشوا کا دیا ہوا ہو یا کسی بڑے بوڑھے کا یا کسی سیاسی رہنما کا۔ ہماری آنکھیں یہ منظر دیکھنے کی عادی ہوگئی ہیں کہ اسی طرح کا کوئی پیشوا اٹھتا ہے، جو خود کام کا منصوبہ بناتا ہے اور لوگوں کی ضرورتوں اور مسائل کا خود ہی حل تجویز کرتا ہو اور اس عمل میں کسی مرحلے پر عوام کی صلاحیتوں اور ان کی سوچی ہوئی ضرورتوں کو خاطر میں نہیں لاتا۔ اس ٹائپ کا کمیونٹی آرگنائزر پہلے ہی سے سوچ لیتا ہے کہ وہ کمیونٹی کے مسائل اور ان کے حل سے واقف ہے اور اُسے اس کی ضرورت نہیں ہے کہ کمیونٹی کا باقاعدہ مطالعہ کرے اور ان کے مسائل اور ان کے حل معلوم کرنے کے لئے طرح طرح کے تعین کرے۔ لوگ کس طرح مذہب اور بڑے بوڑھوں کے اوپر اندھا دھند یقین رکھتے ہیں اور نہ صرف یہ کہ ان کے احکام کی خلاف ورزی کرنے کی ہمت نہیں کرسکتے، بلکہ ان کی اطاعت اور فرماں برداری کو اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ اس بات کو آئیے ایک مثال سے سمجھیں لیکن اگر کمیونٹی آرگنائزر رہا ہے کہ اس کا کام مؤثر اور نتیجہ خیز ہو تو وہ عوام کے عقائد اور جذبات کو نظر انداز نہیں کرسکتا۔ اُسے اپنی سطح سے اُتر کر عوام کی سطح پر آنا پڑے گا اور بعض اوقات ایسی کمیونٹیوں میں جن میں دوسروں پر تکیہ کرنے کی بہت زیادہ عادت ہو بعض پر دگراموں کی لیڈرشپ اور سرداری خود اپنے ہاتھ میں لے کر مطلوبہ تبدیلیاں پیدا کرنی پڑیں گی۔ یہاں اُس کا کردار کمیونٹی آرگنائزر کا کم اور ایک سماجی سدھارک یا مصلح کا زیادہ ہوگا۔ اس حالت میں ہوسکتا ہے کہ اُسے لوگوں کی بعض قدروں سے ٹکر بھی لینی پڑے لیکن سوجھ بوجھ سے کام لے کر ایسے طریقے نکالنے ہوں گے کہ آیندہ لوگوں کو سامنے کر کام کرنے میں آسانی ہو۔ مگر اس کے باوجود یہ بات ہر وقت اور ہر حال میں دھیان میں رکھنی ہوگی کہ ترجیح اسی

اصول کو حاصل ہے کہ لیڈر شپ کمیونٹی آرگنائزر براہِ راست اپنے ہاتھ میں نہ رکھے بلکہ خود پردے کے پیچھے رہ کر کام کرے۔

جس مثال کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے وہ یہ ہے کہ ایک کمیونٹی آرگنائزر نے ایک مرتبہ گاؤں والوں کا ایک جلسہ کیا تاکہ اس میں گاؤں کے مسائل کے اوپر بحث ہو۔ آرگنائزر نوجوان آدمی تھا؛ جب جلسہ شروع ہوا تو وہ تقریر کرنے کھڑا ہوا۔ اُس نے اپنی تقریر میں کمیونٹی کے بڑے بوڑھوں کا بڑے ادب و احترام سے ذکر کیا مگر پھر بھی کسی نے اس کی باتوں پر کان نہیں دھرا اور جلسے میں ہڑبونگ مچ گئی۔ آخر کار ایک بزرگ جو گاؤں کے مکھیا تھے کھڑے ہوئے اور ہڑبونگ کرنے والوں کے نام لے لے کر انہیں ڈانٹ بتائی، بولے "چپ بیٹھے رہو نہیں تو مرمت ہو جائے گی"۔ ایک بزرگ یعنی گاؤں کے مکھیا (مکھیا) کی آواز تھی جس نے سب کو ایک ڈانٹ میں رام کر لیا اور وہ خاموشی سے نوجوان کی باتیں سننے لگے۔ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ بڑے بوڑھوں کا فیصلہ لوگوں کے خالصتاً شخصی معاملات میں بھی حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک دفعہ مجھے بی۔ اے۔ کی ڈگری کے امیدواروں کا زبانی امتحان لینے کا اتفاق ہوا۔ میں نے ان سے ایک سوال پوچھا کہ "فرض کیجئے آپ کے گاؤں میں پنچایت کے ممبروں کا انتخاب ہونا ہے۔ بتائیے آپ کس کو ووٹ دیں گے"۔ بے ساختہ جواب ملا کہ "جس شخص کو ہمارے والدین، یا بڑے بوڑھے یا ہماری برادری کے لوگ چن چکے ہوں گے، اُسی کو ہم بھی ووٹ دیں گے۔ اگر ہم اس معمول سے ہٹ کر کوئی کام کریں گے تو ہمارے گاؤں کا سماجی ڈھانچہ درہم برہم ہو جائے گا اور ایک نئی بات کی طرح پڑ جائے گی"۔ میں نے دوسرا سوال کیا کہ "اپنی شادی آپ کس سے کریں گے۔؟" امیدواروں کی ایک بڑی تعداد نے جواب دیا "اس معاملے میں یہ سوال ہی نہیں اٹھتا اس لئے کہ ہمارے لئے دلہن کا انتخاب کرنے والے ہمارے والدین ہیں، ہم اس چکر میں کبھی آتے ہی نہیں"۔ اِن مثالوں سے یہ بات ظاہر ہے کہ ہمارے اکثر و بیشتر فیصلوں کی بنیاد اقتدار پر ہوتی ہے۔ جو حکم دینے والے کو مذہب، عمر اور ذات کی بنا پر حاصل ہوتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ بہت سے مسائل بلکہ اُن کی اکثریت ایسی ہوتی ہے جن سے کمیونٹی کے لوگ بے خبر ہوتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی ایک لیڈر یا چند اشخاص یا کچھ لوگوں کی ایک چھوٹی سی جماعت جو کمیونٹی کے بھلے کے لئے کچھ کام کرنا چاہتے ہوں، ان مسائل کو سمجھ لے اور کام پر لگ جائے۔ اگر یہ لیڈر صحیح طریقوں پر چلیں اور کمیونٹی کے معاملات میں سوجھ بوجھ سے کام لیں تو بہت ممکن ہے کہ ان کی سرگرمیاں مفید ثابت ہوں اور کمیونٹی کی بہت حد تک اصلاح ہو جائے۔ اس امکان کے پیشِ نظر کسی کمیونٹی آرگنائزر کے لئے ہرگز مناسب نہیں ہے کہ وہ کمیونٹی کے لیڈروں، چھوٹی چھوٹی جماعتوں اور چھوٹی چھوٹی تہذیبی ٹولیوں کو نظر انداز کر دے۔ کمیونٹی آرگنائزیشن کے امریکی طریقوں کو اختیار کرتے وقت ہمیں اپنے طریقۂ کار کو وقت، تبدیلی کام اور اصولِ تنظیم کو ذہن میں رکھتے ہوئے متعین کرنا ہوگا۔

وقت: وقت کو سرمایہ سمجھنے اور اس کے صحیح استعمال کی بات ایسی نہیں ہے کہ اس کے اوپر صرف امریکہ ہی میں زور دیا جاتا ہو بلکہ یہ اصول مغرب کے قریب قریب تمام ملکوں میں تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہاں لوگ گھڑیاں دیکھ دیکھ کر

کام کرنے کے عادی ہیں۔ ہندوستان خصوصاً گاؤں میں اس کے برخلاف زندگی کے معمولات دنوں کے بجائے موسموں کی بنیاد پر متعین ہوتے ہیں۔ یہاں لوگ روزانہ جو کچھ کرتے ہیں اُس کی اہمیت نہیں ہوتی' اس کے برخلاف سال میں جو کچھ کرتے ہیں اس کی بڑی قدر و قیمت ہوتی ہے۔ سال کے بیشتر حصّوں میں جو کچھ انھیں کرنا ہوتا ہے' اُسے وقت پر پورا کرنے کا احساس انھیں شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ وقت کے معاملے میں اس ذہنیت کا بعض اوقات یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ ہمارے بہت سے پروگرام پیچھے رہ جاتے ہیں اور کام کے جو نشانے مقرر کئے جاتے ہیں' وہ مقررہ مدّت کے اندر بھی حاصل نہیں ہو پاتے۔ ان حالات میں ضرورت اس بات کی ہے کہ ہمارے منصوبے اور پروگرام بھی موسموں کی بنیاد پر مرتب کئے جائیں تاکہ وہ عوام کے سوچنے اور کام کرنے کے ڈھنگ کے مطابق ہوں۔

تبدیلی: ہندوستان کے لوگ تبدیلی کے مخالف ہیں اور کردار (عمل) کے فلسفے کے مطابق وہ اپنی زندگی کی موجودہ صورت حال پر قائم رہنا چاہتے ہیں اس لئے کہ ان کا عقیدہ ہے کہ موجودہ زندگی ان کے گذشتہ اعمال کا پھل ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ "یہ تو زندگی کا وہ نقشہ ہے جو ہمارے آباؤ اجداد کا دیکھا بھالا ہوا ہے، پھر ہم اس سے مختلف زندگی کیوں گذاریں جب کہ وہ ہماری پرکھی ہوئی نہیں ہے"۔ اس موقعے پر ایک واقعے کا بیان نامناسب نہ ہوگا جو ایک گاؤں میں دیکھنے میں آیا۔ ایک برہمن گریجویٹ اس گاؤں کا مطالعہ کرنے کی غرض سے گیا۔ وہاں ایک شخص نے جسے معلوم نہیں تھا کہ وہ ذات کا برہمن ہے' اپنے گھر کی نچلی منزل میں اسے ایک کمرہ دے دیا۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ اُس کا کرایہ دار ذات کا برہمن ہے تو اُس نے اُسے کمرہ دینے سے انکار کر دیا اور کہا "میں یہ گناہ نہیں کر سکتا کہ برہمن تو نیچے رہے اور میں جو ذات میں اُس سے نیچا ہوں' اُس کے سر پر اوپر کی منزل میں رہوں"۔ اُس نے اُس سے کرایہ بھی نہیں لیا اس لئے کہ برہمن سے کرایہ لینا اُس کی روایتی قدروں کے خلاف ایک نئی بات تھی جس کے لئے وہ تیار نہیں تھا۔ وہ ان روایتی اقدار کا اتنی سختی سے پابند تھا کہ بہت کچھ سمجھانے بجھانے کے باوجود ٹس سے مس نہیں ہوا۔ مگر جب اس سے کہا گیا کہ "دیکھئے آپ کے دروازے پر ایک برہمن آیا ہے اور آپ کے لئے موقع ہے کہ آپ اس کی خدمت کر کے اپنی عاقبت بنا لیں" تو وہ مان گیا اور برہمن گریجویٹ کو اپنے مکان پر ٹھہرانے کے لئے آمادہ ہو گیا۔

کام: ہمارے یہاں کام کے معاملے میں لوگوں کا نقطۂ نظر مختلف ہے کیونکہ کمیونٹی کے اندر لوگوں کا مرتبہ اور حیثیت محنت و ریاضت کے بل پر حاصل کرنے کی چیز نہیں ہوتی بلکہ وہ پہلے ہی سے مقدر و متعین ہوتی ہے۔ اگر آپ کو کسی شخص کے مرتبے اور حیثیت کے بارے میں معلومات کرنی ہو تو آپ بس یہ معلوم کر لیجئے کہ وہ کس ذات کا ہے' عورت ہے یا مرد' اس کی عمر کیا ہے اور کس خاندان سے اس کا تعلق ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ معاشی خوشحالی کا بھی مرتبے اور حیثیت کے تعین پر اثر پڑتا ہے مگر اس کے باوجود اونچی ذات والوں کا مرتبہ نیچی ذات والوں کے مقابلے میں بہت اونچا ہوتا ہے۔ چونکہ عام طور پر قریب قریب سب لوگ زراعت پیشہ ہوتے ہیں اس لئے اُن کے بارے میں معیار یہ نہیں ہے کہ "وہ کیا کرتے ہیں" بلکہ یہ ہے کہ "کیا ہیں"۔ ان کے دل میں عالی حوصلگی اور جاہ و مرتبت

کی ہوس بہت کم ہوتی ہے اور وہ اونچے اٹھنے کی کوئی خواہش کئے بغیر سالہا سال صبر و قناعت کی زندگی بسر کرتے رہتے ہیں۔

تنظیم کا اصول: ہندوستان کی سماجی تنظیم اتنی مضبوط اور مستحکم ہے کہ لوگوں کی بیشتر ضرورتیں جو کمیونٹی کے غیر رسمی تعلقات سے پوری ہو جاتی ہیں۔ ہندوستانی کمیونٹی صحیح معنی میں ابتدائی جماعت (پرائمری گروپ) کہی جا سکتی ہے جس میں ہر فرد دوسرے افراد کو بہت قریب سے جانتا پہچانتا ہے اس لئے کہ ہر شخص کو ہر شخص کی زندگی کے قریب قریب تمام پہلوؤں سے واقف ہونے کا موقع حاصل ہوتا ہے۔ کوئی کام ہو اور کسی میدان کا کام ہو اس میں افراد کی جو حیثیت اور مرتبہ پہلے سے مقرر ہے، اس کے مطابق اس کے منصب و کردار کی شکل بھی بنی بنائی موجود ہوتی ہے۔ ظاہر ہے اس صورتِ حال میں لوگوں کو کسی قسم کی تنظیم کی ضرورت نہیں ہوتی نہ اس سے انھیں کوئی دلچسپی ہوتی ہے۔

بحث کا نتیجہ

اس تمام گفتگو سے یہ ظاہر ہے کہ اگر ہم کمیونٹی آرگنائزیشن کے امریکن طریقِ کار کو ہندوستان میں اختیار کرنا چاہتے ہیں تو اُسے اپنے حالات سے ہم آہنگ کرنے کے لئے اکثر و بیشتر ادل بدل کرنا پڑے گا۔ پھر ہمارے ملک کی حالت ایسی ہے کہ کمیونٹی آرگنائزیشن کی نیت پر کسی نہ کسی پیمانے کی سنتھا یا ایجنسی ایسی ہونی چاہیئے کہ اس کے ذریعے تھوڑی بہت ٹھوس خدمات بہم پہنچائی جا سکیں۔ اس قسم کی بیشتر خدمات حکومت نے اپنے ذمے لے لی ہیں اور اس اعتبار سے کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی اسکیم اس مطلوبہ ایجنسی کی نہایت عمدہ مثال ہے جس کے ذریعے عوام کو اُبھارا اور اکسایا جا سکتا ہے۔ مگر کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی اسکیم میں کمیونٹی آرگنائزیشن کی بہ حیثیت ایک عمل کے پابندی نہیں کی گئی ہے۔ حکومت کی چلائی ہوئی یہ تحریک اگرچہ ہر قسم کی تنقید اور نکتہ چینی کر سکتی ہے اور اس کا خیر مقدم کرتی ہے، پھر بھی آٹھ سال کی طویل مدت گذر جانے پر بھی اس سے وہ نتائج برآمد نہیں ہو سکے جن کی امید تھی۔ اس کے بہت سے سبب ہو سکتے ہیں مگر ایک سبب یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے ابھی تک صحیح راستے اختیار نہیں کئے ہیں اور نہ صحیح قسم کے کارکنوں سے کام لیا ہے جن کی بدولت عوام کے دماغوں کو بدلا جا سکتا اور انھیں پروگراموں میں شرکت کرنے پر آمادہ کیا جا سکتا۔ کمیونٹی آرگنائزیشن میں کارکن کی حیثیت "کارندے" کی نہیں "استاد" کی ہوتی ہے جو لوگوں کو کام کے قابل بناتا ہے اور یہ بات سوشل ورک کے اس بنیادی اصول سے ماخوذ ہے کہ "کمیونٹی کی مدد نہیں کرنی ہے بلکہ اُسے اپنی مدد آپ کرنے کے قابل بنانا ہے"۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ہندوستان میں کمیونٹی آرگنائزیشن کا طریقِ کار اُس طریقۂ کار سے مختلف ہوگا جو مغرب کے ملکوں میں رائج ہے۔ اس پیشے کی خالصتًہ اپنی راہ الگ ہوگی جو کمیونٹی آرگنائزیشن کے قدیم تصور سے یکسر مختلف بلکہ متضاد ہے۔ یہاں معیبتزدہ کی امداد کرنا ثواب کا کام سمجھا جاتا ہے اور دوسروں کی مدد کرنے کا معاوضہ لینا معیوب قرار دیا جاتا ہے۔ (باقی صفحہ ۶۲ پر)

ٹی این رائے
چیف انسپکٹر سوشل ایجوکیشن

کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے ذریعہ عوامی تعلیم

آج سے تقریباً ستر سال پہلے، جب کہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ کا خیال اتنا مقبول نہیں ہوا تھا، شاعرِ مشرق رابندر ناتھ ٹیگور نے زندگی اور تعلیم کی بے تعلقی کو بھانپ لیا تھا اور اسے ہماری سماجی اور اقتصادی بدحالی کی ایک بنیادی وجہ بتایا تھا۔

ٹیگور اور گاندھی

ٹیگور کا کہنا تھا کہ اسکول کو اپنے گرد و پیش کے گاؤں سے تعاون کرنا چاہیے۔ انھیں چاہیئے کہ وہ زمین پر کاشت کریں، مویشیوں کو پالیں اور ضرورت کی دوسری چیزیں تیار کریں اور اس کام میں وہ سائنس کی مدد لے کر کام کے اچھے سے اچھے طریقے اختیار کریں اور ان میں اچھے اور بہتر سامانوں کا استعمال کریں۔ کم و بیش اسی طرح کے خیالات کا اظہار اور شاید عملی نقطۂ نظر سے زیادہ شدت کے ساتھ گاندھی جی کی تقریروں اور تحریروں میں مل جاتا ہے۔ گاندھی جی نے پہلی بار ہاتھ کے کام سے مربوط تعلیم۔ بنیادی تعلیم ـــ کے ذریعہ گاؤں کی دم توڑتی ہوئی زندگی کو ایک نئی حیات بخشنے کا تصور پیش کیا۔ گاؤوں کی نئی تعمیر کے سلسلے میں ان دونوں بزرگوں کا نظریہ لازمی اور بنیادی طور سے تعلیمی نظریہ تھا۔ انھوں نے تعلیم کو اس کے وسیع تر مفہوم میں اختیار کیا اور اُسے انسان کی ہمہ گیر ترقی کا ایک وسیلہ قرار دیا۔ ہمارے ملک کی ان دو عالی دماغ ہستیوں نے تعلیم اور دیہی تعمیر کے بارے میں جو خیال پیش کیا ہے اس پر نظر رکھنا آج محض اس لئے ضروری نہیں ہے کہ ان کا نظریہ تعلیمی اصول اور تجربوں کے جدید ترین رجحانات سے قریب تر ہے بلکہ آج جب کہ ہمارے یہاں بچھڑے ہوئے گاؤوں کی ہمہ گیر ترقی کا کام کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے ایک مخصوص اور نئے طریق کار اور اصولِ فن کے ماتحت انجام پا رہا ہے، اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ ان کے یہاں، اس سلسلے میں بہت سی ایسی قابلِ غور باتیں مل جاتی ہیں جن سے ان مسائل پر روشنی پڑتی ہے۔

ک اہم منصب

مگر ہمارے کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے پروگرام میں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ کوئی اہم بات چھوٹ گئی ہے۔ کمیونٹی ڈیولپمنٹ

کا امریکی نظریہ لازمی طور پر تعلیمی نظریہ تھا مگر اس کے برعکس ہمارے یہاں اس کا مقصد لوگوں کو مادی شکل میں کچھ فائدہ پہنچا دینا اور پہلے سے مقرر شدہ نشانوں کی تکمیل کرنا بن گیا ہے۔

کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام کی طرف سے جو مختلف خدمات اور سہولتیں فراہم کی جاتی ہیں تعلیمی کام بھی انھیں میں سے ایک کام شمار کیا جاتا ہے۔ ان کاموں میں بھی اسے وہ درجہ حاصل نہیں ہے جو اہمیت اور اولیت کے اعتبار سے غذا کی پیداوار، زراعت اور دیہی صنعت و حرفت وغیرہ دوسرے مسائل کو حاصل ہیں۔

بلونت رائے مہتہ کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام کے اسی پہلو پر خاص طور سے روشنی ڈالی اور تعلیمی اسکیموں کو اس پروگرام میں جس طرح نظر انداز کیا جا رہا ہے، اس کے اسباب کی تشریح و توضیح کی ہے اور اس پروگرام کے محدود مقاصد اور وسائل کی طرف بھی اشارہ کیا ہے۔

کم حوصلہ منصوبہ

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ

"ہمارے سامنے دستور کی وہ ہدایت موجود ہے، جس کے مطابق دستور کے نفاذ کے دس سال کے اندر اندر ۱۴ سال کی عمر تک کے تمام بچوں کی مفت اور لازمی ابتدائی تعلیم کا انتظام کر دینا ضروری ہوگا مگر اس سمت میں اب تک ہماری ترقی کی جو رفتار رہی ہے اس کو دیکھتے ہوئے یہ بات آج بالکل صاف ہو گئی ہے کہ اس متعینہ مدت کے اندر اس منزل پر نہیں پہنچا جا سکتا ہے۔ اسی لئے ہماری تجویز ہے کہ مفت اور لازمی ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں ہمیں کچھ حوصلہ مندانہ اور فوری مقاصد اپنے سامنے رکھنے چاہئیں۔ اس سلسلے میں ہمیں سردست ڈیولپمنٹ بلاک کے علاقوں میں اپنی توجہ مرکوز رکھنی چاہیئے اور اس کے لئے بلاک میں وافر سرمایہ اور تربیت یافتہ عملے کی فراہمی کا معقول انتظام کرنا چاہیئے"۔

دستور میں جو ہدایت دی گئی ہے اس کی تعمیل چونکہ اس کے مطابق ممکن نہیں ہے اس لئے اب عام حالات پر غور کر کے ایک دوسرا نشانہ مقرر کیا گیا ہے جس کے مطابق تیسرے پلان کی مدت میں اسکول کی عمر کے ۸۰ فی صدی لڑکوں کے لئے اسکول کھولنے کی بات سوچی جا رہی ہے اور اسے اور زیادہ قابل عمل بنانے کے لئے اسکول کی عمر کی حد کم کر کے ۱۴ سے ۱۱ کے بجائے ۱۱ سال کر دی گئی ہے۔

یہ تو ہے بچوں کی ابتدائی لازمی تعلیم کا حال۔ عوام کی تعلیم پر نظر ڈالی جائے تو ہمیں اور بھی زیادہ مایوسی ہوگی۔ اب تک ہمارے ملک میں خواندگی کا کام جس سست رفتاری کے ساتھ ہوا ہے اُسے دیکھتے ہوئے یہ امید نہیں ہوتی ہے کہ تیسرے پلان کے آخر تک عوام کی ناخواندگی کا مسئلہ مکمل طور پر یا کسی معقول حد تک حل ہو سکے گا۔ یہ بات سمجھ میں نہیں آتی ہے کہ ایک آدمی پڑھنے لکھنے کی بنیادی

صلاحیت حاصل کئے بغیر کس طرح صحیح معنی میں شہریت کا حق ادا کر سکتا ہے اور اس کے تمام تقاضوں کو سمجھ سکتا ہے۔ بالغوں کی تعلیم کے بغیر بالغ حق رائے دہندگی ایک حسین فریب معلوم ہوتا ہے۔

ڈیولپمنٹ بلاک کی اہمیت

جہاں تک ڈیولپمنٹ بلاک کا تعلق ہے اس میں شک نہیں کہ ان کا بجٹ عوام کی تعلیمی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے ناکافی ہوتا ہے۔ اس صورت حال میں کام کی صرف ایک ہی شکل رہ جاتی ہے کہ مختلف محکموں کے وسائل یکجا کئے جائیں اور ڈیولپمنٹ بلاک کے ذریعہ ان کا بہتر سے بہتر استعمال کیا جائے۔ ڈیولپمنٹ بلاک اپنی تنظیم کے اعتبار سے اس حیثیت میں ہوتے ہیں کہ ان کے ذریعہ تعلیم کو فروغ دینے کا کام وسیع سے وسیع پیمانے پر کیا جا سکتا ہے۔ ڈیولپمنٹ بلاک ایک احاطہ بند علاقے میں قدم قدم پر عوام کا بھرپور تعاون حاصل کرنے کے مقصد سے قائم ہوئے ہیں اور بلاک میں کام کرنے والے عوام تک براہ راست تعلیم کا پیغام آسانی سے پہنچا سکتے ہیں۔ بلونت رائے مہتہ کمیٹی نے یہ بھی تجویز کیا ہے کہ ابتدائی تعلیم کی اسکیم کو پوری طرح سے نافذ کرنے کے لئے ڈیولپمنٹ بلاک کو انتظامی اکائی کی حیثیت سے اختیار کرنا چاہیئے۔

سوشل ایجوکیشن آرگنائزر

اسکول کا سب انسپکٹر جو تعلیم کی انتظامی مشنری میں سب سے نچلی سطح کا افسر ہوتا ہے، اس کے کاموں کو ڈیولپمنٹ بلاک کے ساتھ مربوط کر دیا جانا چاہیئے۔ بلاک ٹیم کے دونوں سوشل ایجوکیشن آرگنائزروں کو اس کے تعاون سے اور اسی کی رہنمائی میں کام کرنا چاہیئے۔ ان سفارشات میں دراصل عملہ اور کام کو لڑی میں پروتے ہوئے ایک پوری طرح مربوط اور منظم انتظامی ڈھانچہ قائم کرنے کا خیال پیش کیا گیا تھا مگر سب انسپکٹر آف اسکول اپنے موجودہ مرتبے اور اختیار کے لحاظ سے اس حیثیت میں نہیں ہے کہ وہ پورے بھروسے کے ساتھ ان ذمہ داریوں کو پورا کرنے کا اہل ثابت ہو سکے۔ آج ضرورت ہے کہ اس کی حیثیت اور مرتبے کو اونچا اٹھایا جائے۔

ان سفارشات میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ ڈیولپمنٹ بلاک میں سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کی خدمات دوسرے کاموں کے بجائے محض تعلیمی کاموں کے لئے استعمال کرنی چاہیئے۔ موجودہ حالت میں وہ تعلیمی منصوبوں پر عمل کرنے کے بجائے زیادہ تر دوسرے کام ہی کرتا ہوا پایا گیا ہے۔ ڈیولپمنٹ بلاک میں سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کا کیا منصب ہو؟ اس سلسلے میں دو متضاد سمتوں میں مختلف رائیں سننے میں آتی ہیں۔ ایک طرف تو اسے بلاک کی انتظامی مشنری اور گاؤں کے درمیان ربط قائم کرنے اور عوام

میں ڈیولپمنٹ کے خیال کی تبلیغ کرنے والا ایک اہم عہدہ دار سمجھا جاتا ہے تو دوسری طرف اسے ایک فاضل اور بے کار آدمی تصور کر کے گاڑی کے پانچویں پہیے سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ قومی تعمیر میں تعلیم کا کیا منصب ہونا چاہئے اس سلسلے میں ایک بہت ہی غلط خیال پیدا ہوا ہے اور یہ دوسرا خیال سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کے بارے میں اسی غلط فہمی پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔ ڈیولپمنٹ بلاک کے انتظامی ڈھانچے میں سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کے وجود کی ضرورت اور اہمیت اُسی وقت ثابت ہو سکتی ہے جب اُسے صحیح کام پر لگایا جائے۔

کام کی تقسیم کا خاکہ

سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کے کرنے کے لئے جو کام تجویز کئے گئے ہیں وہ اسے اپنے اصل میدان سے بہت دور لے جاتے ہیں۔ لوگوں میں سوچنے کا ایک نیا ڈھنگ اور زندگی کی نئی قدریں پیدا کرنے کے کام سے لے کر ڈیولپمنٹ کے کاموں میں شرکت کرنے پر عوام کو تیار کرنے اور خواندگی کی کلاسیں منظم کرنے تک کے تمام کام اس کے فرائض کی فہرست میں شامل ہیں۔ اس سے یہی امید کی جاتی ہے کہ وہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام کی مختلف اسکیموں سے عوام کو روشناس کرائے گا۔ غرض اس کا کام جوش و جذبات سے بھرپور اس پورے ڈرامے کو منظرِ عام پر لانے کے لئے اسٹیج تیار کرنا ہے۔

سوشل ایجوکیشن کا تصور جس دانشمندی اور جامعیت پر مبنی ہے اس کے بارے دو رائے نہیں ہے اور وہ تمام کام جو کام کی تقسیم کے نقشے میں دیئے ہوئے ہیں یا وہ کام جو ان کے اعلیٰ افسروں جیسے بلاک ڈیولپمنٹ افسر سب ڈیویژنل آفیسر ڈسٹرکٹ ڈیولپمنٹ آفیسر اور دوسرے انتظامی اور فنی معاملات کے ماہروں کی طرف سے انھیں سونپے جاتے ہیں، ان سب کو پورا کرنا اگر سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کے لئے ممکن ہو جائے تو بلاشبہ وہ اپنے کام کا ایک بہترین نمونہ پیش کر سکتے ہیں۔ لیکن اپنے متعینہ مقصد اور آدرش کو پا لینے کی جلد بازی اور جوش میں یہ حقیقت ہماری نظر سے اکثر اوجھل ہو جاتی ہے کہ پوری روٹی کی امید میں آدھی روٹی سے انکار کرتے رہا جائے تو وہ بھی ہاتھ سے جاتی رہتی ہے۔ ہر طرح کی چیز اپنے دامن میں سمیٹنے کی کوشش کرنے کے بجائے ہمیں یہ کرنا چاہیئے کہ کچھ تھوڑی سی چیزوں کو چن لیں اور انھیں حاصل کرنے میں پوری توجہ صرف کریں۔ قومی ترقی کے تقاضوں میں تعلیم کا نمبر سرِفہرست ہے۔ ڈیولپمنٹ بلاک کے محدود دائرے میں سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کی خدمات تعلیمی اسکیموں کی حوصلہ افزائی پر پوری طرح صرف کی جانی چاہیئے۔

سوویت روس کی مثال

اگر ہم اتنے سخت متعصب نہیں ہیں کہ ریاست کے آمرانہ نظام کی مثال اور اس کے طریق کار ہمارے لئے

بہت زیادہ چونکا دینے کا باعث بن جائیں تو ہم سوویت روس کے تعلیمی منصوبوں اور کارناموں کو نفع بخش طریقے سے جانچ سکتے ہیں اور ان کی روشنی میں اپنی اصلاح کے لئے کچھ مفید سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

"ایک جاہل آدمی کے لئے سوشلزم کوئی معنی نہیں رکھتا ہے اس لئے سب سے پہلے انھیں خواندہ بنانے کی ضرورت ہے" یہ بات لینن نے اکتوبر ۱۹۱۷ء کے انقلاب کے دو سال بعد کہی تھی۔ لینن نے ایک حکم نامہ جاری کیا جس کے مطابق روس کے ہر فرد کے لئے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ایک مقررہ مدت کے اندر خواندہ بن جانا ضروری تھا۔ حکم نامے میں خواندگی کی کلاسوں میں حاضری سے انکار کرنے والے کے لئے جرمانے یا راشن کارڈ کی ضبطی اور ٹریڈ یونین سے برطرف کر دینے کی سخت سزائیں مقرر کی گئی تھیں۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اس حکم نامے کے پیچھے لوگوں کو زبردستی کسی کام کے لئے مجبور کر دینے والی ڈکٹیٹرانہ طاقت کارفرما تھی۔ ناخواندگی کے خلاف اس عظیم جنگ میں ہر تعلیم یافتہ آدمی کی مفت خدمات عہدے اور مرتبے کا امتیاز کئے بغیر حاصل کی گئی تھیں۔ اس انقلابی حکومت کا پہلا کارنامہ ناخواندگی کو مٹانے کے لئے ایک قومی کمیشن کا قیام تھا۔ ۱۹۱۹ء میں روس میں خواندگی کا اوسط قریب قریب وہی تھا جو آج کے ہندوستان میں ہے۔ تقریباً ۲۴ فی صدی آبادی خواندہ تھی مگر پوری طرح ڈٹ کر کام کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ حالت تیزی سے سدھرنے لگی ۱۹۳۹ء میں جب کہ دوسری جنگ عظیم چھڑی اس وقت تک یعنی ۲۰ سال کی قلیل مدت کے اندر خواندگی کا اوسط بڑھ کر ۸۰ فی صدی ہو گیا تھا۔ اب روس میں خواندگی کا مسئلہ قومی مسئلہ نہیں رہا ہے۔ یہاں نہ صرف خواندگی عام ہو بلکہ اس کا معیار اتنا اونچا ہو کہ روزمرہ کی زندگی کے معمولات میں تعلیم کے اعتبار سے ایک روسی کسی سے پیچھے نہیں رہتا۔ سائنس کی دنیا میں سوویت یونین نے جو قابلِ قدر ترقی کی ہے وہ دراصل تعلیم کے میدان میں اس کی بے پایاں ترقی کا مظہر ہے۔ سوویت روس کے تعلیمی نظام نے دوسرے ترقی پسند ملکوں کو چونکا دیا ہے اور وہ اس بارے میں سوچنے پر مجبور ہیں۔

روس کی ہمسری

اس میں شک نہیں کہ روس میں عوامی تعلیم کی یہ کہانی بہت دلچسپ اور قابلِ قدر ہے۔ اس کے ذریعہ جتنی کم مدت میں ٹھوس نتائج برآمد ہوئے ہیں، وہ اس کی اہمیت کو اور بھی دوبالا کر دیتے ہیں۔ یہاں تعلیم اور صنعت و حرفت کے فروغ کو برابر کا درجہ دیا گیا۔ دونوں کی اہمیت تسلیم کی گئی اور دونوں نے شانہ بشانہ ترقی کی۔ دراصل ایک کے بغیر دوسرے کی ترقی ممکن بھی نہیں ہے ہندوستان کو آج کی دوڑ میں ترقی یافتہ دنیا کے برابر پہنچنا ہے اور اس منزل پر پہنچنے کے لئے ایک صدی یا اس سے بھی زیادہ مدت تک انتظار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ روس کے طرز پر سخت آمرانہ طریقے اختیار کرنے کے بجائے، جو ہندوستان کے جمہوری اصولوں اور تعبیروں کے سراسر منافی ہے، عوامی تعلیم کے میدان میں تیزی سے ترقی کرنے کا ایک اور امکان موجود ہے۔ اور وہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے پروگرام

اور تنظیم کے سہارے کام کرنا۔

تیز سواری

کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام نے ایک ایسا انتظامی ڈھانچہ اور مختلف اسکیموں کو عملی جامہ پہنانے کی ایک ایسی مشنری ہمارے سامنے رکھی ہے جو نہ صرف یہ کہ ہمارے ملک میں آزمائی نہیں گئی تھی بلکہ معروف بھی نہیں تھی۔ یہ مشنری عوامی تعلیم کا کام پوری شدت سے آگے بڑھانے کے لئے استعمال کی جاسکتی ہے۔ محدود وسائل اور بجٹ کی کمی کے باوجود کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی موجودہ تنظیم کے اندر ناخواندگی پر ہر طرف سے دھاوا بولنے کے وسیع امکانات موجود ہیں۔

پہلی بات تو یہ کہ کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے پروگرام کی تنظیم ایک حد بند علاقے کو لے کر ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے عملے میں ایسے تربیت یافتہ کارکن موجود ہوتے ہیں جنھیں عوام کے درمیان کام کرنے کی تربیت مل چکی ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ اس کے ماتحت سرکاری اور غیر سرکاری وسائل کو یکجا کرکے کام کرنے کی گنجائش ہوتی ہے جس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔

کام کا ڈھچر

بلونت رائے مہتہ کمیٹی کی سفارشات کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تعلیمی مہموں کو زیادہ جاندار بنانے کے لئے ڈیولپمنٹ بلاک کو تعلیم کا انتظامی یونٹ بنایا جانا چاہیئے۔

موجودہ صورتِ حال میں ہماری جد و جہد محض ابتدائی تعلیم اور عوامی تعلیم تک ہی محدود رہنی چاہیئے۔ ڈیولپمنٹ بلاک کے پاس جو مالی وسائل ہیں وہ بہت قلیل اور ناکافی ہیں، مگر اس کے باوجود چند قابلِ لحاظ عملی دشواریوں کے پیشِ نظر ہم تعلیم کے لئے اس سے زیادہ سرمائے کی فراہمی کا تقاضا نہیں کرتے ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ مختلف محکموں کے وسائل بلاک کی سطح پر یکجا کئے جائیں۔ کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام کے بالمقابل، عوامی تعلیم کی اہمیت پر زیادہ سنجیدگی اور خلوص کے ساتھ غور کیا جائے، اور اس کی پوری توجہ ہی نہیں بلکہ اس کے تمام عملے اور وسائل کا پوری تندہی سے استعمال کیا جائے۔ ہماری قومی زندگی میں تعلیم کی اتنی اہمیت ہے کہ اس کے بارے میں کسی طرح کی تاخیر برداشت نہیں کی جاسکتی۔

شری شالگ رام پھک
جن شکشا سنستھا گونڈہ

کمیونٹی آرگنائزیشن کا اولین منصب

پچھلے دنوں سرکاری اہتمام میں سوشل ایجوکیشن آرگنائزر کو کمیونٹی آرگنائزر کا نام دیئے جانے کا بڑا چرچا کہ اس سال ہمارے نیشنل سیمینار میں یہ موضوع بحث کے لئے رکھا گیا ہے۔ یہ اچھا بھی ہے اور اچھا نہیں بھی ہے۔

اچھا اس لئے ہے کہ "صحیح اور غلط" جیسا بھی فیصلہ ملک کر چکا ہے اُسے اب نبا ہنا ہے اور اُسے زیادہ سے زیادہ کارآمد بنانا ہے۔

اچھا نہیں بھی ہے اس لئے کہ 'سوشل ایجوکیشن' سرکار کی سمجھ میں نہ اب تک آئی اور نہ آ رہی ہے۔ ابھی پچھلے دنوں ڈیولپمنٹ کمشنروں کی کانفرنس میں کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے وزیر ڈے صاحب نے بڑے تجربے کی بات کہی تھی انہوں نے فرمایا تھا کہ "سرکار ہزار کام کرسکتی ہے، مگر ایک کام اس کے بس کا نہیں ہے۔ اور وہ ہے عوام کے ذہنوں کی تعمیر" عوام کو آمادہ کرنا، اور انھیں بیدار کرنا جس سے ان کا اشتراک (پیپلز پارٹی سی پے شن) حاصل ہو، یہ ہماری ذمے داری تھی جسے ہم نے سرکار کے گلے منڈھ دیا۔ اس کا جو نتیجہ ہونا تھا، وہ ہوا۔ اُسے (سوشل ایجوکیشن کو) ناکام کہا گیا۔ اس کا تماشا بنایا گیا۔

چنانچہ جاگی ہوئی قوم ایک بار پھر سو گئی، کھو گئی اور جی حضوری کا چلن از سرِ نو عام ہو گیا۔ یہ بات معمولی نہیں ہے۔ یہ جمہوریت کی نشو و نما کے راستے کا سب سے بڑا روڑا ہے۔ اس صورتِ حال میں مناسب تو یہ تھا کہ ہم (ہماری ایسوسی ایشن) سرکار کے پیچھے پیچھے لگے رہنے کے بجائے اُسے صحیح مشورہ دینے کی غرض سے کسی دوسرے مسئلے کو سیمینار میں بحث کا موضوع بنا لے۔

مگر آیئے آج اسی موضوع کو جس کا اوپر ذکر کیا گیا ہے اپنی اس بات چیت میں ذرا وضاحت سے سمجھنے کی کوشش کریں۔

تاریخ میں کبھی ایسا کوئی دن رہا ہوگا جب فرد نے سماج نہیں بنایا تھا اور بغیر جماعت کے زندہ تھا اور زندہ رہ سکتا تھا۔ لیکن آج یہ کیفیت یہ ہے کہ اگر فرد کا خاتمہ ہوتا ہے تو سماج بھی ختم ہو جاتا ہے اور اگر سماج ختم ہو جاتا ہے تو فرد کے لئے زندگی محال ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سماج کے وجود کے لئے ضروری ہے کہ فرد "سماجی فرد" بن جائے "سماجی تنظیم" یا "گاؤں کی تنظیم" (کمیونٹی آرگنائزیشن) جسے کہتے ہیں وہ سماج کے اسی وجود کے دوسرے نام ہیں۔ اور دنیا میں جتنے "دھرم کرم" وجود میں آئے ان کا مقصد صرف اتنا تھا کہ سماج قائم رہے

اور اس کی تنظیم برقرار رہے۔ سماج کے وجود کو قائم رکھنے کے لئے اتنی فکر اسی لئے کرنی پڑتی ہے کہ انسان اپنے زمانۂ قدیم کے آزادانہ طور طریق اور رسوم سے دب جاتا ہے۔ اُسے اپنی فطری 'انفرادیت' سے مجبور ہوکر سماجی پابندیوں اور سماجی اداروں کو نظر انداز کرکے اپنی انفرادی خواہشوں کو پورا کرنا پڑتا ہے۔ یہ وہ کیفیت ہے جس کے نتیجے کے طور پر سماج کا شیرازہ آئے دن بکھرتا رہتا ہے، اور اس کی تنظیم کمزور ہو جاتی ہے۔

مگر یہ عمل یکساں رفتار سے واقع نہیں ہوتا۔ کبھی زمانہ بہت خراب آجاتا ہے جیسے کلجگ کہا جاتا ہے اور کبھی بہت اچھا وقت آجاتا ہے جیسے "ست یگ" کے نام سے جانا جاتا ہے۔ ہوتا اکثر یہ ہے کہ سخت کلجگ آجانے پر "سماجی تعلیم" کا کوئی بہت بڑا پروگرام بن جاتا ہے۔ اور اس کے اثر سے کچھ عرصے کے لئے زمانہ بہت سازگار ہوجاتا ہے۔ یہ سازگاری کچھ عرصہ رہتی ہے، مگر پھر آہستہ آہستہ حالات بگڑنے شروع ہوتے ہیں۔ اور بہت زیادہ بگڑ جاتے ہیں۔ یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہا ہے۔ اور جاری رہے گا۔

ہر شخص کو سماج سے فائدہ پہنچتا ہے۔ وہ اسے سمجھتا بھی ہے، اور اُسے نقصان نہیں پہنچانا چاہتا مگر اس کے بطون میں جو شیطان بیٹھا رہتا ہے، وہ اس کے تمام نیک ارادوں کو مٹی میں ملا دیتا ہے۔ ایسی حالت میں جب تک سماجی تنظیم یا گرام سنگٹھن کی کوئی جامع اور ہمہ گیر تحریک دل و دماغ میں بیٹھ نہ جائے اُس وقت تک سماجی تنظیم یا گرام سنگٹھن کی کوئی کوشش، کوئی تکنیک، کوئی طریقہ کار سماج کو مٹنے سے بچا نہیں سکتا۔

ایک دیہاتی شاعر نے نہایت سادہ انداز میں کہا ہے:

جن جن کے من من میں بیٹھے
جب رام جگیں گے ہے بھیا
اس دھرتی کے اُلٹے سیدھے
سب کام بنیں گے ہے بھیا

یہی جن جن کے من من میں بیٹھے ہوئے "رام" کو جگانے کا کام تھا۔ اور جو گرام سنگٹھن اور دیہات کی تعمیر نو کا بنیادی اصول تھا۔ وہی ہماری نظروں سے اوجھل ہوگیا ہے۔ ہمیں جلدی پڑی ہے غلے کی پیداوار بڑھانے کی، نئی نئی صنعتیں جاری کرنے کی، اور لوگوں کی آمدنی میں اضافہ کرنے کی، مگر دُنیا کے تمام تجربات کی طرف سے آنکھیں بند ہیں۔ جو یہ کہتے ہیں کہ جب جب سائنس اور مشین (ٹکنالوجی) کے لائے ہوئے انقلابات رونما ہوئے ہیں، ہمیشہ اور ہر ملک میں اخلاق اور سماجیت کو نقصان پہنچا ہے۔ اور ان میں کمزوری آئی ہے۔ اس لئے سماج کی آمدنی میں اضافہ کرنے کا کام اور سماج کے دل و دماغ کو بڑھانے کا کام دو الگ الگ اداروں میں تقسیم کرکے کرنا ہی قرین عقل معلوم ہوتا ہے۔ چونکہ سرکار کے نزدیک آمدنی میں اضافہ کرنے کا کام ضرورت سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے اس لئے گذشتہ دونوں پنج سالہ پلانوں میں

سوشل ایجوکیشن کے آرگنائزروں سے اُسی طرح کے کام
لئے کام لئے گئے۔ کھیتی میں جو کچھ ترقی ہوئی اس کا سہرا
کھیتی کے اکسپرٹ کے سر بندھا اور سوشل ایجوکیشن آرگنائزر
کے لئے کوئی کام ہی نہیں تھا۔ اس لئے وہ بچارا منہ تکتا رہ
گیا۔ مگر یہ جو کچھ ہوا، وہی قدرتاً ہونا بھی تھا لیکن ستم تو
یہ ہے کہ یہی کچھ اب تیسرے پلان میں بھی ہونے والا ہے،
اس صورتِ حال کی روشنی میں دیکھئے تو سوشل ایجوکیشن
کا کام سرکاری اہتمام سے الگ ہی کر کے ہونا چاہئے۔

سوشل ایجوکیشن اور سماجی تنظیم (کمیونٹی آرگنائزیشن)
دونوں ایک ہی چیزیں ہیں۔ بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ سماجی
تنظیم "مقصد" ہے اور سوشل ایجوکیشن صرف اس مقصد کو
حاصل کرنے کا ایک عمل۔ مگر سماجی تنظیم کا مطلب یہ نہیں
ہونا چاہئے کہ اوپر اوپر سے لیپا پوتی کر دی جائے۔ یا نئی نئی
سنستھائیں بنا دی جائیں یا پنچایتی راج کا نام لے کر گاؤں
کی پوری زندگی کو چند چنے ہوئے پنچوں کے ہاتھ میں دے
دیا جائے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہونا چاہئے کہ فرد کی آزاد
روی اور انفرادیت سے سماج میں جو بنیادی کمزوری
آتی ہے۔ اُسے روکا جائے۔ یہی وہ بنیادی مقصد ہے
جسے سماجی تنظیم اور سوشل ایجوکیشن دونوں کا اصل
منصب تسلیم کرنا چاہئے۔ مثال کے طور پر آج جو طرح طرح
کے انتخابوں کا رواج چل پڑا ہے، اس سے گاؤں چھوٹی
چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم ہو گیا ہے۔ اس ابتری کو دور کرنے کی
ایک بہت اچھی ترکیب سنت ونوبا نے پیش کی ہے۔ ان کا کہنا
ہے کہ گاؤں پنچایتوں کا انتخاب متفقہ طور پر ہو۔ ہمیں اس
کو اپنی سیرت اور طرزِ فکر کا جزو بنانا ہوگا ورنہ گاؤں کی
تعمیر نہ ہو سکے گی۔ مگر یہ بات آج کی کمیونٹی ڈیویلپمنٹ
اسکیم کے وسیلے سے پیدا نہیں ہو سکتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ
اس اسکیم کے ہر افسر اور کارکن کی اولین ذمے داری کھیتی میں
ترقی کر کے دکھانا قرار دی گئی ہے۔

اس تمام بحث کا نچوڑ یہ ہے کہ ہماری ناچیز رائے میں (۱)
سوشل ایجوکیشن کا کام سماج کی تنظیم کو برقرار رکھنا، اور اسے
ترقی دینا ہے اپنا ہی نہیں بلکہ یہی کام اس کا اصل منصب ہے۔
(۲) لیکن سماجی تنظیم کا کام ایک طرح کا کیمیاوی عمل ہے۔ وہ
کوئی "عوام کی تعمیر" کا کام نہیں ہے۔ اس کے لئے بڑے صبر و
سکون کی ضرورت ہے۔ کسی زمانے میں ایک انگریز نے ایک
بڑے پتے کی بات کہی تھی۔ اس نے کہا تھا کہ یہ لندن کے جو
پارک مشہور ہیں، وہ سال دو سال کی محنت اور کوشش
سے نہیں بنے ہیں، سینکڑوں سال لگے ہیں ان کی نشو و نما میں،
اگر یہ بات صحیح ہے تو ظاہر ہے کہ کسی قوم کی تعمیر کا کام جلد
بازی سے نہیں ہو سکتا۔ ہماری کمیونٹی ڈیولپمنٹ اسکیم
کے ماتحت جو کام ہو رہا ہے وہ بڑی جلد بازی کا کام ہے۔
"جلدی کام شیطان کا" مثل مشہور ہے۔ اور اسی کے مقابلے
میں "دھیرا کام رحمان کا" بھی مشہور ہے۔ جو کام ہو رہے ہیں
ان کے لئے حد سے زیادہ صبر و سکون کی ضرورت ہے۔
ہم یہ تو کبھی نہیں کہتے کہ تنخواہ پانے والے افسر لوگ اس
کام کو نہیں کر سکتے۔ ہم میں اور اُن میں کوئی (باقی صفحہ پر)

ہری بھگی سام گپتا
سوشل ایجوکیشن ڈائرکٹیٹ دہلی

بستی کی تنظیم کے ذریعے سوشل ایجوکیشن کا کام

دلی کے کچھ تجربے

—— ۱ ——

"یہ کیسے ہانپتے کانپتے چلے آرہے ہو لکھداد! یہ کپڑے کیچڑ میں کہاں بھر لئے!! ارے، آپ کی تو سائیکل بھی ٹوٹ گئی!! کیا بات ہوئی ہے آج، خیر تو ہے؟"

"ہاں بھئی، خیر ہی ہے، جبھی تو یہاں تک آگیا! تم نوجوان لوگ وہ سڑک بنا رہے تھے نا؟ پر خدا غارت کرے اس بدبخت بڑھیا کو! سانڈ مرنے کو تو بیٹھی ہے، آگے ناتھ نہ پاچھے پگہ، مگر اس کی وہ ٹوٹی پھوٹی سی جھونپڑی! بڑوں کی یادگار ہے نا، مرے گی، مارے گی، پر اسے وہاں سے ہٹنے نہیں دے گی۔ گاؤں کی گلی سڑی ہوئی دلدل بن جائے، ٹیڑھی میڑھی رہ جائے، تیرہ و تاریک پڑی رہے، اور گاؤں والوں کی ٹانگیں ٹوٹ ٹوٹ جائیں، مگر وہ ہے کہ سڑک کو مکمل نہیں ہونے دے گی، چڑیل کہیں کی!! اسی گڑھے میں آج میری سائیکل پھنس گئی بھائی، اور کیچڑ بھی کیچڑ! وہ تو دلدل تھا دلدل، پہیہ دھنستا ہی چلا گیا۔ اُف، بڑی سخت چوٹ آئی ہے گھٹنے میں! گڑھے میں پتھر بھی پڑے ہیں بھیا رام اوتار!"

"واہ! تمھی نے تو ہمیں سڑک مکمل کرنے سے روکا تھا! گاؤں کے جتنے بڑے بوڑھے تھے، سبھی ہم ہی لوگوں کو لعن طعن کرنے لگے تھے لکھداد! سڑک کا یہ موڑ اور یہ گڑھا تو ہم ٹھیک کریں گے ہی، پہلے لاؤ تمھاری مرہم پٹی تو کردوں! ارے یار سوہن لال! دیکھنا یہ لکھداد کو چوٹ آگئی ہے، وہ فرسٹ ایڈ کا ڈبہ لاکر ذرا ان کی مرہم پٹی کردو۔ ذرا جلدی کرو۔ آج ہمارا ہفتہ وار جلسہ ہے، دوسرے بس آتے ہی ہوں گے۔"

× × × × ×

"ساتھیو!" نوجوان برادری کے صدر تقریر کرنے کھڑے ہوئے۔ "ہم نے گاؤں کی گلی کو پختہ کرنے کا کام چھیڑا تھا، مگر کام [illegible] رہ گیا [illegible] کا مکان آگیا [illegible] نہ لگا سکے [illegible]

اب دیکھئے، ہر وقت کیچڑ جمی رہتی ہے، جس سے آنے جانے والوں کو کافی دشواری اٹھانی پڑتی ہے۔ دیکھئے کلو دادا کا کیا حال ہے، غریب اس کے پاس والے گڑھے میں گر پڑے اور زخمی ہو گئے۔ ہماری نوجوان برادری نے گاؤں میں بہت سے کام کئے، لیکن یہ سب کام بے کار ہیں اگر یہ گلی پوری پوری پختہ نہ ہوئی۔ ہم کوئی صرف اپنے آرام و آسائش کی غرض سے تو یہ کام کر نہیں رہے ہیں، پھر نہالو تائی کو کیا حق ہے کہ وہ پورے گاؤں کی بھلائی کے راستے میں اڑی کھڑی ہیں۔ ہم انھیں سمجھا تو سکیں گے نہیں، مگر ان کی ضد شہریت کے اصول کے منافی ہے۔ کہئے آپ لوگوں کا کیا خیال ہے؟"

"صدر صاحب، نہالو تائی تو اب مرنے کو تیار بیٹھی ہے۔ آج نہ مری، کل مر جائے گی! اور جب مرے گی تو کیا یہ جھونپڑی اپنے ساتھ اٹھالے جائے گی؟ یا یہیں اپنی قبر بنوائے گی! تھوڑے دن اور ٹھہر جائیے!!"

"دوستو! ہمارے ان ساتھی کا خیال ہے تو درست، لیکن یہ اصول کی بات ہے۔ رفاہِ عامہ کے کام کسی ایک دو اشخاص کے مفاد پر کب تک قربان کئے جاتے رہیں گے؟ اور قربان بھی کیوں کئے جائیں!!"

"صدر صاحب کی رائے ٹھیک ہے بھیا۔ نیک کام میں دیر کرنا ٹھیک نہیں۔ نہالو تائی کو چل کر سمجھانا بجھانا چاہیئے، کیا عجب بات ہے کہ اس کی سمجھ میں بیٹھ جائے!!"

"میاں تائی کی سمجھ میں تو کچھ آئے گا یا نہیں، یہ تو بھگوان جانیں، پر اپنی سمجھ پکی کر کے چلنا، وہاں جاتے ہی وہ ٹھونڈا پڑے گا ٹانڈ پر کھدان میں تارے نظر آجائیں گے۔ اس کا نام نہالو تائی ہے۔ اس نے بڑوں کو جھکا جھکا دیا ہے۔ سمجھے!!"

"صدر صاحب، ویسے تو نہالو تائی ضدی ضرور ہے، مگر ہماری نوجوان برادری سے خوش ہے۔ میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ کل جب گرام سیوکا بہن مہیلا منڈل بنانے کی بات کر رہی تھیں تو نہالو تائی لڑکیوں سے کہنے لگیں "تم بھی منڈل بناؤ" اے چھوریو! بہن جی ٹھیک کہے ہے۔ دیکھو، چھوروں نے منڈل بنانے کے گاؤں کی کایا پلٹ کر دی۔ روج ریڈیو بجنے سے، گاؤں صاف رہن لگ گیا۔ اور راماین کی کتھا تو بہت ہی اچھی ہو وے ہے۔ بھجن کیرتن، کھیل کود، سبھی کچھ ہو ون لگ گیا۔ تم بھی چھوریوں نے نئی نئی بات سکھا دیو۔ اب جمانہ بدل رہیا ہے۔" تائی کی یہ باتیں میں نے خود اپنے کانوں سنی ہیں، صدر صاحب۔"

"اگر ایسی بات ہے۔" صدر صاحب بولے۔ "تو میدان مار لیا۔ پھر تو تائی نہالو سچ مچ گاؤں بھر کی تائی بن جائے گی۔ چلو اس سے بات کر کے دیکھتے ہیں۔"

"لیکن صدر صاحب، اگر تائی نے جھونپڑی کے بدلے زمین یا مکان مانگا تو کیا کرو گے؟"

"ارے یار، وہ بھی سوچ لیں گے۔ آج اس سے بات تو کر کے دیکھیں، ابھی کلو دادا کا زخم تازہ ہے۔"

× × × × ×

"ارے تائی رام رام! آج ابھی سے سو گئی کیا تائی!! خیر تو ہے؟"

"ارے بیٹا! میں نے کون مُٹھائے سے۔ بیٹانا! چھوٹانا! میرا کے سے۔ مروں چاہے جیوں، کسی نے کے دُکھ لگے سے۔"

"تائی کہہ رہی سے تو، دیکھ میں بیٹے تو ہم ہی تیرے سامنے کھڑے۔ کے دُکھ ہے تینے لوں؟ بتا دے نا ہم ابھی دور کریں۔ ہم تیرے بیٹے نا ہیں کے۔ کام رام تو سبھی کا ہے!"

"جیتے رہو بیٹا! تم یووک منڈل والے دیکھو سو۔ تم نے بیٹیو گام میں بڑا کام کرا ئے۔ سب کی بھلائی کا کام تم سدا کرتے رہو سو۔ کر بھلا، ہو بھلا، بیٹا تمھارا ابھی بھلا ہوگا۔ آج میرے دھورے کیونکر آئے بیٹا! کچھ کام تھے کے؟"

"تائی آج تینے کچھ بھلائی کرنی پڑے گی۔ یو گلی تو دیکھ، تیری جھونپڑی نے یو پکی نہیں ہوون دی۔ تینے اس جھونپڑی میں کے سُکھ سے۔ ساری ٹوٹی پڑی سے۔"

"بیٹا، یو ٹوٹی پھوٹی بڑوں کی یاد سے۔ نئی تو میں کیونکر بناؤں گی۔ اب کٹ گئی گھنٹری ساری تو، اب تو تھوڑی رہے سے وہ بھی کٹ جائے گی۔ تم نے جھونپڑی کے کہے سے کسی نے دُکھ رہے سے کے؟"

آج کلّو دادا زخمی ہو گئے تائی! اس گڈھے میں گر پڑے تھے۔ تو جھونپڑی ہٹا لیں دے تو تیری جھونپڑی بھی نئی بن جائے اور یوری گلی بھی پکی اور سیدھی ہو جائے اور سب نے آرام ہو جائے۔"

"ارے بیٹا میری جھونپڑی نے کسی نے دُکھ سے تو اس سے تو میں نے بھی سُکھ نا سے۔ تم کے چاہو سو۔ میرے دھورے پیسے تو سے نہیں، اور جس تریاں تم نے سُکھ ملے وہ کرلو۔ میں نے تو بیٹا تھوڑے بہت دن ٹکڑا اور کھانا سے۔"

"جیتی رہو تائی۔ تو کل ہم تیری جھونپڑی دوسرے کونے میں نئی بنا دیں گے اور یہ ہٹا کر گلی سیدھی اور پکی کر دیں گے۔ سارا گاؤں خوش ہوگا۔ بول راضی ہے تائی؟"

"اچھا بھائی، تھاری راجی میں بھی راضی سوں، تھارا جی کرے سو کرو۔"

"تائی نہالو کی جے۔ یووک منڈل زندہ باد۔"

۲

"راموتم سے ہمیں بڑی اُمیدیں ہیں بھیا، گاؤں بھر میں ایک بس تمھارا ہی سہارا ہے بھگوان

تمھاری عمر دراز کرے بھیا، ہم غریبوں کا اور کسی کو خیال نہیں ہے۔"

"میں کس لائق ہوں گلاب، میں نے تمھارے لئے کیا کیا ہے جو تم میرے لئے جان دیتے ہو؟"

"تم بڑے لائق ہو بھیا! بھگوان تمھاری عمر دراز کریں۔ یہاں تمھارے علاوہ سنتا ہی کون ہے!" ابھی کل ہی کی تو بات ہے۔ دیکھو نا، کیا بگڑ گیا تھا کنوئیں کا۔ اس کا پانی تو ویسا ہی ٹھنڈا اور میٹھا پھر بھی رہا۔ بھوما کے چھورے نے ایک بالٹی ہی تو ڈال دی تھی اس میں! اور کون سا اپرادھ کیا تھا اس نے! پر بھیا تم نہ ہوتے تو چھورے کی ہڈی پسلی کا پتہ نہ چلتا۔ اُف، کلیجہ دھک دھک کرنے لگتا ہے جب میں یاد کرتا ہوں بشنو پانڈے کی آنکھوں کو کیسی لال لال ہو رہی تھیں! اور وہ کیسے غصے سے کانپ رہے تھے۔ اس وقت اگر تم نے آکر ان کا ڈنڈا نہ پکڑ لیا ہوتا تو چھورا وہیں ٹھنڈا ہو جاتا! بھیا بشنو پانڈے کی کچھ ایسی خوفناک شکل ہے کہ میں تو جب اسے یاد کرتا ہوں تو میری گھگھی بندھ جاتی ہے۔"

"گھبراؤ نہیں گلاب! بشنو پانڈے ابھی اسی پرانے جگ میں رہ رہے ہیں۔ اس جگ کی باتوں کو بدلنے میں دیر لگے گی۔ پر آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"بشنو پانڈے اکیلے نہیں ہیں بھیا، ان کے ساتھی بہت ہیں۔ اور ہمارا آگے کی طرف کو بڑھنا ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں بھاتا۔"

"تمھارا خیال ٹھیک ہے۔ بشنو پانڈے اکیلے نہیں ہیں، چھوت چھات کا بھوت ابھی بہتوں کے سر پر سوار ہے، مگر یہ بھی تو سوچو کہ میں اور تم بھی تو اکیلے نہیں ہیں۔ ہم نے گاؤں میں یووک اور مہیلا منڈل کی تنظیم اسی مقصد کے لئے کی ہے۔ کہ ہم سب مل کر گاؤں سے تمام لعنتوں کو دور کر دیں گے۔ سب کی سیوا کریں گے۔ اور گاؤں کی ترقی کی راہ میں جو رکاوٹیں آئیں گی، انھیں ہٹائیں گے۔ یہ اونچ نیچ، چھوت چھات اور امیر غریب کا جو فرق ہے، وہ بغیر علم کی روشنی کے دور نہیں ہوگا۔ پر اس روشنی کے پھیلنے میں کچھ وقت لگے گا۔ آج شام کو ہمارے منڈل کی بیٹھک ہوگی۔ تم بھی آنا اس میں۔"

× × × × ×

یووک منڈل کا جلسہ ایک گیت سے شروع ہوتا ہے۔

بھارت کے کونے کونے سے ان پڑھتا مول مٹانا ہے
ہر نر ناری کو آج پڑھا بھارت کا بھاگیہ جگانا ہے

اب بیت چکیں راتیں کالی، چھائی گھر گھر میں اجیالی
بھارت کے ہر نر ناری کو جا یہ سندیش سنانا ہے
ہے آزادی سے ہمیں پیار، پیارے اپنے ادھیکار ہیں،
پڑھ لکھ، اچھے شہری بن کر اب اس کا مول چکانا ہے
سب جان سکیں دنیا کیا ہے، ہم کون ہیں کرنا کیا ہے
اِس امر گیان کی جیوتی کو گھر گھر میں آج جگانا ہے

• بھائیو"۔ لوک منڈل کے صدر تقریر کرنے کھڑے ہوئے • یہ گیت جو آپ نے سنا بڑے موقعے کا ہے۔ سب جان سکیں دنیا کیا ہے، ہم کون، ہمیں کیا کرنا ہے، اِسی گیان کو پھیلانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ کل جو واقعہ ہوا وہ آپ سب لوگوں کو معلوم ہے۔ یہ چھوت چھات ہمارے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہے۔ اِسے ہمیں دھونا ہے۔ آپ صاحبان کی کیا رائے ہے؟"

• صدر صاحب، میری سمجھ میں تو یہ آتا ہے کہ کل ہم سب لوگ مل کر ہریجنوں کے لئے الگ ایک کنواں بنوا دیں۔ ان کی مصیبتیں دور ہو جائیں گی۔ اس کے بعد رہی چھوت چھات کے بھید بھاؤ نا کی بات تو وہ ہم آہستہ آہستہ گاؤں والوں کو سمجھا لیں گے۔"

• کیوں گلاب، ٹھیک ہے یہ رائے؟ تم لوگ ہمارے ساتھ محنت کرو گے؟"

• محنت تو میں ہی نہیں، میرے سب ساتھی کریں گے بھیا! لوگ، رگھائی، لڑکے، لڑکیاں، سبھی مگر کنواں بنے گا کہاں؟ زمین بھی تو سب کی سب گاؤں والوں کی ہی ہے!!"

• ارے بھائی، سب لوگ پنڈت، پانڈے ٹھاکر سے ہی ہیں!! ہاں تو بھائیو، ویسے تو مثل مشہور ہے،

ایک ہی ماٹی ایک کمہارا ایک سبن کا سرجن ہارا
ایک چاک بہو چتر بنایا ناد بندو کے بیچ سمایا

آدمی آدمی میں کوئی بھید نہیں ہے مگر جہالت کی تاریکی میں پڑے ہوئے کچھ لوگوں نے یہ عقیدہ بنا لیا ہے۔ اس عقیدے کو ختم کرنا ہے۔ آپ لوگوں کی رائے ہو تو کل ہی کام شروع کر دیا جائے۔"

• ضرور صدر صاحب، میرا ایک کھیت گلاب کے مکان کے پاس ہی پڑتا ہے۔ باپو کو میں راضی کر لوں گا۔ کھیت کے ایک کونے میں کنواں بن جائے گا۔ اور اسی اثناء میں ہم لوگوں کے دلوں کا تعصب اور تاریکی بھی

دور کریں گے۔ اور بھگوان نے چاہا تو کنوئیں کا افتتاح بشنو پانڈے ہی سے کرائیں گے۔ اور اگر وہ تیار نہ ہوئے تو اُن کا لڑکا تو ہمارے ساتھ ہے ہی۔"

"شاباش دوستو!! توکل ہم سب کام شروع کریں گے۔ گلاب تم بھی اپنے نوجوانوں کو لانا۔"

—— ۳ ——

"بھائیو! آج پندرہ اگست کا دن ہے۔ ہم نے ابھی ابھی اپنے قومی جھنڈے کو سلامی دیتے ہوئے اس کا گیت گایا۔ اس مقدس جھنڈے کے تین رنگ ہمیں بتاتے ہیں کہ ہمیں حوصلہ مندی کے ساتھ اپنے ملک کی حفاظت کرنی ہے۔ کوشش کر کے ملک کو دھن دولت سے مالامال کرنا ہے، اور اپنے ہم وطنوں کے دلوں میں نیک نیتی، محبت اور پریم، تیاگ اور قربانی، سچائی، خدمتِ خلق اور اہنسا کی جوت جگانی ہے۔ دوستو خدا سے دعا کرو کہ وہ ہم سب کو اس عہد پر ثابت قدم رہنے کی قوت عطا فرمائے۔

"دوستو آزادی آرام نہیں ہے۔ آزادی کا مطلب تو یہ ہے کہ ہر عورت مرد اپنے گھر کا مالک و مختار ہو۔ اپنے فرائض کو پہچانے اور دیش کا بھلا چاہنے والا بنے۔ سب لوگ کندھا لگائیں، مگر برابر برابر۔ دیش کی بھلائی کسی ایک کا کام نہیں ہے۔

"بھائیو، ہم نے اپنے گاؤں میں اچھے اچھے کئی اہم کام کئے ہیں، لیکن بہنوں کے آرام و آسائش کے لئے ابھی کچھ نہیں ہو پایا۔ گاؤں میں ان کے لئے الگ سے ایک مرکز کی سخت ضرورت ہے، جہاں وہ آزادی اور آرام کے ساتھ جا کر اپنے علم و واقفیت میں اضافہ کریں۔ پڑھیں، پڑھائیں، دستکاریاں سیکھیں، آپس میں میل جول اور ربط ضبط بڑھائیں، اندھے عقیدوں کے ماحول سے ایک عرصے کے لئے دور ہو جائیں۔ غرض سگھڑ گھر والیاں اور بیدار مغز مائیں بن سکیں۔ آج کی اس بیٹھک میں ہمیں اسی مسئلے پر سوچ بچار کرنا ہے۔"

"صدر صاحب، گاؤں میں ایک کمیونٹی سنٹر کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ یہی سنٹر دن کے وقت بہنوں کے کام آئے گا۔ اور شام کے وقت ہم لوگوں کے۔ کچھ خاص طور پر بہنوں ہی کے لئے نہیں، ہم لوگوں کے لئے بھی ایک مستقل جگہ کی شدید ضرورت ہے۔ جس کے بغیر کوئی انتظام ٹھیک نہیں بیٹھتا۔ سرمائے کا مسئلہ کچھ بہت مشکل نہیں ہے۔ اس عمارت کے لئے آدھا خرچ تو سرکار دے ہی دے گی۔ باقی آدھا ہم لوگ اکٹھا کر سکتے ہیں۔ مسئلہ دراصل زمین کا ہے۔ عمارت بنے گی کہاں؟"

"صدر صاحب، وہ تالاب ہے نا گاؤں کے اس کنارے پر وہاں کافی زمین خالی پڑی ہے۔ وہ دیکھنے

میں کاٹی نظر نہیں آتی کیونکہ چورس نہیں ہے' اور ایک گڑھا بھی وہیں موجود ہے۔ وہاں ہمارا سنٹر بن جائے تو کوئی ہرج نہیں ہوگا، ورنہ اس کے علاوہ تو کوئی دوسری زمین ملنی مشکل ہے"!

"جی ہاں صدر صاحب' راموکا خیال ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ میری رائے تو یہ ہے کہ ہم لوگ کل ہی سے محنت کا دان وہاں شروع کردیں۔ تالاب کو اور گہرا کر دیا جائے اور اس میں سے جو مٹی نکلے اس سے گڈھے کو پاٹ کر اس کی سطح اونچی کردی جائے۔ ایک پنتھ دو کاج۔ گاؤں والوں کو تالاب کی بھی تکلیف ہے۔ وہ بھی دور ہو جائے گی اور ہم لوگوں کو اپنا سنٹر بنانے کے لئے زمین ہاتھ آجائے گی۔ آہستہ آہستہ مکان بن جائے گا۔ اور اس کے سامنے کھلا ہوا میدان اور باغیچہ بہار دے گا"۔

"دوستو! میں آپ کی رائے سے متفق ہوں۔ مجھے اپنے یووک منڈل (نوجوان برادری) سے ایسی ہی امید تھی۔ تو کل سے ہم لوگ کام شروع کردیں گے۔ ٹھیک!!!"

× × × × ×

یہ ہیں دلی کے گاؤں میں ہونے والے کاموں کے کچھ نمونے۔ گاؤں کے نام نہیں دیئے گئے ہیں اور نہ افراد کے نام ہیں مگر ہیں یہ سب واقعات جن سے نوجوان برادریوں اور مہیلا منڈلوں کی تحریک سے جو کام ہوئے ہیں' ان کی ایک جھلک نظر آسکتی ہے۔ یہ چند ہی نمونے ہیں۔ اس طرح کے متعدد کام ان سنستھاؤں کے اہتمام میں آئے دن ہوتے رہتے ہیں اور ان کی تقریب سے یہ سنستھائیں گاؤں والوں میں اشتراک، اتحاد، محبت اور پریم، محنت دان اور ترقی وکاس کے جذبات کی پرورش کر رہی ہیں۔

ان نوجوان برادریوں کے اراکین گاؤں کے کتب خانوں، ریڈنگ روم، تفریح اور کھیل کود کے پروگرام روزانہ خود چلاتے ہیں۔ وقتاً فوقتاً آس پاس کے گاؤں کے بچوں، نوجوانوں اور خواتین کے درمیان مختلف قسم کے مقابلے بھی ہوتے ہیں۔ اور سبھائیں اور پندرہ روزہ کیمپ منعقد ہوتے ہیں۔ ان سرگرمیوں میں حاضری بھی خوب رہتی ہے۔ اور اس سے ان جماعتوں اور برادریوں کے جاندار ہونے کا ثبوت ملتا ہے۔ ابھی چند ہی دن ہوئے' ان برادریوں اور منڈلوں کی کئی ٹولیاں ٹریننگ کے لئے سفر پر بھی نکلی تھیں۔

اب اگر یہ نہیں تو سوشل ایجوکیشن کا اور کیا منصب ہے۔ یہاں جتنی سرگرمیوں کا ذکر کیا گیا ہے ان سب میں مقامی کارکن شرکت کرتے ہیں اور حصہ لیتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب ان کے اپنے کام ہیں اور یہی سبب ہے کہ ان میں جان ہوتی ہے اور نفع بخش ثابت ہوتے ہیں۔ ان تمام باتوں سے یہ سمجھنا آسان ہے کہ ابھی اتفاق و اتحاد سے گاؤں میں جو تنظیم عمل میں آتی ہے وہ سوشل ایجوکیشن کی تحریک کو کامیاب بنانے میں کس قدر ممد و معاون ہو سکتی ہے۔

سوشل ایجوکیشن میں کمیونٹی آرگنائزیشن کی حیثیت

کمیونٹی آرگنائزیشن ہندوستان کے لئے کوئی نئی یا اجنبی چیز نہیں ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ قدیم ہندوستان میں ذات پات کا جو نظام رائج تھا دنیا کی تاریخ میں وہ اپنی مثال آپ ہے۔ اس تنظیم کی بنیاد پیشے اور کام پر تھی۔ یہ نظام جو اپنی نوعیت کے اعتبار سے موروثی ہوتا تھا۔ ایک ایسی مکمل تنظیم تھی کہ جس کے ذریعہ ایک طرف تو اس بات کی ضمانت ہو جاتی تھی کہ سماج کے سارے کام اور ساری خدمات بغیر کسی رکاوٹ کے برابر جاری رہیں گی اور دوسری طرف ان کی کارکردگی اور مہارت میں بھی برابر اضافہ ہوتا رہے گا پیشے میں مہارت باپ سے بیٹے کو ملا کرتی تھی۔ اس وقت پیشے میں ہنرمندی پیدا کرنے کے لئے انفرادی کوششیں کافی تھیں اور تعلیم آج کی طرح بستی کے اوپر بار نہیں تھی۔ بستی کی تعلیم کا کام بیشتر مذہبی رہنما کیا کرتے تھے۔ وہ انفرادی اخلاق و اطوار اور سماجی آداب کی تبلیغ و اشاعت کے ذریعہ ایک بلند سماجی اور تہذیبی معیار قائم رکھنے میں لوگوں کی مدد کرتے تھے۔ مندر اس وقت صحیح معنی میں کمیونٹی سینٹر ہوا کرتے تھے۔ جہاں لوگوں کو ایک دوسرے سے ملنے جلنے اور سماجی تعلقات بڑھانے کا موقع ملتا تھا اور جس سے ساری بستی کو اپنا سمجھنے اور اس سے وابستگی رکھنے کا جذبہ پرورش پاتا تھا۔

یہ سماجی تنظیم جو ایک زمانے میں سارے ہندوستان کے لئے باعثِ فخر و امتیاز تھی اب عملاً مٹ چکی ہے۔ اس کے جو نشانات آج باقی بچ رہے ہیں وہ محض اس کا اوپری ڈھانچہ ہیں اور اصل روح ختم ہو چکی ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ آج جب کہ حالات بالکل بدل چکے ہیں اسے دوبارہ رواج دینا ممکن بھی نہیں ہے۔ کمیونٹی آرگنائزیشن کے ذریعہ سوشل ایجوکیشن کا کام کرنے میں اس پرانے نظام کے بہت سے اصولوں سے آج بھی استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ ان اصولوں کو سب سے زیادہ کسان منڈل قسم کے مختلف گروپوں کی تنظیم میں برتا جا سکتا ہے۔

پہلے جو گروپ ہوا کرتے تھے ان کی بنیاد وراثت پر ہوا کرتی تھی اور اس اعتبار سے ان کے مفاد بھی پورے ہو جایا کرتے تھے۔ گو آج یہ گروپ اس طرح کے نہیں بن سکتے ہیں لیکن جہاں تک زراعت اور کھیتی باڑی کا تعلق ہے کسان

طبقے کے مفاد مشترک ہوتے ہیں اور اگر ایک کمیونٹی یا گروپ کی حیثیت سے ان کی تنظیم کی جائے تو یہ بات ان کے حق میں بہت مفید رہے گی۔ سوشل ایجوکیشن اس گروپ سے فائدہ اٹھا کر بہتر ڈھنگ سے کھیتی کرنے کے لئے سائنسی معلومات فراہم کرنے کا انتظام کر سکتی ہے۔ پھر عمر اور مرد و عورت کے فرق کی بنیاد پر مختلف گروپ بنائے جا سکتے ہیں جیسے "یوتھ منڈل"، "مہیلا منڈل" وغیرہ۔ اس طرح کے گروپوں میں بھی مشترک مفاد اور ذہنی یگانگت کا احساس موجود ہوتا ہے۔ اس طرح سوشل ایجوکیشن کے لئے ان مختلف گروہوں کو ساتھ لے کر ان کی دلچسپیوں اور مفاد پر مبنی ایک ہمہ گیر اور لچکدار پروگرام کے ذریعہ کام کرنا ممکن ہوگا۔

غرض کمیونٹی اور اس کے مختلف دلچسپیوں اور مفاد والے لوگوں کے گروپوں کی تنظیم کے ذریعہ سوشل ایجوکیشن کے پروگراموں کو آگے بڑھانے کے لئے موافق اور سازگار فضا تیار ہوتی ہے۔ اس صورت میں اگر کوئی خطرہ پیدا ہوتا ہے تو وہ ہمارے سماج میں پرانے زمانے سے رائج مختلف گروپوں کا وجود ہے جن کو آج ایک دم نظر انداز بھی نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو سوشل ایجوکیشن کا ان کو مخاطب بنانا چاہیئے۔ انھیں ختم کر کے بستی کو نئے ڈھنگ پر منظم کرنے کی کوشش خطرے سے خالی نہیں ہے۔ اس سے بہت مہلک نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔

تعلیم کا مطمح نظر شخصیت کی نشو و نما ہوتی ہے اور اس حیثیت سے تعلیم بنیادی طور سے ایک شخصی عمل کا نام ہے مگر سوشل ایجوکیشن کی توجہ کا مرکز تعلیمی عمل کا سماجی پہلو ہوتا ہے۔ سماج کے ایک رکن کی حیثیت سے فرد کی نشو و نما کرنا ہی اس کا مقصد ہے۔ اس لئے افراد میں سماجی ذمہ داری کا شعور اور سماجی بیداری پیدا کرنے کی طرف ہی اس کا رجحان ہونا چاہیئے۔ سوشل ایجوکیشن پروگرام کے اسی پہلو کی انجام دہی میں کمیونٹی آرگنائزیشن مدد دے سکتی ہے۔

کمیونٹی آرگنائیزیشن عمل کے میدان میں: کام کے کچھ نمونے

بگ لک کے کسانوں کی ہمت

جن کے لئے کام کرنا ہے انھیں ساتھ لیجئے

ایک دائی کی ہمت

پورٹو ریکو میں کمیونٹی آرگنائیزیشن کی تحریک (کماری دبجا ورمانی)

بگ لگ کے کسانوں کی ہمت

گاؤں کے کسان اپنے مسائل کو ٹھیک انداز ہ کر کے اپنی ترقی کے لئے کیا کچھ کر سکتے ہیں؛ یہ "بگ لگ" کی بستی کی مثال سے اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے۔ بگ لگ ٹینیسی کی وادی امریکہ میں ایک چھوٹی سی بستی ہے یہاں کے لوگ بہت غریب تھے اور ایسی گمنامی میں زندگی بسر کرتے تھے کہ آس پاس کے لوگ انہیں نیچ سمجھتے تھے پر وہاں کے گرجا کے پادری ریورنڈ سادر نے جب سے ان کے سدھار کا کام اپنے ذمے لیا، اس وقت سے ان کی حالت بہت اچھی ہوگئی۔ پادری صاحب کا یہ تجربہ کمیونٹی آرگنائزیشن کے کارکنوں کے لئے اچھا نمونہ ہے۔

——— ایڈیٹر

بگ لگ ٹینیسی کی وادی میں ایک گمنام سی بستی تھی۔ وہاں تک پہنچنے کے لئے اگر آپ کسی لڑکے سے راستہ پوچھتے تو وہ منہ بنا کر کہتا "بگ لگ" ارے وہ کیا چماروں کی سی بستی دکھائی دے رہی ہے"۔ اونچی نیچی کڈھب سی زمین کا ایک ٹکڑا جہاں کسانوں کے پچاس خاندان جوں توں کر کے زندگی بسر کر رہے تھے۔

اس بستی میں سماجی سنستھا کے نام سے لے دے کے ایک گرجا تھا۔ یہ گرجا پچھلے بیس سال سے بستی کے سدھار کے کام میں لگا ہوا تھا۔ پہلے ایک عورت یہ کام کرتی تھی مگر اس کے بعد سنہ ۱۹۳۲ء میں گرجے کے ایک پادری ریورنڈ یوجین سمادر نے یہ کام اپنے ہاتھ میں لیا۔ ان کی شروع ہی سے یہ کوشش رہی کہ لوگ اپنی ضرورتوں کو سمجھ کر اپنی ترقی کے لئے مل جل کر اپنے آپ کام کریں۔ انھوں نے یہ بات دیکھ لی تھی کہ اس بستی کا جہاں نقد آمدنی کا اوسط کل ۴۰ ڈالر یعنی قریب قریب ایک سو چالیس روپے سالانہ ہے۔ پہلا مسئلہ معاشی ہے۔ انھوں نے اس معاشی پستی کو دور کرنے کے بہت سے جتن کر ڈالے مگر کامیابی نہیں ہوئی تھی۔ آخر سنہ ۱۹۳۸ء میں انھوں نے "حلقہ مطالعہ" کا طریقہ سوچا جو دوسری جگہوں پر کامیاب ہو چکا تھا۔

سب سے پہلے انھوں نے بستی کے کچھ جوشیلے لوگوں کو چن کر ان کی دو ٹولیاں بنائیں۔ ان ٹولیوں کی بیٹھکیں ہر ہفتہ کی

شام کو کسی نہ کسی ممبر کے گھر ہوتی تھیں۔ ریورنڈ سمانزر ان کی مدد کے لئے موجود ہوتے تھے۔

مگر انھوں نے سوچا میں ان کے ساتھ کب تک رہوں گا۔ لیڈر بھی انہی میں سے ہونے چاہئیں۔ اس خیال سے انھوں نے ٹولیوں کے ممبروں میں سے ہی لیڈر چنے پھر اسی طرح ہر ٹولی نے آپ ہی آپ اپنے مطالعے اور سوچ بچار کے لئے موضوع بھی طے کئے۔

ایک ٹولی نے یہ سوچنا طے کیا کہ بستی کی مالی حالت کو سدھارنے کے لئے مویشی پالنے کا طریقہ اپنانا کیسا رہے گا۔ دوسری نے کھیتی کے لئے ایک دوسرے کی مدد کے اصول پر سامان اور اوزار خریدنے کی بات پر سوچ بچار کرنے کا فیصلہ کیا۔ دونوں ٹولیاں الگ الگ بھی اپنی بیٹھکیں کرتی تھیں اور مہینہ میں ایک بار اپنی مل جل سبھا کرکے ایک دوسرے کی کوششوں اور ان کے تجربوں کو پرکھتی تھیں۔ کبھی کبھی ان مسائل کے جاننے والوں کو بھی بلا لیا جاتا تھا۔

مویشی پالنے کی اسکیم پر غور کرنے والی ٹولی نے فیصلہ کیا کہ یہ کام بستی والوں کے بس سے باہر ہے۔ اسے چھوڑ کر کوئی اور بات سوچنی چاہیئے۔

دوسری کمیٹی نے طے کیا کہ ہمیں اچھی کھیتی کے لئے اچھے اوزاروں کی ضرورت ہے مگر ہم میں سے ہر شخص یہ اوزار نہیں خرید سکتا اس لئے ہم سب کو مل کر جو ایک ضروری اوزار خریدنا چاہئیں اسے سب لوگ برتیں اور کرایہ دیں۔ کرائے کی رقم سے پھر اور اوزار خریدے جائیں گے۔

اس اسکیم کا نتیجہ بہت اچھا نکلا۔ بستی کے سب لوگوں نے اس پر ہاں کی۔ پہلے کھیت جوتنے، سراون کرنے اور بیج بونے کی مشین خریدی گئی۔ ایک پنچایت بنائی گئی جس کی دیکھ ریکھ میں مشین سے لوگ کام کرتے تھے اور کرایہ دیتے تھے۔

اسٹڈی کلب کی ٹولیوں نے سوچ بچار کا کام بند نہیں کیا۔ وہ برابر اپنے کام میں لگی رہیں۔ دئے سے دئے جلتا ہے کھیت جوتنے، بیج بونے اور سراون کرنے کی مشین سے شروع کرکے پنچایت نے اپنا کام یہاں تک پھیلا لیا کہ اس کے پاس ایک ٹریکٹر ایک پود لگانے کی مشین، ایک دندانے دار سراون، ایک آرا اور ایک بھوسے سے اناج نکالنے کی مشین موجود ہے۔

اس کے علاوہ اس پنچایت نے اور کاروبار بھی شروع کئے ہیں۔ ایک سمجھ دار دوست نے ایک ٹریکٹر، ایک مشین، ایک لوہار خانہ اور ایک رندہ مشین اپنے روپے سے خرید کر اس پنچایت کو دے دی ہے۔ پنچایت ان مشینوں کو تجارتی ڈھنگ پر چلاتی ہے جس کے منافع کی کچھ رقم روپیہ لگانے والے دوست کو مل جاتی ہے اور باقی کو پنچایت بے کار اوزاروں کو بدلنے اور نئے اوزار خریدنے پر خرچ کرتی ہے۔

پنچایت کا ایک بورڈ مکانوں اور کھیتوں کے لین دین کا کام کرتا ہے یہ اسکیم بستی کی بڑی اسکیموں میں سے ایک ہے۔ اس کے

ماتحت بورڈ نے بستی کے آس پاس کے بنجر اور پرتی پڑے ہوئے کھیت لے کر انھیں نئے بسنے والوں کو دے دیا ہے۔ اس کام کے لئے دان میں جو رقم ملی تھی وہ نئے بسنے والوں کو قسطوں پر دی جاتی ہے۔ یہ کام تھوڑا تھوڑا کر کے ہوا ہے اور اب اتنا ہو گیا ہے کہ دو سال کے اندر اکیس نئے خاندانوں کو مکان اور کھیت دے کر بسا دیا گیا ہے اور پنچایت کے پاس ۴۰۰۰ ڈالر (یعنی قریب قریب پچاس ہزار روپے) کی پونجی جمع ہو گئی ہے جس کے سود کی رقم سے بستی کی ترقی اور سدھار کے کام ہوتے ہیں۔

بستی کے نام سے ایک چھوٹا سا جنگل بھی خرید ا گیا ہے جو ۱۰۰ ایکڑ کے لگ بھگ رقبے کا ہے۔ یہ جنگل پوری بستی کی ملکیت ہے اس سے مویشیوں کی چراگاہ کا کام لیا جاتا ہے اور لکڑی سے مکانوں کی مرمت ہوتی ہے اور نئے مکان بنائے جاتے ہیں۔

اتنا ہونے پر بھی اسٹڈی کلب برابر اپنا کام کر رہے ہیں اور کئی طرح کی اسکیمیں سامنے ہیں۔ جیسے

۱۔ لکڑی کے کام کا ایک کارخانہ

۲۔ ملوں کو اور بڑھا کر بستی کو ایک صنعتی مرکز بنانا

۳۔ پھلوں کو ڈبوں میں بند کر کے ان کی تجارت کرنا۔

۴۔ ان منصوبوں کے لئے روپیہ حاصل کرنے کی غرض سے ساہوکاری کی اسکیم چلانا۔

ایک اسکیم جب کامیاب ہو جاتی ہے تو اس سے دوسری اسکیموں کی شاخیں پھوٹتی ہیں اور اس سے دوسرا قدم اٹھانے کا حوصلہ پیدا ہوتا ہے۔

بقیہ:۔ کمیونٹی آرگنائزیشن کا اولین منصب بقیہ صفحہ ۹۵

فرق نہیں ہے۔ فرق صرف اُن کے اور ہمارے طریقۂ کار کا ہے۔ اُن کے سامنے کاموں کے مقررہ نشانے (ٹارگیٹ) ہوتے ہیں جن کے بارے میں انھیں کام کی رفتار کی رپورٹ پیش کرنی ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں "دیہی تعمیر کی رضاکار جماعتوں کی انجمن" (اوارہ) کا جو پہلا سیمینار پٹنہ میں منعقد ہوا تھا، اس کے فیصلے بہت بنیادی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کا مطالعہ بہت مفید رہے گا۔

جن کے لئے کام کرنا ہو انھیں ساتھ لیجئے

سماج سیوا کی ننک میں جہاں بہت سے اچھے کام ہوئے ہیں' وہاں اس کا نتیجہ بُرا بھی ہوا ہے۔ خاص کر ہندوستان میں جہاں محکومی نے عوام سے اپنی مدد آپ کرنے کا جذبہ سرے سے ختم کر دیا ہے اور انھیں یہ عادت پڑ گئی کہ ان کے بھلے کے لئے دوسرے کام کرتے رہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ عوام سے بلا کچھ کہے سنے اور اُن کی تائید حاصل کئے بغیر قومی خادم ان کی اصلاح و ترقی کے منصوبے سوچتے ہیں اور عوام میں ان کے مطابق عمل کرتے ہیں۔ مگر اس سے حاصل کیا ہوتا ہے؟ اصلاح و ترقی کے منصوبوں کا اثر اتنا ہلکا ہوتا ہے — اگر کچھ ہوتا بھی ہے — کہ یہ قومی خادم ہمت چھوڑ بیٹھتے ہیں اور ان کے منصوبے دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔

ذیل کا مضمون اُسی طرح کے ایک منصوبے سے متعلق ہے۔ اس سے یہ اندازہ ہوگا کہ کوئی منصوبہ فلسفیانہ نقطۂ نظر سے خواہ کتنا ہی نتیجہ بخش کیوں نہ ہو اگر اس کے پیچھے عوام کی تائید نہ ہو تو بالکل بے نتیجہ ہوتا ہے۔

— ایڈیٹر

فلوردانا کاونٹی کے ہائی اسکول کے پرنسپل اور گھریلو معاشیات کے استاد نے کاونٹی میں گوشت، مچھلی اور پھل وغیرہ کو ڈبے میں بند کرنے کے ایک کارخانے (کینیری) کی ضرورت اور اس کے معاشی فوائد پر غور و خوض کر کے اس کے لئے تمام تجویزیں مرتب کر لی تھیں۔ وہ جگہ بھی تجویز کر لی تھی جہاں یہ کارخانہ قائم ہونے والا تھا۔ گھریلو معاشیات اور زراعت کے استادوں نے کاونٹی اور اس کے مضافات میں جا جا کر پھلوں اور اشیاء غذا کی پیداوار اور ان کے معاشی اور تجارتی پہلوؤں پر فکر اور سبق دے ڈالے تھے اور یہ یقین کر لیا تھا کہ اس مقام پر کینیری کے کامیاب ہونے کے اتنے امکانات ہیں کہ حکومت یقیناً اس میں امداد دے گی۔

گرمیں اس موقع پر جب کہ اسکول کے اسٹاف کے لوگ کینری کی عمارت بنانے کے لئے اپنے طور پر تیاریاں مکمل کر چکے تھے، حکومت نے عمارت اور مشینوں کے لئے رقم دینے سے صاف انکار کر دیا۔

مگر نلووانا کاؤنٹی کی کینری کی اسکیم کے مصنفین سمجھ دار تھے دوسروں کی آنکھ کا شہتیر دیکھنے سے پہلے انھوں نے سوچا کہیں اپنی ہی آنکھ میں تنکا نہ پڑ گیا ہو اور بات اُن کی سمجھ میں آ بھی گئی۔ انھوں نے محسوس کیا، ہم چند آدمیوں کے سوچنے اور حکومت کو لکھنے سے کیا ہوتا ہے۔ حکومت تو عوام کی آمادگی اور مرضی دیکھنا چاہتی ہے۔ ہم نے منصوبہ تو مکمل کر لیا مگر عوام کو اپنے ساتھ نہیں لیا۔ اور حکومت نے اس صفائی سے جو انکار کیا ہے اس کا یہی راز ہے۔"

اب انھوں نے صحیح راستہ اختیار کیا۔ حکومت کے پاس جانے سے پہلے انھوں نے عوام کو کینری کی اسکیم کی اہمیت سمجھانے کی مہم شروع کی۔

اس مہم کے دو پہلو تھے۔ (۱) عوام پر کاؤنٹی میں کینری میں ایک کارخانے کی ضرورت اور اس کے معاشی اور کاروباری فائدے واضح کرنا اور (۲) انھیں اس بات پر آمادہ کرنا کہ وہ کاؤنٹی بورڈ کے افسران کے پاس خط لکھیں کہ وہ کینری کھولنے کے لئے پبلک فنڈ سے انھیں امداد دیں اور بورڈ کی دوسری میٹنگ ہونے والی ہو تو وہاں پہنچ کر ان سے زبانی طور پر اپنی بات کہیں۔

اسکول کے پرنسپل نے کاؤنٹی کے ہر شہری کے نام ایک خط لکھا جس میں کینری کے فائدے کے اعداد و شمار نہیں دئے گئے تھے۔ بلکہ شہریوں اور ان سے زیادہ ان کی بیویوں سے گھر کی ایک بڑی ضرورت۔ پورے ہونے کی بات نہایت صاف اور سیدھے طریقے پر کہی گئی تھی۔ "آپ کے پاس پھلوں کے جنگل ہیں۔ آپ کو پھلوں، مچھلی، گوشت اور دوسری چیزوں کو محفوظ کرنے کے لئے دس جتن کرنے پڑتے ہیں۔ تب کہیں جا کر مشکل سے دو چار مرتبان تیار ہو پاتے ہیں۔

"کاؤنٹی بورڈ آپ کی خدمت کرنا چاہتا ہے، مگر پہلے اسے یہ یقین ہونا چاہئیے کہ خود کاؤنٹی کے لوگ کینری بنانا چاہتے ہیں یا نہیں۔

پھر آخر ہمیں لوگ کیوں پیچھے رہیں؟ ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے۔ ہمارے پڑوس کی کاؤنٹی کو اسی کام کے لئے دس ہزار روپیہ منظور ہوا ہے اور ایک دوسری کاؤنٹی کے لئے ساڑھے تیرہ ہزار۔ ورجینیا کے ضلعے میں اس طرح ۵۰ سنٹر قائم ہیں۔ پھر ہمیں کیوں پیچھے رہیں؟

اس مہم میں سرکاری افسران سے لڑائی کا مطلقاً کوئی پہلو نہیں تھا نہ ان کے اوپر کسی قسم کی نکتہ چینی کی گئی تھی۔ یہ خالصۃً ایک تعلیمی مہم تھی اور بس۔

یہ خط ڈاک سے بھیجے جا سکتے تھے یا اسکول کے طالب علموں کے ذریعے اُن کے سرپرستوں تک پہنچائے جا سکتے ہیں۔ مگر ان صورتوں کے متعلق یہ اندیشہ محسوس کیا گیا کہ ممکن ہے اس طرح ان پر کوئی توجہ نہ دے اور پڑھ کر ردّی کی ٹوکری میں ڈال دے۔ چنانچہ خطوں کو گھروں پر جا کر دینے کا انتظام سوچا گیا۔ کاؤنٹی کے حلقے بنائے گئے اور ہر حلقہ اس حلقے میں یا اس کے آس پاس رہنے والے ایک استاد کے سپرد کیا گیا۔

پروگرام یہ بنایا گیا کہ استاد گھر گھر جا کر صاحب خانہ کو پرنسپل کا خط دے بلکہ اس کے سامنے اُسے پڑھ کر سنائے' اس سے کینری کے مختلف پہلوؤں پر تبادلۂ خیال کر کے اسے اپنا شریک بنائے اور کوئی کاؤنٹی بورڈ کو لکھنے کی آمادگی ظاہر کرے تو اس سے خط لے کر فوراً اسے ڈاک کے سپرد کر دے۔

ایک مہینے کے اندر اندر اُستادوں نے کاؤنٹی کے ۱۲۰۰ گھروں کو خطوط دیئے اور ان میں سے ۹۰۰ خاندانوں کی طرف سے بورڈ کو خط لکھوائے۔

کاؤنٹی بورڈ کے ایک افسر نے یہ دیکھ کر کہا "بس اب ہمیں کسی خط کی ضرورت نہیں ہے۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ عوام نے اپنی خواہشوں کا اظہار اس شدّ و مد سے کیا۔

بورڈ کی میٹنگ کے دن کاؤنٹی کے ۵۰ باشندے وفد لے کر پہنچے اور بورڈ سے کینری کے لئے روپے کی منظوری کے لئے اصرار کیا۔ ان میں بہت سے ایسے لوگ بھی تھے جو سب سے زیادہ ٹیکس ادا کرتے تھے اور کینری کے لئے اسی بنا پر زور دے رہے تھے کہ اس سے دوسروں کو جاڑوں میں اچھی غذا ملنے کے امکانات ہیں بلکہ وہ خود بھی اپنے لئے اس قسم کا کوئی بندوبست چاہتے تھے۔

بورڈ نے کینری کے لئے مطلوبہ رقم یعنی ۸ ہزار روپے کی منظوری دے دی۔

جن لوگوں نے اس مہم میں جوش سے حصّہ لیا تھا انھوں نے اور جوش کے ساتھ کام کرنا شروع کیا۔ انھوں نے طے کیا کہ اب کینری قائم ہو گئی ہے تو ایسا نہ ہو کہ اس کے لئے کام نہ رہے بلکہ اس میں جتنی طاقت ہے۔ اتنا کام یقیناً آنا چاہیئے۔ چنانچہ وہ اپنے پھلوں کو لاتے اور انھیں ڈبوں میں بند کراتے' اپنے پڑوسیوں کو لاتے' عزیزوں اور رشتہ داروں کو لاتے' اسکولوں کے سرپرستوں نے طے کیا کہ اسکولوں میں خواہ مخواہ بچوں کو گرم غذائیں دی جاتی ہیں' کیوں نہ اسکول بھی کینری سے فائدہ اٹھائیں اور بچوں کے لئے اچھی چیزیں محفوظ کرا کے رکھ لیں۔ ان کے علاوہ کاؤنٹی کے لوگوں نے بھی جنھوں نے بورڈ کے افسروں کو خط لکھے تھے' اپنی بیویوں کو تیار کیا کہ وہ کینری میں جا کر پھل' مچھلیاں اور گوشت محفوظ کرا لیا کریں۔ اس کام میں انھوں نے ان کی مدد بھی کی۔

کاؤنٹی میں جو لوگ چیزوں کو کینری تک پہنچانے کے لئے کوئی انتظام نہیں کر سکتے تھے یا جن لوگوں کے باغات کینری سے دور واقع ہوئے تھے اور وہ آسانی سے پھلوں کے ٹوکرے کینری تک نہیں لا سکتے تھے ان کے لئے اسکول کے پرنسپل نے ایک ٹرک

انتظام کیا ... کو خود چلاتا تھا، اور اس خیال سے کہ کرائے اور پیٹرول کے دام نکل آئیں تھوڑا سا کرایہ مقرر کر رکھا تھا جو آسانی سے لوگ ادا کر سکتے تھے۔

اب تو یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ کینری پر میلہ سا لگا رہتا تھا۔ کام کا کام ہوتا اور پکنک کا مزہ الگ آتا۔ پھر باری آنے تک بیچ میں جو وقت بچتا اس میں غریب لوگ مزدوری کر کے پیسوں کے بدلے دوسری چیزیں لے لیتے اور دوسرے لوگ آپس میں اپنی اپنی فاضل چیزوں کی ادلا بدلی کر کے اپنے اپنے لئے انواع و اقسام کی چیزیں فراہم کر لیتے۔

کینری میں روزانہ ایک ہزار ڈبے محفوظ رکھنے کی صلاحیت تھی، مگر کام اتنا بڑھ گیا تھا کہ اکثر و بیشتر نو بجے رات تک کام ہوتا تھا۔ سب سے بڑا ریکارڈ ٹماٹر اور آڑو کے ۲،۰۰۰ ڈبے تیار کرنے کا تھا اور گوشت ایک ایک دن میں پانچ پانچ من ڈبوں میں محفوظ کیا گیا۔ غرض جس فصل میں کینری قائم ہوئی اس کے ختم ہونے تک کل ۲۰،۰۰۰ ڈبے بھرے گئے جن کی قیمت پھل بکری کی شرح سے کوئی ۶۵ ہزار روپے ہوتی ہے۔

کینری کے قائم ہو جانے کے بعد اب اور بھی منصوبے کاؤنٹی کے سامنے ہیں۔ مثلاً کارخانے میں ایک کھانے کا کمرہ بنانے کا منصوبہ جہاں دور دور سے آئے ہوئے لوگ اپنا دوپہر کا کھانا آرام سے کھا سکیں۔ اس کمرے میں یہ اہتمام ہوگا کہ بیچ میں ایک پردے کی دیوار ہوگی تاکہ مرد الگ اور عورتیں الگ رہ کر اپنے اپنے پھل وغیرہ ڈبوں میں بند کرنے کے لئے صاف کر سکیں۔ کمرے کے لئے زر کا معاملہ ہے تو جس جوش و خروش سے لوگ آتے ہیں اُسے دیکھتے ہوئے یقین ہے کہ وہ اکٹھا ہو جائے گا۔

دوسروں کے لئے فلوروانا کاؤنٹی کا مشورہ ہے کہ "اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کی خواہش پوری ہو تو پہلے آپ خود اپنی خواہش کو سمجھنے کی کوشش کیجئے اور پھر اسے دوسروں کو جتلانے کی کوشش کیجئے کہ اُسے رد کرنے کی کسی کے پاس دلیل نہ رہ جائے۔ سماج سیوک ہوں یا سرکاری افسر آپ کے دل میں گھر کر کے آپ کی خواہش معلوم نہیں کریں گے۔"

ایک دائی کی ہمت

رابون امریکہ کی ریاست جارجیا کی ایک معمولی سی کاونٹی ہے، بیشتر علاقہ سوائے ایک قصبے کلیٹن کے دیہی ہے۔ اس کی بستیاں دور دور بکھری ہوئی ہیں، اور بیچ بیچ میں اونچی نیچی پہاڑیوں کی وجہ سے ایک دوسرے سے بالکل الگ ہوگئی ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ کاؤنٹی میں بعض بہت اچھے اور زرخیز فارم ہیں، لیکن بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں جو روزی کی تلاش میں پہاڑیوں سے ٹکراتے پھرتے ہیں یا بڑے بڑے فارموں میں مزدوری کرکے اپنا پیٹ پالتے ہیں۔

سنہ ۱۹۳۹ء تک رابون کاونٹی میں اپنا کوئی صحتی ادارہ نہیں تھا بلکہ اس نے پاس کی دو کاؤنٹیوں کے ایک صحتی یونٹ سے اپنے آپ کو وابستہ کرلیا تھا۔ لیکن یہ انتظام کچھ اطمینان بخش نہیں تھا چنانچہ ضلع کے افسر فرنیک اے۔ سمتھ نے ایک مرتبہ کاونٹی کے تمام اداروں کو بلایا تاکہ ان سے مل کر صحت کے سلسلے میں عوام کی خدمت کا ایک منصوبہ بنائیں۔ بہت سے علاقوں میں کوئی عوامی ادارہ یا سبھا نہیں تھی، مگر اس وجہ سے انھیں چھوڑا نہیں گیا بلکہ کچھ سماج سیوکوں نے ان کی نمائندگی کی۔ آپس کے صلاح مشورے سے کاؤنٹی کے لئے "کاونٹی ہیلتھ اینڈ ویلفیئر کاؤنسل" کے نام سے ایک صحتی ادارہ بنایا گیا۔

کاؤنسل کے سامنے دوسرے صحتی مسائل کے ساتھ ایک اہم مسئلہ یہ آیا کہ کاؤنٹی میں بچے جنوانے کے لئے بس عطائی دائیاں ملتی ہیں، جن کے طریقے بالکل غیر صحت بخش ہوتے ہیں اور اکثر زچہ و بچہ کی زندگیاں اور صحت خطرے میں رہتی ہے۔ کاونسل نے اس مسئلے کے حل کے لئے ریاست کے محکمۂ صحت کی طرف رجوع کیا جہاں سے یہ تجویز آئی کہ کاؤنٹی کی چند دائیوں کو ٹرننگ دلا دی جائے۔

اگرچہ یہ تجویز کاؤنسل کو کچھ جچی نہیں لیکن اس نے کاؤنٹی ہی کی ایک نرس کو ریاست کے محکمۂ صحت کے خرچ پر دائی گیری کی ٹرننگ کے لئے بھیج دیا۔ نرس ٹرننگ لے کر آئی تو اب اس کے سامنے یہ مسئلہ تھا کہ کاؤنٹی بھر کی دائیوں کو ٹرننگ دے۔ اس نے پوری کاؤنٹی کا ایک جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ کاونٹی کی ضرورت کے لئے کم سے کم بیس دائیوں کو ٹرننگ دینا ہوگی اور ان میں سے بعض ایسے دور افتادہ مقامات میں رہیں گی جن کے لئے سال میں دو تین کیس سے زیادہ کام نہیں ہوگا

چنانچہ یہ خیال چھوڑ کر تربیت یافتہ دائی نے کاونسل سے شکایت کی کہ اس سے اچھا یہ ہوگا کہ کاونٹی میں ایک زچہ خانہ قائم کر دیا جائے۔

تجویز منظور ہوگئی تو اب سوال سرمائے کا آیا۔ ضلع کے افسر نے کہا کہ کاونٹی کے بجٹ سے ۱۵۰ ڈالر ماہانہ دیئے جا سکتے ہیں۔ مقامی پنچایت گھر نے اپنا جائزہ لیا اور بتایا کہ پنچایت گھر سے بھی یک مشت ۵۰۰ ڈالر مل جائیں گے۔ اس کے علاوہ بھی چندوں سے ۱۵۰ ڈالر کی رقم مل گئی۔ یہ کام چل نکلا اور ایک معمولی سا مکان کرائے پہلے کر اس میں زچہ خانہ قائم کر دیا گیا۔ مگر ابھی اس میں بیک وقت سات زچوں سے زیادہ کی گنجائش نہیں تھی۔ سرمایہ کا سوال ابھی پورے طور پر حل نہیں ہوا تھا اور اس کے لئے کوشش جاری تھی۔ چنانچہ کاونٹی میں سے چھانٹ کر صاحبِ استطاعت شہریوں سے فرمائش کی گئی کہ وہ زچہ خانہ کے لئے اپنی آمدنی میں سے دس ڈالر چندہ دیں۔ یہ اپیل بے نتیجہ نہیں رہی اور سب لوگوں نے خوشی خوشی اپنا چندہ دے دیا۔

زچہ خانہ سب کے لئے عام رکھا گیا ــــ امیر اور پیسے والے کے لئے بھی اور غریب اور نادار کے لئے بھی۔ پالیسی یہ رکھی گئی کہ اس سے استفادہ سب کریں گے اور جو لوگ معاوضہ دے سکیں گے، معاوضہ دیں گے۔ جو لوگ نقدی کی شکل میں کچھ نہیں دے سکیں گے، ان سے اُن کی حیثیت کے مطابق جنس کی شکل میں جو کچھ ملے گا لے لیا جائے گا، جو جنس کی شکل میں بھی کچھ نہ دے سکیں گے، ان کے خاندان کے مردوں سے کچھ کام لے لیا جائے گا، مگر روپیہ پیسہ نہ ہونے کی وجہ سے کسی زچہ کو سنٹر سے واپس نہیں کیا جائے گا۔

سماج سیوا کے اس اہم کام کی کامیابی کا سہرا بیشتر کاونٹی کی نرس اور تین مقامی ڈاکٹروں کے سر ہے، نرس کو تو جیسے سنٹر کو کامیاب بنانے کا جنون ہوگیا ہے اور ڈاکٹر بھی اپنے مطب کے اوقات کے علاوہ اس سنٹر میں اپنے فاضل اوقات بھی لگاتے ہیں۔ سبب بھی ہے کہ اس سنٹر کی عدم موجودگی کی صورت میں انھیں گھروں پر مشورہ دینے کے لئے تکلیف دہ قسم کی سڑکوں اور کھائیوں سے گذر کر بعض اوقات بیس بیس پچیس پچیس میل کی دوڑ لگانی پڑتی تھی۔ اب سنٹر کی گاڑی کی وجہ سے زچہ کو بھی سہولت ہوگئی ہے اور یہ ڈاکٹر بھی دوڑ سے نجات پا گئے ہیں۔

سنٹر کا تعلیمی کام

سنٹر اگر صرف اتنا ہی کرتا کہ بچے جنوا دیتا اور زچہ اور بچہ کی صحت کے لئے اچھے سے اچھا انتظام کر دیتا تو اس کی کوئی نمایاں حیثیت نہ ہوتی، اس لئے کہ ملک کے بہت سے زچہ خانوں اور ہسپتالوں میں سے ایک ہوتا اور بس۔ مگر کاونٹی کی نرس کی نظریں اس سے اور آگے دیکھتی ہیں، وہ جانتی ہے کہ زچہ خانے میں جو عورتیں آتی ہیں ان کا تعلیمی معیار اونچا نہیں ہے اور دیہاتی ماحول میں رہنے کی وجہ سے وہ ان باتوں سے یکسر ناواقف ہیں جن پر عمل کرنا حمل اور دودھ پلانے کے ایام میں ضروری ہوتا ہے اور ان پر عمل نہ ہوسکنے کی صورت

میں ان کی اور بچے کی صحتیں خطرے میں پڑ جاتی ہیں۔ چنانچہ وہ زچگی کے دس دن کے زمانے سے جب کہ زچہ ہر قسم کے گھریلو افکار سے آزاد رہتی ہے اور اس کا دماغ ماحول کی اس تبدیلی سے باتیں قبول کرنے کے لئے تیار رہتا ہے فائدہ اٹھاتی ہے اور ان کی خدمت کے ساتھ ساتھ ان کی تربیت اور تعلیم کا بھی انتظام کرتی ہے۔

سنٹر کے معمولات میں سے ایک ضروری معمول زچوں سے روزانہ بات چیت اور تبادلۂ خیال بھی ہے۔ اس بات چیت میں بچے کے رکھ رکھاؤ، اسے دودھ پلانے کے صحیح اوقات اور [illegible]، دودھ پلانے کے زمانے میں ماں کی صحت کے لئے ہدایات جیسے مسئلے اور عنوانات آتے ہیں اور نرس ان کے متعلق عملی اور آسانی سے برتی جانے والی ہدایتیں اور مشورے دیتی ہیں اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ دس دن کی مدت کے بعد جب زچہ اپنے گھر واپس جائے تو وہ خود اپنی اور بچے کی صحت و تندرستی کے گروں سے بخوبی واقف ہو جائے اس پر عمل کر سکے۔ زچہ خانہ سے گھر واپس چلے جانے کے بعد بھی سنٹر کی نرس وقتاً فوقتاً ان کے گھریلو ماحول میں رہ کر صحت قائم رکھنے کی تدبیریں بتا آتی ہے۔

سنٹر جنوری ۱۹۴۳ء میں کھلا تھا۔ آٹھ دس مہینے تک تو وہ اسی معمولی سے کرائے کی عمارت میں رہا مگر اس کے بعد بستی اور کاؤنٹی میں اسے اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ عمارت بنوانے کے لئے ۵۰۰ ڈالر کی رقم اکٹھا ہو گئی اور یہ یوں ہی اخباروں میں چند مضامین لکھنے اور لوگوں میں اس کی افادیت کی زبانی تبلیغ کرنے سے ہوا۔ اس کے لئے نہ بڑی بڑی اپیلیں کرنی پڑیں اور نہ کوئی بڑی مہم۔ نجی چندوں کی اس رقم کی بنیاد پر حکومت سے بھی ۱۷ ہزار ڈالر کا عطیہ مل گیا اور سنٹر کے لئے ایک نئی عمارت بن گئی۔ اب سنٹر اسی عمارت میں منتقل ہو گیا ہے۔ اب اس میں سات کی جگہ بیس زچوں کے لئے گنجائش ہے، دو تین پرائیوٹ کمرے ہیں۔ ایک چھوٹا سا دار الاطفال (ـــــ) ہے، ویٹنگ روم ہیں، دفاتر ہیں اور اچھے قسم کے باورچی خانے ہیں۔

قائم ہونے کی تاریخ سے ۱۸ مہینے کی مدت میں ۲۰۰ بچے جنوائے گئے، کاؤنٹی کی شرح پیدائش کا تقریباً ۹۰ فی صدی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہر زچہ کو ایک ڈاکٹر اور ایک نرس کی خدمات حاصل ہیں یہ بات اُس وقت جب کہ سنٹر نہیں کھلا تھا، اور ایک ہی پھوہڑ قسم کی دائی زیادہ تر زچوں کو دیکھتی تھی، حاصل نہیں تھی۔ سنٹر کے قائم ہو جانے سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا ہے کہ ہونے والی ماؤں کو اپنی اور بچے کی صحت اور پرورش کے متعلق تعلیم مل جاتی ہے جو گھروں پر جا کر بچہ جنوانے کی پرانی حالت میں ممکن نہیں تھا۔ گھروں پر جا کر حالت دیکھنے کا معمول اب بھی جاری ہے اور وہ سنٹر بھی قائم ہیں جہاں ولادت سے پہلے کی دیکھ بھال اور دوا علاج کا انتظام ہے۔ مگر زچہ خانہ قائم ہونے سے ایک بات یہ حاصل ہوئی ہے۔ جو اس کے بغیر گھروں پر زچگی کا انتظام ہونے کی صورت میں کبھی حاصل نہیں ہو سکتی ـــــ کہ مائیں ولادت کے زمانے میں ہفتہ عشرے تک کے لئے تمام افکار اور پریشانیوں سے جن کا اُن کی صحت پر بہت برا اثر ہوتا ہے، آزاد رہتی ہیں اور ایک پُر سکون، صاف ستھرے اور خوشگوار ماحول میں رہنے کا موقع

مل جاتا ہے۔

رابون کاونٹی کے لوگوں کو اس زچہ خانہ پر بہت فخر ہے اگر آپ سنٹر کو دیکھنے کی غرض سے جائیں اور کسی مقامی آدمی سے اس کا پتہ پوچھیں تو وہ اس انداز سے آپ کو جواب دے گا گویا سنٹر اس کی اپنی ملکیت ہے، پتہ تو وہ بتا ہی دے گا، مگر اس کے ساتھ ساتھ اتنا اور کہے گا،

"آپ ہماری کاونٹی کا زچہ خانہ دیکھیں گے تو حیران رہ جائیں گے۔ اتنی ذرا سی جگہ اور اس میں بچے جنوانے کا اتنا بڑھیا سینٹر! ہماری کاونٹی کی بہترین چیزوں میں سے ایک ہے یہ!!"

(ماخوذ)

پورٹوریکو میں کمیونٹی آرگنائزیشن ———— بقیہ ص۱۱۹ کا

کے پروگرام میں سب سے زیادہ اہمیت رکھتا ہے۔

دیہات کے لوگوں میں کام کرنے کا یہ ایک نرالا ڈھنگ ہے۔ اس طریق کار کو اپنا کر کام کرنے سے انھیں یہ بات بالکل نہیں محسوس ہوتی کہ سرکاران کے معاملات میں دخل دے رہی ہے۔ یہی محسوس کرتے ہیں کہ وہ خود اپنا کام کر رہے ہیں اور انھیں اپنے کاموں کو دوسروں کے سہارے پر نہیں چھوڑنا چاہیئے۔

پورٹوریکا کا دورہ کرنے کے بعد اس خواہش کا پیدا ہونا ایک فطری بات تھی کہ ہم اس طریقے کو اپنے ملک میں بھی اپنائیں، مگر دوسرے ہی لمحے میرے سامنے اپنے ملک کا نقشہ تھا۔ اس کی وسعت اور روایت پرستی تھی اور سرکاری افسروں کا رعب داب اور غیر جمہوری رویہ تھا۔ اس خیال کا آنا تھا کہ یہ خواہش ایک دم سے گھٹ کر رہ گئی۔ نہ معلوم کب ہمارے سماج سے اونچ نیچ اور چھوٹے بڑے کا فرق ختم ہوگا۔ شاید بڑے چھوٹے کا احساس ہمارے دلوں میں اسی وقت سے موجود ہوتا ہے جب ہم اس دنیا میں آنکھ کھولتے ہیں۔ ہم پرانے رسم و رواج کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ یہ تو ہے عام جنتا کی بات۔ ان کے سوچنے کا ڈھنگ میں کب تبدیلی آئے گی، یہ بتانا تو مشکل ہے، مگر اتنا تو ہو ہی سکتا ہے کہ جن سرکاری افسروں کا تعلق گاؤں والوں اور گاؤں والوں کی زندگی سے ہوتا ہے وہ اپنے رویئے میں تبدیلی پیدا کریں، گاؤں والوں کو اپنا بھائی بند سمجھیں، ان کے ساتھ ہمدردانہ سلوک اور پریم کا برتاؤ کریں۔

مس وبھا ورمانی (جامعہ رورل انسٹی ٹیوٹ)

پورٹوریکو میں کمیونٹی آرگنائزیشن

پورٹوریکا ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔ یہ ۱۸۹۸ء تک اسپین کے ماتحت رہا۔ اُس سال اور دوسرے جزیروں کے ساتھ اسپین نے اِسے بھی امریکی حکومت کو سونپ دیا۔ اِس جزیرے کا رقبہ ساڑھے تین ہزار میل سے بھی کم ہے اور کل آبادی بائیس ہزار کے قریب ہے۔ یہاں کی خاص پیداوار کافی اور گنّا ہے۔

پورٹوریکا کے باشندے اسپینی زبان بولتے ہیں جزیرے کی آبادی کا بیشتر حصّہ کافی کے باغات اور گنّے کے فارموں میں مزدوری کر کے گذارا کرتا تھا۔ آج سے بیس سال پہلے وہاں کی حکومت نے زمین کا نئے ڈھنگ سے بٹوارا کیا اور مزدوروں کو بھی زمین کا حقدار بنا دیا۔

پورٹوریکا کے سرسبز میدان اور وہاں کے سیدھے سادے باشندوں کو دیکھ کر مجھے ایک دم اپنا وطن ہندوستان یاد آ گیا۔ وہاں کے لوگ بھی ویسے ہی سیدھے سادے ہیں جیسے ہندوستان کے گاؤں کے لوگ ہوتے ہیں۔ ان کے مسائل بھی بیشتر ہمارے ہی مسائل کی طرح ہیں، مگر ایک بات میں یہاں کے لوگ ہندوستان والوں سے بالکل مختلف ہیں۔

ہم ایک گاؤں میں گئے ہوئے تھے۔ گاؤں کے بڑے بوڑھوں کے سامنے ایک ایسی سڑک بنانے کا مسئلہ درپیش تھا جو ان کے گاؤں کو بڑی سڑک سے ملا دے۔ سڑک بنانے کے لئے سرمائے کی ضرورت تھی اور گاؤں والوں کے پاس بھلا اتنا سرمایہ کہاں۔ پھر سڑک بنے تو کیسے بنے۔ اِس موقع پر ایک بارہ سال کے لڑکے نے بے جھجک اپنی رائے کا اظہار کیا کہ اس کے لئے میئر سے درخواست کی جائے۔ سب ہی لوگوں نے اُس لڑکے کی اِس تجویز کو پسند کیا۔

میئر کی زندگی ظاہر ہے بہت مصروف ہوتی ہے۔ خط کے ذریعے ان کے پاس اطلاع کرائی تھی کہ گاؤں کے کچھ لوگ اُن سے ملنا چاہتے ہیں۔ سارے گاؤں میں ایک نوجوان خاتون ایسی تھی جو اس مضمون کا خط لکھ سکتی تھی۔ گاؤں والوں نے اُس سے خط لکھنے کی درخواست کی۔ اور اُس نے بڑی خوشی سے یہ کام کر دیا۔

بھلا اس واقعے میں ہمارے لئے کون سی بات اہمیت رکھتی ہے۔ ذرا سوچئے کہ ہمارے یہاں بڑے بوڑھوں کی محفل میں کوئی طفل سال بچہ اپنی زبان کھولنے کی ہمت بھی کر سکتا ہے؟ اور کیا اُس کی باتوں پر لوگ اتنی سنجیدگی سے غور کر سکتے

ہیں ؟ اور کیا ذرا ذرا سے کام کے لئے گاؤں کے لوگ کسی عورت سے درخواست کر سکتے ہیں ؟

جمہوری طرزِ زندگی کا چلن صحیح معنوں میں ہمارے یہاں ہے ہی نہیں پورٹوریکا میں سب کا مرتبہ اور سب کی حیثیت برابر مانی جاتی ہے۔ اُن کا یقین ہے کہ خدا نے عقل کی تقسیم میں اس بات کا لحاظ نہیں رکھا ہے کہ بچوں کو کم اور بڑوں کو زیادہ ملے۔ یا عورتوں کے مقابلے میں عورتوں کو کم ملے۔ ان کے سماج میں سب کا درجہ ایک برابر مانا جاتا ہے۔

اس برادری اور مساوات کا احساس ہمیں ایک اور جگہ بھی ہوا جب میں نے ایک ورکر سے دریافت کیا کہ "آپ کے باس کہاں ہیں، میں اُن سے ملنا چاہتی ہوں" تو وہ ہکّا بکّا رہ گیا۔ مجھے بھی بہت تعجب ہوا۔ جب میں نے دیکھا کہ لفظ "باس" (BOSS) اُس ورکر کے لئے بالکل اجنبی تھا۔ کچھ دیر بات چیت کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا کہ یہاں مختلف آدمی مختلف کام تو ضرور کرتے ہیں مگر اُن میں کوئی اونچ نیچ کا امتیاز یا فرق نہیں ہوتا۔ وہاں سب کارکن اپنے مرتبے اور منصب کے اعتبار سے ایک حیثیت رکھتے ہیں۔

اِس طرح کی برابری اور مساوات سے کام کرنے والوں کے دلوں میں کتنا جوش، کتنی ہمت اور کتنی لگن پیدا کی جاسکتی ہے۔ ان کا اندازہ ان لوگوں کو دیکھ کر آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔

ہم نے اس گاؤں میں جو کچھ دیکھا وہ ہمارے لئے ایک خواب وخیال کی دُنیا تھی، ہمیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا تھا۔ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ حقیقت نہیں بلکہ ایک ناٹک ہے جو ایک وسیع اسٹیج پر کھیلا جا رہا ہے۔ اور اس کی حقیقت کٹھ پتلی کے کھیل سے کچھ زیادہ نہیں ہے جس کا تار پس پردہ تماشا دکھانے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور کٹھ پتلیاں اُس کے اشاروں پر ناچتی ہیں۔

یہ تو وہ خیالات تھے جو ہمارے ذہن پر اُس وقت نقش ہوئے تھے جب ہم نے اِس گاؤں کی سرزمین پر قدم رکھا تھا۔ مگر اب جب سوچتی ہوں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرا وہ اندازہ کچھ بہت غلط بھی نہیں تھا۔ اور اس کے لئے اُسی طرح سے تیاری کی گئی تھی جس طرح کسی ڈرامے کو اسٹیج کرنے میں تیاری کی جاتی ہے۔ اور اس کام میں پورٹوریکا کے کمیونٹی ایجوکیشن کے محکمے نے نمایاں حصّہ لیا تھا۔

جب اِس جزیرے کے لئے اصلاح و ترقی کے منصوبے بنائے گئے اُس وقت ایسے کارکنوں کی تلاش ہوئی جو ان منصوبوں کو چلا سکیں۔ کچھ ماہرین ان آدمیوں کی تلاش میں نکلے اور گاؤں گاؤں میں گھومتے پھرے۔ انہوں نے چھ مہینے کی مسلسل کوشش کے بعد ایسے ۲۷ آدمی چُن لئے جنھیں اس کام کی مخصوص ٹریننگ دی گئی۔ یہ لوگ اس ٹریننگ کے بعد عوام میں بیداری لانے کے کام میں لگا دیئے گئے۔

یہ چالیس آدمی کون تھے۔ یہ گاؤں ہی کے لوگ تھے جنھیں ٹریننگ کے بعد اپنے اپنے گاؤں میں واپس بھیج دیا گیا۔ یہ کارکن چونکہ اسی گاؤں کے رہنے والے تھے اس لئے ان کا سبھی سے تعلق تھا۔ کوئی ان کا چاچا تھا تو کوئی تایا، کوئی پھوپھا تو کوئی دادا۔ ان لوگوں کے درمیان کام کرنا ان کے لئے آسان تھا۔ ان کارکنوں کی بدولت چند ہی سال کے اندر پورٹوریکا کے گاؤں کی کایا پلٹ ہوگئی۔

کارکن کے پاس ایک گاڑی ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ چند کتابیں، ایک پروجیکٹر اور ایک ڈائری ہوتی ہے۔ یہ ڈائری ایک طرح سے اس کا دست و بازو ہے۔ اس میں وہ اپنا پروگرام لکھتا ہے۔ وہ باتیں جو اُسے کسی وقت سمجھ میں آتی ہیں ان کو درج کرتا ہے۔ رات کو بھی یہ ڈائری وہ اپنے سرہانے رکھتا ہے تاکہ اگر رات کو سوتے ہوئے بھی کوئی نئی بات اُسے سوجھے تو اٹھ کر ڈائری میں نوٹ کرے۔

حکومت کی طرف سے لوگوں کی امداد کے لئے کئی محکمے قائم ہوتے ہیں۔ عام طور سے لوگ ان محکموں اور ان کے کاموں سے واقف نہیں ہوتے۔ انھیں یہ نہیں معلوم ہوتا کہ انھیں کن دشواریوں کے لئے کس محکمے سے رجوع کرنا چاہیئے۔ اکثر تو انھیں اپنی دشواریوں کا علم تک نہیں ہوتا۔ ان کے اندر آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کی خواہش ہوتی ہی نہیں۔ ہمارے یہاں گاؤں میں آج یہی صورت حال ہے۔ لیکن پورٹوریکو میں کمیونٹی ایجوکیشن کے محکمے نے لوگوں کے اندر اپنی ترقی اور خوشحالی کی بھوک پیدا کرلی۔ لوگوں میں اتنی بیداری لادی ہے کہ وہ اپنی مشکلات اور ضرورتوں کو سمجھنے لگے ہیں اور انھیں حل کرنے میں انھیں کہاں سے کیا سہولیت مل سکتی ہے۔ اس کا انھیں علم ہوگیا ہے۔ جس گاؤں کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے۔ اس گاؤں میں یہ کام اسی ڈھنگ سے ہوا تھا۔

ایک دوسرے گاؤں کا ایک عجیب و غریب واقعہ ہمیں سنایا گیا۔ وہاں ٹیوب ویل سے سنچائی کرنے کا انتظام کیا گیا تھا۔ اس جگہ سے ایک گاؤں ذرا اونچائی پر واقع تھا۔ دوسرا گاؤں نشیب میں تھا۔ جو گاؤں اونچائی پر تھا، وہاں پانی نہیں پہونچ سکتا تھا۔ ان دو گاؤں کے لوگوں میں اس بات پر کشیدگی رہنے لگی۔ اس موقع پر کمیونٹی ایجوکیشن کے کارکن نے لوگوں کی رہنمائی کی۔ اس نے اُن دونوں گاؤں میں ایسی کتابیں تقسیم کیں جن میں اسی طرح کے مسائل سے بھرپور کہانیاں شامل تھیں۔ لوگوں کے دلوں میں یہ بات گھر کرنے لگی کہ وہ آپسی میل جول کے ذریعہ اس مشکل کا حل نکال سکتے ہیں۔ وہ اس نتیجے پر پہونچے کہ پمپ کے ذریعہ پانی اوپر چڑھایا جا سکتا ہے۔ آخر سب کی متحدہ کوشش سے یہ پمپ بھی لگ گیا۔ اور لوگ امن اور اتحاد سے ہنسی خوشی رہنے لگے۔

کمیونٹی ایجوکیشن کا طریقہ کار: آپس میں سر جوڑ کر بیٹھنا اور مسائل پر بات چیت کرنا، کمیونٹی ایجوکیشن

میٹرک باٹ

لازمی

یکم اکتوبر ۱۹۶۰ء سے ذیل کے علاقوں میں سبھی لین دین میں میٹرک باٹوں کا استعمال لازمی ہوگیا ہے۔ تمام تجارتی میٹرک باٹوں پر محکمہ ناپ وتول کے حکام کی مہر ہونا ضروری ہے۔ دوسرے بغیر مہر والے باٹوں کا استعمال غیر قانونی ہوگا۔

آندھرا پردیش: وشاکھاپٹنم، کرشنا، گنٹور، کرنول، حیدرآباد، ورنگل اور نظام آباد کے اضلاع اور ریاست کی تمام باضابطہ منڈیاں۔

آسام: ضلع نوگاؤں اور گوہاٹی شہر۔

بہار: بھاگل پور، درانچی ڈویژن اور پٹنہ وترہٹ ڈویژنوں کے میونسپل اور نوٹیفائڈ علاقے۔

گجرات: احمدآباد، راجکوٹ، بڑودہ کے شہر اور ریاست کی تمام باضابطہ منڈیاں۔

کیرالہ: کوزی کوڈ، ارناکلم اور کولم کے اضلاع۔

مدھیہ پردیش: سیہور، اندور، گوالیار اور جبل پور کے اضلاع۔

مدراس: مدراس، چنگل پٹ، جنوبی ارکاٹ، شمالی ارکاٹ کے اضلاع اور ریاست کی تمام باضابطہ منڈیاں۔

مہاراشٹر: بمبئی، پونا، ناگپور، اورنگ آباد، شولاپور، کولاپور، اکولہ، امراوتی، واردھا، یوٹ مال کے شہر اور ریاست کی تمام باضابطہ منڈیاں۔

میسور: بنگلور، رائچور، دھارواڑ کے اضلاع اور ریاست کی تمام باضابطہ منڈیاں۔

اڑیسہ: برہم پور، کٹک اور سمبل پور کے شہر۔

پنجاب: امرتسر، جالندھر، لدھیانہ، انبالہ، پٹیالہ اور گوڑگاؤں کے اضلاع اور ریاست کی تمام باضابطہ منڈیاں۔

راجستھان: اجمیر، بیکانیر، جودھپور، جے پور، کوٹہ، اور اودے پور کے اضلاع۔

اترپردیش: میرٹھ، آگرہ، لکھنؤ، بریلی، مرادآباد، درانسی، کانپور، جھانسی، الہ آباد اور گورکھپور کے شہر۔

مغربی بنگال: کلکتہ اور ہوڑہ کے میونسپل علاقے۔

دہلی: دہلی کا سارا علاقہ

ہماچل پردیش: منڈی اور سرمور کے اضلاع

منی پور: امپھل شہر

تری پورہ: اگرتلہ شہر

جزائر انڈیمان ونکوبار: پورٹ بلیر شہر

پانڈی چری: پانڈی چری کا سارا علاقہ

★

ذیل کی صنعتوں اور کاروباروں میں بھی لین دین میں میٹرک باٹوں اور پیمانوں کا استعمال لازمی ہوگیا ہے:
پٹ سن، سوتی کپڑے، لوہا، فولاد، انجنیئری سازوسامان، بھاری رسائن، سیمنٹ، نمک، کاغذ، ریلیں، پٹرولیم، غیر آہنی دھاتوں اور ربڑ کی صنعتوں وناسپتی، صابن سازی، اوتی چیزیں تیار کرنے کی صنعت، کپاس کے وعدہ بازار کے کنٹرول میں اور کافی بورڈ کے لین دین میں۔

میٹرک نظام
آسانی و یکسانی کے لئے

جاری کردہ بھارت سرکار

Registered No. D. 1125

BOOKS FOR FURTHER REFERENCE

1. The Small Community by Aurthur E. morgan.

2. Small Communities in Action by Jean and Jess ogden.

3. Pilot Project India by Albert Mayer.

4. Community welfare organisation by Herbert Hewitt Stroup.

5. Our Neighbourhood by the National Council of Social Services, London.

6. Working with People in Small Communities by clarence king.

7. Adult Edn. miscellany Indian Adult Edn. Asson.

8. Social Group work in Great Britain Edited by Peter Kuenstler.

9. Social Progress through Community Development Publisher United Nations Publications.

1 The Development of Social Administration by R. K. Gardiner and H. O. Tudd.

Indian Village by S. C. Dube.

India's Changing Villages by S. C. Dube.

Rural Reconstruction in Action by Harold B. Allen.

Community action for Edn. by John W. Polley, Josephs, Loretan & clara F. Blitzer.

Three Basic Institutions by ministry of Community Development & Co-opration Govt. of India.

The Small Community looks Ahead by Wayland J. Hayes.

Your Committee in Community Action by Clarence King.

Printer and Publisher : BARKAT ALI Firaq
Printed at RAMA Krishna Printing Press DELHI.

ادارۂ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

نومبر ۱۹۶۰ء

جلد ۱۱ شمارہ ۱۱

ترتیب

بانی :۔ شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر :۔

پروفیسر محمد مجیب

برکت علی فراق

رفیق محمد شاستری

دفتر :۔

ماہنامہ تعلیم و ترقی ۔ جامعہ نگر ۔ نئی دہلی

قیمت :۔

سالانہ چار روپے ۔ فی پرچہ ۳۰ نئے پیسے

ٹیلیفون : ۴۴۶۲۲

پرنٹر پبلشر برکت علی فراق نے کوہ نور پریس لال کنواں دہلی میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا۔

جامعہ کے چالیس سال

شیخ الجامعہ پروفیسر محمد مجیب کا خطبۂ استقبالیہ جو موصوف نے جامعہ کی چالیسویں سالگرہ کے موقع پر راشٹرپتی ڈاکٹر راجیندر پرساد کا استقبال کرتے ہوئے پڑھا تھا۔

راشٹرپتی جی، امیر جامعہ، خواتین اور حضرات

جامعہ کی بنیاد چالیس برس ہوئے اس یقین کے ساتھ رکھی گئی تھی کہ ہندوستان آزاد ہوگا اور سچی قومی تعلیم ہماری جنتا میں ایک نئی جان ڈال دے گی۔ ہماری امیدیں پوری ہو گئی ہیں۔ ہندوستان آزاد ہے ہماری تعلیم بالکل ہمارے ہاتھ میں ہے آج ہم جامعہ ملیہ کے کام کرنے والے جامعہ کی چالیسویں سالگرہ منا رہے ہیں ہمارے راشٹرپتی جی جن سے ہمارا بہت پرانا تعلق ہے ہم میں تشریف رکھتے ہیں ہم میں ایسے لوگ ہیں جو جامعہ کی خدمت اس وقت سے کر رہے ہیں جب کہ وہ قائم ہوئی تھی ایسے لوگ ہیں جنھوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ یہاں گذارا ہے۔ ہم میں بہت سے لوگ نئے حوصلے لے کر شامل ہوئے ہیں۔ جامعہ ملیہ بڑھتی رہی ہے بدلتی رہی ہے اس کے مقاصد پر اب بھی بحث ہو رہی ہے اور یہ اس کی علامت ہے کہ وہ لوگ جو خود اس کے مختلف کاموں کو انجام دے رہے ہیں اور وہ جو کسی نہ کسی طریقے پر ان میں شریک رہے ہیں جامعہ کے مقاصد سے صحیح قسم کی دلچسپی رکھتے ہیں۔ بے شک یہ ہمارے لئے خوشی اور شکرگذاری کا موقع ہے۔

جامعہ کے بہت سے بانی تھے۔ مولانا محمود الحسن صاحب، مہاتما گاندھی، حکیم اجمل خاں، مولانا آزاد، ڈاکٹر انصاری، مولانا محمد علی۔ ہم کو اس پر فخر ہونا چاہیے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جامعہ کا وجود بہت سے عقیدوں اور تمناؤں کا سنگم ممتاز مفکروں اور ملک کے رہنماؤں کے درمیان قدر مشترک تھا۔ اسے جو نام دیا گیا اس سے اس کے منصب کے تین پہلوؤں پر روشنی پڑتی ہے یعنی یہ کہ جامعہ ایک آزاد تعلیم گاہ ہوگی وہ شہریت کے نصب العین کو طرح طرح سے سامنے لاتی رہے گی اور وہ اعلیٰ دینی اور روحانی سرچشموں سے ہدایت حاصل کرے گی۔ ہم نے جامعہ کے منصب کے تینوں پہلوؤں کو ایک عملی مجموعی شکل دینے کی کوشش کی ہے۔ ہم آزاد رہے، شہریت کے تصور کو واضح کرتے رہے اور دین کی پیروی کے معنی سمجھتے اور سمجھاتے رہے۔ مہاتما گاندھی نے

سب سے پہلے ہندوستان کی تعلیم میں آزادی کو معیار قرار دیا اور انھیں کو اس پر بہت اصرار تھا کہ جامعہ ملیہ اسلامیہ ایک اسلامی ادارہ ہو۔ ہمارے لئے یہ ایک جذباتی مسئلہ تھا وہ اسے خالص عقلی نقطۂ نظر سے صحیح مانتے تھے۔ ہم نے یہ تو مان لیا کہ جامعہ کو نام اور منصب کے لحاظ سے ایک اسلامی ادارہ ہونا چاہیئے مگر ہمیں اپنے کام سے اس تنگ نظری اور تعصب کو نکالنے میں دشواریاں پیش آئیں جو سارے ملک میں ایک وبا کی طرح پھیلا ہوا تھا دین کے خالص سرچشموں سے ہدایت ہمت اور خود اعتمادی حاصل کرنے اور اپنے کام اور اپنے معاملوں میں اس کی ترجمانی کرنے میں بھی ہماری بڑی سخت آزمائش ہوئی۔ ہمارا ہر قدم صحیح نہیں پڑا۔ ہم بالکل سیدھے آگے نہیں بڑھ سکے لیکن منزل کبھی ہمارے دل سے دور اور نظروں سے اوجھل نہیں ہوئی۔ اس خیال سے ہمیں بہت سہارا ملا کہ گاندھی جی ہم کو اور ہمارے کاموں کو محبت اور اعتماد کے ساتھ دیکھ رہے ہیں وہ ہماری غلطیوں کو مسکرا کر معاف کر دیں گے اور انھیں امید رہے گی کہ جو کچھ ہم آج نہیں کر سکتے وہ کل ضرور کر دیں گے۔ دو مرتبہ انھوں نے ہمیں ڈوبنے سے بچایا کہیں ہم نے ٹھوکر کھائی کہیں راستے سے بھٹک گئے مگر جو جھنڈا انھوں نے ہمارے ہاتھ میں دیا تھا اسے ہم آج بھی لہرا رہے ہیں۔

صرف ہمارے لئے نہیں بلکہ ان تمام لوگوں کے لئے جنھوں نے گاندھی جی سے ہدایت چاہی، گاندھی جی سے تعلق ایک طرح کا چیلنج بن گیا۔ ان میں اس کی خداداد صلاحیت تھی کہ ہر ایک کو اپنا جوہر دکھانے پر آمادہ کرلیں ہر خیال اور ہر منصوبے کی اہمیت کو واضح کر دیں۔ ہمارے ابتدائی مدرسہ کی اہمیت ایک اچھے مگر بہت چھوٹے مدرسے کی سی رہتی جسے تعلیمی عجائبات تلاش کرنے والے آکر دیکھا کرتے ہمارا استادوں کا مدرسہ اندھیرے میں ٹٹولتے ہوئے ایک قدم آگے بڑھنے کی مثال ہوتا اگر گاندھی جی نے ایسے نظام تعلیم کا مطالبہ نہ کیا ہوتا جو اپنی جگہ مکمل ہو اور اپنا خرچ آپ برداشت کر سکے اور اگر انھوں نے جامعہ کو بنیادی تعلیم کی قومی تحریک سے وابستہ نہ کر دیا ہوتا۔ انھیں اصرار تھا کہ تعمیری کام کرنے والے کو جنتا کی ضرورتوں کو مقدم سمجھنا چاہیئے اور اس سے ہم کو احساس ہوا کہ ہمیں جتنا کام جامعہ کے اندر کرنا ہے اتنا ہی اس کے باہر کرنا ہے ہمیں علم کی اشاعت کرنا ہے جہالت کو مٹانا ہے ایسے ادارے قائم کرنا ہے جن میں مختلف عقیدے رکھنے والے لوگوں کا میل جول ہو سکے۔ ہم نے بچوں کے لئے کتابیں اسکولوں کے لئے بہتر ریڈریں نوخواندہ لوگوں کے لئے کتابچے چھاپے سماجی تعلیم کے مرکز گشتی کتب خانے کمیونٹی ہال بالغوں کے اسکول قائم کئے۔ اب ہمارے یہاں نرسری سے بی۔ اے تک کی تعلیم ہوتی ہے استادوں کے لئے دو مدرسے ہیں ایک رورل انسٹی ٹیوٹ ہے ایک سماجی تعلیم کا شعبہ اور ریسرچ انسٹی ٹیوٹ۔ ہمارا کبھی یہ ارادہ نہیں تھا کہ اپنے کام کو سرمایہ سمجھ کر اس کے اجارہ دار بن جائیں اور ہم نے ضرورت اور مصلحت کو دیکھ کر کبھی کسی کام پر زیادہ توجہ کی ہے کبھی کسی پر۔ شاید سب سے زیادہ شوق اور جوش کے ساتھ ہم نے گاندھی جی کے اس خیال کو قبول کیا کہ ہر شخص میں ہر کام کی استعداد جیسی ضرورت ہو ویسا کرنے کی خواہش اور صلاحیت ہونا چاہیئے ہم نے پاخانے صاف کئے ہیں کپڑے دھوئے ہیں کھانا پکایا ہے جھاڑو دی ہے اپنے ہاتھ سے چیزیں بنائی ہیں مگر [illegible]

کا یہی کچھ دوران میں سے ہر ایک کام کو انجام دینے سے ہم کو خوشی اور تسلی حاصل ہوئی ہے ہم نے ہر قسم کے تعلیمی مشغلوں کو
خوب سوچ سمجھ کر ایک دوسرے کے ساتھ مل کر ایک دوسرے کے مزاج اور طبیعت کو سمجھ کر انتظام کرنے کی قابلیت پیدا کی ہے ہمیں
اس پر کچھ ناز ہے کہ ہم حالات اور ضرورت کو دیکھ کر جس کام پر جاتے ہیں اپنی پوری توجہ اور محنت لگا دیتے ہیں اور اس میں ہم کو
جو شوق اور مہارت حاصل ہوئی ہے وہ گاندھی جی کی اس ہدایت کا اثر ہے کہ ہر کام کا اور ہر کام کرنے والے کا احترام کرنا چاہیئے۔

لیکن دل میں ہم سمجھتے رہے ہیں کہ ہمارا خاص منصب ہندوستان میں اس کیفیت کو پیدا کرنا ہے جسے پہلے فرقہ وارانہ
اتحاد کہا جاتا تھا اور جسے اب ہندوستانی قوم کی جذباتی اور تہذیبی یک جہتی اور ہم آہنگی کہا جاتا ہے۔ جامعہ میں ہم نے اپنے آپ کو
کسی نام اور کسی اصطلاح کا پابند نہیں کیا ہم نے کہا کہ ہمارا کام تعلیم دینا ہے اور ہم تعلیم میں سبھی کچھ شامل کرتے رہے۔ ہم نے دیکھا
ہے کہ جذباتی ہم آہنگی کو ایک باقاعدہ منصوبہ بنایا جاتا ہے تو اس کی کامیابی ذرا مشکل ہو جاتی ہے ہم نے خود منصوبے بنائے ہیں
جو تھوڑی مدت کے لئے اور بعض اعتبار سے کامیاب ہوئے۔ فرقہ وارانہ عداوت جب شدت پر تھی تو ہم نے قرول باغ میں
سماجی تعلیم کے سینٹر اور کمیونٹی ہال قائم کرکے دوستانہ میل جول کے موقعے پیدا کئے۔ مگر اس میل جول سے جو اعتبار اور اعتقاد
پیدا ہوا وہ سیلاب آنے پر تنکے کی طرح بہہ گیا ہم آہنگی پیدا کرنے کی بعض ترکیبوں کو ہم نے آزمایا ہی نہیں۔ ہم نے عبادت کا
کوئی ایسا معمول نہیں بنایا جس سے نوجوانوں کے ذہن نشین کیا جاتا ہے کہ دراصل سب مذہب ایک ہیں۔ ہم نے رواداری کی
بھی باقاعدہ تعلیم نہیں دی۔ علمی اور تعلیمی اعتبار سے ہم نے اس بات کو صرف مانا ہی نہیں بلکہ اس پر زور دیا کہ مذہبوں میں اختلاف
ہے دوسری طرف ہم نے کہا کہ آدمی کا آدمی ہونا ہمارے لئے کافی ہے ہم سب کے ساتھ ایک سا برتاؤ اور اچھا برتاؤ کریں گے
ہم احسان کریں گے اور بغیر سبب اور شرط کے کریں گے۔ ہمارے پاس جو ہندو یا سکھ یا عیسائی طالب علم آیا اس نے بے تکلف اپنی
ضرورت کو بیان کیا اور اس کا یقین رکھا کہ ہم اس سے ہمدردی کریں گے بلکہ اس کی خاطر زحمت اٹھانا اپنا فرض سمجھیں گے اس کی
وجہ سے ہم پر اور ہماری نیت پر ایسا بھروسا کیا جانے لگا کہ جس پر ہم فخر کر سکتے ہیں۔ اب یہ کہنا کافی نہیں ہے کہ جامعہ ایک تعلیمی ادارہ
ہے جس کے دروازے ہر مذہب کے لوگوں کے لئے کھلے ہیں۔ اب جامعہ ایک تعلیمی خاندان ہے جسے مفاد اور محبت دونوں متحد رکھتے ہیں
خاندان کے رکن مختلف مذہبوں کے پیرو ہیں اور اس اختلاف سے ان کی یگانگت میں ذرا بھی فرق نہیں آتا۔ خاندان قائم ہے
اس کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے گھر میں رہنے والے بدلتے رہتے ہیں۔

اب یہ سوال اٹھتا ہے کہ جامعہ جس مقصد سے قائم کی گئی تھی اس نے جو تعلیمی کام کیا ہے اور اب بھی کر رہی ہے ہنر اور استعداد
کے جس تصور کا اس نے پرچار کیا ہے اس کا وہ مسلک جس نے اسے ملک میں دوستی اور یگانگت کی علامت بنا دیا ہے اسے ہم کا
مستحق کر دیا ہے یا نہیں کہ اسے مختلف درجوں کی اعلیٰ تعلیم کا بڑے پیمانے پر انتظام کرنے کے لئے وسائل دیئے جائیں تعلیم کا معیار

یہ مقصد ہوتا ہے کہ نوجوانوں کو کام اور روزگار کے لئے تیار کرے اور یہ بات اچھی ہو یا نہ ہو ملازمت اس کو ملتی ہے جس کے پاس منظور ڈگری ہو۔ جامعہ اپنے وسائل سے فائدہ نہ اٹھا سکے گی جب تک کہ اسے پارلیمنٹ قانون کے ذریعے ڈگری دینے کا اختیار عطا نہ کرے۔ ایک اور سوال اس زمانے میں اٹھا ہے کہ جامعہ کو یونیورسٹیوں کی طرح ہر مضمون کی تعلیم دینا چاہیئے یا اعلیٰ تعلیم میں اپنے لئے کچھ مضمون مخصوص کر لینا چاہیئے۔ ایک کمیٹی نے جس کے صدر جسٹس ایس آر داس تھے یہ سفارش کی ہے کہ جامعہ کا کام محدود نہ ہو کیونکہ کام محدود ہو جانے پر بہت سے طالب علم جو روزگار کے لئے تعلیم حاصل کرتے ہیں یہاں نہ آسکیں گے اور جامعہ تعلیمی دنیا سے کٹ کر الگ ہو جائے گی۔ گویا کمیٹی نے سفارش کی ہے کہ جامعہ قومی اہمیت رکھنے والا ادارہ بننے کی خاطر اپنے دستور اور مقاصد میں تبدیلی نہ کرے اور یہ بات مناسب ہے کیونکہ سماج سے الگ رہنے کی خواہش ہمیں نہ پہلے کبھی تھی اور نہ اب ہے۔ جامعہ میں استاد اس وجہ سے آئے کہ وہ اپنے آپ کو آزادی اور مساوات کی حوصلہ پرور فضا میں تعلیم کے اعلیٰ مقاصد حاصل کرنے کے لئے وقف کرنا چاہتے تھے اور اگر تنخواہیں بڑھ گئیں اور وسائل مہیا ہو گئے تو اس کا نتیجہ یہ نہ ہوگا کہ جو مقاصد ہمیں اب دل سے عزیز ہیں وہ بے اثر ہو جائیں آزادی اور مساوات کے وہ نشے جو ہماری طبیعتوں میں سرائت کر گئے ہیں خمار کی طرح دور ہو جائیں۔ اب بھی ہم ہر اول ہیں اب بھی ہم احتیاط کی وضع کو چھوڑ کر نقصان اٹھانے کے لئے تیار ہو کر نئے کام شروع کرتے ہیں۔ آپ جس طرف بھی دیکھئے اور خاص طور سے دل کی ان وسعتوں میں جہاں اب تک محبت اور مروت کی صدائیں نہیں گونجی ہیں ہمیں آپ آگے بڑھتے دیکھیں گے۔ ہم کہتے ہیں کہ جامعہ کا نام اسلامی ہے اور سیرت اسلامی تو اس سے مراد یہی سب کچھ ہوتا ہے۔ ہم اپنے آپ کو مسلمان کہہ کر کسی حق کا مطالبہ نہیں کرتے ہیں ہم تو اس کا اعلان کرتے ہیں کہ جو ضروری اور مفید کام کوئی اور نہ کرے وہ ہم کریں گے۔ دل کی گہرائیوں سے جو موتی دوسرے نہ نکال سکتے ہوں انھیں ہم نکال لائیں گے۔ ہم مذہب اور تہذیب کے ذریعے وہ رشتے قائم کریں گے جو ایک کو دوسرے کا مزاج شناس ہمدرد اور دوست بنا دیتے ہیں اور احترام خلوص اور سچائی کے نغموں سے لطف اور محبت کی وہ فضا پیدا کریں گے جس میں ہنر پرورش پائے اخلاق کا حسن اپنے جلوے دکھائے اور ہندوستان کے مستقبل کی روشنی آنکھوں کا نور بن جائے۔

(محمد مجیب)
شیخ الجامعہ

۱۲ر نومبر ۱۹۶۰ء

گجرات نیشنل سیمینار

گجرات نیشنل سیمینار جو اس سلسلے کا گیارہواں سیمینار تھا، اور جس کا موضوعِ بحث "سوشل ایجوکیشن کی تحریک میں کمیونٹی آرگنائزیشن کا درجہ" تھا، جام نگر کے قریب ایک گاؤں "علیا باڑہ" میں منعقد ہوا تھا۔ علیا باڑہ سوراشٹر کے دو گاؤں "علیا" اور "باڑہ" کے مجموعے کا نام ہے۔ ان دونوں گاؤں کے درمیان ایک چھوٹی سی ندی حائل ہے جو برسات کے علاوہ سال کے دوسرے حصوں میں تقریباً خشک پڑی رہتی ہے مگر اس کی وجہ سے ماحول نہایت خوشگوار رہتا ہے۔ اس علاقے کا موسم تقریباً معتدل ہے اور سردی بس اتنی ہی پڑتی ہے کہ گرمی کے منہ میں لگام لگی رہے۔ علیا باڑہ ریلوے اسٹیشن بھی ہے اس لئے ہر قسم کی سہولت بھی یہاں مہیا ہے۔

اسی گاؤں (علیا) میں گنگا جل ودیا پیٹھ کے نام سے ایک درسگاہ ہے جو ابھی چند ہی سال ہوئے قائم ہوئی ہے اس درسگاہ میں بھی گاندھی گرام کی "موتی ودیا پیٹھ" کی طرح نرسری سے لے کر ڈگری کلاسوں تک کی تعلیم ہوتی ہے، البتہ اساتذہ اور طلبا دونوں کا طرزِ زندگی وہ ہے جو تھوڑے سے فرق کے ساتھ کسی زمانے میں آشرموں کا رہا ہوگا۔ نصابِ تعلیم کے معاملے میں تو یہ درسگاہ گجرات یونیورسٹی کی پابند ہے لیکن طریقۂ تعلیم ان کا اپنا ہے، اور بڑی حد تک اچھوتا ہے۔ یہاں کے اساتذہ کرتے یہ ہیں کہ نصاب کا ایک حصہ لے کر طالب علموں کے سامنے مضمون کی وضاحت کرتے ہیں، اس کے بعد مضمون سے متعلق انہیں کتابیں پڑھنے کو دیتے ہیں اور اس کے لئے ایک مدت مقرر کر دیتے ہیں۔ اس مدت کے بعد ایک امتحان ہوتا ہے۔ اس امتحان کا نتیجہ آنے کے بعد پھر اسی مضمون پر ایک مقررہ مدت تک اساتذہ اور طلبا کا ایک مشترک سیمینار منعقد ہوتا ہے جس میں طلبہ آزادی سے حصہ لیتے ہیں۔ اس مطالعہ اور اس کے بعد تبادلۂ خیالات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مضمون طالب علم کے ذہن میں اچھی طرح جم جاتا ہے اور اس کے اندر مطالعے کا ذوق پیدا ہو جاتا ہے۔

یہ تھا وہ قدرتی اور علمی ماحول جہاں اس سال نیشنل سیمینار منعقد ہوا تھا۔ سیمینار میں کل ۵۰ نمائندے شریک ہوئے تھے

جن میں ۹ سرکاری افسر تھے اور باقی میں کچھ یونیورسٹیوں کے نمائندے تھے اور کچھ غیر سرکاری اداروں کے نمائندے جن میں زیادہ
تعداد ودیا بھون کے گنگا جل ودیا پیٹھ کے کارکنوں کی تھی۔ میزبان ادارے نے نمائندوں کے قیام و طعام کے لئے بڑے اچھے انتظامات
کئے تھے جن سے اس کے کارکنوں کی سلیقہ مندی، مہمان نوازی اور مستعدی ظاہر ہوتی تھی۔ اگر کچھ کمی تھی تو صرف اس قدر کہ طعام
کے معاملے میں نمائندوں کے اختلافِ ذوق کا اہتمام نہیں تھا جس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ ودیا پیٹھ کی تہذیبی روایات اس کی متحمل
نہیں ہو سکتی تھیں۔

سیمینار چھ دن کے لئے بلایا گیا تھا۔ یہ مدت موضوعِ بحث کی وسعت اور اہمیت کو دیکھتے ہوئے اگر کم نہیں تو زیادہ بھی نہیں
تھی لیکن اس مدت میں سے پورے دو دن تفریح و زیارت کے لئے الگ کر لئے گئے تھے اور موضوع پر بحث و گفتگو کے لئے صرف چار دن
بچے تھے۔ انہی چار دنوں میں کھینچ تان کر کے بحث کو ختم کیا گیا یہاں تک کہ تقریبِ اختتام بھی اسی مدت میں انجام پذیر ہوئی۔ اس
طرح سیمینار کی اصل کارروائی کے لئے کل ساڑھے تین دن نصیب ہوئے۔

سیمینار کے ڈائرکٹر لٹریسی ہاؤس لکھنؤ کے ڈاکٹر ٹی۔ اے۔ کوشی تھے اور پہلا ورکنگ پیپر غالباً انہی کا بنایا ہوا تھا۔ مگر آخری
ورکنگ پیپر جس کے مطابق بحثیں ہوئیں، غالباً فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر دہلی کے اساتذہ اور مشیروں نے ترتیب دیا تھا اور اس کی
تفسیر و تشریح کی غرض سے شری ایچ۔ پی۔ سکسینہ نے جو سنٹر کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر ہیں، ایک مفصل مضمون بھی ورکنگ پیپر کے ساتھ
ساتھ انڈین جرنل آف اڈلٹ ایجوکیشن میں شائع کرایا تھا۔

اس ورکنگ پیپر کے چار حصے تھے اور چاروں امتحان کے پرچوں کی طرح چند سوالات پر مشتمل تھے۔ ان سوالات سے پہلے ایک
تمہیدی حصہ تھا جس میں "کمیونٹی آرگنائزیشن" اور "کمیونٹی" کی ایک ایک تعریف دی گئی تھی اور اس کے بعد کمیونٹی آرگنائزیشن کے طریقِ عمل
کے تین پہلو "نظریات" (CONCEPTS) کے عنوان سے بتا دیئے گئے تھے۔ ظاہر ہے کمیونٹی آرگنائزیشن جو سوشل ورک کی ایک
ممتاز شاخ ہے اور جس کے بارے میں اتنا لٹریچر جمع کر دیا گیا ہے کہ صرف وہی ایک چھوٹے سے کتب خانے کو بھرنے کے لئے کافی ہے، اس کو
ایک تعریف اور طریق کار کے تین پہلوؤں میں سمو دینا صحیح نہیں تھا۔ اسی طرح اسے اچھی طرح سمجھنے کے لئے اس کے ارتقاء کی تاریخ بھی بہت
ضروری تھی جس کی روشنی میں وہ ماحول اور وہ حالات سامنے آ جاتے جن کے تقاضے کے طور پر یہ طریقِ کار ایجاد اور فروغ پذیر ہوا ہے۔
پھر چونکہ بحث سوشل ایجوکیشن کی ہندوستانی تحریک میں کمیونٹی آرگنائزیشن کو کھپانے کی تھی اس لئے ہندوستانی تہذیب و روایات اور
اس کی خصوصیات کا جائزہ بھی سرسری ہی سہی، لینا ضروری تھا۔ یہ سب کچھ ہوتا تب کہیں جا کر سوشل ایجوکیشن میں کمیونٹی آرگنائزیشن کے
درجے کو صحیح معنی میں متعین کیا جا سکتا تھا۔

ورکنگ پیپر میں ایک نقص اور بھی تھا اور وہ ہمارے خیال میں بہت بڑا نقص تھا۔ منطقی حیثیت سے غور کیجئے تو کمیونٹی آرگنائزیشن

کے بارے میں اُن کی تعریف کے بعد کے جتنے سوالات تھے ان سب کی بنیاد تعریف کے اوپر تھی یعنی اگر وہی تعریف جوں کی توں تسلیم کر لی جائے تب تو بعد کے سوالات پر غور کرنے کا سوال پیدا ہوتا ہے لیکن اگر اُسے جوں کا توں تسلیم نہ کیا جائے جیسا کہ پانچ گروپوں میں سے کم سے کم ایک گروپ نے تسلیم نہیں کیا تو پھر ورکنگ پیپر کی ساری عمارت ڈھ جاتی ہے اور اس کے بعد کے بیشتر سوالات خارج از بحث قرار پاتے ہیں مثال کے طور پر اگر کمیونٹی آرگنائزیشن کی مجوزہ تعریف نہ تسلیم کی جائے تو ہم سوالات کے حصّے ب کا یہ سوال کہ "سوشل ایجوکیشن اور کمیونٹی آرگنائزیشن کے تصورات میں باہم کیا رشتہ ہے" اور اس کے ضمن میں آنے والے پانچ ضمنی سوالات بحث میں آتے ہی نہیں اور یہی نتیجہ ایک گروپ نے نکالا بھی تھا، مگر مشترک رپورٹ میں اس کا ذکر نہیں آیا۔

اس نقص کا قریب قریب یہی اثر سوالات کے حصّہ "ج" اور "د" پر بھی پڑتا ہے۔ مثلاً اگر کمیونٹی آرگنائزیشن کی تعریف وہ تسلیم کی جائے جو ورکنگ پیپر میں دی گئی ہے اور جو کمیونٹی آرگنائزیشن کے ایک بڑے عالم راس کی تجویز کی ہوئی ہے، تو ان حصّوں کے سوالات کا جواب دینے میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ "کون سے کمیونٹی آرگنائزیشن کے لئے آسانیاں پیدا کرنے کی غرض سے انتظامات میں تبدیلی کی ضرورت ہے؟ اس لئے کہ جس کمیونٹی آرگنائزیشن کا یہاں ذکر ہے اُسے تو ہم تسلیم ہی نہیں کرتے اور جس چیز کو تسلیم کرتے ہیں وہ یہی سوشل ایجوکیشن ہے"! اسی طرح ٹریننگ کے باب میں بھی یہی سوال پیدا ہوتا ہے اور یہ سوال پہاڑ کی طرح سامنے آ کر ان سوالات کو بھی بحث سے خارج کر دیتا ہے۔

لیکن سیمنار میں اِس زبردست تضاد کے باوجود قریب قریب تمام سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس سے مسئلہ پہلے سے بھی زیادہ اُلجھ گیا اور اگر کوئی سوشل ایجوکیشن آرگنائزر (ویلیج لیول ورکر اور اُسی ٹائپ کے دوسرے کارکنوں کا تو ذکر ہی کیا) سوشل ایجوکیشن میں کمیونٹی آرگنائزیشن کی حیثیت کو سیمنار کی اس رپورٹ کے ذریعے سمجھنے کی کوشش کرے گا تو اس کے دماغ کا وہی حال ہو گا جو مکڑی کے جالے میں مکھی کا ہوتا ہے

سیمنار کی اختتامی تقریب کے موقعے پر نمائندوں کو خطاب کرنے کے لئے راجکوٹ ڈویژن کے کمشنر شری جی۔ الیف۔ مانکوڑی آئی۔ سی۔ ایس۔ تشریف لائے تھے۔ مانکوڑی صاحب آئی۔ سی۔ ایس ہونے کے علاوہ (جو معاملات و مسائل کی تہہ تک بہت جلد پہنچ جاتے ہیں) ڈیولپمنٹ اور سوشل ایجوکیشن کی تحریک سے بھی وابستہ رہ چکے ہیں؛ انھوں نے سیمنار کی رپورٹیں اور ڈائرکٹر کی رپورٹ سُن کر جو تقریر کی تھی وہ بڑی معنی خیز تھی؛ انھوں نے اپنی تقریر کے خاتمے پر یہاں تک کہہ دیا کہ "حضرات مجھے اندیشہ ہے کہ آپکے دماغ اس معاملے میں یہاں آنے سے پہلے جتنے اُلجھے ہوئے تھے یہاں سے واپس جاتے ہوئے اُس سے زیادہ اُلجھ گئے ہیں"!

زبان کا مسئلہ

نیشنل سیمناروں میں ایک مشکل جو ہر سال دیکھنے میں آتی ہے، یہ پیش آتی ہے کہ تمام کی تمام کارروائی اور بحث و

گفتگو انگریزی زبان میں ہوتی ہے اس کا نتیجہ ہوتا ہے کہ بہت سے نمایندے جنھیں اس زبان کے ذریعے اپنی بات کہنے کا حوصلہ نہیں ہوتا تماشائیوں کی طرح خاموش بیٹھے منھ دیکھا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہی لوگ دراصل کام کی اصلی کیفیت و نوعیت سے واقف ہوتے ہیں اور اگر انھیں موقع ملے تو وہ ہمارے بہت سے کتابی نظریات کو غلط ثابت کر دیں۔ یہ لوگ انگریزی عبارت کو پڑھ کر مضمون کی تہہ تک تو شاید پہنچ سکتے ہیں لیکن انگریزی زبان میں اپنی بات کو صفائی اور وضاحت سے سمجھانا ان کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ ویسے بھی جو لوگ انگریزی زبان پر عبور رکھتے ہیں ان کے معاملے میں یہ ضروری نہیں ہوتا کہ وہ اس زبان میں تقریر بھی کر سکیں گے چنانچہ ایسے لوگ بھی منھ کو چپ سادھے بیٹھے رہتے ہیں اور میدان ان لوگوں کے ہاتھ میں رہتا ہے جو فراٹے کے ساتھ انگریزی بول سکتے ہیں۔

یہ صورتِ حال سیمنار کے طریقۂ کار کے حسبِ حال نہیں ہے جس میں کوشش کر کے ہر نمایندے کے دل کی بات معلوم کی جاتی ہے اگر کسی طرح یہ ممکن ہو کہ شریک ہونے والا ہر شخص اپنے علم اور تجربے کی بات وضاحت کے ساتھ کہہ سکے تو سیمناروں اور ان کی رپورٹوں کی صورت ہی بدل جائے۔ اُس وقت نظریہ اور عمل، تصور اور تجربہ کا جو میل ہوگا اس لئے سیمنار کی رپورٹ اور سفارشیں صحیح معنی میں تحریک کے لئے مشعلِ راہ ثابت ہوں گی اور ان کے کچھ معنی ہوں گے۔

ہماری رائے ہے کہ انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کو دو انتظامات اور کرنے چاہئیں۔ ایک یہ کہ سیمنار کے موقعے کے لئے چار پانچ آدمی ایسے مقرر کئے جائیں جنھیں انگریزی اور ہندوستانی دونوں زبانوں پر عبور حاصل ہو اور وہ دونوں میں اچھی طرح تقریر کر سکتے ہوں ایک ایک آدمی ایک ایک گروپ میں مقرر کر دیا جائے اور اس کا کام یہ ہو کہ ہندوستانی بولنے والوں کا خلاصہ انگریزی میں سنا دے اور اگر ضرورت ہو تو ہندوستانی کا ماحصل انگریزی میں پیش کر دے اس طرح جو لوگ انگریزی اچھی طرح نہیں بول سکتے انھیں بھی اپنے علم و تجربے کو آزادی سے سیمنار کے سامنے رکھنے کا موقع ملے گا۔ دوسری بات جو ضروری ہے یہ ہے کہ گروپوں میں رکارڈر کی مدد کرنے کے لئے ایک ایک اسٹینوگرافر ہونا چاہیئے جو انگریزی اور ہندی دونوں زبانوں کے نوٹ لے سکے۔ اکثر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ چونکہ رکارڈر بھی گروپ کا ایک رکن ہوتا ہے اور اُسے بھی اپنی بات کہنی ہوتی ہے اس لئے دوسرے بولنے والے کے خیالات کو نوٹ نہیں کر پاتا اور بہت سی ضروری باتیں رپورٹ میں آنے سے رہ جاتی ہیں جیسے اس سال ایک گروپ میں ہوا کہ اس نے ورکنگ پیپر کے بہت سے سوالات کو متفقہ طور پر بحث سے خارج قرار دیا تھا مگر یہ بات گروپ کی رپورٹ میں نہیں آ سکی۔

اگر یہ دو انتظامات ہو جائیں تو ہمارے مستقبل کے سیمناروں سے صحیح معنی میں ہماری تحریک کو تقویت پہنچے گی۔

کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور سرودے

سرودے تحریک کے رہنما شری جے پرکاش نارائن نے زیر نظر مضمون میں کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے بارے میں چند بنیادی باتوں کی طرف توجہ دلائی ہے اور پنچایتی راج اور جمہوری لامرکزی تنظیم سے متعلق ان باتوں کی طرف اشارہ کیا ہے جو اس کے لئے لازمی شرط کا درجہ رکھتی ہیں اور جن کے بغیر پنچایتی راج کا حسین خواب ایک خوبصورت فریب کی شکل میں بدل سکتا ہے۔
یہ مضمون کمیونٹی ڈیولپمنٹ سے متعلق ایک خاص نظریئے کی نمائندگی کرتا ہے۔ اسی خیال سے ہم اسے اس خاص نمبر میں شریک کر رہے ہیں۔

——— ایڈیٹر

پچھلے چند مہینوں سے کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام اور اسے چلانے والوں کے خلاف ایک طرح کی تحریک چل پڑی ہے۔ کسی چیز میں جب کوئی خامی یا کمی بتائی جائے تو پھر اسی کے ساتھ اُسے دور کرنے کے لئے مشورے بھی دیئے جانے چاہئیں۔ ہماری تنقیدوں کا رجحان تعمیری ہونا چاہیے۔ لیکن ابھی تک جو تنقیدیں کی گئی ہیں وہ تنقید برائے تنقید ہی رہی ہیں۔ مجھے یہ بات کچھ بہت زیادہ پسند نہیں ہے۔

ایک طرح سے دیکھا جائے تو سرودے یا گاندھی اور ونوبا کی تحریک کا سماجی پہلو بھی کمیونٹی ڈیولپمنٹ ہی کی ایک شکل ہے۔ یعنی ہم سب لوگ یعنی جو سرودے پروگرام میں لگے ہوئے ہیں، کمیونٹی ڈیولپمنٹ میں غیر سرکاری حیثیت سے تعاون کر رہے ہیں۔ ہمارے گرام دان، گرام نرمان (دیہی تعمیر) اور گرام سوراج کے نعروں کا مقصد [illegible] بھی یہی ہے۔

گزشتہ تین سال سے اس میدان میں سرکاری اور غیر سرکاری پروگراموں میں تال میل اور اشتراک عمل پیدا

کرنے کی کوشش کی جا رہی ہیں۔ اس کام میں ایک بڑی حد تک [illegible] ہے کہ اگر سرکاری محکموں اور سرکاری [illegible]
عہدیداروں نے قدرے زیادہ دور اندیشی سے کام لیا ہوتا تو شاید اس سمت میں اور زیادہ کامیابی حاصل ہوتی۔

بہرحال میرے خیال میں کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام ملک کی ساری ترقیاتی اسکیموں میں سرفہرست ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس پروگرام میں سبھی باتیں شامل ہو جاتی ہیں۔ ایک نئے سماج کی تعمیر، صنعت، زرعی ترقی، تعلیم، صحت، روزگار کی فراہمی، اخوت، افلاس کا خاتمہ، ضبط تولید وغیرہ سب ہی باتیں اس پروگرام کا جزو ہیں۔

میرے خیال میں کمیونٹی ڈیولپمنٹ کی وزارت کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ اس وزارت کے عہدیداروں اور افسروں سے اکثر ملاقات کا شرف مجھے حاصل رہا ہے اور میں کہہ سکتا ہوں کہ ان میں جو خلوص، ایثار، کارکردگی اور کام کی لگن ہے وہ قابل قدر ہے اور دوسروں کو اس سے سبق لینا چاہیے۔ مگر جس شخص کو بھی چاہے اس کا تعلق حکومت سے ہو یا نہ ہو، چاہے وہ اس ملک کا باشندہ ہو یا غیر ملکی ہو، کمیونٹی ڈیولپمنٹ پروگرام کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے وہ بلا تکلف یہ بات کہہ سکتا ہے کہ اس کی رفتار کافی سست ہے۔

اس سارے پروگرام کا خاص مقصد یہی ہے کہ لوگوں میں باہم اشتراک و تعاون سے کام کرنے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ ایک بار یہ جذبہ پیدا ہو جائے تو اس میں تیز رفتار سے ترقی ہو سکتی ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں ابھی لوگوں کے دلوں میں یہ جذبہ پیدا نہیں ہوا ہے۔ لوگوں میں یہ جذبہ پیدا کرنا [illegible] ہی ہو جانا لازمی ہوگا اس کے لئے کافی دور اندیشی سے کام لینے کی ضرورت ہوگی۔

پنچایتی راج

سالہا سال کے تجربے کی بنیاد پر بہت سے لوگوں نے یہ تجویز رکھی کہ ڈیولپمنٹ پروگراموں کی منصوبہ بندی اور ان کی انجام دہی کی ذمہ داری سرکاری افسروں کے بجائے عوام کے ہاتھوں میں سونپ دینی چاہیے۔ اس طرح جمہوری لامرکزیت یا پنچایتی راج کا نعرہ بلند ہوا۔

کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے گزشتہ آٹھ سال کے کام میں پنچایتی راج کو میں بہت اہم سمجھتا ہوں۔ یہاں یہ عرض کر دینا چاہیے [illegible] یہ تھا کہ ہر سطح پر سماج کی قوتوں سے پورا فائدہ اٹھانے میں عوام کو شریک کار بنایا جائے [illegible] خوش قسمتی سے پنچایتی راج کی ذمہ داری [illegible] گی۔

شروع شروع میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ پنچایتی راج قائم ہوتے ہی عوام ڈیولپمنٹ کے کاموں میں زیادہ سے زیادہ تعاون کرنے لگیں گے۔ یہ پروگرام سب سے پہلے راجستھان میں شروع ہوا۔ اس کا افتتاح کرتے ہوئے وزیر اعظم شری جواہر لال نہرو نے کہا تھا کہ یہ پروگرام ایک بہت بڑے انقلاب کا پیش خیمہ ہے۔ مگر آج ایک سال گزر جانے کے بعد بھی ہمارے ملک میں لوگ اس کی اہمیت کو نہیں سمجھ پائے ہیں۔

ہندوستان میں گاؤں پنچایتوں کا رواج بہت قدیم ہے بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ انہی پنچایتوں کے کام کا میدان بڑھا دینا ہی پنچایت راج کا مقصود ومنشا ہے۔ دراصل بات اتنی ہی نہیں ہے۔ اب تک ہماری پنچایتوں کا کام بہت محدود رہا ہے۔ یہ پنچایتیں خود ضلع اور ریاست کے حکام کی افسر شاہی ذہنیت کی تابع رہی ہیں۔ پنچایت راج کے پروگرام کا نقشہ اس سے قطعی مختلف ہے۔ اس کی طرف سے ایک غلط فہمی اور بھی پھیلی ہوئی ہے کہ یہ اقتدار کی لامرکزی تنظیم نہ ہو کر نوکر شاہی کی لامرکزی تنظیم ہے۔

صرف اس طرح کے اعتراضات کرنے سے اس پروگرام میں کچھ اور بھونڈا پن آسکتا ہے یہ بھی خطرہ ہے کہ کچھ لوگ اپنے مفاد کے تحفظ کے لئے اس پروگرام کا غلط پروپیگنڈہ کریں اور پورے کام پر پانی پھیر دیں۔ لیکن بلا تکلف یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسا نہیں ہونے دیا جائے گا۔ اس کے ثبوت میں ایک بات تو یہی جا سکتی ہے کہ وزیر اعظم اور کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے وزیر موصوف دونوں ہی اس بات کے لئے کوشاں ہیں کہ اقتدار عوام ہی کو سونپا جائے۔ دوسرے یہ کہ اندھرا اور راجستھان دونوں ریاستوں میں جہاں یہ پروگرام شروع کیا گیا ہے پورے خلوص اور لگن کے ساتھ کام ہو رہا ہے۔ ان ریاستوں میں لوگ تجربے سے کافی باتیں سیکھ رہے ہیں اور عوام کے فائدے کا کام کر رہے ہیں۔

اس پروگرام سے ہمارے سماج کے ڈھانچے میں انقلابی تبدیلیاں رونما ہو سکتی ہیں۔ مگر اس کی کامیابی کئی باتوں پر منحصر ہے۔ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ عوام کے ذہنوں میں یہ تبدیلی پیدا کی جائے کہ عوام ہی جمہوریت کی اصل بنیاد ہیں اور انہی کو اقتدار کی باگ ڈور سنبھالنی ہوگی۔ ان میں یہ جذبہ بیدار کرنا ہوگا کہ سماج کی ترقی کے لئے انہیں اپنے انفرادی، خاندانی اور اپنی ذات برادری کے محدود مفادوں کو چھوڑنا ہوگا۔ عوام میں یہ احساس سرکار نہیں پیدا کرا سکتی ہے۔ یہ کام تو سیاسی اور سماجی کارکنوں کے کرنے کا ہے۔

پنچایتوں کو سیاست کے اکھاڑے میں نہ کھینچا جائے

لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ سیاسی کارکن پنچایتوں اور گاؤں کی دوسری سنستھاؤں کو سیاست کا اکھاڑہ نہ بنائیں۔ سیاسی جماعتوں کے رکن ان میں ضرور حصہ لیں مگر اپنی انفرادی حیثیت میں۔

سماجی کارکنوں کو خاص طور سے سرووَدے اور جہات سدھار کا کام کرنے والوں کو بہت اہم کام انجام دینا ہے۔ میرا خیال ہے کہ پنچایتی راج قائم کرنے اور عوام میں ذہنی انقلاب لانے کی تمام تر ذمہ داری انہی کے اوپر ہے۔

ان باتوں کے علاوہ ایک بات اور ہے جو پنچایتی راج کی کامیابی میں آڑے آسکتی ہے۔ وہ ہے سماجی اور اقتصادی اعتبار سے مساوات کا نہ ہونا۔ جس سماج میں ذات پات کا دور دورہ ہے، جہاں کسی کے پاس زمین کی افراط ہو تو کوئی بے گھر بے در کا ہے وہاں سماج جمہوری لامرکزیت کی اصل منزل پر نہیں پہنچ سکتا۔ ذاتوں کی تفریق حکومت کے مٹائے نہیں مٹ سکتی۔ اس کے لئے سارے ہندوستانی سماج میں ایک انقلاب لانا ہوگا۔ قانون بنانے ہوں گے اور اس بات کا بھی انتظام کرنا ہوگا کہ قانون کے پاس ہو جانے کے بعد بدلے ہوئے حالات اور اس کے تقاضوں پر بھی نظر رکھی جائے۔ یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ قانون کی رو سے زیر کاشت زمین کی ایک حد مقرر ہو جانے کے بعد بھی گاؤوں میں دستکاری اور دوسرے پیشوں کے سکھانے اور پھیلانے میں کافی سستی دکھائی جا رہی ہے۔

گاؤوں کی زمین بانٹی جائے

میرا ذاتی خیال ہے کہ اب حکومت کو ایسا قانون بنانا چاہیے جس کے ماتحت زمین افراد کے بجائے گاؤوں پر تقسیم ہو تاکہ زمین پر سارے گاؤں کا حق ہو۔ جو لوگ سوشلزم پر یقین رکھتے ہیں انھیں اس میں کوئی تامل نہ ہوگا اس لئے کہ ہمارے ملک کی سیاسی پارٹیوں میں آج زیادہ تر ایسی پارٹیاں ہیں جو سوشلزم کی حامی ہیں۔

گاؤوں میں صنعتی مرکزوں کے قیام کے سلسلے میں اب تک کوئی توجہ نہیں کی گئی ہے۔ اختیار و اقتدار کی لامرکزی تنظیم کے ساتھ وسائل اور ذرائع کی بھی لامرکزی تنظیم ہونی چاہیے۔ یہ بہت ضروری ہے۔ اگر گاؤں کے اقتصادی معیار کو اونچا نہ کیا گیا اور صنعتیں قائم نہ کی گئیں تو اختیار و اقتدار کی لامرکزی تنظیم یعنی پنچایتی راج بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔ امید ہے کہ حکومت مسئلہ کے اس پہلو پر بھی توجہ دے گی۔

ایک چینی بستی نے خود لکھنا پڑھنا سیکھ لیا

زیر نظر مضمون آج کے چین کے ایک گاؤں سے متعلق ہے جہاں کے رہنے والوں نے تعلیم کی ضرورت کو محسوس کر کے خود اپنے لئے تعلیم کا انتظام کیا۔ اس کے لئے وہ حکومت یا کسی اور ادارے کی گرانقدر امداد کے انتظار میں بیٹھے نہیں رہے بلکہ اپنی علم کی بھوک کو مٹانے کے لئے خود کوشش کی اور اپنی ہی کوشش سے پڑھ لکھ کر ان دشواریوں کو حل کر لیا جو انھیں ترقی کی دوڑ میں آگے بڑھنے سے روک رہی تھیں۔

اپنی اس کوشش میں وہ صرف حرف شناسی ہی پر قانع نہیں رہے بلکہ اس راز کو بھی سمجھ لیا کہ حرف شناسی حصول علم کا پہلا قدم ہے اور یہی وجہ ہے کہ انھوں نے اپنی اس تعلیم سے اپنی زندگی میں فائدہ بھی اٹھایا۔

—— ایڈیٹر

شمالی چین کے ہوپی صوبے کے پہاڑوں میں سیہ خاندانی گاؤں نے جونیئر مڈل اسکول کی بنیاد ڈال دی جب کہ وہاں پہلے کچھ نہ تھا۔ یہ گاؤں اتنا الگ تھلگ ہے کہ وہاں تعلیمی نظام کا اب تک گذر نہ ہوا تھا اور ۱۹۵۴ء تک یہاں سو فی صدی لوگ ان پڑھ تھے۔ جب یہاں زرعی امداد باہمی بنی تو معلوم ہوا کہ کوئی ایسا ہے ہی نہیں جو حساب کتاب رکھ سکے۔ لوگوں نے دیواروں پر نشان بنا کر حساب رکھنا شروع کیا لیکن بعد میں حساب اور بڑھا۔ اب انھیں اس انقلابی نعرے کی اصلیت کا اندازہ ہوا جو سنہ ۱۹۴۹ء کے انقلاب کے بعد برسر اقتدار پارٹی اور حکومت کی طرف سے دیا گیا تھا یعنی تعلیم زندگی کی سب سے بڑی ضرورت ہے۔ تعلیم کی ضرورت اس گاؤں کے لوگوں نے بڑی شدت کے ساتھ محسوس کی اور اس غرض سے انھوں نے دو بچوں کو دوسرے گاؤں پڑھنے کے لئے بھیجا۔

ان کی بڑی خواہش تھی کہ گاؤں میں ایک باقاعدہ کلاس شروع ہو جائے۔ مگر پڑھائے کون؟ یہ ان کے سامنے ایک بڑا مسئلہ تھا۔ ان پڑھے ہوئے چیو ینگ کو تعلیم دے کر انھوں نے یہ مسئلہ حل کر لیا۔ ہفتے میں دو بار چیو ینگ پہاڑ کے دوسری

طرف ہوا ما گاؤں پڑھنے جاتا۔ جو کچھ پڑھتا وہ اپنے طلبہ کو پڑھا دیتا جب کسی سوال کا جواب وہ خود نہ دے سکتا تو اسے ہوا ما جا کر حل کرتا۔ یہ تھی وہ ابتدائی شکل جو گاؤں والوں کی حصولِ علم کی پیاس نے خود بخود اختیار کر لی تھی۔

جلدی ہی گاؤں والوں نے دوسرا طریقہ بھی اختیار کیا۔ انھوں نے تعلیم کو اور زیادہ عوامی رنگ دیا اور یہ فیصلہ کیا کہ جو شخص بھی گاؤں سے باہر لوگوں سے ملنے جائے وہ کچھ نہ کچھ سیکھ کر آئے۔ اور پھر اسے گاؤں کے لوگوں کو پڑھائے۔ جب باؤکیویان کے نوجوان بیٹے نے اپنی دادی کے پاس جانے کی اجازت مانگی تو کیویان نے کہا "تم کتنے حروف سیکھ کر آؤ گے؟" "ایک" اس نے تعجب سے پوچھا "ایک؟ بس؟ کم سے کم تین ورنہ نہیں" یہ کام اس نے نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیا جس میں اسے بڑی خوشی محسوس ہوئی۔

اور بھی طریقے اختیار کئے گئے۔ پہاڑ کے دوسرے دامن پر بسے ہوئے ہوا مو گاؤں کا مدرس اکثر سیہ گاؤں کی سرحد کے قریب کھیتی باڑی کے لئے آتا تھا۔ لوگوں نے فیصلہ کیا کہ کیوں نہ اس مدرس کے گاؤں کے قریب آنے کا فائدہ اٹھایا جائے اور مرآ اسے کھانے پر بلایا جائے۔ اُسے کھانا کھانے کے لئے اپنے گاؤں واپس تو جانا ہی ہوتا ہے اس کے بجائے وہ اسی گاؤں میں کھانا کھا لیا کرے اور لوگوں کو پڑھنا لکھنا بھی سکھا دیا کرے۔ اُس مدرس نے بھی گاؤں واپس جانے کے بجائے سیہ گاؤں والوں کو پڑھانا شروع کیا جب کبھی کوئی سودے والا آجاتا تو وہ بھی لوگوں کو کچھ سکھا جاتا اور لوگ اس کی بڑی خاطر تواضع کرتے۔

اس طرح انھوں نے اتنی ترقی کر لی کہ ۱۹۵۵ء تک انھوں نے لغت کا استعمال سیکھ لیا جو ہوا مو کے ہیڈ ماسٹر نے دی تھی۔ اس کا نام انھوں نے "ہر وقت تیار ماسٹر" رکھا۔ انھوں نے اپنے اس عزم میں پہلے سے زیادہ محنت شروع کر دی۔ ۱۹۵۶ء میں گیہوں کی فصل کاٹنے کے پہلے تک سارا گاؤں لکھنے پڑھنے لگا تھا۔ ہر شخص نے پندرہ سو چینی حروف سیکھ لئے تھے۔

حرف شناس بننا ہی کافی نہیں ہے

کچھ لوگ معمولی حساب کتاب سیکھ کر مطمئن ہو گئے۔ لیکن انقلابی نعرے کی اصل روح یہ نہیں تھی کہ لوگ محض حروف شناس بن جائیں اور چند ترچھی سیدھی لکیروں کو پڑھ لیں۔ یہ تو محض اس سمت میں پہلا قدم ہے۔ جس شاندار اور خوشحال سماج کی تعمیر انھیں کرنی ہے اس کے لئے انھیں زیادہ مہذب اور تعلیم یافتہ بننے کی ضرورت ہے۔ ان کی آنکھیں کھل گئیں اور انھوں نے گاؤں میں فالتو وقت کے لئے ایک ابتدائی اسکول قائم کیا تمام لوگوں نے پڑھنا شروع کیا۔ ہوا مو کے اسکول ماسٹر سے انھوں نے مزید امداد حاصل کی اور اسی درمیان میں وہ دو لڑکے جو گاؤں سے باہر پڑھنے کے لئے بھیجے گئے تھے گرمیوں کی

خوشحالی کے نئے مندر

جنوبی ویٹ نام میں آبادکاری کے نئے مرکز

ابھی چھ سال پہلے کی بات ہے کہ ویت نام کو شمالی اور جنوبی ویت نام کے نام سے دو ملکوں میں تقسیم کر دیا گیا، اس کے بعد سے یہ دونوں ملک اپنے اپنے طور پر ملک کو خوشحال اور ترقی یافتہ بنانے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ ذیل میں ہم جنوبی ویت نام میں آبادکاری کے تجربے سے متعلق ایک مضمون شائع کر رہے ہیں۔

——— ایڈیٹر

مکرمی رفیق شاستری صاحب

ہم آپ کے ممنون ہیں کہ آپ نے اپنے مفید جریدے کی چند کاپیاں ہمارے مطالعے کے لئے بھیجیں۔ یہ جریدے نہایت سلیقے کے ساتھ ترتیب دیئے گئے ہیں اور اپنے موضوع کا پوری طرح حق ادا کرتے ہیں۔ آج قومی تعمیر و ترقی کے زمانے میں اس طرح کے ماہناموں کی بہت اہمیت ہے۔ ان کے ذریعہ قومی تعمیر کے پروگراموں میں بہت مدد لی جا سکتی ہے۔ ہم آپ کے اس جریدے سے بہت متاثر ہوئے۔

آپ کی تجویز کے مطابق جنوبی ویت نام میں دیہی تعمیر کے منصوبوں سے متعلق ایک مضمون ارسال خدمت ہے۔ امید ہے کہ آپ پہلی فرصت میں شریک اشاعت کریں گے۔

آپ کا مخلص

پریس اینڈ انفارمیشن آفسر کنسولیٹ جنرل ان دہلی

ریپبلک آف ویٹ نام

۲۷ر اکتوبر ۱۹۶۰ء

وہ علاقے جو کبھی لٹیروں۔ رہزنوں اور ڈاکوؤں کی کمین گاہیں تھے، آج کل خوشحالی کے نئے مندر کہلاتے ہیں۔ انھیں ویت نامی ایگرولز (Agrovilles) کہتے ہیں۔ ان کی شہرت اس قدر پھیلی ہے کہ اب دوسرے متعدد ایشیائی ملکوں میں بھی ان کی دیکھا دیکھی آبادکاری کے نئے مرکز تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ ہندوستان میں نیفا اور یوپی کے سرحدی علاقوں میں اب اسی طریقے سے آبادکاری کی جا رہی ہے جس طریقے سے جنوبی ویت نام کے ان مرکزوں میں کی گئی۔ غیر ملکی مدبروں۔ اخبار نویسوں مبصروں اور سیاستدانوں نے ان کی بہت تعریف کی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قومی تعمیر کے اس شعبہ میں جنوبی ویت نام نے جو کچھ کیا ہے وہ ناقابلِ یقین کارنامہ ہے۔

دشوار گذار گھنی جھاڑیوں، پرخار درختوں کے جھنڈوں سے اٹے ہوئے علاقے جہاں یا تو کوئی آبادی تھی نہیں اور اگر تھی تو بکھری ہوئی منتشر سی: جہاں لوگ گھنٹوں کی مسافت طے کرنے کے بعد کہیں نزدیکی گاؤں یا مارکیٹ کی شکل دیکھا کرتے تھے مہینوں لوگ ایک دوسرے سے نہیں مل پاتے تھے۔ اب حکومت کی آبادکاری کے اس پروگرام کی بدولت وہاں ایسے شاندار مکان۔ بازار، سڑکیں اور معاشرتی زندگی کے دوسرے مرکز تعمیر ہو گئے ہیں کہ آنکھیں یہ باور کرنے کو تیار نہیں کہ یہ علاقہ وہی ہے جو پہلے دشوار گذار تھا۔ لٹیروں اور ڈاکوؤں کی کمین گاہ بنا ہوا تھا اور زندگی کی ان تمام سہولتوں سے بے بہرہ تھا جو شہروں یا شہروں کے نزدیک آباد قصبات کو نصیب تھیں۔

صدر ڈیم ستمبر کے آخری دنوں میں کھا ہند واں نام کے ایگرولز۔ آبادکاری کے نئے مرکز دیکھے گئے۔ دوسرے مرکزوں کی طرح یہ علاقہ ابھی چند مہینے پہلے ناقابل گذر۔ عام زندگی سے کٹا ہوا۔ سماج دشمن عناصر کا اڈہ تھا۔ لوگوں کے رضاکارانہ تعاون مختلف سرکاری شعبوں کی دیکھ ریکھ اور ضروری فنی انتظامات کے سہارے سینکڑوں ایکڑ زمین صاف کی گئی۔ جو لوگ بے زمین تھے اور کھیتی باڑی کرنے کے خواہش مند تھے ان میں اس زمین کو بانٹ دیا گیا۔ نزدیکی شہروں اور قصبوں تک جانے کے لئے سڑکیں تعمیر کی گئیں۔ اور نئی آبادی کے لئے ایک شاندار اسکول۔ ایک عمدہ ہسپتال۔ اور ایک قابل دید بازار تعمیر کیا گیا۔ اس زمین میں کنوئیں بہت اچھے کھودے جا سکتے ہیں۔ یہاں لوگ اب باغ لگا رہے ہیں۔ اور اس طرح یہ خطہ زمین اب سرسبز و شاداب بن گیا ہے اور یہاں اب زندگی میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی ہونے لگی ہے۔

لطف کی بات یہ ہے کہ نئی زندگی کو سہولتیں دینے والی اس آبادی اور اس بستی کی تعمیر میں صرف چھ مہینے کا عرصہ لگا۔ صدر نگھو دینہ جب سرکاری دورہ پر یہاں پہنچے تو لوگوں نے ان کی موجودگی میں خدمتِ وطن کا حلف اٹھایا۔

جب ایسی بستی کی تعمیر شروع ہوتی ہے تو وہ منظر دیکھنے کے قابل ہوتا ہے۔ اپنے ناخن تدبیر سے تقدیروں کی گرہیں کھول دینے کے لیے لوگ عزم اور غضب کی جانفشانی کا عزم کئے ہوئے آس پاس کے علاقے کے رضاکار دوالنٹیر یہاں آتے ہیں

ان رضاکاروں کا تعلق ایک باقاعدہ تحریک سے ہوتا ہے۔ جسے ری پبلکن یوتھ موومنٹ کہا جاتا ہے۔ اس تنظیم کے جوان مل جل کر سرکاری محکموں کی امداد کے سہارے جنگل کے جنگل صاف کر دیتے ہیں۔ جہاں کبھی روشنی کے نام سے جگنوکی چمک کے سوائے اور کچھ نہیں ہوتا تھا جہاں زندگی کے آثار ڈھونڈے سے نہیں ملتے تھے وہاں انھیں نوجوانوں کے عزم صمیم اور قومی تعمیر کی بدولت دیکھتے دیکھتے بستیاں تعمیر ہونے لگیں۔ جنگل میں منگل منایا جانے لگا۔ پارک بننے لگے۔ اسکول نظر آنے لگے اور ہسپتال کھول دیئے گئے یہی نہیں حکومت ان نئی بستیوں میں رہنے والوں کو نئے کاروبار شروع کرنے کے لئے مالی امداد اور فنی سہولتیں بھی دیتی ہے۔ اور اس طرح ان آبادکاروں کو ذرا سی دقت کا سامنا نہیں ہوتا۔

حکومت ہر ضلع میں ایسی دو بستیاں آباد کر رہی ہے۔ ان کے پیچھے جو انقلابی جذبہ متحرک ہے۔ وہ تو اور بھی عالیشان ہے ان کی تجویز سب سے پہلے صدر نگو دینھ دیم کے دماغ میں آئی جنھوں نے لوگوں کو ترقی اور تجربہ کی شاہراہ پر ڈالنے کی خاطر انھیں مناسب ماحول اور سازگار حالات مہیا کئے۔ تاکہ لوگ ترقی کے نئے میدانوں میں آگے نکل سکیں۔ ایسی بستیوں اور آبادیوں کا فوری اور اہم ترین مقصد تقسیم وطن کے بعد ویت نام کی بکھری ہوئی آبادی کو یکجا کرنا تھا اور اس سے بھی کہیں زیادہ ضروری یہ تھا کہ نئی بستیاں آباد کی جائیں۔ جہاں لوگ ایک متحدہ۔ منظم۔ باسہولت۔ آرام دہ زندگی بسر کرتے ہوئے اس علاقہ کو چوروں۔ رہزنوں قزاقوں تخریب کاروں اور دہشت پسندوں سے پاک وصاف کر دیں۔

اب تک جتنے بھی ایگرو ولز۔ نئے مرکز بنے ہیں جنھیں لوگ عام طور پر خوشحالی کے نئے مندر کہہ کر موسوم کرتے ہیں۔ ان سب میں ایک نئی زندگی موجزن ہے۔ ایک ایسی حیاتِ نو جس کا تقسیم وطن کے بعد جنوبی ویت نام کو اشد ضرورت تھی۔ ملک کی پسماندگی دور کرنے کے لئے اور اقتصادی تعمیر نو کے کام میں بالخصوص ان بستیوں اور ان نئے مرکزوں کا کردار انتہائی قابلِ تعریف ہے۔ ان بستیوں نے عوام کی طاقت اور قوت کو اجاگر کیا ہے اور ان کے عزم اور استقلال کو نئی جلا دی ہے۔ انھیں نئی بلندیوں سے روشناس کرایا ہے۔ بلکہ ایک ایسی زندگی بسر کرنے کا بھی موقع دیا ہے جو سماجی انصاف، باہمی امداد اور معاشرتی ترقی کی بھی عکاسی کرتی ہے۔

ان بستیوں کی بدولت دور افتادہ دیہات میں بھی شہری زندگی کی رونق اور سہولتیں مہیا ہونے لگی ہیں۔ ان کی بدولت ملک کی معاشرتی۔ اقتصادی اور سیاسی زندگی میں جو انقلاب آیا ہے وہ اس ملک کی تاریخ میں ایک ناقابلِ فراموش حقیقت ہے۔ وہ کسان جو شہروں سے دور کٹی کٹی سی زندگی بسر کر رہے تھے اور غربت اور پسماندگی کی تاریکی میں بھٹک رہے تھے۔ جنھیں برسوں تک کسی شہر، کسی ڈاکٹر یا کسی نئی دکان کی شکل دیکھنا بھی نصیب نہیں ہوتا تھا۔ اب ان بستیوں کی بدولت وہاں اسکول ہسپتالوں بازار بجلی اور پانی کی سہولتوں اور ایک نہایت منظم، نہایت عالیشان زندگی بسر کرنے کے مواقع حاصل ہو گئے ہیں۔ کئی

بستیوں میں یہ سارا انقلاب اس قدر تیزی سے رونما ہوا ہے کہ اس پر خواب کا سا دھوکہ ہوتا ہے۔

ان بستیوں کی بدولت جنوبی ویت نام میں نئی زندگی انگڑائی لینے لگی ہے۔ ان کی بدولت ایک خاموش سا انقلاب دبے پاؤں آگیا ہے جس سے صدیوں سے پسماندگی، تاریکی، غفلت اور لاپروائی اور گمنامی میں پڑے ہوئے علاقوں میں جدید زندگی رقص کرنے لگی ہے۔ اس انقلاب کے بروئے کار لانے میں سرکاری ملازموں اور مقامی لوگوں کی رضاکارانہ محنت نے کلیدی پارٹ ادا کیا ہے۔ ان سب کی محنتوں کی بدولت یہ نئی آبادیاں۔ یہ نئی بستیاں خوشحالی کا نیا مندر بن گئی ہیں آنے والی نسلیں جن پر ہمیشہ فخر کیا کریں گی۔

ایک چینی بستی

بقیہ ص ۱۵ا

چھٹیوں میں گاؤں واپس آئے۔ انھوں نے حساب پڑھانا شروع کیا۔ اس طرح یہ اسکول ۱۹۵۵ء تک کسی نہ کسی طرح لشتم پشتم چلتا رہا جب کہ ان دو لڑکوں میں سے ایک مدرس ہوکر گاؤں میں واپس آگیا۔ اس لڑکے نے گاؤں والوں کو پڑھانے میں بہت مدد پہنچائی اور ابتدائی اسکول کا سارا نصاب انھوں نے ایک سال کے اندر اندر ختم کر ڈالا۔

نومبر ۱۹۵۹ء میں انھوں نے جونیر مڈل اسکول قائم کیا۔ ان کے ماسٹر نے تعلیم دینے کے علاوہ کیمون کے نارمل اسکول میں تعلیم جاری رکھی۔ اب یہاں تین سو کتابوں کی لائبریری ہے۔ انھوں نے اس لائبریری کی کتابوں کی مدد سے اپنی زندگی میں بڑی بڑی تبدیلیاں لائی ہیں اور اپنی زندگی میں بہت سے فائدے اٹھائے ہیں۔ انھوں نے پھلوں اور اناجوں کی پیداوار کے بڑھانے میں اس لائبریری کی کتابوں سے سب سے زیادہ مدد حاصل کی ہے۔ ۱۹۵۹ء میں پھلوں کی پیداوار ۲۹۰۰ من سے بڑھ کر ۹۳۰۰ جن ہوگئی اور مکئی کی پیداوار تین سو جن سے بڑھ کر آٹھ سو جن ہوگئی۔

گیارہویں نیشنل سیمنار کی سفارشات

گیارہواں نیشنل سیمنار جو اس سال ۲۶ سے ۲۹ اکتوبر تک جام نگر کے قریب گجرات میں منعقد ہوا تھا، اس نے اپنی چار دن کی بحث و گفتگو کا نچوڑ چند سفارشوں کی شکل میں مرتب کیا ہے جو نیچے دی جاتی ہیں:

۱۔ سوشل ایجوکیشن کے ہر حیثیت سے مکمل پروگرام کو جس کی ہمارے ملک میں نشوونما ہوئی ہے، نتیجہ بخش طور پر انجام دینے کے لئے مناسب ہے کہ کمیونٹی آرگنائیزیشن کو بہ حیثیت ایک تعلیمی عمل کے سوشل ایجوکیشن کا ایک لازمی جزو تسلیم کر لیا جائے۔

۲۔ سوشل ایجوکیشن کے ایک جزو کی حیثیت سے کمیونٹی آرگنائیزیشن کی تعریف یوں کی جا سکتی ہے کہ وہ ایک تعلیمی عمل ہے جس کے اثر سے کمیونٹی میں ایک مربوط و متحد اکائی کی شکل میں کام کرنے کی صلاحیت ابھرتی اور پروان چڑھتی ہے چاہے وہ ایک مسئلے یا ایک سے زائد مسائل کو حل کرنے کا کام ہاتھ میں لے۔ اس سے کمیونٹی اس قابل ہو جاتی ہے کہ

۱۔ اپنی ضرورتوں اور انھیں پورا کرنے کے لئے اپنے وسائل کو آسانی سے سمجھ سکے۔

۲۔ ان ضرورتوں کو پورا کرنے اور ان مسائل کو حل کرنے کے لئے اپنے اندر عزم و اعتماد پیدا کر سکے۔

۳۔ اتنا علم اور اتنی مہارت بہم پہنچا سکے کہ اپنی ضرورتوں کو پورا کرنے اور اپنے پسندیدہ ارادوں میں کامیاب ہونے کے لئے لوگوں میں ایک دوسرے سے مل کر کام کرنے کا جذبہ پیدا کر دے۔

۳۔ ضرورت ہے کہ سوشل ایجوکیشن کی سرگرمیوں کا اس نیت سے جائزہ لیا جائے کہ ان میں کمیونٹی آرگنائیزیشن کا جتنا جزو ہو اسے تقویت حاصل ہو۔ اس کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ جماعتی اور بین الجماعتی کام سے متعلق کمیونٹی آرگنائیزیشن میں جو طریقے رائج ہیں، ان کے استعمال کی اور زیادہ باضابطہ اور مرتب شکلیں ابھر کر سامنے آ جائیں۔

۴۔ ضرورت ہے کہ سوشل ایجوکیشن کے لئے قومی سطح سے لے کر بلاک کی سطح تک ایک باہم مربوط انتظامی مشینری بنائی جائے جس کی توجہ ملک میں خالصتاً سوشل ایجوکیشن کے پروگرام کے لئے وقف ہو۔ اسی کے ساتھ بہت اچھی بات ہو گی اگر اس انتظامی مشینری کی حیثیت ہر سطح پر محکمۂ تعلیمات کے ایک الگ بازو کی ہو اور اسے اتنا اختیار حاصل ہو کہ وہ اپنے طور پر فوراً کے فوراً

فیصلے کر سکے۔

۵۔ ضرورت ہے کہ سوشل ایجوکیشن کے ہر درجے کے افسر اور کارکن ایسے ہوں کہ انھیں اچھی طرح ٹھونک بجا کر منتخب کیا گیا ہو، انھیں اچھی سے اچھی ٹریننگ ملی ہو، اور کام کے معاملے میں انھیں مناسب حد تک سہولتیں اور آسانیاں حاصل ہوں ان کا ایک جگہ سے دوسری جگہ بار بار تبادلہ نہیں ہونا چاہیئے خصوصاً بلاک کی سطح پر کام کرنے والے سوشل ایجوکیشن آرگنائزروں کا تبادلہ تو بار بار ہرگز نہیں ہونا چاہیئے۔

۶۔ اب تک تو خیر ملک کو سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کی فوری ضرورت تھی اس لئے ان کے لئے تھوڑی تھوڑی مدت کے عارضی ٹریننگ سنٹر ضروری تھے مگر اب سیمنار کا خیال ہے کہ سوشل ایجوکیشن (جس میں کمیونٹی آرگنائزیشن بھی شامل ہو) کی ٹریننگ کا انتظام حکومتوں، یونیورسٹیوں اور رضاکار اداروں میں باضابطہ طور پر ہونا چاہیئے۔

۷۔ اس سلسلے میں اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ نیشنل فنڈامنٹل ایجوکیشن سنٹر، دہلی، سوشل ایجوکیشن آرگنائزروں کی ٹریننگ کے ریاستی سنٹروں اور مختلف حیثیتوں میں سوشل ایجوکیشن کی ٹریننگ دینے والے دوسرے اداروں کے پروگراموں میں باہم ربط اور تال میل قائم کیا جائے۔

۸۔ سوشل ایجوکیشن کے پیشے سے متعلق اس زمانے میں جس قدر علم مرتب ہوا ہے، اس کے پیشِ نظر مناسب ہوگا کہ انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن جلد از جلد ریسرچ کا ایک پروگرام مرتب کر کے اس پر عمل کرے اور اس کے ماتحت سوشل ایجوکیشن کے میدان میں جو گُر، جو طریقے، جو فن اور ضابطے اُبھرے ہیں، اُن کو ایک جگہ جمع اور ایک دوسرے سے مربوط کرے۔ اس سلسلے میں حکومت ہند سے درخواست کی جانی چاہیئے کہ وہ اس مقصد کے لئے ایسوسی ایشن کو مناسب قسم کی آسانیاں اور امدادیں بہم پہنچائے۔

سترہویں آل انڈیا اڈلٹ ایجوکیشن کانفرنس

کی

قراردادیں

سیمنار کے بعد اُسی جگہ ہی اور دوسری نومبر ۱۹۶۰ء کو آل انڈیا اڈلٹ ایجوکیشن کانفرنس کا سترہواں اجلاس بھی منعقد ہوا جس کی صدارت گجرات کے چیف منسٹر ڈاکٹر جیوراج مہتا نے کی تھی اور افتتاح حکومت ہند کے وزیر تعلیم ڈاکٹر کے۔ ایل۔ شری مالی نے فرمایا تھا۔ اس اجلاس میں حسب ذیل قراردادیں منظور ہوئیں۔

۱۔ آل انڈیا اڈلٹ ایجوکیشن کا یہ سترہواں اجلاس شری ہری سرود تمار اُو کے انتقال پُرملال پر رنج وغم کا اظہار کرتا ہے۔ موصوف کا انتقال کیا ہوا کہ ملک سے جنگ آزادی کا ایک جانباز سپاہی اور تحریک تعلیم بالغان کا ایک دوراندیش رہنما اٹھ گیا۔

اب سے تقریباً پچاس برس پہلے جب جہالت اور توہم پرستی کے خلاف محاذ پر لڑنے والے چند انے گنے لوگ ہاتھ آسکتے تھے اس وقت شری ہری سرود تمار اُو نے قوم کی ترقی اور پسماندوں کی دستگیری کی خاطر اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ کتب خانوں کی تحریک کو اُن کی ذات سے جو فیض پہنچا اور جہالت اور ناخواندگی کو دور کرنے میں انھوں نے جو کوششیں کیں، انھیں ملک ہمیشہ یاد رکھے گا۔

مرحوم کی خدمات کے اعتراف کے طور پر یہ اجلاس انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ ایسوسی ایشن کے دفتر کے مرکزی ہال میں شری ہری سرود تمار اُو کی ایک بڑی سی تصویر آویزاں کرے۔

۲۔ اس بات کے پیش نظر کہ سوشل ایجوکیشن نے ایک باضابطہ علم کی حیثیت اختیار کر لی ہے، جسے نہ صرف مرتب کرنے کی

ضرورت ہے بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ اس کی نشو ونما بدستور جاری رہے، یہ کانفرنس ایک سنٹرل انسٹی ٹیوٹ آف سوشل ایجوکیشن کے قیام کی سفارش کرتی ہے۔

اس انسٹی ٹیوٹ کا کام یہ ہوگا کہ ٹریننگ کے پروگرام منظم کئے جائیں اور سوشل ایجوکیشن اور کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے میدان میں تحقیق اور ریسرچ اور نمونے کے پروجیکٹ چلائے جائیں۔

یہ اجلاس انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی مجلسِ انتظامیہ کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ اس تجویز کو جانچ کر اس قسم کے ایک انسٹی ٹیوٹ کا پلان بنائے اور حکومت ہند اور دانی سنستھاؤں سے اس سلسلے میں مالی اور فنی امداد کی اپیل کرے۔

۳۔ آل انڈیا اڈلٹ ایجوکیشن کانفرنس کی رائے ہے کہ ملک میں مادی خوشحالی اور اس کا صحیح استعمال (جو تیسرے پنج سالہ پلان کا مسلّمہ مقصد ہے) صرف اُسی صورت میں ممکن ہے جب عوام ایک خاص قسم کے طرزِ فکر و طریقِ عمل کے حامل ہو جائیں اور سماجی ارتقاء کی ایک خاص منزل پر پہنچ جائیں۔ اس قسم کا طرز فکر پیدا کرنے اور اس قسم کی سماجی تنظیموں کو وجود میں لانے میں سوشل ایجوکیشن کی بہت بڑی اہمیت ہے، چنانچہ ایسی کوئی پالیسی یا پلان جو سوشل ایجوکیشن کی اہمیت کو نظر انداز کر دے کامیاب نہیں ہو سکتا۔

اس نقطۂ نظر کی بنیاد پر یہ کانفرنس حکومت سے پرزور فرمائش کرتی ہے کہ وہ سوشل ایجوکیشن کے لئے تیسرے پنج سالہ پلان میں سرمائے کی ایک معقول مقدار (جو ۲۰ کروڑ سے کم نہ ہونی چاہیئے) منظور کرے۔

۴۔ آل انڈیا اڈلٹ ایجوکیشن کانفرنس کا یہ سترہواں اجلاس سفارش کرتا ہے کہ ہندوستان کی یونیورسٹیوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کے بھی باضابطہ محکمے قائم ہونے چاہئیں جن کے کام اور ذمے داریاں حسب ذیل ہوں۔

(الف) یونیورسٹیوں میں تہذیبی، ادبی، سائنسی اور پیشہ ورانہ مضامین پر مختلف معیار کے جو توسیعی لیکچر ہوتے ہیں، ان کی تنظیم کرنا اور ان کے پروگراموں میں باہم ربط اور تال میل پیدا کرنا۔

(ب) سماج کے مختلف طبقوں کی تعلیمی ضرورتوں کی تحقیقات کرنا یعنی اس بات کا پتہ لگانا کہ مختلف طبقوں کے لوگوں کے لئے کس نوعیت اور معیار کی تعلیم کی ضرورت ہے اور اس تحقیقات کے نتائج سے خود اپنی یونیورسٹی کو، دوسرے تعلیمی محکموں کو، حکومتوں کو اور سماجی بہبود کے کام میں لگے ہوئے رضاکار اداروں کو آگاہ کرنا۔

(ج) (اگر حالات اور وسائل اجازت دیں تو) موزوں مقامات پر مزدوروں اور کسانوں کی تعلیم کے لئے تعلیمی مرکز، کالج یا اسی طرح کے دوسرے انسٹی ٹیوٹ قائم کرنے کے امکانات پر غور کرنا (جیسے آکسفورڈ کا رسکن کالج ہے، ڈنمارک کے فوک ہائی اسکول ہیں، انگلینڈ کی تعلیمی نوآبادیاں (ایجوکیشنل سیٹلمنٹ) ہیں،

ٹوائن بی ہال ہے اور آکسفورڈ ہاؤس، کیمبرج ہاؤس یا آسکاگو کا ہل ہاؤس ہے وغیرہ)

د۔ سوشل ایجوکیشن کے میدان میں اس کے مختلف پہلوؤں پر تحقیق اور ریسرچ کرنا اور اگر کسی حالت میں ممکن ہو نوجوان محققوں اور عالموں کو اس قسم کی ریسرچ پر ڈگریاں دینا۔

کانفرنس ہندوستان کی یونیورسٹیوں کے سامنے اس سلسلے میں انگلینڈ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں کی مثال پیش کرتی ہے اور ان سے اپیل کرتی ہے کہ اپنے ملک میں بھی وہ اس میدان میں دریادلی اور عاقبت اندیشی کا ثبوت دیں۔ ہندوستان کو مغربی ملکوں کے مقابلے میں اس قسم کی خدمات کی بہت زیادہ ضرورت ہے اور ہماری یونیورسٹیوں کا فرض ہے کہ وہ اِس ضرورت کو پورا کرنے میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیں۔

۵۔ شری ایس۔ سی۔ دتا نے ایسوسی ایشن کے جنرل سکریٹری کی حیثیت سے جو بے غرضانہ خدمات انجام دی ہیں، انھیں انڈین اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی یہ جنرل کاؤنسل تعریف و توصیف کی نظر سے دیکھتی ہے اور ان کے لئے شری دتا کی ممنون ہے۔

موصوف کے عہد کے زمانے میں ایسوسی ایشن نے نہ صرف یہ کہ اپنی حیثیت مستحکم کر لی بلکہ مختلف میدانوں میں اس نے اپنی سرگرمیوں کا دائرہ بھی وسیع کر لیا ہے اس لئے جنرل کاونسل سفارش کرتی ہے کہ شری دتا کی ان خدمات کا اعتراف کیا جائے اور ان سے درخواست کی جائے کہ وہ اپنی خدمات کو بدستور جاری رکھیں۔

ایسوسی ایشن کی جنرل کاونسل نے ایک ریزولیوشن کے ذریعے ایک کمیٹی بھی مقرر کی جس کا کام یہ ہوگا کہ وہ ایسوسی ایشن کے دستور میں ایسی ترمیمیں تجویز کرے جو اُسے سوشل ایجوکیشن کی تحریک کے موجودہ رجحانات اور تقاضوں کے حسب حال بنا سکے۔

کانفرنس نے ایک اور ریزولیوشن کے ذریعے ایک عارضی کمیٹی اس مقصد کے لئے مقرر کی کہ ریاست گجرات کے لئے ایک اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن قائم ہو جائے۔ کمیٹی کے ممبران میں شریمتی ہنسا مہتا، شری مگن بھائی ڈیسائی، شری ڈلار بھائی مانکڈ اور کنوینر شری ہربھائی ترویدی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔
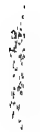
ادارۂ تعلیم و ترقی، جامعہ نگر، نئی دہلی

ادارہ تعلیم و ترقی جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہانہ رسالہ

تعلیم و ترقی

دسمبر ۱۹۶۰ء

جلد ۱۱ ـــــ شمارہ ۱۲

گذشتہ آٹھ جلدوں کے منتخب

مضامین کا

مختصر تعارف

مرتبہ:

محمد خلیل عباس صدیقی

ریسرچ فیلو

ڈپارٹمنٹ آف اینتھراپالوجی حکومت ہند کلکتہ

بانی:۔ شفیق الرحمٰن قدوائی مرحوم

ادارۂ تحریر

پروفیسر محمد مجیب

برکت علی فراق

رفیق محمد شاستری

دفتر:۔ ماہنامہ تعلیم و ترقی۔ جامعہ نگر

نئی دہلی

قیمت:۔

سالانہ چار روپئے۔ فی پرچہ ۳۷ نئے پیسے

ٹیلیفون: ۴۴۶۴۰

برکت علی فراق نے کوہ نور پریس لال کنواں دہلی میں چھپوا کر دفتر ماہنامہ تعلیم و ترقی جامعہ نگر نئی دہلی سے شائع کیا۔

اشارات

تعلیم و ترقی کے مضامین کا تعارف

ماہنامہ "تعلیم و ترقی" کا زیرِ نظر شمارہ اس کی آٹھ جلدوں کے چند منتخب مضامین کے تعارف پر مشتمل ہے کسی پرچے میں اس کے گذشتہ مضامین کے تعارف کی اشاعت بظاہر کچھ انوکھی سی بات ہے، لیکن یہ بات اتنی انوکھی ہے نہیں جتنی پہلی نظر میں معلوم ہوتی ہے۔ ماہانہ اور سہ ماہی رسالوں کا یہ عام دستور ہے کہ ان کے پہلے یا آخری شمارے میں پچھلے پرچوں کے تقریباً تمام مضامین کی یکجا فہرست شائع کی جاتی ہے، اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ ان مضامین کا مختصر تعارف بھی ہو۔

اس سے پہلے ہم نے گذشتہ چند اشاعتوں میں ۱۹۵۰ء سے ۱۹۵۴ء تک کے مضامین کی فہرست شائع کی تھی لیکن اس کے بعد بعض اسباب کی بنا پر یہ سلسلہ بند ہو گیا تھا۔ اسی دوران میں معلوم ہوا کہ حکومت ہند کے ڈپارٹمنٹ آف انتھراپالوجی کلکتہ (محکمۂ علم الانسان) کی طرف سے اس کے ایک ریسرچ فیلو ایم۔ کے۔ اے۔ صدیقی صاحب نے "تعلیم و ترقی" کی آٹھ جلدوں کے منتخب مضامین کی ایک تعارفی فہرست بڑی محنت سے مرتب کی ہے۔ ہم نے سوچا کہ مضامین کے صرف عنوانات کی فہرست شائع کرنے کے بجائے اگر یہ تعارفی فہرست شائع ہو جائے تو اس کے ذریعے تعلیم و ترقی کے ہمدردوں اور سرپرستوں کو اس کے مضامین کی حیثیت کا اندازہ کرنے میں زیادہ آسانی ہوگی اور رسالے کی افادیت زیادہ وضاحت سے سمجھ میں آجائے گی۔

ہم مذکورہ ڈپارٹمنٹ آف انتھراپالوجی کے احسان مند ہیں کہ اس نے ازراہِ علم دوستی ماہنامہ تعلیم و ترقی کو اہمیت دی اور اس کے مضامین کی تعارفی فہرست مرتب کرادی .... ہم ڈپارٹمنٹ کو اس علم نوازی پر مبارکباد پیش کرتے ہیں اور اس فہرست کو فخر و مسرت کے ساتھ ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

یہ فہرست اگرچہ بڑی محنت سے مرتب کی گئی ہے اور بڑے کام کی چیز ہے لیکن اسے جامع اور ہمہ گیر نہیں کہا جاسکتا۔ مرتب نے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طوالت کے ڈر سے ہر شمارے سے صرف ایک ایک یا کسی کسی نمبر سے دو دو مضامین کا انتخاب کرکے ان کا مختصر تعارف لکھا ہے۔ کچھ ایسا بھی احساس ہوتا ہے کہ انھیں رسالے کے بہت سے شمارے دستیاب ہی نہیں ہوئے۔ یہ احساس اس لئے ہوتا ہے کہ

ان "متروک" شماروں میں بعض ایسے مضامین شائع ہوئے ہیں کہ انھیں کوئی مرتب نظرانداز کر ہی نہیں سکتا تھا اور صدیقی صاحب تو انھیں شریک فہرست کرنے میں ہرگز نہ چوکتے۔

اسی طرح اس فہرست سے افتتاحیہ مقالے یعنی ایڈیٹوریل قریب قریب یک لخت خارج کر دیئے گئے ہیں جس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مقالے بیشتر سوشل ایجوکیشن کی تحریک اور اس کے تنظیمی مسائل سے متعلق تھے اور مرتب کے نزدیک ان کی مستقل علمی حیثیت نہیں تھی۔ مگر ان مقالات کی حیثیت علمی ہو یا نہ ہو، یہ بہرحال واقعہ ہے کہ ان کے مطالعے سے یہ بات یقیناً واضح ہو جاتی کہ آٹھ نو سال کے اس عرصے میں سوشل ایجوکیشن کی تحریک کے سامنے کون کون سے نئے موڑ آئے ہیں اور اُسے انھوں نے کس طرح متاثر کیا ہے۔

لیکن ان باتوں کے باوجود یہ بہرحال واقعہ ہے کہ یہ تعارفی فہرست سوشل ایجوکیشن کے کارکنوں کے لئے نہایت مفید ہے اور ہمیں اس کی اشاعت کی اجازت دے کر حکومت ہند کے ڈپارٹمنٹ آف انتھراپالوجی نے جس علم دوستی اور دریا دلی کا ثبوت دیا ہے اس کے لئے ہم اس کے دل سے ممنون اور شکر گذار ہیں۔

بقیہ صفحہ ۳۲ کا

کے مزدوروں کی تعلیم کے باب میں بھی بعض مفید مشورے دیئے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ کارخانوں کے مزدوروں کی تعلیم کے پیچھے بنیادی تصور یہ ہونا چاہیئے کہ انھیں یہ یقین ہو جائے — اور اس بات کا یقین ہونے کے بعد وہ اپنے آپ کو اس کے لئے تیار کریں — کہ آگے چل کر وہ زمانہ آئے گا جب کارخانوں کی ملکیت میں ان کا بھی برابر کا حصہ ہو جائے گا۔

۱۰۸۔ ہندوستان میں مزدور سبھا تحریک کی تاریخ

THE HISTORY OF TRADE UNION MOVEMENT IN INDIA.

پی. سی. ترپاٹھی ———— دسمبر ۱۹۵۶ء

مصنف نے "مزدور سبھا" (ٹریڈ یونین) کے لفظ کی تشریح کرنے اور اس کی چند عام خصوصیتوں کا ذکر کرنے کے بعد ہندوستان میں مختصراً مزدور سبھا تحریک کی تاریخ بیان کی ہے۔ اس تحریک پر پہلی جنگ عظیم نے کیا اثرات ڈالے، اس سلسلے میں کیا کیا قانون بنے، اور سیاسی پارٹیوں نے اس کی تنظیم کے معاملے میں کیا پارٹ ادا کیا، ان سب باتوں کا اس تاریخ کے سلسلے میں ذکر کیا گیا ہے۔ آخر میں مصنف نے ان رکاوٹوں کا بھی ذکر کیا ہے جو ہمارے یہاں اس تحریک کی راہ میں حائل ہو رہی ہیں۔ اور پھر اس بات پر زور دیا ہے کہ مستقبل کے ہندوستان کے لئے اس تحریک کی کتنی اہمیت ہے۔

۱۔ خواندگی کیوں؟

WHY LITERACY

ڈاکٹر ایس۔ آر۔ رنگاناتھن ——— جنوری ۱۹۵۰ء

تعلیم بالغان کے مختلف پہلوؤں پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر رنگاناتھن صاحب نے بالغ افراد کے لئے خواندگی کی ضرورت اور اہمیت پر خصوصی زور دیا ہے۔ موصوف نے بتایا ہے کہ پڑھنا لکھنا سیکھ جانے کے بعد بالغ افراد معلموں اور اساتذہ کی قدم قدم پر محتاجی سے بڑی حد تک نجات پا جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ خواندہ بن جانے سے طالب علم کا ذہنی معیار اونچا اٹھتا ہے اور اس کی شخصی صلاحیتیں اُجاگر ہوتی ہیں۔

۲۔ تعلیم بالغان اور خواندگی

ADULT EDUCATION AND LITERACY

برکت علی فراق ——— جنوری ۱۹۵۰ء

تعلیم بالغان کے مفہوم اور مقصد و منہاج پر بحث کرتے ہوئے اس مضمون میں ملک میں تعلیم بالغان کے رائج طریقوں پر تنقید کی گئی ہے اور کچھ دوسرے ضروری اور مفید طریقے اختیار کئے جانے کی تجویز کی گئی ہے۔ مثلاً آڈیو ویژول کے سامانوں کے ذریعہ بالغوں کی تعلیم کا انتظام کرنا، اور ان کے لئے مفید اور آسان کتابچوں اور اخباروں کی اشاعت کے حق میں دلائل پیش کئے گئے ہیں۔ تعلیم بالغان کے رائج طریقوں میں جو خامیاں ہیں، یہ مضمون ان پر جگہ جگہ تنقید کرتا ہے اور اسی کے ساتھ کچھ دوسرے نئے طریقے اختیار کرنے کے حق میں دلائل پیش کرتا ہے۔

۳۔ بستی کے لوگ اپنے لئے تعلیمی مرکز خود بنائیں

THE VILLAGE PEOPLE SHOULD ESTABLISH COMMUNITY CETRES FORTHEMSELVES

برکت علی فراق ——— فروری ۱۹۵۰ء

گاؤں والے اپنے لئے خود کمیونٹی سنٹر بنائیں، اس کی ضرورت اور اہمیت پر اس مضمون میں خاص زور دیا گیا ہے۔ اگر بستی کے لوگ خود اپنے تعلیمی مرکز بنائیں تو اس سے تعلیمی منصوبے زیادہ کامیاب اور نتیجہ خیز ہو سکیں گے اس کے مقابلے میں کہ حکومت اس طرح کے مرکز ہر بستی میں خود قائم کر دے۔ اس مضمون میں اس کے حق میں تفصیلی اور مدلل بحث کی گئی ہے۔ اس سلسلے میں برابر ریسرچ اور تحقیق کرتے رہنے اور دوسرے ملکوں کے تجربوں سے فائدہ اٹھانے کی جو اہمیت ہے اس پر بھی بحث کی گئی ہے۔

۴۔ تعلیم بالغان گاندھی جی کی نظر میں

MAHATMA GANDHI-ON THE PRINCIPLE AND METHOD OF ADULT ATION

مہاتما گاندھی ——— مارچ ۱۹۵۰ء

اس مضمون میں گاندھی جی نے اپنے اس خیال کی وضاحت کی ہے کہ تعلیم بالغان کا دائرہ محض خواندگی تک محدود نہ ہو کر اتنا وسیع ہونا چاہیئے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو اچھی اور بہتر زندگی گذارنے کی تعلیم دی جا سکے۔ اس بات کی کوشش کی جانی چاہیئے کہ لوگوں کو اس کے ذریعہ صحت وصفائی، زراعت اور گھریلو دستکاری وغیرہ کی تعلیم مل سکے۔ اس تعلیم کا طریقہ یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ اوپر سے کسی بات کا فیصلہ کر لیا جائے اور پھر اس کے مطابق پروگرام چلائے جائیں بلکہ اس میں خود مقامی لوگوں کی مرضی اور ان کی ضرورت کا لحاظ رکھنا چاہیئے اور یہ سارا پروگرام اور طریق کار ان کی ضرورت کے مطابق ہی بنایا جانا چاہیئے۔

۵۔ دیہی یونیورسٹیاں

RURAL UNIVERSITIES.

شمس الرحمن محسنی ——— مئی ۱۹۵۰ء

اس مضمون میں ہندوستان کے لئے دیہی یونیورسٹیوں کی تنظیم اور نصاب تعلیم سے متعلق ایک تفصیلی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح کی یونیورسٹیوں کو چلانے میں پوری طرح اہل اور تربیت یافتہ عملے کی فراہمی میں جو دشواریاں پیش آئیں گی مضمون میں اس مسئلے پر بھی بحث کی گئی ہے۔

۶۔ ڈنمارک کے جنتا کالج

PEOPIES' COLLEGE IN DENMARK.

اقبال احمد ——— جون ۱۹۵۰ء

"تجربے" کے مستقل عنوان کے ماتحت اس مضمون میں ڈنمارک کے جنتا کالج اور ان کی کامیابی کی داستان پیش کی گئی ہے۔ مضمون اس طریقے کو ہندوستان میں اختیار کئے جانے کی پرزور تجویز کرتا ہے جس سے کہ ہمارے ملک کے لوگ کم مدت میں دن دونی اور رات چوگنی ترقی کر سکیں۔

۷۔ مدھیہ پردیش کی سوشل ایجوکیشن اسکیم

THE SOCIAL EDUCATION SCHEME OF MADHYA PRADESH

س۔ ا۔ ——— جون ۱۹۵۰ء

عنوان سے ہی ظاہر ہے کہ اس مضمون میں مدھیہ پردیش کی حکومت کی سوشل ایجوکیشن کی اسکیم کا تفصیلی تعارف پیش کیا گیا ہے۔

۸۔ اڈلٹ ایجوکیشن کیوں؟

WHY ADULT EDUCATION

ڈاکٹر ہانگ سن۔ پاؤ ــــــــــــ جولائی ۱۹۵۰ء

یو۔این۔او کے فوڈ اینڈ ایگریکلچر آرگنائزیشن (F.A.O) کے ایک ماہر ڈاکٹر ہانگ سن۔ پاؤ نے اِس مضمون میں اڈلٹ ایجوکیشن کی ضرورت پر اپنا خیال پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر پاؤ کے نظریے کے مطابق اڈلٹ ایجوکیشن انسان کی پوشیدہ صلاحیتوں کو ابھارنے گاؤں کے لوگوں میں اشتراک و تعاون کا جذبہ بیدار کرنے، لوگوں کی شخصیت اور شخصی آزادی کو برقرار رکھنے اور افراد میں انانیت کا جذبہ جو ہوتا ہے اسے قابو میں رکھنے اور انسانی زندگی کو مسلسل اثرانداز کرتے رہنے کے لئے ضروری ہے۔

۹۔ جن کے لئے کام کرنا ہے انھیں ساتھ لیجئے

TAKE THEM WITH YOU, FOR WHOM YOU HAVE TO WORK.

برکت علی فراق ــــــــــــ جولائی ۱۹۵۰ء

"تجربے" کے مستقل عنوان کے ماتحت اِس مضمون میں اِس بات پر زور دیا گیا ہے کہ سوشل ویلفیر کے میدان میں کام کرنے کا ایک بنیادی اصول یہ ہے کہ جن لوگوں کے درمیان پروگرام چلایا جانے والا ہو ان کا اعتماد اور تعاون حاصل کیا جائے۔ فلونا کاونٹی ہائی اسکول کے تجربوں کی مثال کو سامنے رکھ کر اس مضمون میں اِسی اصول کی وضاحت کی گئی ہے۔ فلونا کاؤنٹی ہائی اسکول کی پرنسپل اور فن خانہ داری کی استانی نے کس طرح اپنے آس پاس کے گاؤوں میں ویلفیر کے کاموں کے لئے عوام کا سرگرم تعاون حاصل کیا یہی اس مضمون کا اصل موضوع ہے۔

۱۰۔ ناخواندگی کا خاتمہ

THE ERADICATION OF ILLITERACY

شفیق الرحمٰن قدوائی ــــــــــــ اگست ۱۹۵۰ء

اس مضمون میں کچھ ایسے اصول اور طریقوں سے متعلق بحث کی گئی ہے جن کے ذریعہ نہ صرف یہ کہ ہندوستان کی ۹۰ فی صدی آبادی کو کم سے کم مدت میں خواندہ بنایا جاسکتا ہے بلکہ اسی کے ساتھ اس بات کی ضمانت بھی کی جاسکتی ہے کہ وہ ایک بار لکھنا پڑھنا سیکھنے کے بعد دوبارہ ناخواندگی کی طرف نہ لوٹ سکیں۔ اِس مضمون میں خواندگی کے کام کو بہت زیادہ پھیلا کر کرنے کے بجائے، چھوٹے علاقوں میں زیادہ ذرائع مرکوز کر کے کرنے کی تجویز کی گئی ہے جس سے کہ کام کے نتائج بہت نمایاں اور ٹھوس شکل میں برآمد ہو سکیں۔ اس میں جن طریقوں کو اختیار

کئے جانے کی تجویز کی گئی ہے وہ بہت وسیع اور ہمہ گیر ہیں۔

۱۱۔ جنوبی امریکہ میں بالغوں کی تعلیم کے نمونے

EXAMPLES OF ADULT EDUCATION IN SOUTH AMERICA.

برکت علی فراق ———— اگست ۱۹۵۰ء

تجربے کے مستقل عنوان کے ماتحت اس مضمون میں جنوبی امریکہ کے مختلف ملکوں میں اڈلٹ ایجوکیشن کا جو کام ہو رہا ہے اس کا تعارف پیش کیا گیا ہے اور اس سلسلے میں کلچرل مشن اور نیوکلر اسکولوں کی سرگرمیوں کا خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے۔

۱۲۔ سوشل ایجوکیشن کے کام میں مختلف سرکاری محکموں کا تعاون

COOPERATION BETWEEN VARIOUS GOVENMENT DEPARTMENTS IN SOCIAL EDUCATION WORK

خواجہ غلام السیدین ———— ستمبر ۱۹۵۰ء

سوشل ایجوکیشن کے اصول اور طریقے سے متعلق تفصیلی بحث کرتے ہوئے پروفیسر خواجہ غلام السیدین صاحب نے اس مضمون میں ہندوستان کے لوگوں کے لئے سماجی تعلیم کا انتظام کرنے کے اس عظیم الشان کام میں مختلف سرکاری محکموں جیسے تعلیمات، زراعت، پولیس، اطلاعات، صحت و صفائی، مقامی خود اختیار حکومتیں، شعبہ دیہی تعمیر اور ریڈیو کے درمیان اشتراک و تعاون کی ضرورت اور اہمیت پر خاص زور دیا ہے۔

۱۳۔ بہار کی سوشل ایجوکیشن کی اسکیم

NEW SCHEME OF SOCIAL EDUCATION IN BIHAR.

سرنیدر پال ———— ستمبر ۱۹۵۰ء

اس مضمون میں بہار کی سوشل ایجوکیشن کی نئی اسکیم کا تعارف پیش کیا گیا ہے اور اس کے انتظام اور طریقوں کا تفصیلی ذکر کیا گیا ہے۔

۱۴۔ سوشل ایجوکیشن کی تحریک میں حکومت کس طرح شریک ہو۔

HOW SHOULD STATE PARTICIPATE IN THE MOVEMENT OF SOCIAL EDUCN.

برکت علی فراق ———— ستمبر ۱۹۵۰ء

اس مختصر اداریئے میں یہ بات پیش کی گئی ہے کہ سوشل ایجوکیشن کی تحریک میں حکومت کس طرح شریک ہو سکتی ہے۔ اڈیٹر نے سرکار کی براہ راست شرکت کی مخالفت کی ہے اور اپنی اس رائے کے حق میں دلائل پیش کئے ہیں۔

۱۵۔ برطانیہ میں تعلیم بالغان کے آزاد اداروں اور حکومت کا باہمی تعلق

THE RELATION OF VOLUNTARY ADULT EDUCN INSTITUTION IN BRITAIN WITH THE STATE

آئی۔ ایم ہچیسن ——— اکتوبر ۱۹۵۰ء

"اصول اور طریقے" کے مستقل عنوان کے ماتحت اس مضمون میں اڈلٹ ایجوکیشن کے اداروں اور حکومت کا باہم تعلق دکھایا گیا ہے۔ برطانیہ کی حکومت اڈلٹ ایجوکیشن کے اداروں پر کسی قسم کی پابندی عائد نہیں کرتی وہ نہ تو ان کے انتظام و انصرام میں دخل دیتی ہے اور نہ انھیں اس سلسلے میں کسی قسم کی ہدایت ہی دیتی ہے۔ حکومت کا اس طرح کے اداروں کی تنظیم و ضوابط میں کسی طرح کا دخل نہیں ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود حکومت ان کے کاموں میں مددگار ہوتی ہے اور انھیں فیاضانہ امداد دیتی ہے۔

۱۶۔ بچوں کی برادری۔ دہلی

CHILDRENS' BROTHEHOOD DELHI

ہنیشی ——— اکتوبر ۱۹۵۰ء

اس مضمون میں دہلی کے بچوں کے لئے غیر نصابی سرگرمیوں کے لئے بچوں کی انجمنیں قائم کرنے کے مقصد و منہاج پر بحث کی گئی ہے اور اس سلسلے میں بچوں کی برادری دہلی کے کام اور تجربوں کا ایک خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

۱۷۔ روس میں بالغوں کی تعلیم

ADULT EDUCATION IN THE SOVIET UNION.

شمس الرحمن محسنی ——— اکتوبر ۱۹۵۰ء

عنوان سے ہی ظاہر ہے کہ اس مضمون میں بالغوں کی تعلیم کی اہمیت مقصد و منہاج اور طریق کار پر بحث کی گئی ہے۔ سویت روس میں بالغوں کی تعلیم کو سب سے زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اور اس کام میں حکومت کے تمام محکمے امداد اور تعاون کرتے ہیں۔

۱۸۔ تعلیم بالغان کی تحریک میں یونیورسٹیوں کا حصہ

THE ROLE OF THE UNIVERSITIES IN ADULT EDUCATION MOVEMENT.

ایس۔ سی۔ دتہ ——————— نومبر ۱۹۵۰ء

مصنف کی رائے میں ہندوستان کی یونیورسٹیوں اور کالجوں کو سوشل اور اڈلٹ ایجوکیشن کی تحریک میں زیادہ سے زیادہ حصہ لینا چاہیئے۔ یہ کام وہ ایکس ٹنشن لیکچروں کا انتظام کرکے اور اڈلٹ ایجوکیشن کے کارکنوں اور استادوں کی ٹریننگ کا انتظام کرکے کرسکتی ہیں۔ کچھ خاص مضامین پر مختصر مدت کے کورس بھی چلائے جاسکتے ہیں۔ یونیورسٹیاں اپنے یہاں ایکسٹرا میورل ڈپارٹمنٹ بھی قائم کرسکتی ہیں۔ یہ ڈپارٹمنٹ ان لوگوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام کریں جو یونیورسٹیوں کے طالب علم نہیں ہوتے۔

۱۹۔ دیواری اخبار کے پانچ بنیادی اصول

FIVE BASIC PRINCIPLES. OF WALL PAPERS.

برکت علی فراق ——————— نومبر ۱۹۵۰ء

اڈلٹ ایجوکیشن میں آڈو ویژول سامانوں کے استعمال اور ان میں دیواری اخباروں کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے مصنف نے اس مضمون میں دیواری اخباروں کے مقصد پر بحث کی ہے۔ یہ اخبار جن لوگوں کے لئے ہے اُس حلقے کو سمجھنے، اخبار میں استعمال ہونے والے مشکل الفاظوں کی ایک لغت تیار کرنے اور دیواری اخبار کا ایک باقاعدہ نصاب تیار کرکے اس کے مطابق اخبار تیار کرنے کی ضرورت پر خصوصی زور دیا ہے۔

۲۰۔ عوام کی یونیورسٹی

PEOPLES' UNIVERSITY.

ایمی اسٹورٹ ——————— نومبر ۱۹۵۰ء

اِس مضمون میں مصنف نے انگلینڈ کی ورکرز ایجوکیشنل ایسوسی ایشن کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے اور اس میں اس کی مقامی شاخوں اور طالب علموں کی بڑھتی ہوئی تعداد کا بھی ذکر کیا ہے۔ مضمون کے لکھتے وقت طالب علموں کی تعداد کئی ہزار پہنچ چکی تھی۔ ملک گیر پیمانے پر پھیلی ہوئی یہ یونیورسٹی اِس ملک کی سب سے بڑی یونیورسٹی ہے جس میں سب سے زیادہ طالب علم داخل ہوتے ہیں۔ مصنف نے اس یونیورسٹی میں پڑھائے جانے والے مضامین اور طریق تعلیم کا بھی تفصیلی تعارف پیش کیا ہے۔

۲۱۔ کشمیر کے سماجی مرکزوں کی ایک جھلک

A GLIMPSE OF THE COMMUNITY CENTRES IN KASHMIR.

رگھوناتھ مٹو ——————— نومبر ۱۹۵۰ء

کشمیر میں سوشل ایجوکیشن کے چیف سپروائزر شری مٹو نے اس مضمون میں کمیونٹی سینٹروں کی تنظیم سے متعلق اپنے تجربات پیش

گئے ہیں ان کا خیال ہے کہ ان سنٹروں میں اتنی دلکشی ہونی چاہیئے کہ لوگ ان کے گرد خود بخود جمع ہوں اس کے مقابلے میں کہ اثر و رسوخ سے کام لے کر لوگوں کو ان سنٹروں میں آنے کے لئے آمادہ کیا جائے۔ انھوں نے ان مسائل کا بھی ذکر کیا ہے جو گاؤں والوں کے سامنے آئے دن پیش آتے ہیں۔ سماجی کارکنوں کو ان مسائل کی طرف سے بے خبر نہ ہو کر ان کا پوری طرح سامنا کرنا چاہیئے کمیونٹی سنٹرز نے بغیر کسی زور زبردستی اور دباؤ کے گاؤں والوں کو بہت سے مسائل سے نجات دلانے میں مدد دی ہے۔

۲۲۔ تعلیم بالغان کو بچاؤ

SAVE ADULT EDUCATION.

ایس۔ آر۔ رنگا ناتھن ———— دسمبر ۱۹۵۰ء

سوشل ایجوکیشن کے اصل مفہوم کو ٹھیک سے نہ سمجھ کر اس کے اوپر جو روپیہ پیسہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے اور یہ اسکیم جس طرح سیاسی اغراض کے لئے استعمال کی جا رہی ہے، مضمون اس پر سخت تنقید کرتا ہے۔ مصنف نے سوشل ایجوکیشن کو اس کا جائز مقام دیئے جانے کی پر زور اپیل کی ہے اور اس کے لئے مناسب طریقے اور ذرائع بھی تجویز کئے ہیں۔

۲۳۔ دیہی تعلیم بالغان کا آخری حل

THE LAST SOLUTION OF RURAL ADULT EDUCATION

شالگ رام پتھک ———— دسمبر ۱۹۵۰ء

دیہی تعلیم بالغان کے میدان کے ایک تجربہ کار کارکن شری شالگ رام پتھک نے اس طرح کی تعلیم کے لئے "ایک کم خرچ بالا نشین" تجویز کیا ہے۔ ان کی تجویز ہے کہ تعلیم کے موجودہ نظام کو سرے سے بدل کر "سرودے" کی لائنوں پر از سر نو تنظیم کرنے کی ضرورت ہے، یعنی ایک ایسا نظام جس میں سیکھنے کے ساتھ کام کرنے کا عمل بھی جاری رہے۔ موصوف نے اپنی اس اسکیم کے ماتحت مالی وسائل اور طریقِ تعلیم پر بھی بحث کی ہے۔

۲۴۔ خواندگی اور تعلیم بالغان

LITERACY AND ADULT EDUCATION.

برکت علی فراق ———— دسمبر ۱۹۵۰ء

۱۹۵۰ء میں یونیسکو کا ایشیائی سیمنار میسور میں ہوا تھا۔ اس مضمون میں مصنف نے اپنی رائے کے ساتھ ساتھ اس سیمنار کی بنیادی سفارشات پیش کی ہیں۔ یہ سیمنار ہندوستان کے دیہی علاقوں کے لئے اڈلٹ ایجوکیشن پروگرام پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوا تھا۔

۲۵۔ تعلیم بالغان میں خواندگی کا درجہ
THE PLACE OF LITERACY IN ADULT EDUCATION.

برکت علی فراق ——————— فروری ۱۹۵۱ء

مصنف نے جبل پور نیشنل سیمنار کی تجاویز کی بنیاد پر "اڈلٹ ایجوکیشن میں خواندگی کا درجہ" کے موضوع پر مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا ہے، یہ مضمون اُس سلسلے کی پہلی کڑی ہے جس میں خواندگی کی اہمیت پر بحث کی گئی ہے۔ اس سلسلے کے باقی دو مضامین میں خواندگی کا کام ملک گیر پیمانے پر پھیلا کر اور محدود علاقے میں زیادہ ذرائع مرکوز کر کے کرنے کی اہمیت اور اس کے تنظیمی پہلوؤں پر بحث کی ہے۔

دیہاتی مرکز
VILLAGE CENTRE.

ڈاکٹر ڈی۔ اسپنسر ہیچ ——————— فروری ۱۹۵۱ء

دیہی مراکز کی ابتدا، نوعیت اور اہمیت کے بارے میں ڈاکٹر اسپنسر کا نظریہ اس مضمون میں پیش کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ اس طرح کے مرکزوں کی تشکیل کے لئے کس طرح کی چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے مضمون میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس طرح کے سینٹر چلانے کے لئے کس طرح کے آدمیوں کی ضرورت ہوگی۔ مضمون کے دوسرے حصے میں ڈاکٹر اسپنسر نے دیہی مراکز کے طریق کار اور اُن کے کام کے حدود کی تشریح کی ہے اور ان کے سامنے جو دقتیں اور جو مسائل درپیش ہوتے ہیں اور جن طریقوں کو اختیار کرکے کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے اس پر بھی بحث کی ہے۔

۲۷۔ دہلی کا جنتا کالج
JANATA COLLEGE DELHI

اداریہ ——————— مارچ ۱۹۵۱ء

اس اداریہ میں دہلی کے جنتا کالج کے کاموں سے متعلق بحث کی گئی ہے اور کچھ ایسے طریقے اختیار کرنے کی تجویز کی گئی ہے جس سے نوخواندہ بالغ حرف شناسی میں پکے ہو جائیں اور پھر ناخواندگی کی طرف نہ لوٹ سکیں۔ اس اسکیم کو کامیابی کے ساتھ چلانے کے لئے اچھے اور پوری طرح تربیت یافتہ عملے کی ضرورت پر بھی پوری طرح زور دیا گیا ہے۔

۲۸۔ مدھیہ بھارت میں تعلیم بالغان کا ایک کامیاب تجربہ۔
A SUCCESSFUL EXPERIMENT IN ADULT EDUCATION IN MADHYA PRADESH

وائی. سرنیدر پال ———————— مارچ ۱۹۶۰ء

جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے۔ اس مضمون میں مدھیہ بھارت کی کنّا پور تحصیل میں اڈلٹ ایجوکیشن کے ایک کامیاب تجربے کی کہانی دی گئی ہے یہ بھرپور کوشش مقامی لوگوں کے بے دریغ تعاون کی وجہ سے ہی کامیاب ہو سکی۔ مصنف نے اس تجربے کی بنیاد پر کچھ اہم نتائج اخذ کئے ہیں اور اڈلٹ ایجوکیشن کے کچھ مفید اور دوررس نتائج اخذ کرنے کے لئے کچھ تجاویز بھی پیش کی ہیں۔

۲۹۔ اندور کا نیشنل سیمنار

THE NATIONAL SEMINAR OF INDORE.

کاشی ناتھ ترویدی ———————— جنوری ۱۹۵۲ء

مصنف نے اس مضمون میں اڈلٹ ایجوکیشن کے اندور نیشنل سیمنار کی سرگرمیوں اور طریق کار کا تعارف پیش کیا ہے۔

۳۰۔ کمیونٹی سینٹروں کی تنظیم

ORGANIZATION OF COMMUNITY CENTRES.

نیشنل سیمنار ———————— جنوری ۱۹۵۲ء

کمیونٹی سینٹروں کی تنظیم پر اندور نیشنل سیمنار کی سفارشات دی گئی ہیں۔ مضمون کے شروع میں کمیونٹی سینٹر کی ایک جامع تعریف دی ہوئی ہے اور اس کے اغراض و مقاصد، دائرۂ عمل اور اس کی تنظیم سے متعلق تفصیلی باتوں پر بحث کی گئی ہے۔

۳۱۔ سوشل ایجوکیشن اور اس کی ضرورت

SOCIAL EDUCATION AND ITS NECESSITY.

برکت علی فراق ———————— فروری ۱۹۵۲ء

تعلیم کے فرسودہ نظام اور دوسری غالب قوتوں سے آج لوگوں کی زندگی میں جو غیر جمہوری اور جمہوریت دشمن رجحانات جڑیں جما چکے ہیں ان پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے مصنف نے ان خرابیوں کو جو ہماری نوخیز جمہوریت کے لئے ایک خطرہ بنی ہوئی ہیں، جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے حق میں دلائل پیش کئے ہیں۔ مصنف کا دعویٰ ہے کہ یہ مشکل کام قانون سازوں، حاکموں اور سیاسی رہنماؤں کی تنہا کوششوں کے بس سے باہر ہے۔ یہ کام صرف سوشل ایجوکیشن کے ایک باقاعدہ اور منظم پروگرام کے ذریعہ ہی کیا جا سکتا ہے۔

۳۲۔ کمیونٹی سنٹروں کے مقاصد اور منصب

THE OBJECTS AND ROLE COMMUNITY CENTRES.

نکی رام گپتا اور دوسرے — فروری ۱۹۵۲ء

یہ ایک یادداشت ہے جو دہلی اسٹیٹ اڈلٹ ایجوکیشن ایسوسی ایشن کی جانب سے اندرنیشنل سیمنار کے موقع پر پیش کی گئی تھی جس میں کمیونٹی سنٹرز کی تنظیم کا مسئلہ زیر بحث تھا۔

۳۳۔ تعلیم بالغان کے چند مسائل

SOME PROBLEMS OF ADULT EDUCATION.

مہر سی۔ ناناوتی ——— اپریل ۱۹۵۲ء

دہلی میونسپل کمیٹی کے سوشل ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ کے ڈائرکٹر کی حیثیت سے اس مضمون میں مسٹری مہر۔سی۔ ناناوتی نے تعلیم بالغان کے میدان میں اپنے تجربات قلمبند کئے ہیں۔ اڈلٹ ایجوکیشن کے مختلف مفہوموں سے اپنی بحث کا آغاز کرتے ہوئے مصنف نے ان مسائل کا ذکر کیا ہے جو بالغ افراد کو کلاس میں لانے کے سلسلے میں پیش آتے ہیں۔ مسٹری ناناوتی کا خیال ہے کہ یہ دشواری صرف اس طرح حل کی جاسکتی ہے کہ تعلیم کے کام کو لوگوں کی روزمرہ کی زندگی، ان کے پیشے اور کام، ان کی گھریلو اور بستی کی زندگی سے مربوط کردیا جائے اور اس میں لوک گیت، لوک ناچ اور ڈراموں کے ذریعہ ان کی تفریح طبع کا انتظام بھی کیا جائے۔ اس پروگرام کو چلانے کے لئے کس طرح کے لوگوں، رضاکار کارکن اور تنخواہ دار ملازم کی ضرورت ہوگی مضمون میں اس مسئلہ پر بھی تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ بالغوں کے لئے کتابوں کی تیاری کے مسائل پر بھی مصنف نے بحث کی ہے۔

۳۴۔ چھوٹی بستیوں کی اہمیت

THE IMPORTANCE OF SMALL COMMUNITIES.

آرتھر۔ ای۔ مارگن ——— اپریل ۱۹۵۲ء

آرتھر۔ای۔مارگن کی انگریزی کتاب (SMALL COMMUNITY) کے ایک باب کا یہ اردو ترجمہ ہے، جس میں چھوٹی بستیوں کی اہمیت پر بحث کی گئی ہے۔

۳۵۔ بستیوں کی ترقی کا منصوبہ

COMMUNITY DEVELOPMENT PROJECTS.

اداریہ ——— مئی ۱۹۵۲ء

کمیونٹی پروجیکٹ پر یہ اُس وقت کا تنقیدی جائزہ ہے جب کہ یہ اسکیم منصوبہ بندی کے مرحلے میں تھی۔ اس اداریہ میں حکومت کو خبردار کیا گیا ہے کہ وہ کمیونٹی پروجیکٹ کی اسکیم کو افسر شاہی نظام کے گورکھ دھندے میں نہ ڈالے۔ اس طرح کے پلان کی

کامیابی اس بات پر منحصر ہوتی ہے کہ اس کے عمل درآمد میں عوام کا تعاون کس حد تک حاصل رہا ہے۔

۳۶۔ روس میں ناخواندگی کا خاتمہ کیسے ہوا؟

HOW ILLITERACY WAS ERADICATAD FROM SOVIET RUSSIA.

ای۔ زووروف ———————— مئی سنہ ۱۹۵۲ء

روس میں ناخواندگی کو ختم کرنے میں کس طرح کامیابی ملی، یہ مضمون ان ہی کوششوں کا تفصیلی تعارف پیش کرتا ہے۔

۳۷۔ کمیونٹی سینٹروں کی تنظیم

THE ORGANIZATION OF COMMUNITY CENTRES.

آرتھر۔ ای۔ مارگن ———————— مئی سنہ ۱۹۵۲ء

یہ مضمون ڈاکٹر آرتھر مارگن کی کتاب سے ماخوذ ہے، نفس مضمون کے اعتبار سے گذشتہ مضمون سے جو اپریل سنہ ۱۹۵۲ء میں شائع ہوا تھا مختلف ہوتے ہوئے بھی یہ اُسی سلسلے کی اگلی کڑی ہے۔

۳۸۔ بالغوں کے ادب پر

ON ADULT LITERATURE.

اداریہ ———————— جون سنہ ۱۹۵۲ء

بالغوں کے ادب پر سوشل ایجوکیشن کے تیسرے نیشنل سیمنار کے دائرہ عمل میں کیا کیا چیزیں شامل ہونی چاہیئے اداریہ میں اسی مسئلے پر بحث کی گئی ہے۔ تنظیمی اور انتظامی معاملات کے علاوہ اس کام کے لئے کارکنوں کی صلاحیت اور استعداد اور ناشروں کا تعاون حاصل کرنے کے امکانات اور ضرورت پر بھی غور کیا گیا ہے۔

۳۹۔ بستیوں کے مسئلے کا حل

SOLUTION OF THE COMMUNITY PROBLEM.

آرتھر۔ ای۔ مارگن ———————— جون سنہ ۱۹۵۲ء

ڈاکٹر مارگن کی کتاب "دی اسمال کمیونٹی" کے ایک دوسرے باب کا یہ اُردو ترجمہ ہے، گذشتہ مضمون میں مصنف نے جو مسئلے اٹھائے تھے اس میں انھیں مسائل کا حل پیش کیا گیا ہے۔

۴۰۔ بچوں کی تربیتی تحریک اور حکومت

GOVT. AND THE MOVEMENT FOR CHILDREN'S TRAINING.

اداریہ ________ جولائی ۱۹۵۲ء

یہ اداریہ بچوں کی تربیت اور تفریحی مشاغل کے لئے غیر نصابی تعلیم کی سہولتیں فراہم کرنے کی ضرورت اور اہمیت پر بحث کرتا ہے اور اس سلسلے میں بچوں کے کلبوں کی تنظیم اور چلتے پھرتے تھیٹروں اور فلموں کی تیاری کا انتظام کرنے کے کاموں میں حکومت سے پہل کرنے کے حق میں دلائل پیش کرتا ہے۔ بچوں کی انجمنوں کو تعمیری سرگرمیوں میں مصروف رکھنے کے پروگرام پر بھی بحث کی گئی ہے۔

۴۱۔ بالغوں کے ادب کے لئے کون سے میدان ہو سکتے ہیں؟

THE POSSIBLE FIELDS OF ADULT LITERATURE.

ڈاکٹر ایس۔ آر۔ رنگاناتھن ________ جولائی ۱۹۵۲ء

بالغوں کے ادب کے موضوع پر سوشل ایجوکیشن کے تیسرے نیشنل سیمنار کے موقع پر ڈاکٹر رنگاناتھن نے یہ مقالہ پڑھا تھا۔ موصوف نے اس مقالے میں بالغوں کو چار گروپ اور دو ذیلی گروپ میں تقسیم کر کے بتایا ہے کہ ان میں سے ہر گروپ کے بالغوں کے لئے کس طرح کے ادب کی ضرورت ہوگی۔ ڈاکٹر صاحب نے کتابوں کے موضوع، طرزِ بیان اور دیدہ زیبی پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے ان کے لئے پوری طرح اہل مصنفوں اور مصوروں کی تلاش اور ان میں باہم اشتراک کے مسائل پر بحث کی ہے۔

۴۲۔ اچھے لیڈر میں کیا اوصاف ہونے چاہئیں؟

WHAT SHOULD BE THE QUALITIES OF A GOOD LEADER.

لکشمی نرائن ________ اگست و ستمبر ۱۹۵۲ء

اس مختصر مضمون میں مصنف نے ایک اچھے لیڈر کے اوصاف بیان کئے ہیں۔ ایک متوازن شخصیت کے ساتھ ساتھ مصنف کی رائے میں اُسے حوصلہ مند، ذہین اور اعلیٰ کردار کا آدمی ہونا چاہیئے۔ اپنے جذبات پر قابو رکھنا، جو منصوبہ بنے اُسے پورا کرنے کی اس میں ہمت اور طاقت کا ہونا اور تن اور من سے لگ کر کام کرنا ایک اچھے لیڈر کے لئے اولین شرط کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس مضمون میں انہی باتوں پر مختصر اً بحث کی گئی ہے۔

۴۳۔ دیہی سماج میں بالغوں کی تعلیم کا نصاب

SYLLABUS FOR ADULT EDUCATION IN THE RURAL SOCIETY.

ایس۔ آر۔ رنگا ناتھن ———————— ستمبر ۱۹۵۲ء

دیہی علاقوں کے بالغوں کو کس طرح کی تعلیم دی جانی چاہیئے اس پر بحث کرتے ہوئے مصنف نے اس میں (۱) پیشہ ورانہ تعلیم (۲) عام معلومات (۳) اور تہذیبی ترقی کی تعلیم کو شامل کرنے پر خاص طور سے زور دیا ہے۔ اس مضمون میں انہی باتوں پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔

۴۴۔ گندے اشتہاروں کی روک تھام

PREVENTION OF FILTHY ADVERTISEMENTS.

محمد اظہر ———————— ستمبر ۱۹۵۲ء

گندے اشتہاروں کا نوجوانوں اور نوخیز ذہنوں پر جو برا اثر مرتب ہوتا ہے مصنف نے اس پر بحث کرتے ہوئے ان کی روک تھام کے ایک تجربے کی تفصیل اس مضمون میں پیش کی ہے۔ یہ اشتہارات بیشتر سنیما، دوا علاج اور سیاسی پروپگنڈے سے متعلق ہوا کرتے تھے۔ دہلی کے ایک محلے رکوپہ رحمان کے لوگوں نے کس طرح مل جل کر ان اشتہاروں کے خلاف مہم چلائی اور اس میں کامیاب ہوئے یہی اس مضمون کا اصل موضوع ہے۔

۴۵۔ دہلی سیمنار کا موضوع بحث

A SUGGESTION FOR DISCUSSION IN DELHI SEMINAR.

اداریہ ———————— اکتوبر ۱۹۵۲ء

اداریہ میں اڈلٹ ایجوکیشن کے دائرہ عمل پر بحث کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ بہت سے بالغ افراد جو غیر تعلیم یافتہ بالغوں کی صف میں نہیں آتے، اُن کے لئے بھی اڈلٹ ایجوکیشن کی ضرورت ہوتی ہے۔ اداریہ اڈلٹ ایجوکیشن کو خواندگی تک محدود رکھنے کے خلاف سخت احتجاج کرتا ہے اور اس میں دوسرے مضامین کی تعلیم شامل کرنے کی تجویز کرتا ہے۔ ایڈیٹر کے خیال میں ہماری نوخیز جمہوریت کی بقا کے لئے یہ بہت ضروری ہے۔

۴۶۔ دیہات میں تعلیم بالغان کی مشکلات

THE DIFFICULTIES OF ADULT EDUCATION IN VILLAGES.

ڈاکٹر ایس۔ آر۔ رنگا ناتھن ——————— اکتوبر ۱۹۵۲ء

اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان کی ایک مایہ ناز شخصیت ڈاکٹر رنگا ناتھن نے اس مضمون میں اُن دشواریوں کا ذکر کیا ہے جو دیہی علاقوں کے بالغوں کو تعلیم دینے میں پیش آتی ہیں۔ اس طرح کی تعلیم کا دائرۂ عمل متعین کرنا اپنی جگہ خود ایک مسئلہ ہے اور اسی مسئلے سے اپنی بحث کا آغاز کرتے ہوئے فاضل مصنف نے طالب علموں کی حاضری، طریقِ تعلیم اور دوسرے ملکوں کے تجربے جو بیشتر شہراتی علاقوں میں تعلیم دینے کے ہوتے ہیں ان کی نقل کرنے کے نقصانات اور تربیت یافتہ کارکنوں کی فراہمی کے دشوار مسائل پر بحث کی ہے۔ نوخواندہ بالغوں کو ناخواندگی کی طرف لوٹنے سے بچانا بھی بہت ضروری ہے اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن ہو سکتا ہے جب کہ انھیں مفید اور آسان کتابیں دستیاب ہوں۔

۴۷۔ سماجی مرکز کوچہ رحمان کا ایک تجربہ

COMMUNITY CENTRE IN KUCHA RAHMAN

محمد اطہر ——————— اکتوبر ۱۹۵۲ء

دہلی کے ایک سماجی مرکز کے تجربوں اور کامیابیوں کا یہ ایک مختصر تعارف ہے۔

۴۸۔ سوشل ایجوکیشن کے میدان میں نیا نظریہ اپنانے کی ضرورت

THE NEED FOR A NEW IDEOLOGY IN THE FIELD OF SOCIAL EDUCATION.

اداریہ ——————— نومبر ۱۹۵۲ء

ہماری نوخیز جمہوریت میں لاکھوں اور کروڑوں انسانوں پر ترقی کے دروازے کھولنے کے لئے سوشل ایجوکیشن کے تمام کاموں میں ایک تال میل پیدا کرنے کی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے اداریے میں دہلی اسٹیٹ کے سوشل ایجوکیشن کے کاموں کی تعریف کی گئی ہے اور اس نمونے کو سارے ہندوستان میں اختیار کئے جانے کی تجویز کی گئی ہے۔

۴۹۔ بالغوں کے ادب کی تیاری کے لئے کچھ سجھاؤ

SOME SUGGESTIONS FOR THE PREPARATION OF LITERATURE FOR THE ADULTS.

آر اسماعیل ——————— دسمبر ۱۹۵۲ء

یہ مضمون جس میں نوخواندہ بالغوں کے لئے موزوں کتابوں کی تیاری پر بحث کی گئی ہے کتابوں کی تیاری پر مصنف کے ایک طویل انگریزی مقالے کے ایک حصّے کا ترجمہ ہے۔

۵۰۔ تعلیم میں سوشل ایجوکیشن کا مقام

THE PLACE OF SOCIAL EDUCATION IN EDUCATION

دھرمیندر برہمچاری ——————— دسمبر ۱۹۵۲ء

مضمون میں عام تعلیم کے نصاب میں سوشل ایجوکیشن کو شامل کرنے کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔ مصنف کے خیال میں سوشل ایجوکیشن ملک کے لوگوں کی سب سے اہم ضرورت ہے۔

۵۱۔ سماجی تعلیم کے ادب کا مسئلہ

THE PROBLEM OF LITERATURE FOR ADULT EDUCATION

ایس۔ آر۔ رنگاناتھن ——————— دسمبر ۱۹۵۲ء

ڈاکٹر رنگاناتھن کی رائے میں اڈلٹ ایجوکیشن کے میدان میں سب سے بڑی رکاوٹ اس موضوع پر کتابوں کا دستیاب نہ ہونا ہے اس سلسلے میں مصنفوں کی دشواریوں اور رسائل کا ذکر کرتے ہوئے امید ظاہر کی گئی ہے کہ اس کے لئے جلد ہی حالات سازگار ہو جائیں گے۔

۵۲ سماجی مرکزوں کے ذریعہ اچھی صحت اور اونچا رہن سہن

BETTER HEALTH AND HIGHER STANDARD OF LIVING THROUGH COMMUNITY CENTRES.

وی۔ ایم تیسو دیو ——————— جنوری ۱۹۵۳ء

مصنف کی رائے میں ایک سماجی مرکز کا بنیادی کام، صحت عامہ کے معیار کو اونچا اٹھانا، جہالت کو دور کرنا۔ اور لوگوں کے رہن سہن کو اونچا اٹھانا ہے۔ ان سماجی مرکزوں کے بارے میں ایک غلط خیال لوگوں میں رواج پا گیا ہے کہ ان کا کام لوگوں کو پڑھنا لکھنا سکھانے کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا ہے۔ مصنف نے اس غلط فہمی کا ازالہ کیا ہے۔

۵۳۔ سماجی کارکن کام کو کام سمجھ کر کریں، دکھاوا یا اشتہار کے لئے نہیں

SOCIAL WORKERS SHOULD DO THEIR WORK AS DUTY AND NOT FOR SHOW

ڈاکٹر ذاکر حسین ———— جنوری ۱۹۵۳ء

سماجی خدمت کا وہ کام جو محض دکھاوے کے لئے کیا جاتا ہے اس سے فائدے کے مقابلے میں نقصان زیادہ ہوتے ہیں یہ کام سب سے زیادہ ضرورت مند لوگوں کے درمیان ہونا چاہئے اور اسے فرض سمجھ کر کیا جانا چاہئے۔ ڈاکٹر ذاکر صاحب کے اس مختصر مضمون کا یہی مرکزی خیال ہے۔

۵۴۔ کمیونٹی پروجیکٹ اور بیسک ایجوکیشن

COMMUNITY PROJECT AND BASIC EDUCATION

ڈاکٹر سلامت اللہ ———— فروری ۱۹۵۳ء

ڈاکٹر سلامت اللہ صاحب نے جو تعلیم کے ایک ماہر ہیں، کمیونٹی پروجیکٹ اسکیم کے انتظامی افسروں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے بنیادی تعلیم کی اہمیت واضح کی ہے انھوں نے کہا ہے کہ کمیونٹی پروجیکٹ اسکیم کے انتظامی افسروں کو چاہئیے کہ وہ بنیادی تعلیم کے حل طلب مسائل معلوم کریں اور ان کے حل تلاش کریں۔ ڈاکٹر صاحب کو بنیادی تعلیم میں تربیت یافتہ استادوں کی کمی کا احساس ہے مگر انھوں نے ان افسروں سے فرمائش کی ہے کہ جو کچھ بھی انتظام ہے اس سے وہ زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائیں اور اس کمی کو پورا کرنے کی تدبیریں نکالیں جن میں سے بعض کا انھوں نے خود بھی ذکر کیا ہے۔

۵۵۔ پیزنٹس انسٹی ٹیوٹ: ایک منصوبہ

PEASANTS' INSTITUTE — A PLAN

اوم پرکاش گوڑ ———— فروری ۱۹۵۳ء

ہندوستان میں دیہی ترقی کے لئے جو بدیسی طریقے آزمائے گئے ہیں وہ بیشتر ناکام رہے ہیں۔ اس ناکامی کے اسباب بیان کرتے ہوئے شری اوم پرکاش گوڑ نے کہا ہے کہ موجودہ حالات میں ہندوستان کو بدیسی آلات و اوزار اور طریقوں کی ضرورت نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہندوستان میں اس کے اپنے جو ذرائع موجود ہیں انہی کو مناسب طریقے سے استعمال کیا جائے، ان میں اصلاح و ترقی کے لئے مزید چھان بین کی جائے اور انھیں موجودہ ضروریات کے مناسب حال بنایا جائے۔ اس مقصد کے لئے وہ پیزنٹس انسٹی ٹیوٹ کے قیام کا مشورہ دیتے ہیں جہاں ریسرچ کے علاوہ لیڈروں اور ماہروں (ٹکنیشین) کی ٹریننگ بھی ہو۔ مصنف کے تصور کے اس انسٹی ٹیوٹ کی ہر چیز اپنی مخصوص اور عام درسگاہوں سے مختلف ہوگی مثلاً اس کا نصاب اور دروسیات الگ ہوں گی، وہ اپنے کام کے لئے مخصوص قسم کا اپنا الگ ادب تیار کرے گا، اس کے اپنے لوگوں کی لائبریری ہوگی اور اس کے اراکینِ عملہ کے لئے انتخاب کا اپنا ایک الگ طریقہ ہوگا یہاں تک کہ وہ مالی معاملات میں بھی خود مختار ہوگا۔ آخر میں مضمون نگار نے

ان مسائل سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کے کچھ ڈھنگ اور طریقے بھی تجویز کئے ہیں۔

۵۶۔ سماجی طب
SOCIAL HYGIENE

پی۔ سی۔ دتا ———— مارچ۔ اپریل ۱۹۵۳ء

اس مضمون میں اس بات پر بحث کی گئی ہے کہ انسان کی زندگی کو بہتر بنانے میں سماجی طب کی کیا اہمیت ہے اور اس کا مفہوم واضح کیا ہے۔ مضمون نگار نے اسی کے ساتھ یہ بھی واضح کیا ہے کہ صحت کے لئے سماجیات کس طرح اثر انداز ہو سکتی ہے، اور پھر کسی قدر تشریح کے ساتھ یہ بتانے کی بھی کوشش کی ہے کہ سماجی صحت کو سدھارنے میں سماجی کارکنوں کے کیا کیا فرائض اور منصب ہو سکتے ہیں۔

۵۷۔ دیہی یونیورسٹی کا خاکہ
AN OUTLINE OF RURAL UNIVERSITY

شالگ رام پتھک ———— مئی ۱۹۵۳ء

اس مضمون میں مصنف نے ہندوستان کی دیہی یونیورسٹیوں کے بارے میں اپنے تصورات پیش کئے ہیں۔ اس موضوع پر بھی بحث کی گئی ہے کہ ان یونیورسٹیوں میں نصاب تعلیم کس طرح کا ہونا چاہیئے اور ان کے کام کا عام انداز کس ڈھنگ کا ہونا چاہیئے۔

۵۸۔ تعلیم بالغان: خود کفیل زندگی کا واحد ذریعہ
ADULT EDUCATION-THE ONLY WAY TO A SELF-SUFFICIENT LIFE

راما کرشنا پاراشر ———— نومبر ۱۹۵۳ء

راما کرشنا پاراشر صاحب کا نظریہ ہے کہ ہندوستانی عوام میں صدیوں کی غلامی کے سبب سے جو ایک مایوسانہ ذہنیت پیدا ہو گئی ہے اُسے دور کرنے کے لئے تعلیم بالغان ایک بہت ضروری حربہ ہے۔ اس حربے کے استعمال سے عوام کے آزاد دل و دماغ اس قابل ہوں گے کہ وہ ترقیاتی مہموں میں پورے عزم و ارادے کے ساتھ شرکت کریں اور اس طرح اپنی زندگی کو خود کفیل بنائیں۔

۵۹۔ مسائل کا حل، بات چیت کے ذریعے
SOLUTION OF PROBLEMS THROUGH CONVERSATION

من موہن لال ٹنڈن ———— نومبر ۱۹۵۳ء

مصنف نے اس مضمون میں اس بات پر زور دیا ہے کہ آپس کے مسائل کو حل کرنے میں بات چیت کو کتنی اہمیت حاصل ہے۔

آمنے سامنے بیٹھ کر آپس میں بات چیت کرنے سے غلط فہمیاں دور ہو جاتی ہیں، مسئلے کے بارے میں فریق ثانی کے خیالات و احساسات کا علم ہو جاتا ہے اور اس طرح مسئلے کے حل کی راہ معلوم ہو جاتی ہے۔ ایک دوسرے سے بات چیت کرنے کی عادت سے یہ بھی ہوتا ہے کہ ہم خیال لوگوں کی ٹولیاں بن جاتی ہیں جو کمیونٹی یا بستی کی ترقی کے لئے بڑی اہم ضرورت ہے۔ آگے چل کر مصنف نے اچھی اور خوشگوار بات چیت کے ڈھنگ کا ایک مختصر خاکہ بھی پیش کیا ہے اور بتایا ہے کہ بات چیت کی ابتدا کس طرح کرنی چاہیئے اور اُسے اختتام تک کس طرح پہنچانا چاہیئے۔

٦٠۔ وکاس منڈل: اپنی مدد آپ کے اصول پر کام کا ایک تجربہ

DEVELOPMENT COUNCIL-

AN EXPERIMENT OF WORK ON THE BASIS OF CO-OPERATION-

برکت علی فراق ———— نومبر ۱۹۵۳ء

اس مضمون میں اس بات پر بحث کی گئی ہے کہ دیہی علاقوں کے لوگوں کو ترقی کے کاموں کے لئے منظم کرنے کی کتنی اہمیت ہے مضمون نگار نے بتایا ہے کہ اس قسم کی کاؤنسلوں کی تنظیم زیادہ سے زیادہ بے تکلفانہ اور غیر رسمی ہونی چاہیئے اور ان میں ایسے لوگوں کی رکنیت ہونی چاہیئے جو ترقی کے کاموں میں عقیدہ رکھتے ہوں اور پوری پوری مستعدی کے ساتھ ان میں حصہ لینے کے لئے تیار ہوں۔ وہ مختلف کاموں کے انجام دینے کی غرض سے کئی طرح کی ماتحت کمیٹیوں میں تقسیم ہو سکتے ہیں جیسے صحت و صفائی کی کمیٹی، سڑک کی کمیٹی، تعلیم کی کمیٹی وغیرہ۔ اس تنظیم کی بنیاد اس اصول پر ہونی چاہیئے کہ علاقے یا بستی کے مشترک مسائل کے معاملے میں سب لوگ مل کر بات چیت اور تبادلۂ خیال کریں۔

٦١۔ سوشل ایجوکیشن: تعریف، مقصد و منہاج، اور تنظیم

SOCIAL EDUCATION:

ITS DEFINITION, SCOPE AND ORGANIZATION

شمس الرحمٰن محسنی ———— دسمبر ۱۹۵۳ء

یہ مضمون ایک سیمینار کی رپورٹ ہے جو ادارہ تعلیم و ترقی کے کارکنوں نے سوشل ایجوکیشن کے موضوع پر جولائی ۱۹۵۳ء میں منعقد کیا تھا۔ مضمون تین ابواب میں منقسم ہے۔ پہلا باب سوشل ایجوکیشن کے مقاصد سے متعلق ہے دوسرا اس کے پروگرام اور دوسرے کاموں سے اس کے ربط سے اور تیسرا اس کی تنظیم سے۔

٦٢۔ دیہی یونیورسٹی

MULTIPURPOSE SOCIO-BASIC HIGH SCHOOL.

شانگ رام تھپک ——— دسمبر ۱۹۵۳ء اور جنوری ۱۹۵۴ء

مصنف کا ایک نظریہ ہے کہ دیہی یونیورسٹیوں کے ماتحت کثیر المقاصد سماجی بنیادی اسکول ہونے چاہئیں جو دیہات کے لوگوں خصوصاً کسانوں اور دیہی صنعت گروں کی تعلیمی ضرورتوں کو پورا کریں۔ اس مضمون میں انھوں نے اپنی اس اسکیم کی تفصیلات پیش کی ہیں۔ اسی کے ساتھ انھوں نے اس پر بھی بحث کی ہے کہ ان اداروں میں کس قسم کی اور کن منزلوں کی ٹریننگ ہونی چاہیئے، پھر اپنے پلان کی تفصیلات بیان کی ہیں اور آخر میں کہا ہے کہ اس ٹریننگ سے وہ زبردست قوت پیدا ہو سکتی ہے جو ہندوستان کی دیہی آبادی جیسی پسماندہ کمیونٹی کو خوشحال بنانے کے لئے ضروری ہے۔

SOCIAL EDUCATION.

۶۳۔ سوشل ایجوکیشن

شمس الرحمن محسنی ——— فروری ۱۹۵۴ء

ہندوستان میں جدید قومیت کے فروغ کے ساتھ اصلاحِ معاشرت کی جو کوششیں کی جاتی رہی ہیں ان کی مختصر تاریخ بیان کرتے ہوئے مصنف نے اس بات پر بحث کی ہے کہ ان تمام اصلاحی کوششوں کی بنیاد سوشل ایجوکیشن پر رہی ہے۔ ان کا نظریہ ہے کہ سماج کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے والی جتنی قوتیں کام کرتی ہیں ان کا توڑ تعلیم کے ہاتھوں ممکن ہے۔ اسی طرح وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ صورتِ حالات کو تعلیم کا ایک وسیلہ بنایا جا سکتا ہے۔ وہ ایک ایسے سماج کا نقشہ پیش کرتے ہیں جو اشتراک و تعاون کے اصول پر مل کر ترقی اور آزادی کی راہ اپنے آپ پیدا کرے۔ غرض مصنف کا قول ہے کہ یہی سب باتیں سوشل ایجوکیشن کا موضوع اور نصب ہونی چاہئیں۔

THREE IMPORTANT ELEMENTS OF SOCIAL EDUCATION.

۶۴۔ سماجی تعلیم کے تین اہم عناصر

برکت علی فراق ——— مارچ ۱۹۵۴ء

مضمون نگار کے نزدیک تفریحی سرگرمیاں، تعمیری منصوبے اور تعلیم سوشل ایجوکیشن کے تین اہم عناصر ہیں۔ اُن کی رائے ہے کہ زندگی کی یہ تین بنیادی سرگرمیاں سوشل ایجوکیشن کے بہترین وسیلے ہیں اور انھیں اسی حیثیت سے کام میں لانا چاہیئے۔

SURVEY.

سروے

ڈاکٹر ٹی۔ اے۔ کوشی ——— جون ۱۹۵۴ء

اس مضمون میں مضمون نگار نے سوشل ورک کے میدان میں سروے کی اہمیت واضح کی ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ جب تک صورت حالات کا جس میں کام کرنا ہے، پورا پورا اور صحیح جائزہ نہ لے لیا جائے اُس وقت تک کام کا کوئی پروگرام یا منصوبہ آخری شکل اختیار نہیں کر سکتا۔ مصنف نے اس سلسلے میں یہ مشورہ دیا ہے کہ جن لوگوں کے حالاتِ زندگی کا جائزہ لینا ہو اُن کا اِس جائزے سے متعلق ردِعمل بھی ضرور معلوم کرتے رہنا چاہیئے اور انہیں اِس بات کا پورا پورا یقین دلانا چاہیئے کہ جس مقصد کے لئے جائزہ لیا جا رہا ہے اس کے علاوہ اُسے کسی اور مقصد کے لئے استعمال نہیں کیا جائے گا۔

۶۶۔ دورانِ ملازمت کی ٹریننگ اور نگرانی IN-SERVICE TRAINING AND SUPERVISION

شمس الرحمٰن محسنی ———— جولائی ۱۹۵۴ء

ہندوستان کے دیہی علاقوں میں سوشل ایجوکیشن کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے مصنف نے ایک ایسا منصوبہ تیار کیا ہے جو ان کی رائے میں اس طرح کی تعلیم اور ٹریننگ کو مفید اور نتیجہ بخش بنا دے گا۔ سوشل ایجوکیشن میں نگرانی کے مسائل پر بھی مصنف نے بحث کی ہے اور ایسے مشورے دیئے ہیں جن سے ٹریننگ کے کام میں مزید مدد مل سکتی ہے۔

۶۷۔ گاؤں گاؤں میں منصوبہ بندی PLANNING IN EVERY VILLAGE.

ترلوک سنگھ ———— اگست ۱۹۵۴ء

مضمون نگار نے اس مضمون میں اس بات کی حمایت کی ہے کہ قومی منصوبہ بندی میں ایک ایک گاؤں کو شامل کرنا چاہیئے ان کا کہنا ہے کہ گاؤں کی منصوبہ بندی پر قومی منصوبہ بندی کی بنیاد ہونی چاہیئے۔ ان کا مشورہ ہے کہ گاؤں پنچایت، اشتراکی سوسائٹی اور بے کار زمین کی مشترک ملکیت ایسے راستے ہیں جن کے ذریعے گاؤں کا رشتہ پورے ملک سے جوڑا جا سکتا ہے۔

۶۸۔ بستی کی خدمت کے طریقے THE WAYS OF SERVING A VILLAGE.

کرشنا بائی نمبکر ———— ستمبر ۱۹۵۴ء

ڈاکٹر کرشنا بائی نمبکر نے اس مضمون میں اس بات پر زور دیا ہے کہ سوشل ورک کے مختلف میدانوں میں تال میل اور ربط کی بہت ضرورت ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر کام میں عوام کا اشتراک حاصل کیا جائے اور یہ سمجھ لیا جائے کہ سوشل ورکر اور اس سنستھا کے درمیان جس کے ماتحت وہ کام کرتا ہے کیا رشتہ ہے۔ مصنفہ کے نزدیک سوشل ورک کو کسی ایک مرکز کا ماتحت بنانا اکثر اوقات

سوشل ورک کی موت کا پیغام ثابت ہوتا ہے، لہٰذا سوشل ورک کی توسیع اور بڑھتی ہوئی مقبولیت کے ساتھ ساتھ اُسے ایک مرکز کے ماتحت لانے کا جو رجحان عام ہو چلا ہے اُسے روکنے کی ضرورت ہے اور مرکزیت کے رجحان کے برخلاف اُسے زیادہ سے زیادہ آزادی سے کام کرنے کا موقع فراہم کیا جانا چاہیئے۔

۶۹۔ دیہات کی خوشحالی کا مسئلہ THE PROBLEMS OF VILLAGE WELFARE

جی۔ رام چندرن ———————— ستمبر ۱۹۵۴ء

مضمون نگار کی رائے ہے کہ ترقی کا کوئی منصوبہ جب تک وہ ہندوستان کے دیہات کی ضروریات اور مسائل کو سامنے رکھ کر نہیں بنایا جائے گا، صحیح معنی میں قومی منصوبہ نہیں ہو سکتا اس لئے کہ ہندوستانی آبادی کی بھاری اکثریت انہی دیہات میں رہتی ہے۔ کیمونٹی ڈیولیپمنٹ کا منصوبہ اس اعتبار سے بہت مناسب اقدام ہے۔ ان ڈیولیپمنٹ بلاکوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ گاؤں کے رہنے والوں کے جتنے مسائل زندگی ہیں ——— مسئلہ غذا، مسئلہ صحت، گھریلو صنعتوں کی ترقی کا مسئلہ، گاؤں کی اپنی حکومت کی ضرورت اور ان کی اخلاقی زندگی کی اصلاح و ترقی ——— غرض ان سب مسائل کو اپنے سامنے رکھیں اور انھیں اپنے پروگراموں کا جزو بنائیں۔ ترقی اور خوشحالی کی اہمیت اور ضرورت تسلیم ہے، لیکن اسی کے ساتھ گاؤں کی سماجی زندگی کے طور طریق اور روایات کا پاس بھی ہر وقت ملحوظ رکھنا چاہیئے اور انھیں کسی بنیادی تبدیلی کا شکار نہیں بننے دینا چاہیئے۔

۷۰۔ بستی کے لیڈروں کی ٹریننگ THE TRAINING OF VILLAGE LEADERS.

یعقوب خان ———————— اکتوبر ۱۹۵۴ء

اس مضمون میں مصنف نے مختصراً ان تمام گروہوں اور ٹولیوں کا جائزہ لیا ہے جو گاؤں میں عام طور پر پائے جاتے ہیں، اور پھر اس گروہ کی ٹریننگ کے مسئلے پر بحث کی ہے جسے گاؤں کا لیڈر کہا جاتا ہے۔ دیہی لیڈروں کی ٹریننگ ایک مسلسل عمل ہے اور اُس وقت تک جاری رہنا چاہیئے جب تک یہ لیڈر سوشل ورک میں اچھی طرح شرکت کے لئے تیار نہ ہو جائیں۔ مضمون نگار کی رائے کے مطابق گاؤں کے لیڈر کو ہمیشہ کشادہ دل اور عالی ظرف ہونا چاہیئے اسے گاؤں کے لوگوں کے سماجی آداب و اقدار کا پورا پورا علم ہونا چاہیئے اور ان کی عزت کرنی چاہیئے۔ اسی طرح اُسے اپنے طور طریق اور کردار و عمل میں ہر لمحہ محتاط بھی رہنا چاہیئے اس لئے کہ جن لوگوں میں وہ کام کرتا ہے، وہ اس کے کردار و عمل پر ہر وقت نہایت کڑی نگاہ رکھتے ہیں۔

۷۱۔ مدرسہ اور سماج کا تعلق: بیسک ایجوکیشن کے نصاب کا ایک لازمی جزو

THE RELATION OF SCHOOL WITH SOCIETY.

محمد اکرام خاں ———————— نومبر ۱۹۵۴ء

اس مضمون میں مقالہ نگار نے اس بات کی حمایت کی ہے کہ سوشل ورک کو استادوں کی ٹریننگ کے نصاب میں شامل کرنا چاہیئے۔ ہر استاد جو کسی اسکول میں کام کرتا ہے اُسے مدرسے کے ماحول میں سوشل ورک کے پروگرام منظم کرنے کی ٹریننگ ملنی چاہیئے تاکہ اس کے اس کام سے عوام کی بہتری کا سامان کیا جا سکے۔ جب تک یہ انتظام نہیں ہوگا، اس وقت تک عوام کو تعلیم یافتہ بنانے کی تمام کوششیں بے نتیجہ ثابت ہوں گی۔

۷۲۔ ایک نئی راہ

A NEW WAY.

ڈاکٹر ئی۔ اے۔ کوشی ———————— دسمبر ۱۹۵۴ء

یہ مضمون ڈاکٹر کوشی کے ایک انگریزی مضمون مطبوعہ "کرکشیترا" اکتوبر ۱۹۵۴ء کا اردو ترجمہ ہے۔ اس میں مضمون نگار نے کمیونٹی ڈیولپمنٹ پلان کے مختلف پروگراموں سے متعلق کچھ مشورے دیئے ہیں جو بڑی اہمیت کے حامل ہیں۔

۷۳۔ سوشل ویلفیر اور سوشل ایجوکیشن

SOCIAL WELFARE AND SOCIAL EDUCAION.

برکت علی فراق ———————— جنوری ۱۹۵۵ء

اس مضمون میں مصنف نے سوشل ویلفیر اور سوشل ایجوکیشن کے دو مختلف مکاتبِ خیال کے درمیان موازنہ کیا ہے۔ ایک طرف امریکی طرزِ خیال یعنی سوشل ورک ہے اور دوسری طرف وہ مکتبِ خیال ہے جس کی نمائندگی آل انڈیا اڈلٹ ایجوکیشن کانفرنس کرتی ہے۔ اول الذکر اونچی تعلیم پائے ہوئے لوگوں کا ایک طبقہ ہے جسے ہندوستان کی دیہی زندگی سے سرے سے کوئی لگاؤ نہیں ہے اور اگر ہے تو محض برائے نام۔ دوسرا ان لوگوں کا طبقہ ہے جو اگرچہ ملک کی آبادی کے خوشحال اور با اثر طبقے سے تعلق نہیں رکھتے مگر گاؤں سے اور ان کے مسائل سے اُن کا بہت قریب کا تعلق ہے اور دیہی آبادی میں یہ لوگ آزادی ملنے سے بہت پہلے سے کام کرتے رہے ہیں۔ اتنے عرصے تک کام کرتے رہنے سے انھیں جو عملی تجربہ اور معلومات حاصل ہوئی ہے، اس کی سماجی بہبودی کے کام میں بہت بڑی قدر و قیمت ہے اس لئے کہ ہماری دیہی آبادی میں کام کرنے کے لئے یہی وہ چیز ہے جس کی سب سے زیادہ ضرورت ہے،

اور جو خالصۃً علمی نظریات و تصورات کی بھول بھلیوں میں گرفتار نہیں ہے۔

۷۴۔ اسکول اور سماج کا تعلق: ایک تجربہ

THE RELATION BETWEEN SCHOOL AND SOCIETY— AN EXPERIMENT

محمد اکرام خاں ـــــــــــــــ جنوری ۱۹۵۵ء

مصنف نے جو تعلیمی سماجیات کے ماہر ہیں، اسکول کو سماج سے منسلک کرنے کے سلسلے میں اپنا ایک تجربہ بیان کیا ہے یہ تجربہ انھوں نے اوکھلا کے پاس کے ایک گاؤں میں کیا تھا جو بہت کامیاب رہا۔

۷۵۔ ملک کی تعمیر نو میں دیہی عوام کی اہمیت

THE IMPORTANCE OF THE RURAL POPULATION IN THE RECONSTRUCTION OF THE COUNTRY

راما کرشنایار اشر ـــــــــــــــ مارچ ۱۹۵۵ء

اس مضمون میں مصنف نے اس بات پر زور دیا ہے کہ ہندوستان کی دیہی آبادی کی خوشحالی قوم کی نئی تعمیر کا اہم ترین حصہ ہے۔ انھوں نے مشورہ دیا ہے کہ یہ مقصد اس طرح حاصل ہوگا کہ لوگوں کے اندر ـــ جن میں ایک طویل مدت کی محکومی اور بے عملی کے باعث تقدیر پرستی، اور مغلوب الذہنی بُری طرح گھر کر گئی ہے ـــ نئے سرے سے زندگی کی گرمی پہنچائی جائے۔ اگر ان میں امید اور خود اعتمادی کی کیفیت پیدا ہو جائے تو اس سے یہ مقصد بہت جلد اور آسانی سے حاصل ہو سکتا ہے۔

۷۶۔ بستی کی زندگی کا سماجی اور تہذیبی پہلو

THE SOCIAL AND CULTURAL ASPECTS OF COMMUNITY LIFE.

ڈاکٹر آرتھر ای۔ مارگن ـــــــــــــــ مارچ ۱۹۵۵ء

یہ مضمون ڈاکٹر آرتھر ای۔ مارگن کی کتاب "دی اسمال کمیونٹی" کے ایک باب کا ترجمہ ہے۔ اس میں چھوٹی بستیوں کے سماجی اور تہذیبی پہلوؤں پر بحث کی گئی ہے۔ اگرچہ کتاب مذکور امریکہ کی بستیوں سے متعلق ہے تاہم اس میں جو باتیں کہی گئی ہیں ان ہندوستان کی چھوٹی بستیوں پر بھی بہت حد تک صادق آتی ہیں۔

۷۷۔ قدروں کو بدلنے والا انقلاب

THE REVOLUTION THAT BRINGS ABOUT CHANGE IN VALUES.

آچاریہ ونوبا بھاوے ———— اپریل ۱۹۵۵ء

اس مضمون میں آچاریہ جی نے ایک نہایت اہم موضوع پر بحث کی ہے یعنی آیا ایک صحت مند سماج کی تعمیر حکومت کی سرکاری کوششوں سے ممکن ہے یا اس کے لئے عوام کی اپنی آزاد جدوجہد کی ضرورت ہے۔ ظاہر بات ہے وہ موخرالذکر کے نہ صرف حق میں ہیں بلکہ ان کا خیال ہے کہ اس کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔ وہ ایک اشتراکی سماج کے حامی ہیں جس کی بنیاد اہنسا اور باہمی اشتراک و تعاون پر ہوگی اور جو دوسری قسم کی دستوری یا پارلیمنٹری اشتراکیت سے قطعاً مختلف ہوگی۔

۷۸۔ بنیادی تعلیم میں تعلیم بالغان کا پہلو

THE ASPECT OF ADULT EDUCATION IN BASIC EDUCATION.

راما کرشنا پاراشر ———— مئی ۱۹۵۵ء

جیسا کہ مضمون کے عنوان سے ظاہر ہے، مضمون نگار کا نظریہ ہے کہ تعلیم بالغان کو بنیادی تعلیم کا ایک جزو ہونا چاہیئے اس لئے کہ بنیادی تعلیم بچے کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے اور اس کا یہ منصب اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک اس کی تعلیم و تربیت کے احاطے میں اس کے گھر کی پوری زندگی کو بھی نہ لے لیا جائے۔ بچے کی جو طرز تعلیم اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک والدین کو یہ نہ جتلا دیا جائے کہ بچے کے لئے ضروری اور صحت مند ماحول کس طرح مہیا کیا جا سکتا ہے۔ والدین کی یہ تربیت تعلیم بالغان کی تعریف ہی میں آتی ہے۔

۷۹۔ سوشل ایجوکیشن کس لئے؟

WHY SOCIAL EDUCATION?

برکت علی فراق ———— مئی ۱۹۵۵ء

مصنف نے اس مضمون میں سوشل ایجوکیشن کی عام طور پر تسلیم شدہ تعریف کی وضاحت کرتے ہوئے اس ذہنی کشمکش کی طرف اشارہ کیا ہے جو مستقبل کے ہندوستانی سماج کے روپ کے بارے میں سوشل ایجوکیشن کا کام کرنے والوں کے دماغ میں برپا ہے۔ وہ سوچتے ہیں کہ کیا کریں کیا نہ کریں؟ آیا وہ ترقی پسند صنعتی سماج کی سمت میں لوگوں کی رہنمائی کریں یا انھیں گاندھی جی کے

شہر دوسرے سماج کی طرف لے جائیں جو صنعتی سماج اور میکانکی تہذیب کا مخالف ہے؟ اس ذہنی کشمکش کو صاف کرنے کی غرض سے مصنف نے اپنے اس سوال کا جواب مہیا کرنے کی دعوت دی ہے۔

۸۰۔ سوشل ایجوکیشن کس لئے؟

WHY SOCIAL EDUCATION?

پروفیسر محمد عاقل ———— جون ۱۹۵۵ء

فراق صاحب نے گذشتہ پرچے میں جو سوال اٹھایا تھا، اس مضمون میں مصنف نے اسی کا جواب دیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جس ذہنی کشمکش کی طرف فراق صاحب نے اشارہ کیا ہے وہ اب قصۂ ماضی بن چکی ہے۔ ہندوستان نے منصوبہ بند معیشت (PLANNED ECONOMY) کا راستہ اختیار کیا ہے جس میں معیشت کے دونوں نظاموں کے لئے جگہ ہے اس لئے کہ موجودہ حالات میں یہ دونوں نظام ناگزیر ہیں۔ ہندوستان کا کام نہ صنعتی ترقی کے بغیر چل سکتا ہے نہ گھریلو صنعتوں کو نظرانداز کرکے چل سکتا ہے۔ ان دونوں کو فروغ دینے کی ضرورت ہے اور پنڈت جواہرلال کی زندگی بخش رہنمائی کی بدولت اس کشمکش میں جو آزادی سے پہلے کے دنوں میں اکثر لوگوں کو پریشان کئے رہتی تھی، نہایت عمدگی سے مفاہمت ہو گئی ہے۔

۸۱۔ بے پڑھے اور کم پڑھے بالغوں کے لئے تعلیمی سامان کی تیاری

PREPARATION OF EDUCATIONAL MATERIAL FOR NEO-LITERATES.

پروفیسر محمد عاقل ———— جولائی ۱۹۵۵ء

اس مضمون میں بے پڑھے اور کم پڑھے بالغوں کے لئے مطالعے کا مواد تیار کرنے کے اصول اور نہج بیان کئے گئے ہیں۔ ان اصولوں میں سے چند کو لے کر ان پر بحث کی گئی ہے اور جگہ جگہ بیرونی ممالک کے اس سلسلے کے تجربات کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

۸۲۔ قومی زندگی میں سوشل ایجوکیشن کا درجہ

THE PLACE OF SOCIAL EDUCATION IN NATIONAL LIFE.

خواجہ غلام السیدین ———— دسمبر ۱۹۵۵ء

اس مضمون میں مصنف نے ہندوستان میں سوشل ایجوکیشن کی قدیم اور جدید تاریخ بیان کرنے کے بعد یہ خیال پیش کیا ہے کہ سوشل ایجوکیشن نئے ہندوستان میں سیاسی استحکام، اقتصادی ترقی اور سماجی بہبود کے لئے بہت بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

سوشل ایجوکیشن کا مقصد و منشا لوگوں کی زندگی میں خوشحالی پیدا کرنا ہے اور یہ وہ مقصد ہے جو نہ صرف یہ کہ قوم کی ترقی کے لئے اہم ہے بلکہ اس کے خود وجود کے لئے ضروری ہے۔

۸۳۔ آوازوں اور تصویروں کے ذریعے تعلیم

EDUCATION THROUGH AUDIO-VISUAL MEDIAS.

نکی رام گپتا ——————— فروری ۱۹۵۶ء

مصنف نے اس مضمون میں تعلیم کے قدیم زبانی طریقوں اور جدید سماعی بصری طریقے کا باہم موازنہ کیا ہے اور موخرالذکر کی افادیت اور تاثیر کا نہایت مدلل ثبوت پیش کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ جدید سماعی بصری طریقہ تعلیم کے ذریعے کم سے کم محنت سے مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور جو بات کہنی ہوتی ہے اسے طالب علم اپنے آپ بے کہے سنے قبول کر لیتا ہے۔ اس کے علاوہ قدیم طریقہ تعلیم کے مطابق تعلیم دینے سے کہی ہوئی بات کا اثر اتنا دیرپا نہیں ہوتا جتنا اس ذریعے سے ہوتا ہے۔ ان دلائل کی بنیاد پر مصنف نے سماعی بصری طریقہ تعلیم کی بڑے زوروں میں سفارش کی ہے اور اسے زیادہ سے زیادہ مقبول بنانے پر زور دیا ہے۔

۸۴۔ کمیونٹی کی ترقی میں تعلیم بالغان کا حصہ

ROLE OF SOCIAL EDUCATION IN COMMUNITY DEVELOPMENT.

سوہن سنگھ ——————— مارچ ۱۹۵۶ء

مصنف کے تصور کے مطابق کمیونٹی کو ترقی کی راہ پر ڈالنے میں سوشل ایجوکیشن اصلاحی تعلیم کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ سماجی انتشار اور ابتری کو بڑھنے سے روکتی ہے، سماج میں افہام و تفہیم کی فضا پیدا کرتی ہے، تحقیق اور ریسرچ کے مرکزوں اور گاؤں کی زندگی کے درمیان رشتہ جوڑتی ہے اور بستی کے مردوں اور عورتوں کے ذہنوں میں کشادگی اور وسعت پیدا کرتی ہے اور اس اعتبار سے اس کا مفہوم اور منشا انہی مذکورہ بالا پانچ منصوبوں کی روشنی میں متعین کیا جانا چاہیئے۔ اس لحاظ سے سوشل ایجوکیشن ایک مکمل نظام تعلیم ہے جو اپنی ترقی یافتہ منزل میں سائنس اور مشین کی تعلیم (TECHNOLOGICAL EDUCATION) کی شکل اختیار کر لیتی ہے اور غیر شعوری طور پر آہستہ آہستہ عام تعلیمی نظام میں مدغم ہو جاتی ہے۔

۸۵۔ تعلیم بالغان اور امداد باہمی

ADULT EDUCATION AND CO-OPERATION.

شانتا نرولکر اور مارجری سائکس ——————— اپریل ۱۹۵۶ء

مصنفوں نے دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں کی دیہی آبادی کے مقابلے میں ہندوستان کی دیہی آبادی کی زبوں حالی کی داستان بیان کرتے ہوئے اس صورت حال کے اسباب بیان کئے ہیں اور اس کے کچھ علاج تجویز کئے ہیں۔ مصنفوں کا خیال ہے کہ ہندوستانی گاؤں کے لوگوں میں جو قدرت کی عطا کی ہوئی صلاحیتوں کے اعتبار سے کسی سے پیچھے نہیں ہیں، خود اعتمادی پیدا کی جا سکتی ہے اور اس طرح ان کو سہکاری کاروبار کی معلومات بہم پہنچا کر انھیں ترقی اور خوشحالی کی راہ پر لگایا جا سکتا ہے۔ یہ مقصد مصنفوں کے نزدیک، صرف سوشل ایجوکیشن کے ذریعے حاصل ہو سکتا ہے۔

۸۶۔ فنڈامنٹل ایجوکیشن، اڈلٹ ایجوکیشن اور خواندگی

FUNDAMENTAL EDUCATION, ADULT EDUCATION AND LITERACY.

ایچ۔ ڈبلیو۔ ہوپس ——————— اپریل ۱۹۵۶ء

مصنف نے اس مضمون میں فنڈامنٹل ایجوکیشن، اڈلٹ ایجوکیشن اور خواندگی کی تعریف بیان کرتے ہوئے ہر ایک کا دوسرے سے فرق واضح کیا ہے۔

۸۷۔ جمہوریت میں سوشل ایجوکیشن کی اہمیت

THE IMPORTANCE OF SOCIAL EDUCATION IN DEMOCRACY.

پیرن دیکھریا ——————— مئی ۱۹۵۶ء

مصنف کا خیال ہے کہ مختلف طریقوں سے دی جانے والی سوشل ایجوکیشن کسی ریاست میں جمہوریت اور آزادی کی بقا و استحکام کے لئے نہایت ضروری ہے۔ سوشل ایجوکیشن کے بغیر کسی جمہوری ریاست میں ترقی اور آزادی کے خواب پورے نہیں ہو سکتے۔ اس قسم کی سماجی تعلیم بہم پہنچانے کے لئے ایک معقول و مناسب ادب کی تشکیل و تعمیر بہت عظیم الشان کام ہے اور اس کی خاکہ بندی بڑی احتیاط کے ساتھ کی جانی چاہئے۔

۸۸۔ تعلیم میں امدادی ذرائع کی فائدہ مندی کی جانچ

MATERIAL AIDS IN EDUCATION

ناس ——————— مئی ۱۹۶۰ء

اس مقالے میں مضمون نگار نے سمعی بصری ذرائع تعلیم کا دوسرے طریقوں سے موازنہ کرتے ہوئے اس کی افادیت اور قدر و قیمت کی جانچ کی ہے۔ وہ ان ذرائع کو تعلیم کے دوسرے طریقوں کا بدل نہیں مانتے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگرچہ ان ذرائع سے مضمون کی پوری پوری تصویر سامنے آجاتی ہے کہ چاہے اس کی تعلیم کسی کو بھی دی جائے، مگر ان کا اثر اتنا دیرپا نہیں ہوتا۔ اصلیت یہ ہے کہ یہ وسیلۂ تعلیم کے دوسرے طریقوں کے لئے امدادی حیثیت رکھتے ہیں اور اس حیثیت سے مصنف کے نزدیک ان کی افادیت بہت زیادہ ہے بشرطیکہ ان میں مزید تحقیق اور ریسرچ کا سلسلہ جاری رہے۔

۸۹۔ اشتراکی نظام میں تعلیم

EDUCATION IN SOCIALISTIC SOCIETY

پروفیسر ہمایوں کبیر ——————— جولائی ۱۹۵۶ء

مقالہ نگار نے اشتراکیت اور جمہوریت اور مساوات کے درمیان جو رشتہ ہے، اس کی وضاحت کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا ہے کہ اشتراکی نوعیت کی ریاست میں تعلیم کی بہت زیادہ اہمیت ہے۔ اُن کا عقیدہ ہے کہ ہر شخص کو سرداری اور لیڈرشپ کے یکساں مواقع بہم نہیں پہنچائے جا سکتے جب تک ہر شخص کو تعلیم کے یکساں مواقع حاصل نہ ہوں۔

اس عقیدے کو بنیاد بنا کر مصنف نے آگے چل کر اس کی ترکیبیں بتائی ہیں اور پسماندہ طبقے کے بچوں اور غریب مگر ذہین بچوں کو وظیفے دینا اس منزل پر پہنچنے کی ایک تدبیر قرار دی ہے۔ مصنف نے بہر حال اس موضوع پر اپنے اس مقالے میں تفصیل سے بحث کی ہے۔

۹۰۔ کمیونٹی کی ترقی میں تعلیم بالغان کی اہمیت

ROLE OF ADULT EDUCATION IN COMMUNITY DEVELOPMENT.

مہر چند ناماوتی ——————— جولائی ۱۹۵۶ء

لفظ "کمیونٹی" کی وضاحت کرتے ہوئے مصنف نے ان مشترک مسائل کی طرف اشارہ کیا ہے جو لوگوں کے ایک ساتھ رہنے سہنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ مصنف کا کہنا ہے کہ تعلیم بالغان کو لوگوں کی تعلیم و تربیت کر کے ان مسائل کا حل بہم پہنچانا چاہیئے اور یہی ابتدائی تعلیم و تربیت آہستہ آہستہ آگے کی اونچی تعلیم کی شکل بھی اختیار کر سکتی ہے۔ اس تعلیم و تربیت سے جو افراد فائدہ اٹھائیں گے، وہ پورے سماج کو متاثر کریں گے اور اس طرح سماج ترقی کی راہ پر پڑ جائے گا۔

۹۱۔ سماج سیوا کی ماہیت

THE NATURE OF SOCIAL WORK.

راجا رام شاستری ـــــــ اگست، ستمبر، اکتوبر ۱۹۵۶ء

مصنف کے نظریئے کے مطابق سوشل سروس خیرات کے قدیم طریق کار ہی کی نئی شکل ہے اور اس زمانے میں ضروری نہیں کہ یہ خیرات مالی امداد کی شکل ہی میں ہو۔ سماج کے ضرورت مند طبقے کو کوئی فرد یا جماعت یا سماج کوئی نفع بخش چیز دے دے یا اس کے لئے کوئی ایسا کام انجام دے جس سے اس طبقے کی ضرورتیں پوری ہو جائیں تو یہ سوشل سروس ہوگی۔ جدید سماج کا عام رجحان عدم مساوات سے مساوات کی طرف ہے۔ سماج کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اگر اس کا کوئی طبقہ صنعتیت کے بدلتے ہوئے دھارے کا شکار ہو رہا ہو تو وہ اسے سہارا دے اور اُس کی حفاظت کرے۔ مصنف نے ان بیانات کے بعد موجودہ دور میں سماجی قانون سازی (یعنی ایسے قوانین اور ضابطے جو حکومت کی طرف سے افراد پر عائد ہوتے ہیں) کی ضرورت پر بھی زور دیا ہے اور اس کا خاکہ پیش کیا ہے۔

مقالے کے دوسرے حصے میں ہندوستان میں سماج سیوا کے تین مختلف دوروں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ ہر دور میں اس کی اہمیت بیان کی گئی ہے اور پسماندہ اور ترقی یافتہ ملکوں میں سوشل ورک کا جو فلسفہ ہے ۔۔اس کی تشریح کی گئی ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سماج سیوا کے سلسلے میں انفرادی کوششوں اور اجتماعی کوششوں کے درمیان کیا فرق ہوتا ہے۔

۹۲۔ دیہات کی ترقی میں سماجی تعلیم کا حصہ

ROLE OF SOCIAL EDUCATION IN RURAL DEVELOPMENT

پروفیسر محمد مجیب ـــــــ دسمبر ۱۹۵۶ء

مقالہ نگار نے یہ نظریہ قائم کر کے کہ کسی ملک کے ترقیاتی منصوبوں کی بنیاد سوائے سوشل ایجوکیشن کے کسی دوسری چیز پر نہیں رکھی جا سکتی، دوسرے ملکوں کی مثالیں پیش کی ہیں جہاں دیہات کی زندگی بدل کر کچھ سے کچھ ہو گئی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ ہندوستان میں ہماری کچھ بنیادی روایات ہیں۔ جب تک ان روایات پر بدلے ہوئے حالات کے پس منظر میں سوچ بچار نہ کیا جائے گا اور ان کے تضادات کو ختم نہ کیا جائے گا، اس وقت تک دیہات کو ترقی دینے کے کام میں کامیابی مشکل ہوگی۔

۹۳۔ دیہی ترقی کے کام میں سوشل ایجوکیشن کا حصہ

SOCIAL EDUCATION IN RURAL DEVELOPMENT WORKS.

شنالگ رام تیچک ـــــــ دسمبر ۱۹۵۶ء

مضمون نگار کی رائے میں ترقی کے ایک دوسرے سے متضاد دو راستے ہیں۔ ایک کے لیڈر رہبر ہیں جو نجبا لہ پلانوں کے ذریعے ملک کو ترقی دینا چاہتے ہیں اور دوسرے کے لیڈر ونوبا ہیں جن کا مت یہ ہے کہ ترقی کی کوششوں میں حکومت کی کم سے کم مداخلت ہونی چاہیئے۔ مضمون کے مصنف کو امید کی جھلک دونوں کی ایک مشترک شکل میں نظر آتی ہے اور اسی بنیاد پر وہ نئے گاؤں کا ایک بالکل نیا نقشہ پیش کرتے ہیں۔ اس نقشے کو بروئے کار لانے میں ان کا خیال ہے سوشل ایجوکیشن کا ایک نہایت نمایاں کردار ہو سکتا ہے۔

۹۴۔ دیہات کی نئی تعمیر اور سوشل ایجوکیشن

SOCIAL EDUCATION AND RURAL RECONSTRUCTION

ایس۔ راگھون ــــــــــ دسمبر ۱۹۵۶ء

مضمون نگار کی رائے میں سوشل ایجوکیشن کا مقصد و مدعا حکومت کے مختلف ترقیاتی پروگراموں کے بارے میں معلومات بہم پہنچانا اور ان کی تربیت کرنا ہے۔ اگر یہ ہو جائے تو ملک میں انسانوں کی جو زبردست قوت موجود ہے اس سے اچھی طرح کام لیا جا سکتا ہے اور عوام کو باہم اشتراک و تعاون کے ساتھ کام کرنے کے لئے آمادہ کیا جا سکتا ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو سوشل ایجوکیشن کا منصب ملک کے ہر فرد کو قوم کا مستعد اور محنتی شہری بنانا ہے۔

۹۵۔ دیہات کی نئی تعمیر کا ایک راستہ: کمیونٹی آرگنائزیشن

A WAY FOR RURAL RECONSTRUCTION.

کے۔ ڈی۔ گنگراڈے ــــــــــ دسمبر ۱۹۵۶ء

اس مقالے کے ذریعے مقالہ نگار نے کمیونٹی ڈیولپمنٹ اور ایکسٹنشن سروسوں کی منصوبہ بندی اور انجام دہی کرنے والوں کو چند مفید اور اچھے مشورے دیئے ہیں کمیونٹی آرگنائزیشن میں، مصنف کا کہنا ہے، پلاننگ اور منصوبہ بندی کی بہت بڑی اہمیت ہے، مگر منصوبہ بندی اور منصوبے کی انجام دہی میں عوام کا اشتراک اور سہجوگ بھی اتنا ہی ضروری اور اہم ہے اور ان منصوبوں کو انجام تک پہنچانے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس اشتراک اور سہجوگ کی تنظیم پوری ذمہ داری کے ساتھ کریں۔

۹۶۔ دیہی علاقوں میں سماجی تعلیم

SOCIAL EDUCATION IN RURAL AREAS.

رام ساگر شاہی ــــــــــ دسمبر ۱۹۵۶ء

گاؤں کے مختلف طبقوں میں مختلف عمروں کے جتنے لوگ ان پڑھ ہیں، ان کا اعداد و شمار کی روشنی میں جائزہ لینے کے
مضمون نگار نے بتایا ہے کہ اتنی بڑی آبادی کو لکھانا پڑھانا کتنا اہم مسئلہ ہے۔ اس کے بعد انھوں نے یہ بتایا ہے کہ مختلف عمروں کے
کے لئے کس قسم کی تعلیم کی ضرورت ہے۔ پھر ان ناخواندہ لوگوں کے علاوہ جو پڑھے لکھے لوگ ہیں، ان کے تعلیمی معیار کو اونچا کرنا
اسی قدر ضروری ہے۔

۹۷۔ کمیونٹی ڈیولپمنٹ: ایک لمحۂ فکر

COMMUNITY DEVELOPMENT: A THOUGHT PROVOKING MOMENT.

ڈاکٹر ٹی۔ اے۔ کوشی ———— جنوری ۱۹۵۶ء

ایک گاؤں کی مثال دے کر جہاں سینچائی کی آسانیاں حاصل ہونے سے بڑی تیزی کے ساتھ تبدیلی آئی، مصنف نے
ہے کہ دیہی سماج میں مادّی ترقی کے ساتھ یہ بھی ہوتا ہے کہ قدیم اور انسان دوستانہ قدروں پر زوال آجاتا ہے۔ اس حقیقت
پیش نظر مصنف نے مشورہ دیا ہے کہ ہمارے کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے پروگراموں میں ساجی مسئلے کے اس پہلو کو نظرانداز نہیں
اور اس مقصد کے لئے سوشل ایجوکیشن کے پروگراموں میں ایسی باتیں شامل کرنی چاہئیں جو اس ممکن خطرے کا توڑ کر سکیں۔

۹۸۔ سوشل ایجوکیشن کیا ہے اور کیوں؟

WHAT IS SOCIAL EDUCATION AND WHAT IS ITS NECESSITY.

سوہن سنگھ ———— فروری ۱۹۵۶ء

مصنف کی تعریف کے مطابق سوشل ایجوکیشن ایک وسیلہ ہے جس سے کسی ملک کے پسماندہ طبقے آبادی کے ترقی یافتہ طبقوں
کے دوش بدوش آسکیں، لہٰذا سوشل ایجوکیشن کی بنیاد زندگی کے ہر میدان میں مساوات، خوشحالی، اشتراک و تعاون، امن
اور آزادیوں کے اصولوں پر ہونی چاہئے۔ سوشل ایجوکیشن کے کارکن کا واسطہ قدرتی طور پر جماعتوں اور اداروں
کمیونٹی سینٹر، پنچایت اور مختلف عمر کے لوگوں کی ٹولیوں سے ہوتا ہے اور اس کے سامنے کام کا جو میدان ہوتا ہے وہ
وسیع اور مختلف النوع ہے کہ اس کے احاطے میں غذا، کھیتی باڑی، صنعت و حرفت، صحت و صفائی، تفریح اور دل بہلاؤ، تہذیب
تمدن، تعلیم اور خواندگی، سبھی چیزیں آجاتی ہیں۔

۹۹۔ شہراتی علاقوں میں سماجی تعلیم

SOCIAL EDUCATION IN URBAN AREAS.

بی۔ ایم۔ کپاڈیا ____ اپریل ۱۹۵۶ء

شہراتی سماج اور اس کے مختلف طبقوں کی خصوصیتیں بیان کرنے کے بعد مصنف نے مزدوروں کی تعلیم کی ضرورت پہ زور دیا ہے اور کہا ہے کہ اس تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کے لئے پیشوں کی ٹریننگ کے انتظامات بھی ہونے چاہئیں۔ شہراتی زندگی کی مخصوص نوعیت کے نتیجے کے طور پر جو مشکل اور تکلیف دہ مسائل پیدا ہو جاتے ہیں، انھیں حل کرنے کے لئے بڑی سمجھ داری سے سماجی ٹریننگ دینے کی ضرورت ہے۔ اس کام کو جو ادارے اپنے ہاتھوں میں لے سکتے ہیں وہ ٹریڈ یونینیں ہیں، متوسط طبقے کے لوگوں کی تنظیمیں ہیں، یونیورسٹیاں ہیں، سرکاری ادارے اور دولت مند لوگوں کی قائم کی ہوئی سنستھائیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے طور پہ الگ الگ کام کرے گا مگر یہ کام مفید اور نتیجہ خیز اُسی وقت ہوگا جب ان میں باہم اشتراک ہو۔

۹۴

ADULT EDUCATION.

۱۰۰۔ تعلیم بالغان

اوم پرکاش گوڑ ____ مئی جون ۱۹۵۶ء

تعلیم بالغان کے مفہوم اور حدود کار کے سلسلے میں غلط فہمیاں دور ہو گئی ہیں۔ مصنف نے اس چیز کو بہت مبارک کہا ہے اور اسی کے ساتھ اس کی مزید تشریح کی ہے موجودہ عہد میں اس سے جو مراد لی جاتی ہے اس کا انھوں نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ ان کا بیان ہے کہ تعلیم بالغان کی اصطلاح اتنی سیدھی سادی نہیں ہے جتنی اب سے کچھ عرصہ پہلے سمجھی جاتی تھی چنانچہ اسے چلانے کے لئے ایک مخصوص ٹریننگ پائے ہوئے اور دھن کے پکے کارکنوں کی ضرورت ہے۔

۹۵

مضمون کے دوسرے حصے میں گوڑ صاحب نے اُن مختلف مسائل پر بحث کی ہے جو تعلیم بالغان کا کام کرنے کے سلسلے میں عموماً سامنے آتے ہیں اور کارکنوں کو مشورہ دیا ہے کہ گاؤں والوں میں انھیں کام یہ سمجھ کر کرنا چاہئے کہ وہ ان کے افسر یا استاد نہیں بلکہ ان کے دوست اور مُشیر کار ہیں۔

BASIC EDUCATION.

۱۰۱۔ بنیادی تعلیم کا منصوبہ

شمس الدین ____ جون ۱۹۵۶ء

بنیادی تعلیم کے لئے مہاتما گاندھی کے منصوبے کے پیچھے جو اسباب اور مصلحتیں تھیں، ان کی وضاحت کرتے ہوئے مصنف نے خیال ظاہر کیا ہے کہ ہندوستان جیسے افلاس زدہ ملک کے لئے تعلیم کا یہ منصوبہ نہایت موزوں تھا۔ اس کے علاوہ مادری زبان کو ذریعہ تعلیم قرار دینا اور کام کے ذریعے سیکھنے کا اصول وہ چیزیں ہیں جن کی تعلیمی دنیا میں بہت اہمیت ہے۔ مصنف نے گاندھی جی کے

۹۶

کے ان جوابات کی طرف بھی اشارہ کیا ہے جو انھوں نے بنیادی تعلیم پر نکتہ چینی کرنے والوں کو وقتاً فوقتاً دیئے ہیں اور آخر میں یہ بتایا ہے کہ تفصیلات کے معاملے میں اس منصوبے میں تبدیلیاں ممکن ہیں۔

۱۰۲۔ سوشل ایجوکیشن: سماجی انقلاب کی تعلیم

SOCIAL EDUCATION- EDUCATION IN SOCIAL REVOLUTION.

برکت علی فراق ______________ جولائی ۱۹۵۷ء

سوسائٹی کے اوپر ماحول کا بڑا زبردست اثر پڑتا ہے، اس نکتے کی وضاحت کرتے ہوئے مضمون نگار نے اس بات پر زور دیا ہے کہ سوشل ایجوکیشن کے اثر سے ماحول میں اصلاح اور بہتری پیدا ہوگی اور اس طرح سماج میں خود بخود اصلاح اور بہتری آجائے گی۔ اس اعتبار سے سوشل ایجوکیشن آنے والے سماجی انقلاب کے لئے راستہ ہموار کرنے کا ایک وسیلہ ہے مگر اس انقلاب کا عمل سیاسی انقلاب کے مقابلے میں بہت خاموش اور پُرامن ہوتا ہے۔

۱۰۳۔ ایکس ٹنشن ورکرز کی ٹریننگ

THE TRAINING OF EXTENSION WORKERS.

ٹی۔ آر بیٹن ______________ ستمبر ۱۹۵۷ء

اس مقالے میں ایکس ٹنشن کے کارکنوں کی ٹریننگ کے اوپر زور دیا گیا ہے، جو آگے چل کر کمیونٹی ڈیولپمنٹ کے منصوبوں کو انجام دیں گے۔ یہ ٹریننگ کس نوعیت کی ہونی چاہیئے اور اس کا طریقہ کیا ہونا چاہیئے، اس موضوع پر بھی بڑی تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

۱۰۴۔ سوویٹ یونین میں زراعت کی کایا پلٹنے میں کسان سبھاؤں کا کردار

THE ROLE OF THE PEASANTS' UNION IN BRINGING ABOUT AGRICULTURAL REVOLUTION IN THE SOVIET UNION.

آئی۔ بیریکن ______________ ستمبر ۱۹۵۷ء

سوویٹ یونین میں زراعت کی کایا پلٹنے کے لئے کسان سبھاؤں نے جو پارٹ ادا کیا ہے اس مضمون میں اسی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ یہ کسان سبھائیں اشتراکی انقلاب کے فوراً بعد ہی بنی تھیں اور انھوں نے زراعتی اوزار اور مشینیں خریدنے اور پیداوار کی کھپت کے معاملے میں کسانوں کی بڑی مستعدی کے ساتھ مدد کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چھوٹے چھوٹے کسان بڑے بڑے کسانوں کا شکار ہونے سے

بچ گئے اس دور کے بعد جب وہاں صنعتیت کا دور آیا اور صنعتی ترقی کی رفتار تیز ہو گئی تو ان کسان سبھاؤں نے ملک بھر میں مشترک کھیتی (COLLECTIVE FARMING) کا رواج شروع کر دیا۔

۱۰۵۔ ترقی کی پیمائش EVALUATION OF PROGRESS.

فنڈامنٹل ایجوکیشن بلیٹین ———— نومبر ۱۹۵۷ء

یہ سماہی "فنڈامنٹل ایجوکیشن بلیٹین" کے ایک مضمون کا ترجمہ ہے جس میں سماجی ترقی کی پیمائش کے لئے مختلف طریقوں پر روشنی ڈالی گئی ہے اور بتایا گیا ہے کہ سماجی ترقی کے لئے جو پروگرام چلائے جاتے ہیں، ان کے بارے میں اعداد و شمار اور دوسرے ذریعوں سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب ہوئے ہیں۔

۱۰۶۔ مزدوروں کی تعلیم کس طرف؟ WHITHER WORKERS' EDUCATION

بی۔ ایم۔ کپاڈیا ———— دسمبر ۱۹۵۷ء

مقالہ نگار نے اس مضمون میں مزدوروں کی تعلیم کے موضوع پر بحث کی ہے۔ اس سلسلے میں پہلے انھوں نے مزدوروں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور اس کے بعد ان کی زندگی میں اصلاح اور خوشحالی پیدا کرنے کے سلسلے میں تعلیم کی اہمیت پر زور دیا ہے۔

اس بحث کے بعد مصنف نے مزدوروں کی تعلیم سے متعلق مختلف سیمناروں اور سفارشات کی روشنی میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ مزدوروں کی تعلیم میں مزدور سبھائیت کی تعلیم کی بڑی اہمیت ہے اس لئے کہ اسی کے ذریعے ان کے مختلف طبقات کے مسائل کا حل ہو سکتا ہے اسی ضمن میں مصنف نے مزدوروں کی تعلیم کے معاملے میں سوشل ایجوکیشن کی افادیت اور اہمیت کے موضوع پر تفصیل سے لکھا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اس قسم کی تعلیم کا کیا طریقہ اور تنظیم کا کیا نہج ہونا چاہیئے۔

۱۰۷۔ کارخانوں کے مزدوروں کی تعلیم EDUCATION OF FACTORY WORKERS.

شانگ رام تھپک ———— دسمبر ۱۹۵۷ء

شری شانگ رام تھپک کا تعلق اگرچہ خاص طور سے دیہی آبادی کی تعلیم سے ہے، لیکن اس کے باوجود انھوں نے کارخانوں